ہے آدمی بجائے خود اک محشر خیال
ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں

شبستان دہلی

اردو زبان کا سب سے ارزاں بہترین ماہنامہ رسالہ

ادبی سیاسی تاریخی مضامین ...

مقامِ اشاعت اردو بازار جامع مسجد دہلی

ماہنامہ محشر خیال دہلی

نگران: مولانا [illegible]

ایڈیٹر: اسرار احمد آزاد

اسیر زنگ — عبدالحی فاروقی

جلد ۱۴ — نمبر ۱

بابت ماہ جولائی ۱۹۴۱ء

چندہ سالانہ: ہندوستان، عدن، سیلون سے بذریعہ منی آرڈر دو روپے، برما سے بذریعہ منی آرڈر
غیر ممالک سے پانچ شلنگ بذریعہ پوسٹل آرڈر

مضامین پر ایک نظر

از عبدالحق فاروقی

محشر خیال کے دورِ جدید کا یہ دوسرا نقش ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ

نقاش نقشِ ثانی بہتر کشد ز اول

کے مصداق یہ اشاعت گذشتہ اشاعت کے مقابلہ میں ہر اعتبار سے بہتر ہے گذشتہ اشاعت کی ترتیب و تدوین میں اگرچہ وقت کی قلت اور آغازِ کار کی مشکلات حائل تھیں لیکن پھر بھی میرے رفیق کار جناب مولانا اسرار احمد صاحب آزاد نے اسے جس محنت، قابلیت اور کاوش کے ساتھ مرتب کیا وہ قارئینِ محشر خیال سے پوشیدہ نہیں اور اس محنت و کاوش کے لئے ان کی جتنی تعریف بھی کی جائے کم ہے پیشِ نظر اشاعت اگرچہ ہر اعتبار سے گزشتہ اشاعت کے مقابلہ میں بہتر ہے لیکن میں جانتا ہوں کہ ہم ابھی پورے طور پر مطمئن نہیں ہماری خواہش ہے کہ محشر خیال کو جلد از جلد اردو زبان کے بہترین اور بلند معیار رسائل کی صفِ اول میں لے آئیں۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے جہاں ہم خود زیادہ سے زیادہ سعی و جہد کر رہے ہیں وہاں ہم اس امر کے بھی متوقع ہیں کہ محشر خیال کے قلمی معاونین اس مقصد کے حصول میں ہمارے ساتھ پورے طور پر اشتراکِ عمل کا ثبوت دیں مجھے توقع ہے کہ اردو زبان کے بہی خواہ اور محشر خیال کو کامیابی اور ترقی کے آسمان پر مہرِ درخشاں کی مانند جلوہ گر دیکھنے کے خواہشمند حضرات اس موقعہ پر محشر خیال کی ہر ممکن امداد فرمائیں گے۔

پیشِ نظر اشاعت نظم و نثر کے کم و بیش چالیس مضامین پر مشتمل ہے اور ہمیں یقین ہے کہ قارئینِ محشر خیال کے لئے ان میں سے کوئی مضمون بھی غیر دلچسپ اور غیر مفید ثابت نہ ہوگا۔

علمی مقالات میں جناب اے نظر ہاشمی (علیگ) کا مقالہ "ملکیت اور حقِ مطلق"، محترمہ ایم۔ بی۔ اے صاحبہ کا مضمون "جنگ اور اس کے خوفناک نتائج" "علم قیافہ" اور محترمہ رضیہ سلطانہ صاحبہ کا نتیجۂ کاوش "جواہر ریزے" خصوصیت کے ساتھ قابلِ مطالعہ دلچسپ اور مفید مضامین ہیں۔

معلومات کے سلسلہ میں ہمیں یقین ہے کہ جواہر لال نہرو کا مضمون "ماسکو کے مناظر" اور مولانا اسرار احمد صاحب آزاد کا مقالہ "سرخ فوج" خصوصی دلچسپی کے ساتھ مطالعہ کئے جائیں گے۔ جرمنی اور اشتراکی روس کی آویزش کے باعث آج ہندوستان میں اشتراکی روس کے حالات کے ساتھ جس دلچسپی کا اظہار کیا جا رہا ہے اسے دیکھتے ہوئے ان ہر دو مقالات کی اشاعت وقت کی اہم ضرورت کو پورا کرتی ہے ضرورت ہے کہ اس اشتراکی نظریہ کے سلسلہ میں لوگوں کو زیادہ سے زیادہ معلومات بہم پہنچائی جائیں تاکہ کسی نہ کسی حد تک ان غلط فہمیوں کا ازالہ کیا جا سکے جو شہنشاہیت اور سرمایہ داری کے حامیوں نے اشتراکی روس کے خلاف پیدا کر دی ہیں۔

اکابر کی سوانحیات میں "درد ‌ا غیال کا دیوان" پُراز معلومات اور مفید و دلچسپ مضمون ہے۔ "نظیر اکبر آبادی" اور "ایک دیوانہ شاعر" بھی اس سلسلہ کے دو اور مضمون ہیں اور اپنی اپنی جگہ پر دلچسپ اور مفید بھی۔

افسانوں میں "موت آجانے کے بعد" "شکستہ رباب" "مختصر تخیل" "آوارہ" مزاحیہ افسانہ "آموں کا پارسل" اور "شہرہ آفاق روسی ادیب ٹالسٹائی کا مسلسل افسانہ "نئی زندگی" محشر خیال کی اس اشاعت کو زینت دے رہے ہیں جن کے لئے ہم جناب ربط ہاشمی، جناب سید محمد مسیح صاحب، حضرت آوارہ جناب افتخار احمد صاحب اور "نئی زندگی" کے مترجم کے شکرگزار ہیں۔ ہمیں امید ہے یہ سب حضرات آئندہ محشر خیال کی قلمی اعانت کا سلسلہ جاری رکھیں گے

نثر کے دوسرے مضامین میں "قتل سے پہلے قاتل کی شناخت" "سینٹ کین کا کنواں" "لیموں کے فوائد" "صنعت و حرفت" "نقد و نظر" "ادب لطیف" اور "سنیما" بھی کچھ کم مفید اور دلچسپ نہیں اور ان کے لئے ہم ان تمام احباب و حضرات کا شکریہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے اپنا عزیز وقت صرف کر کے محشر خیال کو دلچسپ بنانے میں ہماری قلمی اعانت کی

نثر کے علاوہ محشر خیال کا حصہ نظم بھی گلہائے رنگا رنگ کا ایک حسین و جمیل گلدستہ بنا ہوا ہے جس میں جناب بدرالدین صاحب بدر، جناب ایم۔ اے اختر انصاری جناب محمد عارف صاحب شہید، حضرت اقبال سیوہاروی، جناب سید عزت علی صاحب جناب نسیم صاحب سیفی، جناب قاضی سید شوکت حسین صاحب بہار اور جناب ظفر علیان صاحب کی منظومات "اک بار پھر گلے سے آؤ تمہیں لگالیں" "راز زندگی" "تجلی طور" "ہالہ" "گل فسردہ کو دیکھ کر" "جلنے والے پتنگے" "جوگی" اور "رنگ جدید" کی اشاعت پر محشر خیال جس قدر بھی فخر کرے کم ہے ان میں سے ہر نظم اپنی اپنی جگہ پر جداگانہ در حقیقت فرزند الادب ہماری طرح قارئین کرام بھی ان سے لطف اندوز ہوئے بغیر نہ رہ سکیں گے چھوٹی کالمی بزم شعرا اور دوسری چھوٹی چھوٹی غزلیں اور بھی قابل مطالعہ اور ہر اشاعت پہلے سے

ضروری باتیں

چار ہزار روپیہ کا نقصان

محشر خیال کے دورِ جدید کے آغاز ہی میں ہمارا خیال تھا کہ اب رسالہ میں اشتہارات کم اور مضامین زیادہ شائع کریں۔ لیکن جو حضرات اخبارات و رسائل کی مشکلات اور کاغذ کی موجودہ گرانی کے اثر سے واقف ہیں انہیں یہ بات سمجھنے میں دشواری پیش نہیں آسکتی کہ اس وقت ہندوستان کے تمام رسالے اور اخبارات خواہ وہ کسی زبان میں شائع ہوتے ہیں موت اور زندگی کی کشمکش سے گذر رہے ہیں۔ ایک طرف تو عوام کی اقتصادی بدحالی کے باعث اخبارات اور رسالوں کی اشاعت روز بروز محدود ہوتی جا رہی ہے اور دوسری طرف کاغذ اور سامانِ طباعت کی گرانی عذابِ جان بن گئی ہے۔ اس لئے اخبارات و رسائل اگر اشتہارات شائع نہ کریں تو کیا کریں؟ پھر بھی محشر خیال کی پیشِ نظر اشاعت سے تمام مخش اشتہارات کو نکال دیا گیا ہے۔ اور اگر ہم آئندہ ان کی اشاعت کے لئے مجبور ہی نہ ہوگئے تو ان کی اشاعت مستقل طور پر بند رہے گی اشتہارات کی اشاعت کو بند کر دینے کے بعد رسالہ کو کم و بیش چار ہزار روپیہ سالانہ کا نقصان ہوگا۔ جنگ کی تباہ کاریوں اور ہولناکیوں نے غیر ملکی سامان کی درآمد کو بہت کم کر دیا ہے اس لئے اچھے اشتہارات کی اشاعت بھی کم ہوگئی ہے۔ ان حالات میں اگر ہمارے قارئین محشر خیال کی توسیعِ اشاعت میں سرگرمی کا اظہار نہیں کریں گے تو اس کا نتیجہ ظاہر ہے۔

وی۔ پی کی واپسی

مذکورہ بالا مستقل نقصان کے علاوہ دفتر کو وی۔ پی کی واپسیوں سے بھی شدید نقصان پہونچتا ہے۔ چندہ ختم ہو جانے کے بعد دفتر سے ہر خریدار کو اطلاع دیدی جاتی ہے کہ آئندہ سال کے لئے یا تو وہ اپنا چندہ ارسال فرمائیں یا اگر کسی وجہ سے وہ آئندہ کے لئے خریداری کا سلسلہ منقطع کر دینا چاہتے ہیں تو ایک کارڈ لکھ کر دفتر کو اپنے فیصلہ سے مطلع فرما دیں۔ ورنہ آئندہ ماہ کا پرچہ بذریعہ وی۔ پی ارسال کیا جائیگا اس صاف اور واضح درخواست کے باوجود ہمارے بہت سے قارئین نہ تو اپنا چندہ ارسال فرماتے ہیں نہ اپنے ارادہ ہی سے دفتر کو اطلاع دیتے ہیں اور جب وی۔ پی ارسال کیا جاتا ہے تو اسے واپس فرما دیتے ہیں اس طرح دفتر کو جو نقصان پہونچتا ہے وہ ناقابلِ برداشت ہے لہٰذا ہم نہایت ادب اور انکسار کے ساتھ ایک مرتبہ پھر یہ گذارش کرنے پر مجبور ہیں کہ اس قسم کا طرزِ عمل اخلاقی نقطۂ نظر سے بھی معیوب ہے اور اردو زبان کے لئے بھی کم قاتل کی حیثیت رکھتا ہے اگر ہمارے وہ معاونین جو کسی مجبوری کی بنا پر آئندہ محشر خیال کے ساتھ اپنے تعلقات کو قائم نہیں رکھ سکتے ایک کارڈ لکھ کر اپنے ارادہ سے اطلاع دے دیا کریں تو ہم اس نقصان سے بچ سکتے ہیں۔

کیا رسالہ بند کر دیا جائے

رسالہ کے معیار کو بلند، اشتہارات کو کم، ٹائیٹل کو عمدہ اور بحیثیت مجموعی رسالہ کو بہتر بنا دینے کے بعد اس کے سالانہ چندہ میں صرف بارہ آنہ کا اضافہ کیا گیا ہے جسے کاغذ کی گرانی کے موجودہ دور میں کچھ زیادہ اضافہ نہیں کہا جا سکتا۔ اس سلسلہ میں ان حضرات سے جنہوں نے رسالہ کا سالانہ چندہ صرف ایک روپیہ چار آنے ادا کیا ہے اس قدر عرض کیا گیا تھا کہ وہ بارہ آنے کی بجائے صرف چار آنے کے ٹکٹ لفافہ میں بند کر کے بھیجدیں۔ ہمیں یقین تھا کہ ہمارے قارئین محشر خیال کی بقا اور اردو زبان کی نشر و اشاعت کے لئے اس حقیر رقم کی قربانی سے گریز نہ کریں گے۔ ہمیں افسوس ہے کہ ہماری اس گذارش پر کوئی توجہ مبذول نہیں کی گئی اور اس درخواست کے جواب میں جن حضرات نے ٹکٹ ارسال فرمائے ان کی تعداد اتنی کم ہے کہ اسے بیان کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ رسالہ کو ہر طرح نقصان بھی ہوتا رہے اور ہم اپنے قارئین کے تمام مطالبات کے سامنے سر بھی خم کرتے رہیں! آپ چاہتے ہیں کہ رسالہ وقت پر شائع ہو، آپ کی خواہش ہے اس میں اشتہارات بھی شائع نہ کئے جائیں اور آپ کا مشورہ ہے کہ اسے ہر اعتبار سے بہترین اردو ماہنامہ بنا لیا جائے مگر کس طرح؟ جب رسالہ کو ہر ہر قدم پر نقصان پہونچایا جائے گا تو آپ ہی انصاف کیجئے کہ ہم ترقی کریں گے یا تنزل کے راستہ پر چلنے کے لئے مجبور ہوں گے؟ ہم رسالہ کو بند کر دینا نہیں چاہتے۔ اس لئے ہم نے فیصلہ کر لیا ہے جن حضرات نے محشر خیال کا سالانہ چندہ سوا روپیہ ادا کیا ہے اگر انہوں نے اس مہینہ میں چار چار آنے کے ٹکٹ ارسال نہ فرمائے تو ہم آئندہ مہینہ سے (سلسلہ کے لئے ملاحظہ ہو صفحہ ۸)

قارئین محشر خیال کی رائیں

محشر خیال کی گزشتہ اشاعت کے مطالعہ کے بعد ہمارے بعض احباب اور قارئین نے اس پر جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے ان میں سے بعض آراء کا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔ محشر خیال کی ترقی اور ترتیب و تدوین کے سلسلہ میں ہمیں احباب و مخلصین کے جو مشورے اور تبصرے آئندہ موصول ہوں گے انہیں بھی شکریہ کے ساتھ شائع کیا جائیگا۔ (فاروقی)

۱۔ ماہ جون سنہ ۱۹ء کا محشر خیال بازار سے خرید کر لایا۔ سرورق شاندار ہے معیار بھی اعلیٰ قائم کیا گیا ہے۔ لیکن یہ کہنے میں مجھے ذرا تامل نہیں کہ پرچہ اتنا دلچسپ نہیں۔ اور "کمسن دوشیزہ کا اعتراف گناہ" اور "فرانس" جیسے عریاں مضامین نہ شائع کئے جاتے تو بہتر ہوتا کیونکہ ان مضامین کی وجہ سے پرچہ اس لائق ہوگیا ہے کہ خواتین کے ہاتھوں میں نہ دیا جائے۔ معیار اور مضامین ایسے ہونا چاہئیں کہ مرد، عورت، جوان، بوڑھے اور بچے سب پڑھ سکیں

حبیب احمد نیاز کلکتہ

اظہار خیال کے لئے شکریہ "کمسن دوشیزہ کا اعتراف گناہ" اور "فرانس" ہر دو مضامین کی اشاعت کا مقصد صرف یہ تھا کہ ہمارے قارئین مغربی تہذیب کے مضر پہلوؤں سے متنبہ ہوسکیں۔ لیکن اگر احباب اسے ناپسند کرتے ہیں تو آئندہ اس قسم کے مضامین کی اشاعت سے پرہیز کیا جائے گا اور یقین ہے کہ موجودہ اشاعت دلچسپی کے اعتبار سے بھی آپ کو مطمئن کریگی

۲۔ محشر خیال کا ٹائیٹل خوب ہے۔ مضامین کا معیار بہت اونچا اور حسن ترتیب خوب ہے۔ "تغیر" میں سمجھتا ہوں سب سے اچھا مضمون ہے۔ اس قسم کے مضامین کے لئے زیادہ صفحے وقف کرنے چاہئیں۔ مزاحیہ مضمون البتہ نہایت لچر اور لچر ہے۔ میں یہ مانتا ہوں کہ مزاحیہ لکھنے والے اردو میں گنتی کے مضمون نگار ہیں۔ لیکن اس کے معنی یہ کبھی نہیں ہوسکتے۔ کہ خانہ پری کے لئے انتہائی پست مضامین شائع کئے جائیں اس سے کہیں بہتر ہوگا۔ کہ مزاحیہ مضامین کے لئے یہ قید اڑادی جائے کہ وہ غیر مطبوعہ ہی ہوں۔

حصہ نظم کے متعلق مجھے خواب میں بھی یہ خیال نہیں ہو سکتا تھا۔ کہ آزاد جیسا خشک آدمی اتنا بہترین انتخاب کرے گا۔ میں سمجھتا ہوں محشر خیال جب سے شائع ہونا شروع ہوا ہے۔ اتنا اعلیٰ درجہ کا کلام شاید کبھی نہ شائع ہوا ہوگا۔

میرے پاس الفاظ نہیں ہیں۔ کہ میں حصہ نظم کی حقیقی تعریف کرسکوں۔ میں نے پڑھا اور پڑھنے کے بعد دل پکڑ کر رہ گیا۔

محمد رحیم دہلوی۔ آگرہ

ادارہ جناب کے بے لاگ تبصرہ کا شکرگزار ہے سنئے معیار کے مطابق رسالہ کو مرتب کرنے کے باعث بہت سی مشکلات درپیش ہیں اس لئے گذشتہ اشاعت میں متعدد نمایاں خامیاں رہ گئی تھیں اور ہم محسوس کرتے ہیں کہ ان میں سے بعض خامیاں اس مرتبہ بھی موجود ہیں لیکن یقین ہے کہ ہم انہیں دور کرنے میں بہت جلد کامیاب ہوجائیں گے۔

۳۔ محشر خیال پہنچا۔ خوب ہے۔ آپ کی تازہ کاوش قابل تحسین ہے خدا کرے کہ آپ اپنے ارادوں میں کامیاب ہوں اور ناظرین محشر خیال وہ دن دیکھیں جب یہ رسالہ ہندوستان کے چوٹی کے رسالوں میں ایک ممتاز حیثیت رکھتا ہو۔

اگر آپ پسند فرمائیں تو افادہ ناظرین کے لئے حاصل مطالعہ کا ایک ورق رکھ دیا جائے۔ میں انشاءاللہ عنقریب ہی اس موضوع پر کچھ بھیجنے کی جسارت کروں گا۔ اور اگر ناظرین نے چاہا تو اسے مستقل عنوان بناکر گاہے گاہے خامہ فرسائی کرتا رہوں گا۔

نسیم سیفی۔ بی۔ اے

آپ کے قابل قدر مشورہ کے لئے ادارہ شکریہ ادا کرتا ہے۔ آپ حاصل مطالعہ کے عنوان سے جو کچھ ارسال فرمائیں گے اسے شکریہ کے ساتھ شائع کیا جائیگا۔

۴۔ اس ماہ کا محشر خیال قابل تحسین ہے۔ میری دلی مبارکباد قبول کیجئے خدا آپ کی اور اسرار احمد صاحب آزاد کی کاوشیں قبول کرے اور اس رسالے کو دن دونی رات چوگنی ترقی ہو آمین۔ آزاد صاحب کے افسانے کئی بار نگاہ کو گذرے ان کا طرز نگارش دلکش ہے۔ قابل مسرت امر ہے کہ آزاد صاحب نے محشر خیال کی عنان ترتیب کو اپنے ہاتھ میں لیا خدا کرے وہ اس رسالے کو اپنا ہی رسالہ سمجھیں۔ وہ وقت دور نہیں کہ جب میرا عزیز رسالہ دنیا کے تمام ادبی حلقوں میں مقبولیت حاصل کرے (سلسلہ کے ملاحظہ ہو صفحہ ۸)

خیالات

اسرار احمد آزاد

سیاسی مباحث

محشر خیال کے لئے سیاسی شذرات اور سیاسی مضامین لکھتے ہوئے کئی مرتبہ میرے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوا، ایک ادبی ماہنامہ میں سیاسی مضامین کی اشاعت کے متعلق قارئین کرام کے ذہن میں جو سوالات پیدا ہوسکتے ہیں بہ اجمال کا جواب بھی دے دینا چاہیے لیکن شذرات لکھتے وقت کثرت کار کے باعث ہمیشہ یہ خیال ذہن سے نکل گیا۔ محشر خیال کے یہ محدود صفحات جو "خیالات" کی اشاعت کے لئے مخصوص ہیں مجھے اس موضوع پر تفصیل کے ساتھ اظہار خیال کی اجازت نہیں دیتے۔ لیکن میں نہایت اختصار کے ساتھ آج محشر خیال میں سیاسی مباحث کی اشاعت کے متعلق چند باتیں عرض کر دینا چاہتا ہوں۔

محشر خیال کے قارئین اس حقیقت سے بے خبر نہیں ہوسکتے کہ ہم جس دور سے گذر رہے ہیں وہ انقلاب، تلخ حقائق اور عمل کا دور ہے۔ جمود و تعطل، خوش فہمیوں اور تساہل و بے حسی کا زمانہ نہیں۔ پھر یہ بھی ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ زندگی کا موجودہ دور انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی ہے اور زندگی کا یہ اجتماعی تخیل اب محدود وطنیت اور قومیت کی حدود سے گذر کر بین الاقوامی بن گیا ہے زیادہ صاف اور واضح الفاظ میں یوں سمجھنا چاہیئے کہ انسانی زندگی کا کوئی اہم شعبہ بھی ایسا نہیں رہا جسے کسی ایک ہی معیار پر باقی رکھنے کیلئے کسی ایک فرد یا قوم کی کوششیں کارآمد ثابت ہوسکتی ہوں جرمنی اور پولینڈ کے درمیان دو سال قبل لڑائی شروع ہوئی اور چند ہفتوں میں پولینڈ مغلوب ہوگیا لیکن دنیا کا کوئی ملک ایسا نہیں، جو اس لڑائی سے متاثر نہ ہو خود ہندوستان میں جو حالات پیش آرہے ہیں ان پر غور کرنے سے میری یہ بات اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہے۔ پھر جب مذکورہ بالا حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا اور یہ بات بھی واضح ہے کہ ہماری کوئی سعی و کوشش یا بے توجہی اور بے نیازی آنے والے انقلاب کو مسدود نہیں کرسکتی تو کیوں نہ ہم اس کے استقبال کے لئے پہلے ہی سے تیار ہو جائیں اور کیوں اسے اپنے لئے زیادہ سے زیادہ مفید بنانے کی کوشش نہ کریں۔ میں حال اور مستقبل کی اہمیت اور تغیرات کو محسوس کرتا ہوں اور اسی لئے محشر خیال میں سیاسی مباحث پر کچھ نہ کچھ لکھ کر اس بات کی کوشش کرتا ہوں کہ رسالہ کے قارئین بھی حالات کی اہمیت و نزاکت سے ناواقف نہ رہیں۔ پھر سیاست عہد حاضر کا ایک مستقل علمی موضوع بھی ہے اور اس ضروری موضوع سے کسی طرح بھی بے تعلق نہیں رہنا چاہیئے مجھے یقین ہے کہ اگر کسی دوست کے ذہن میں کسی وقت بھی مذکورہ بالا خیال پیدا ہوتا ہوگا تو ان سطور کے مطالعہ کے بعد ان کی تشفی ہوجائے گی۔

جنگ

انفرادی اور اجتماعی زندگی کا اہم ترین وقتی مسئلہ جنگ ہے۔ براعظم یورپ کی وہ لڑائی جو ستمبر ۱۹۳۹ء میں شروع ہوئی تھی آج بین الاقوامی لڑائی بن گئی ہے اور روس پر جرمنی کے حملے نے

نسلائیت اور اشتراکیت کے مابین ایک فیصلہ کن معرکہ کا افتتاح کردیا ہے۔ یہ لڑائی ۲۲ جون کی صبح کو شروع ہوئی تھی اور آج اس خونریز معرکہ کو شروع ہوئے ایک ماہ کا عرصہ گذر گیا ہے لیکن نتیجہ کے اعتبار سے جرمنی کو کوئی ایسی کامیابی حاصل نہیں ہوسکی جسے قابل اطمینان اور باعث فخر کہا جاسکے۔ بلاشبہ اس عرصہ میں روسی افواج کو مختلف مقامات خالی کردینے پڑے، لیکن جرمنی اور دنیا کے تمام غیر جانبدار ممالک اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ اس لڑائی میں جرمنی کو اپنی ساری طاقت صرف کردینی پڑی ہے۔ اسے شدید ترین نقصانات پہونچ رہے ہیں اور اس کی بہترین فوج میدان جنگ میں کام آچکی ہے۔ پھر اس حقیقت کو بھی نظر انداز نہیں کردینا چاہیئے کہ جرمن فوجیں اس وقت تک جن جن مقامات پر آگے بڑھ گئی ہیں وہاں ان کے عقب میں لڑائی برابر جاری ہے اور انہیں امداد پہونچنی مشکل ہو رہی ہے۔

کیا جرمنی کامیاب ہوگا؟

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس جنگ میں جرمنی کو کامیابی حاصل ہوگی اور متعدد مقامات پر جرمن فوج کی پیشقدمیوں کو دیکھتے ہوئے ہندوستان کے کچھ حلقوں میں یہ خیال پختہ ہوتا جارہا ہے۔ لیکن ہم اس خیال سے متفق نہیں ہیں

نہیں ہو سکتے۔ اس وقت تک جرمنی کو یورپ میں جو فتوحات حاصل ہوتی رہی ہیں ان میں دو امور خاص طور پر کام کرتے رہے ہیں اول تو فرانس کے علاوہ یورپ کا کوئی ملک بھی عسکری اعتبار سے جرمنی کا مدمقابل نہیں تھا دوسرے ہر ملک میں فسطائیت کے حامی اور جرمنی کے وظیفہ خوار غدار موجود تھے اس لئے جرمنی کو کسی ملک پر حملہ اور قبضہ کرنے میں کوئی دشواری پیش نہیں آئی۔ رہا فرانس کا معاملہ تو دہاں لاول اور پیتاں کی موجودگی آج بھی اس حقیقت کو بے نقاب کر رہی ہے کہ اس ملک میں پہلے ہی سے جرمنی کے ہمدرد موجود تھے اور وہاں کے سرمایہ داروں نے اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کے لئے جرمنی کی فوقیت تسلیم کر لینے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ لیکن اشتراکی روس فوجی تعداد و سامان حرب عسکری تربیت اور طریق جنگ غرضیکہ کسی اعتبار سے بھی جرمنی کے مقابلہ میں کمزور نہیں اور جیسا کہ اشتراکیت کے دشمن بھی تسلیم کرتے ہیں جرمنی کے پانچویں دستہ کے مقابلہ میں خود جرمنی کے اندر اشتراکیت کے حامیوں اور روس کے ہمدردوں کی تعداد زیادہ ہے۔ ان باتوں کے علاوہ جرمنی لڑائی کی ابتدائی منزلوں ہی میں اپنی بہترین افواج اور سامان حرب کو ضائع کر چکا ہے اور روسی افواج کی بڑی تعداد ابھی تک محفوظ ہے۔ پھر روس ایک وسیع ملک ہے اس کے اسلحہ ساز کارخانے بہت پہلے ہی سے مشرق میں منتقل کئے جا چکے تھے۔ اس وجہ سے انہیں نقصان پہونچانا نازی طیاروں کے لئے ناممکن امر ہے۔ ان حالات میں صرف ابتدائی جرمن کامیابیوں سے یہ نتیجہ اخذ کر لینا کہ اس لڑائی میں جرمنی کو فتح حاصل ہوگی حالات سے بے خبری کا ثبوت دینا ہے۔

ترکی کو خطرہ!

روس اور جرمنی کی جنگ نے ترکی کو بھی جنگ کے خطرہ میں محصور کر دیا ہے۔ روس پر جرمنی کے حملہ کا ایک مقصد تو دنیا کی واحد اشتراکی حکومت کو ختم کر دینا اور روس کے زرخیز علاقوں سے جنگ جاری رکھنے کے لئے گیہوں، تیل، کوئلہ اور لوہا حاصل کرنا ہے اور دوسرا مقصد برطانوی شہنشاہیت پر کاری ضرب لگانے کے لئے ہندوستان پر حملہ کے لئے وہ راستہ صاف کرنا ہے جو روس سے گذر کر ہندوستان کی شمالی مغربی اور شمالی مشرقی سرحدوں تک پہونچتا ہے۔ دراصل کریٹ کی لڑائی نے جرمنی کے ارباب بست و کشاد کو اس نتیجہ پر پہونچا دیا ہے کہ ان کے لئے انگلستان پر حملہ کر کے کامیابی حاصل کرنا بظاہر ناممکن ہے اس حقیقت کے بے نقاب ہو جانے کے بعد ان کے سامنے دو ہی راستے تھے اول یہ کہ وہ برطانیہ کے ساتھ صلح کر لیں اور دوسرے یہ کہ وہ کوئی ایسا قدم اٹھائیں جو انجام کار برطانیہ کے لئے ایک کاری ضرب ثابت ہو جرمنی بنیادی اور اصولی اعتبار سے اشتراکیت کا مدمقابل ہے اور ہٹلر کے برسر اقتدار آجانے کے بعد سے اسے روس کی جانب سے ایک لمحہ کے لئے بھی اطمینان نصیب نہیں ہوا۔ اس لئے اس نے روس پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تاکہ کامیابی کی صورت میں وہ ایک طرف تو اپنے قوی ترین دشمن کو تباہ کر دے گا دوسری طرف روس کے قدرتی ذرائع سے مستفید ہو سکے گا۔ اور تیسری طرف اسے ہندوستان کی طرف پیش قدمی کا راستہ مل جائیگا۔ لیکن جنگ کی جو رفتار آج پیش نظر ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جرمنی اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے گا۔ اور اس کے بعد انگریزوں کو صلح پر مجبور کرنے کیلئے جرمنی کے پاس ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ وہ ترکی کی راہ سے ہندوستان کی جانب بڑھنے کی کوشش کرے۔ اس موقعہ پر اگر ترکی نے جرمن فوجوں کو گذرنے کی اجازت دیدی تو دوسری جانب سے شام اور عراق کی سرحدوں سے انگریزی فوجیں بھی ترکی میں داخل ہو جائیں گی اور اگر یورپ کی محوری حکومتوں نے ترکی پر حملہ کر دیا تو ترکی بھی میدان جنگ میں آ جائیگا۔ بہرحال اب ترکی جنگ کے خطرہ میں محصور ہو گیا ہے

جاپان کا رویّہ

جاپان محوری اتحاد کا ایک رکن ہے اور اگر اسے مشرق میں محوری "نظام نو" کا داعی نقیب اور علمبردار کہا جائے تو نامناسب نہ ہوگا۔ روس اور جرمنی کی لڑائی شروع ہو جانے کے بعد جاپان سے جو اطلاعات موصول ہوتی رہی ہیں اس سے اس نئی لڑائی کے سلسلہ میں جاپان کے طرز عمل پر کوئی روشنی نہیں پڑتی تھی لیکن اب کہ جاپان میں نئی وزارت بن گئی ہے اور اس وزارت میں محوری اتحاد کے سرگرم حامی مسٹر میتسوکا کو شامل نہیں کیا گیا ہے۔ یہ یقین کر لینے کی وجوہ پیدا ہو گئی ہیں کہ جاپان مشرق میں روس کے ساتھ برسر پیکار ہونے کے لئے تیار نہیں جاپان کا یہ رویّہ بجائے خود اس بات کا ناقابل تردید ثبوت ہے کہ جرمنی روس پر فتح حاصل نہیں کر سکتا۔ اگر جاپان کو جو عملی اعتبار سے بدترین سرمایہ دار اور شہنشاہیت پسند ملک ہے ایک لمحہ کیلئے بھی اس بات کا یقین ہوتا کہ جرمنی روس پر غالب آ جائے گا یا اس کی امداد جرمنی کو کامیاب بنا سکے گی۔ تو وہ روس کے مقابلہ میں صف آرا ہو جانے سے مطلق گریز نہ کرتا۔

چین میں خانہ جنگی

اشتراکیوں کے سیاسی عقائد سے اختلاف رکھنے کے باوجود دنیا کا کوئی شخص بھی ان کی دیانتداری حب الوطنی اور ایثار و بے نفسی سے انکار نہیں

ہوسکتا ہے کہ شمالی چین کے اشتراکی ان خصوصیات سے عاری ہوں جو اشتراکیوں کے بعد دنیا میں سب سے زیادہ ممتاز تسلیم کئے گئے ہیں مگر یہ حیرت کی بات نہیں کہ کچھ دنوں سے چینی اشتراکیوں کے متعلق خبر رساں ایجنسیوں نے یہ خبریں بھیجنی شروع کی ہیں کہ انہوں نے چین کی فوجوں کے خلاف جنگ شروع کر دی ہے۔

اس قسم کی خبروں سے چینی اشتراکیوں کے خلاف شدید غلط فہمی پیدا ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر سکون کے ساتھ حالات کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو جائیگا کہ اس سلسلہ میں چینی اشتراکیوں کو مورد الزام قرار نہیں دیا جا سکتا۔ جنرل چیانگ کائی شیک ہمیشہ اشتراکیت کا بدترین دشمن رہا ہے۔ حتی کہ آج سے چند سال پیشتر اسی کے حکم سے اشتراکیوں کا قتل عام بھی عمل میں لایا گیا تھا لیکن جاپان کے چین پر حملہ کے بعد جاپان کے غاصبانہ اقتدار سے محفوظ رکھنے کے لئے چینی اشتراکیوں نے جنرل چیانگ کائی شیک کے ساتھ اشتراک عمل شروع کر دیا اور ان کی عملی کوششوں کے باعث جاپان کو اپنے ارادوں کی تکمیل میں جس قدر ناکامیاں ہوئیں چین کا مورخ انہیں زریں حروف سے لکھنے پر مجبور ہے لیکن چینی عوام میں اشتراکیت کی مقبولیت کو نہ تو جنرل چیانگ کائی شیک ہی برداشت کر سکتا تھا اور نہ دنیا کی وہ دوسری شہنشاہیت پسند اور سرمایہ دار حکومتیں جو اپنی اغراض و مصالح کے ماتحت آج چین کی امداد کرنے پر آمادہ ہیں اس لئے جنرل چیانگ کائی شیک نے آہستہ آہستہ اشتراکی فوج کی مخالفت شروع کر دی اور مجبوراً چین کی سرخ فوج کو جنرل چیانگ کائی شیک سے علیحدہ ہو جانا پڑا۔ اس سلسلہ میں تازہ ترین اطلاعات کی بناء پر ہمیں اس بات کا اندیشہ پیدا ہو گیا ہے کہ یا تو جنرل چیانگ کائی شیک کی حکومت چینی سرخ فوج کے خلاف کوئی خطرناک قدم اٹھانے کی تیاری کر رہی ہے یا پھر وہ جاپان کے ساتھ سمجھوتہ کر لینے پر آمادہ ہو چکی ہے۔ بہرحال چین کی خانہ جنگی جاپان کیلئے مفید ہو اور اگر اس تنازعہ کا کوئی فیصلہ نہ ہو سکا تو جاپان ایک بڑی حد تک اپنے ناپاک ارادوں کی تکمیل میں کامیاب ہو جائے گا۔

گاندھی ازم کا زوال

گاندھی جی گذشتہ بائیس سال سے ہندوستان کی قومی زندگی کے نمایاں ترین رکن اور تمام قومی تحریکات کے روح رواں بنے ہوئے ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ان کی مسلسل جدوجہد نے ہندوستان جیسے وسیع اور آباد ملک میں حیرت انگیز طریقہ پر سیاسی بیداری پیدا کر دی ہے لیکن سیاسی اصول و عقائد ایسے نہیں ہوتے جن کی اطراف انسان کو ضمیر کی گہرائیوں میں پیوستہ کر دیتا ہے۔ لیکن گاندھی جی اور ان کے مقلدین نے اپنے سیاسی عقاید کو مذہبی عقاید سے بھی بالاتر رکھنے کی کوشش کی اور انہیں مذہبی عقائد کی طرح تسلیم کرنے پر مصر ہو اور آج تک مصر ہیں۔ لیکن عہد حاضر کا انسان جو مذہبی عقائد کو بھی جرح و تعدیل کے بغیر قبول کرنے کے لئے تیار نہیں زیادہ عرصہ تک گاندھی جی کی نام نہاد تعلیمات پر آمنّا و صدقنا کہنے کیلئے تیار نہیں آج کانگریس کے بہت سے پرانے لیڈر کانگریس سے علیحدہ ہو چکے ہیں اور ہمیں یقین ہے کہ جو لوگ ستیہ گرہ کی موجودہ بے نتیجہ اور تباہ کن تحریک کے نام پر جیلوں میں بند ہیں ان کی بیشتر تعداد گاندھی کے طرز عمل سے متنفر ہو چکی ہے ان حالات میں یہ سمجھ لینا کچھ دشوار نہیں کہ اب گاندھی ازم کا زوال شروع ہو گیا ہے اور آیندہ یا تو گاندھی جی اور ان کے ہم خیال افراد کو مکمل سیاسیات سے ہٹنے کے لئے دست کش ہو جانا پڑیگا یا کانگریس چند بیکار کھدر پوشوں اور چرخہ کاتنے والوں کی ایک جماعت بن کر رہ جائے گی۔ اور اس سے بڑا قومی سانحہ اور کیا ہو سکتا ہے؟

مرکزی مجلس قانون ساز

ہندوستان کے گورنر جنرل لارڈ لنلتھگو نے امسال پھر مرکزی مجلس قانون ساز (اسمبلی) کے انتخابات کو ملتوی کر کے پہلے ہی اراکین کو مزید ایک سال کے لئے اسمبلی کا ممبر رہنے کا موقعہ دیا ہے۔ حالانکہ آج جبکہ ہندوستان میں آئینی تعطل موجود ہے مرکزی اسمبلی کے انتخابات سے اس بات کا فیصلہ ہو سکتا تھا کہ ہندوستان کے عوام حکومت کی اختیار کردہ حکمت عملی کے حامی ہیں یا کانگریس کے دعوی کی تائید کرتے ہیں لیکن جہاں جمہوریت بھی طاقت و قوت ہی کی بنیاد پر قائم ہو وہاں کسی قسم کی شکایت یا اعتراض کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی بہرحال ہندوستان کے کسی گوشہ میں بھی حکومت کی اس فیصلہ کا خیر مقدم نہیں کیا گیا اور ہم سمجھتے ہیں کہ عوام کو ان کے جائز حق رائے دہندگی سے محروم کر کے حکومت نے ان کے قلوب پر کوئی اچھا نقش قائم نہیں کیا۔

مجلس انتظامیہ میں توسیع

وائسرائے کی مجلس انتظامیہ کی توسیع کے متعلق وقتاً فوقتاً جو اطلاعات موصول ہوتی رہتی تھیں بالآخر حکومت ہند کے ایک تازہ اعلان نے ان کی تصدیق کر دی اور ہندوستان کے بعض اعتدال پسند اور حکومت کے ساتھ اشتراک عمل کے حامی افراد کو وائسرائے کی مجلس انتظامیہ میں شریک ہو جانے کی سعادت نصیب ہو گئی ہمارے لئے یہ اعلان و تقرر اپنے اندر کوئی اہمیت و ندرت نہیں رکھتا البتہ اس تمام کارروائی سے اس بات کا اندازہ ضرور کیا جا سکتا ہے کہ برطانوی حکومت ہندوستانی عوام کے مطالبہ پر غور کرنے کیلئے تیار نہیں خواہ وہ کانگریس کی طرف سے پیش کیا جائے یا ہندوستانی اعتدال پسندوں کی جانب سے ہمیں توقع ہے کہ وہ لوگ ہندوستان اور برطانیہ کے درمیان موجودہ کشیدگی کے جلد از جلد ختم ہو جانے کی [illegible]

ضروری باتیں

بسلسلہ صفحہ ۳

ان کے نام صرف تین ماہ کے لئے رسالہ کی ترسیل ملتوی کردیں گے۔ لیکن ہمیں توقع ہے کہ ہمارے قارئین ہمیں اس کا موقعہ نہیں دیں گے اور چار آنے کے ٹکٹ ارسال فرماکر ہمارے موجودہ نقصانات کو کم کرنے میں ہماری مدد کریں گے۔

بیرنگ خطوط

بہت سے دوست خط کے وزن کا اندازہ کئے بغیر پوسٹ کردیتے ہیں اور دفتر انہیں بیرنگ خطوط کا جرمانہ ادا کرکے وصول کرتا ہے۔ دفتر سے خط وکتابت کرنے والے تمام حضرات کو اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ ڈاکخانہ کے قاعدہ کے مطابق ایسے بند خطوط پر جن کا وزن ایک تولہ یا اس سے کم ہوتا ہے پانچ پیسے کا ٹکٹ لگایا جاتا ہے۔ اور اس ایک تولہ کے بعد ہر ایک تولہ یا اس کی کسر پر دو پیسہ کا۔ اگر دفتر سے خط وکتابت کرنے والے حضرات اس بات کا لحاظ رکھیں تو رسالہ اس نقصان سے بچ سکتا ہے۔ ہم آئندہ بیرنگ خطوط کو واپس کردینے پر مجبور ہونگے اور ہمیں یقین ہے قارئین کو اس معاملہ میں کوئی شکایت نہ ہوگی۔

مشرقی کشیدہ کاری تیار ہوگئی

یہ کتاب اپنی نوعیت کے لحاظ سے کشیدہ کاری کی بہترین کتاب ہے جس کے متعلق مفصل اعلان کسی دوسرے صفحہ پر ملاحظہ فرمایئے۔

دوشیزہ نمبر

دفتر میں محشر خیال کے دوشیزہ نمبر کی چند کاپیاں باقی ہیں جو پانچ آنے کے ٹکٹ بھیجکر طلب کی جاسکتی ہیں

عبدالحق فاروقی

مالک رسالہ محشر خیال اردو بازار دہلی

---

۴ محشر خیال اب اس درجہ کو پہنچ گیا ہے کہ اگر اس کا چندہ تین روپیہ بھی کردیا جائے تو دوسرے پرچوں کے مقابلہ میں اس کی مانگ زیادہ ہوگی۔

عبدالمنان ۔ جہاں آباد۔ گیا

جناب نے رسالہ کے حال اور مستقبل پر جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے ادارہ اس کے لئے خاص طور پر سپاس گذار ہے۔ انشاء اللہ تعالےٰ محشر خیال کی ہر اشاعت گذشتہ اشاعت کے مقابلہ میں بہتر بنانے کی کوشش کی جائے گی۔ (فاروقی)

قارئین محشر خیال کی رائیں

بسلسلہ صفحہ ۴

دنیا کا نامور ترین رسالہ ہوگا خدا وہ ساعت نیک جلد لائے۔ آپ تینوں حضرات کے سائے میں۔ آمین ثم آمین۔

(محترمہ مس ناز اصغر بلگرامی آصف جاہی کین)

ادارہ محترمہ مس ناز بلگرامی کے اظہار خیال کے لئے ممنون ہے۔

۵۔ اس پرچہ کا معیار واقعی بہ نسبت پہلے کے اب اچھا ہے۔ البتہ اشتہاروں کی کمی اب بھی نہیں۔ غالباً جتنے اشتہارات آپ کو ملتے ہیں کسی اور ماہنامے کو نصیب نہ ہوتے ہوں گے۔ حقیقت کا انکشاف برا نہیں معاف فرمائیں

مخلص۔ رونق دکنی سیمابی۔

اشتہارات کی موجودگی کا ہمیں اعتراف ہے۔ کاغذ اور دوسرے سامان طباعت کی گرانی کے اس دور میں اشتہارات کے بغیر رسالوں کو چلانا بھی ناممکن ہے۔ پھر بھی اس مرتبہ تمام فحش اشتہارات نکال دیئے گئے ہیں اب یہ کام قارئین کا ہے کہ وہ رسالہ کو مزید نقصان سے بچانے کے لئے اس کی توسیع اشاعت اور خرید کتب میں سرگرمی اور جوش کے ساتھ کام لیں۔

۶۔ شروع سے آخر تک تو نہیں مگر اکثر وبیشتر بہترین مضامین نظم ونثر مطالعہ میں آئے ماہ رواں کا پرچہ مجموعی طور سے ایک مکمل معیاری پرچہ کہلانے کا بجا طور پر مستحق ہے۔ اگر محشر خیال کا معیار موجودہ پائیدار رہا تو میرا خیال ہے کہ دور حاضرہ کے دیگر معیاری پرچوں سے بہت آگے نکل کر دنیائے ادب کے صف اولین میں اسکا مقام ہوگا۔ جون کا پرچہ بےحد پسند آیا اور میں کیا اردو ادب سے دور کا تعلق رکھنے والا انسان بھی اس پرچہ کو پسند کرے گا۔ آپ نے جس محنت اور جانفشانی سے اس پرچہ کو مرتب کیا ہے۔ میرے خیال میں اس کی نظیر بہت کم ہے میں ارکین ادارہ کو اس کامیابی پر مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ آپ نے جس قابلیت وقابلیت و ذہانت وخوش مذاقی کا ثبوت اس پرچہ کی ترتیب سے دیا ہے ملک کے بہت کم ارکین ادارہ نے دیا ہے چند عنوانات جو خاص آزاد صاحب کی خداداد قابلیت وذہانت کی دلیل ہیں قابل ذکر ہیں۔ بجھی ہوئی کلیاں۔ جواہر ریزے۔ سینما۔ ادب لطیف کا اضافہ بہترین اضافہ ہے اس کے علاوہ سابق عنوانات مثلاً خیالات۔ بزم شعرا۔ صحت وتندرستی بھی اس پرچہ میں بدستور ہیں۔ میں استدعا کرتا ہوں کہ مذکورہ بالا عنوانات کو مستقل عنوان قرار دیکر رسالہ کی مستقل بلندی کا ثبوت پہنچانے کی سعی فرمائیں گے۔ درحقیقت آپ حضرات کی جدوجہد محشر خیال کیلئے ایک نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوگی۔ ۴

اِک بار پھر گلے سے آؤ تمہیں لگالیں

از جناب بدرالدین صاحب بدرؔ

(۱)

تاروں کی روشنی میں تم کو گلے لگایا ۔۔۔ رو رو کے دردِ فرقت پہروں تمہیں سنایا
کیں التجائیں لاکھوں برسوں تمہیں منایا ۔۔۔ منت ہماری مانو تو پھر تمہیں منالیں
اک بار پھر گلے سے آؤ تمہیں لگالیں

(۲)

نظروں میں پھر رہا ہے دریا کا وہ نظارا ۔۔۔ تھے محوِ دید ہم تم اور بہہ رہا تھا دھارا
پھسلے قدم تمہارے ٹوٹا جو کچھ کنارا ۔۔۔ ویسے ہی پھر گرو تم ہم پھر تمہیں سنبھالیں
اک بار پھر گلے سے آؤ تمہیں لگالیں

(۳)

کرتے تھے مل کے جب ہم گلشن کی سیر اکثر ۔۔۔ پھولوں کی نکہتوں کا بھولا نہیں ہوں منظر
سنبل کے پیچ جیسے تم نے نکالے ہنسکر ۔۔۔ ویسے ہی ہم تمہاری زلفوں کے بل نکالیں
اک بار پھر گلے سے آؤ تمہیں لگالیں

(۴)

آتی ہیں یاد اکثر تاروں بھری وہ راتیں ۔۔۔ جب تم جگا جگا کر کرتے تھے ہم سے باتیں
خوابیدہ زندگی کو ہم دے رہے تھے ماتیں ۔۔۔ اب آنے والی راتیں ویسی ہی پھر بنالیں
اک بار پھر گلے سے آؤ تمہیں لگالیں

(۵)

کشتی پہ جب ہمارے ہمراہ تم چڑھے تھے — گرداب بن کے آنکھیں جب تم کو دیکھتے تھے

آئینہ حیرتوں کا تم بن کے رہ گئے تھے — آئینہ حیرتوں کا ہم پھر تمہیں بنا لیں

اک بار پھر گلے سے آؤ تمہیں لگا لیں

(۶)

کیوں کیا خطا ہماری کیوں ہم کو چھوڑ بیٹھے؟ — الفت کا وہ رشتہ دم بھر میں توڑ بیٹھے

دونوں جہاں سے کھو کر منہ ہم سے موڑ بیٹھے — مغموم زندگی کو پُر کیف پھر بنا لیں

اک بار پھر گلے سے آؤ تمہیں لگا لیں

(۷)

کیوں دوست! کیا پلٹ کر آئے گا وہ زمانا — وہ ربط و ضبطِ باہم وہ لطفِ دوستانا

ہنگامِ عید ہنس کر ہم کو گلے لگانا — ہر آنے والے دن کو ہم عید پھر بنا لیں

اک بار پھر گلے سے آؤ تمہیں لگا لیں

(۸)

اے کاش پھر مقدر وہ دن ہمیں دکھائے — وہ جلوۂ مکمل آنکھوں میں جگمگائے

مرکز پہ یک دلی کے تقدیر ہم کو لائے — پھر بارِ عاشقی کو مِل جُل کے ہم اٹھا لیں

اک بار پھر گلے سے آؤ تمہیں لگا لیں

سُن لو عزیز و میری زبانی — زیست کا اپنے رازِ نہانی

عمر ہے گویا بہتا سا پانی — ختم ہے ایک دن اس کی روانی

بحرِ فنا میں گویا یہ ہستی

ایسی ہے جیسی کاغذ کی کشتی

[illegible] لطف آزاد

آوارہ

ڈرامہ

کردار

رادہا ——— ایک خوبصورت اور شوخ طوائف

شیلا }
گیتا } ——— رادھا کی سہیلیاں

کندن ——— ایک رنگین مزاج نوجوان

رمیش ——— کندن کا دوست

زمانۂ حال

منظر اوّل

شاہ راہ ——— وقت صبح

[رادہا۔ شیلا اور گیتا تینوں زرق برق لباس میں شاہ راہ پر سے گذرتی ہیں۔ آوارہ کندن ان کے پیچھے جارہا ہے۔ تینوں مل کر اس کے متعلق قیاس آرائیاں کرتی ہیں۔]

شیلا۔ رادہا دیکھو! وہ نوجوان آج پھر ہمارے تعاقب میں آرہا ہے۔ نہ جانے اس کے دل میں کیا سمائی ہے۔

رادہا۔ میں بتاؤں؟

شیلا۔ تم اس کے دل کی باتیں جانتی ہو۔

رادہا۔ ہاں!

شیلا۔ اچھا بتاؤ۔

رادھا۔ خفا تو نہیں ہوگی؟

شیلا۔ نہیں!

رادہا۔ (شوخی سے) مانو شیلا وہ ہر روز تمہارے لئے آتا ہے اور تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہے۔!

گیتا۔ ہشو رادہا تمہیں تو ہر وقت دل لگی سوجھتی ہے۔!

شیلا۔ (بات کاٹ کر) معلوم ہوتا ہے اس کی شامت آگئی ہے۔

رادہا۔ نہیں نہیں شیلا۔ ایسا نہ کہو وہ بیچارہ غریب۔ بے روزگار اور پریشان معلوم ہوتا ہے۔ ملازمت کی تلاش میں ادھر ادھر مارا مارا پھر رہا ہوگا اس سے ہم یہ کیونکر سمجھ لیں کہ وہ ہمارے تعاقب میں آتا ہے۔

شیلا۔ نہیں رادہا وہ کوئی بدمعاش معلوم ہوتا ہے۔ ہمیں اس کے لئے کچھ کرنا چاہیئے۔

رادہا۔ اگر میری مانو تو ایک ترکیب بتاؤں۔

گیتا۔ وہ کیا؟

رادھا۔ اسے سزا ہی دینا مقصود ہے تو شریفوں کی طرح کیوں نہیں دیتیں۔؟

شیلا۔ کس طرح۔؟

رادہا۔ (شرارت سے) جس طرح شمع پروانے کو جلاکر خاک کر ڈالتی ہے۔

گیتا۔ رادہا تم حد سے زیادہ شوخ ہوتی جارہی ہو۔ بس خاموش رہو۔

رادہا۔ نہ مانو میرا کیا۔ میں تو بھلے کی بات کہہ رہی ہوں اس طرح سانپ بھی مرجاتا اور لکڑی بھی نہ ٹوٹتی!

شیلا۔ تو تمہارا یہ مطلب ہے کہ ہم اس سے راہ و رسم پیدا کریں؟

رادہا۔ کیوں وہ اس قابل نہیں۔؟

شیلا۔ نہیں وہ پہلے درجہ کا آوارہ معلوم ہوتا ہے۔

رادہا۔ یہ تمہارا خیال ہے۔ کسی کے چہرے پر شریف لکھا ہوا نہیں ہوتا۔ شرافت اس کے دل سے پہچانی جاتی ہے۔

شیلا۔ اگر تمہیں اس سے اتنی ہمدردی ہے تو تم اس سے شادی کیوں نہیں کرلیتیں۔؟

رادہا۔ مگر وہ تو تمہیں چاہتا ہے!

گیتا۔ (پہلوتہی کرکے) چھوڑو ان باتوں کو فضول بحث سے کیا فائدہ۔

شیلا۔ رادہا تم ایک کام کروگی؟

رادہا۔ کیا؟

شیلا۔ میں اور گیتا آگے بڑھ جاتے ہیں۔ تم آہستہ آہستہ آؤ۔ وہ تمہیں تنہا دیکھ کر تم سے باتیں کرنے کی کوشش کرے گا۔ اس وقت تم اس کی

نیک بختی کی اتنی داد دینا کہ اس کی چند باتیں ہو جائے۔

رادھا۔ وہ غریب تمہیں چاہے اور میں زبردستی اس کے گلے پڑوں یہ تو مجھ سے نہ ہوگا۔

شیلا۔ اچھی بات ہے۔ تم دونوں آگے بڑھ چلو۔ میں آہستہ آہستہ تمہارے پیچھے آ رہی ہوں۔ موقعہ ملنے پر آج اس کی خوب خبر لوں گی۔

[رادھا اور گیتا آگے بڑھ جاتی ہیں۔ شیلا آہستہ آہستہ چل رہی ہے۔ نوجوان اس کے قریب سے خاموش گذر جاتا ہے اور رادھا و گیتا کے قریب جا کر پوچھتا ہے۔]

گیتا: نوجوان کو دیکھ کر حیرت سے) ارے وہ ذات شریف تو یہ رہے۔

رادھا۔ کہاں؟

گیتا (اشارے سے) دیکھو!

(کندن ان کی باتیں سن لیتا ہے)

کندن (گیتا سے) کیا آپ میرے متعلق کچھ کہہ رہی ہیں؟

گیتا (غصے سے) نہیں آسمان کے متعلق!

کندن۔ اوہ! شکریہ!!

(کندن آگے بڑھتا ہے)

رادھا۔ ذرا ٹھہر جائیے!

کندن۔ کیوں؟

رادھا۔ آپ اپنا شکریہ واپس لیتے جائیے۔

کندن (سنجیدگی سے) اگر آپ دے سکیں تو شوق سے واپس کر دیجئے۔

[رادھا اپنا بیگ کھول کر متحسسانہ نظر ڈالتے ہوئے کندن کی طرف دیکھ کر]

رادھا۔ آپ میرے چہرے کی طرف کیا دیکھ رہے ہیں۔؟

کندن۔ (مسکراتے ہوئے) اپنی ناکامی!

(اس دوران میں شیلا قریب آ جاتی ہے)

شیلا (نہایت غصہ سے) کیوں جی عورتوں کو راہ میں چھیڑتے ہوئے تمہیں شرم نہیں آتی؟

کندن (بھولے پن سے) کبھی سابقہ پڑا ہوتا تو شاید واقف ہوتا!

شیلا۔ رذیل، کمینہ کہیں کا!

رادھا۔ شیلا ....!

(رادھا کچھ کہنا چاہتی ہے مگر کندن کی طرف دیکھ کر خاموش رہ جاتی ہے)

کندن۔ (شیلا کی طرف دیکھتے ہوئے) اچھا سنئے!

(کندن پھر آگے بڑھتا ہے)

شیلا۔ (درد کے پن سے) سنئے!

(کندن کے چلے جانے کے بعد رادھا، شیلا اور گیتا بھی چلی جاتی ہیں)

منظر دوم

موٹر بس ———— وقت شام

[کندن امیرانہ لباس میں بس پر سوار اخبار بینی میں مصروف ہے۔ بس اسٹیشن پر رکتی ہے۔ رادھا، گیتا اور شیلا تینوں زرین ساریوں میں ملبوس اس پر سوار ہوتی ہیں اور بس روانہ ہوتی ہے۔]

شیلا۔ (کندن کو دیکھ کر آہستہ سے) رادھا تم نے کچھ دیکھا؟

رادھا۔ (لاپرواہی سے) تمہاری آنکھیں جو دیکھ سکتی ہیں بھلا وہ مجھے کیونکر نظر آ سکتا ہے!

شیلا۔ (اشارہ کرکے) اری اودھر دیکھ؟

رادھا۔ کہاں دیکھوں۔ کسے دیکھوں۔ کیوں دیکھوں؟

(انجان بن کر کندن کو دیکھنے کے بعد)

اوہ تمہارا مطلب ہے۔ اس آوارہ کو دیکھوں اسے تو تمہیں دیکھتیں تو اچھا ہوتا

شیلا۔ آج کیا شریف بنا ہوا ہے۔

رادھا۔ نہیں شیلا تم بھول رہی ہو۔ وہ تو پرلے درجہ کا بدمعاش ہے۔

شیلا۔ (رادھا کی باتوں کا خیال نہ کرتے ہوئے) ٹھاٹھ تو دیکھو کیا امیرانہ ہے

رادھا۔ شیلا تم نے اسے اتنی جلدی پسند بھی کر لیا۔

شیلا۔ (رادھا کی باتوں سے متاثر ہو کر) میں اسے کیوں پسند کرنے لگی وہ تو تمہارا بیچارہ ہے۔

رادھا۔ تو اس میں شک کی کونسی بات۔ وہ بیچارہ پہلے بھی تھا اور اب بھی ہے

گیتا۔ خوبصورت بھی ہے۔

شیلا۔ تعلیم یافتہ اور نوجوان بھی۔

رادھا۔ ہوگا تمہارے لئے۔ مگر میری نظر میں تو وہی اچکا اور بدمعاش ہے

کندن۔ (شیلا سے مخاطب ہو کر) معاف فرمائیگا۔ آپ نے کچھ ارشاد فرمایا؟

شیلا۔ نہیں ——— مگر آپ ہیں کون؟

کندن (رادھا کی طرف اشارہ کرکے) ابھی آپ جس کے متعلق کچھ کہہ رہی تھیں میں وہی ہوں۔

گیتا۔ یہ تو ہمیں پہلے ہی سے معلوم ہے۔

کندن۔ شکریہ!

رادھا۔ (بس کے باہر نظر ڈالتے ہوئے) چلو شیلا۔

شیلا۔ اوہ۔ اب ہمیں اترنا ہے ...... ٹھیک ...... یہ تو میں

بھول ہی گئی تھی۔

رادھا۔ (طنزیہ لہجہ میں) ہاں تمہیں کیوں خیال رہنے لگا تم تو خیالِ یار میں محو تھیں!

شیلا۔ (اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے) اچھا جنٹلمین نمستے!

کندن۔ .... !

رادھا۔ اچھے بابو نمستے۔

کندن۔ (رادھا کی طرف دیکھ کر) نمستے۔

[رادھا اپنا بیگ بھول جاتی ہے۔ ناگاہ کندن کی نظر اس پر پڑتی ہے۔ جس پر رادھا لکھا ہوا ہوتا ہے وہ اسے فوراً اٹھا کر رادھا کو پیش کرتا ہے۔]

آپ کا بیگ۔

رادھا۔ (اپنا بیگ لیتے ہوئے) شکریہ!

کندن۔ شکریہ کی کیا ضرورت ہے!

رادھا۔ شاید آپ کو بھی شکریہ کی ضرورت نہیں۔ اچھا تو آپ بھی خوشی سے واپس کر سکتے ہیں۔

[گیتا اور شیلا، رادھا کے جواب پر مسکراتی ہیں۔ کندن شرما جاتا ہے۔ اس اثنا میں بس رکتی ہے تینوں بس سے اترتی ہیں اور کندن اپنی جگہ پر بیٹھا رہتا ہے]

منظر سوم

بازار ——————— وقت رات

[رات کے وقت کندن رمیش کے ساتھ امیرانہ ٹھاٹھ سے بازار میں پھر رہا ہے۔ آخر ایک جگہ مڑتے ہوئے کندن رمیش سے مخاطب ہوتا ہے]

کندن۔ ہم کہاں چل رہے ہیں رمیش؟

رمیش۔ یہ تو چلنے کے بعد معلوم ہوگا۔

کندن۔ آخر کوئی ٹھور ٹھکانہ؟

رمیش۔ ہم جیسے منچلے اور رنگین مزاجوں کا ٹھور ٹھکانہ پوچھ رہے ہو۔ ایسے بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے؟

کندن۔ سمجھا...... رات کے اندھیرے میں شاید ہم چوری کرنے جا رہے ہیں؟

رمیش۔ (کندن کے سمجھ جانے پر) اور وہ بھی حسن کی چوری۔

[دونوں قہقہہ لگاتے ہیں۔ ایک طوائف کے دروازے پر پہونچکر رک جاتے ہیں۔ طوائف دھیمے سروں میں گا رہی ہے]

نہ کسی کی آنکھ کا نور ہوں نہ کسی کے دل کا قرار ہوں
جو بگڑ گیا وہ نصیب ہوں جو اجڑ گیا وہ دیار ہوں

(دونوں مکان میں داخل ہوتے ہیں۔ طوائف رمیش اور کندن کو دیکھکر استقبال کے لئے کھڑی ہو جاتی ہے)

طوائف۔ آیئے بابو جی۔

کندن۔ (رادھا کو ... پہچان کر) کون...... رادھا اور طوائف؟

رادھا۔ آپ اور یہاں؟

کندن۔ اس میں حیرت کی کونسی بات ہے بدمعاش اور اچکوں کا اس جگہ کے سوا اور ٹھکانہ ہی کہاں ہو سکتا ہے؟

رمیش۔ (کندن سے) یار تم تو چھپے رستم نکلے۔ معلوم ہوتا ہے تمہاری اور رادھا بائی کی پرانی ملاقات ہے۔

کندن۔ نہیں رمیش میں یہاں پہلی بار آرہا ہوں اور وہ بھی تمہارے ساتھ

رمیش (کندن کا ہاتھ پکڑ کر اندر داخل ہوتے ہوئے) آؤ بھی چھوڑو اس قضیہ کو۔

(رادھا سے)

اور ہاں دیکھو رادھا بائی یہ میرے بہت گہرے دوست ہیں۔ جی بہلانے کے لئے تمہارے یہاں چلے آئے ہیں۔ انہیں ہر طرح خوش رکھنے کی کوشش کرنا

رادھا۔ اس کی ضرورت نہیں رمیش میں اپنے فرائض اچھی طرح جانتی ہوں۔ (ایک لمحہ غور کرنے کے بعد)

رمیش تم انہیں یہاں کیوں لائے۔ کاش تم انہیں اپنے ساتھ نہ لاتے۔ تو ان کے ساتھ ساتھ مجھ پر بھی تمہارا بڑا احسان ہوتا۔

رمیش۔ واہ! یہ خوب رہی۔

کندن۔ رادھا تمہیں اپنے کام سے کام رکھنا چاہئے۔ فضول باتوں سے تم اپنا نقصان کیوں کر رہی ہو۔

رمیش (قریب کی میز سے شراب کی ایک بوتل اٹھاتے ہوئے) لو کندن پیو خوب پیو اور اتنی پیو کہ رادھا بائی تمہیں پہچان نہ سکیں۔

کندن۔ ہاں رمیش۔ آج تو مجھے پینی ہی پڑے گی۔ ایسے دن بار بار نہیں آتے۔

[یہ کہہ کر کندن ایک صوفے پر بیٹھ جاتا ہے۔ رمیش بوتل کی کاگ توڑتا ہے اور دونوں شراب پیتے ہیں۔ یہ دیکھ کر رادھا کندن سے جام چھین لیتی ہے۔]

کندن۔ اس کا مطلب؟

رادھا۔ تم نہیں سمجھ سکتے۔

کندن۔ مجھے سمجھنے کی ضرورت بھی نہیں۔

رادھا۔ کیا تم، تم۔۔۔۔۔۔!

(اتنا کہہ کر رادھا صوفے پر گر جاتی ہے۔ اور اپنا منہ چھپا کر رونے لگتی ہے)

کندن۔ تم رو رہی ہو ۔۔۔ اچھا نمستے!

(کندن جانے کے لئے اٹھتا ہے۔ یہ دیکھ کر رادھا اپنا سر اٹھاتی ہے)

رادھا۔ ٹھہریئے کندن بابو ٹھہریئے آپ کہاں جا رہے ہیں؟

کندن۔ پیاسا کنوئیں کے سوا اور کہاں جائیگا۔!

رادھا۔ لیکن اس پانی کو جس کی ایک بوند بھی حلق میں اترتے ہی دل جگر اور سارے جسم کو جلا کر خاک کر دے پینے سے تو پیاسا مر جانا ہی اچھا ہے۔ کندن بابو!

کندن۔ رادھا میں یہاں تمہاری نصیحت سننے نہیں آیا۔

رادھا۔ میں تمہیں نصیحت نہیں کرتی اپنے من کا سندیش سنا رہی ہوں۔

کندن۔ من کا سندیش آرتی پر نہیں اور پریتم سنا کرتے ہیں۔

رادھا۔ (کندن کا دامن پکڑ کر) ایشور کے لئے نہ جاؤ۔

کندن۔ اس گھر میں ایشور کا نام لینا پاپ ہے۔

رادھا۔ میں ہاتھ جوڑتی ہوں۔

کندن۔ (آگے بڑھتے ہوئے) میں کوئی دیوتا نہیں۔

رادھا۔ میں تمہاری بنتی کرتی ہوں۔

کندن۔ میرے کان بہرے ہیں۔

رادھا۔ (مایوس ہو کر) اچھا کندن بابو ٹھہریئے نہ جایئے میں سب کچھ کہنے کو تیار ہوں۔

کندن۔ (واپس لوٹتے ہوئے) لو سچ کہہ رہی ہو رادھا؟

رادھا۔ (آنسو پونچھتے ہوئے) ہاں کندن بابو ایک طوائف کیا نہیں کر سکتی؟

رمیش (رادھا سے) مگر تم روتی کیوں ہو؟

رادھا۔ اس لئے روتی ہوں کہ سماج کی نظروں سے گر کر کسی کی نظروں میں سما جانا چاہتی تھی۔ مگر یہ نہیں معلوم تھا کہ ایک بار نظروں سے گر کر دوبارہ نہیں اٹھائی جا سکتی۔ میں ایک طوائف ہوں۔ ذلیل طوائف یہ سچ ہے مگر پاپ کے گڑھے میں گری ہوئی طوائف اگر اس سے نکلنا چاہے تو کیا تمہارے سماج کا یہی قانون ہے کہ اُسے سہارا دینے کی بجائے اور دھکیل دیا جائے۔ بولو۔ جواب دو۔!

کندن۔ (تصنع سے کام لے کر) خیر کوشش کروں گا۔

(رادھا اٹھتی ہے اور سارنگی پر پھر وہی گانا گاتی ہے۔

[اس اثنا میں رمیش کندن کو خوب شراب پلاتا ہے۔ کندن شراب پی کر مدہوش ہو جاتا ہے۔ اور جوشِ مستی میں رادھا کی طرف بڑھتا ہے۔ رادھا گھبرائی ہوئی اُسے باز رکھنے کی کوشش کرتی ہے۔ لیکن وہ بڑھا چلا جاتا ہے۔ یہ دیکھ کر

[رادھا غیر ارادی طور پر گلدان اٹھا کر کندن کی طرف پھینکتی ہے کندن سر تھام کر ڈگمگاتے ہوئے قدموں سے کچھ دور چلنے کی کوشش کرتا ہے لیکن فوراً ہی زمین پر گر پڑتا ہے۔]

کندن۔ یہ تم نے کیا کیا رادھا؟

رادھا۔ تم گر رہے تھے میں نے تمہیں بچا لیا۔

کندن۔ تمہیں اس اپکار کا خیال کیسے آیا۔؟

رادھا۔ میں ویشیا ضرور ہوں۔ لیکن یہ کیسے ہو سکتا تھا میں جو اوروں کیلئے ہوں وہی تمہارے لئے بھی ثابت ہوتی۔

کندن۔ اس کا مطلب؟

رادھا۔ مجھے تم سے پریم ہے۔ پھر بھلا تمہاری تباہی کا باعث کیسے بن سکتی تھی۔ اگر اس گلدان سے تمہیں چوٹ آئی ہے تو وہ میری سیوا سے اچھی ہو جائیگی مگر لیکن اگر تم مجھ گلبدن کے کشتہ ہوتے تو شاید کوئی علاج بھی کارگر نہ ہوتا۔

کندن۔ ہوں:

رادھا۔ مجھے معاف کر دو۔ کندن میں پاپی ہوں۔ سماج کی پاپن اور تمہاری بھی۔!

کندن۔ اچھا تو تم میری ایک بات مانوگی؟

رادھا۔ اگر میری معافی کے لئے یہی ضروری ہے تو سر آنکھوں سے۔

کندن۔ تو دیکھو میں ایک چیز مانگتا ہوں۔ دو گی۔؟

رادھا۔ کیا؟

کندن۔ ہاتھ ادھر بڑھاؤ اور دیکھو میرے سر سے خون بہہ رہا ہے پہلے اس پر پٹی باندھ دو اور پھر۔۔۔۔۔۔۔۔!

رادھا۔ اور پھر۔۔۔۔۔۔۔؟

کندن۔ اور پھر ان ہاتھوں کو ہمیشہ کے لئے میری ہی سیوا کی خاطر وقف کر دو۔ پھر اس کے بعد۔۔۔۔۔۔!

رادھا۔ پھر اس کے بعد کیا۔۔۔۔۔۔؟

کندن۔ اس کے بعد کندن تمہاری سیوا کے لئے وقف ہو جائے گا۔

[رادھا شرماتی ہوئی آگے بڑھتی ہے۔ کندن اپنے دونوں بازو پھیلا دیتا ہے۔]

محشر خیال کے قلمی معاونین تمام مضامین کاغذ کی ایک جانب صاف اور خوشخط تحریر فرمایا کریں۔ تاکہ کتابت میں سہولت ہو۔ سطروں کے درمیان ایک سطر کے برابر فاصلہ چھوڑیں تاکہ ترمیم آسانی سے ہو سکے۔

(ادارہ)

نظم

رازِ زندگی

از جناب ایم۔ اے اختر صاحب انصاری جرنلسٹ

سننے والوں سے یہ کہدو نہ ہراساں ہونا طرزِ نو سے ہے مجھے آج غزل خواں ہونا
میرے نالوں سے یقیں ہے دلِ احباب ہلیں میری آہوں سے ہے محفل کو چراغاں ہونا
اہلِ ملت کیلئے مجھ کو ہے ماتم کرنا! ان کی خاطر ہے مجھے بزم میں گریاں ہونا
زیست کا راز مجھے ان سے بیاں کرنا ہے جن کی قسمت میں ہے عالم کا نگہباں ہونا

جب مشیت ہوئی مصروفِ بنائے ہستی! خاک کو حکم ہوا معدنِ امکاں ہونا!
نہیں بیکار کوئی قطرۂ بارانِ وجود! بڑھتے بڑھتے اسی قطرہ کو ہے طوفاں ہونا
میری تکوین ہے عالم میں مثالِ ذرّہ لیکن اس ذرّہ کو ہے مہرِ درخشاں ہونا
مجھ سے پیدا تپشِ شوق میں عالم سوزی مجھ میں پوشیدہ ہے اک درد کا درماں ہونا
میری تخلیق میں ہے سرِّ خلافت پنہاں میری تقدیر میں ہے حاکمِ دوراں ہونا
حکم حاکم ہے یہی میرے سوا عالم میں! تم کسی کے نہ کبھی تابعِ فرماں ہونا

زندگی عزم تسلط ہے بسعئ ذاتی موت ہے غیر کا شرمندۂ احساں ہونا
سعئ پیہم میں بصد شوق گذارے اک عمر تب میسر ہو کفِ خاک کو انساں ہونا

ایک قیمتی مقالہ

ملکیت اور حق مطلق

از جناب
اے نظر ہاشمی
علیگ

ساری دنیا آج مختلف قسم کی کشمکش میں مبتلا نظر آتی ہے لیکن ان میں سب سخت وہ روحانی کشمکش ہے جو یقیناً اقتصادی و معاشی حالات کی انتہائی ابتری کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہے۔ مشرق میں یہ کشمکش خاص طور سے نمایاں ہے۔ اور آج کا سیاسی مسئلہ جس کی بنیاد اقتصادیات پر ہے سب سے زیادہ اہم ہے۔ چونکہ گذشتہ کئی قرنوں سے ہم ایک غیر تغیر پذیر سماجی نظام کے عادی ہیں اور ہم میں سے بہت سے لوگوں کا ابھی تک یہ عقیدہ ہے کہ صرف یہی نظام صحیح اور قابل عمل ہے۔ اسی لئے آج جو فرسودہ روش پر چل کر اقتصادی و معاشی مشکلات سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے وہ لازمی طور پر ناکام ثابت ہوتی ہے۔ امریکہ کے ماہر معاشیات وبلن نے لکھا ہے کہ "معاشی اخلاق اصل میں معاشی ضروریات کا تابع ہے" پس موجودہ زمانہ کی ضروریات ہمیں مجبور کرتی ہیں کہ ہم ان کے مطابق ایک نیا نظام مرتب کریں اگر ہمیں اس روحانی کشمکش سے نجات پانا ہے اور اس بات کو دریافت کرنا ہے کہ صحیح روحانی معیار کے مطابق آج کل کونسی چیزیں زیادہ اہمیت رکھتی ہیں تو ہمیں ان مسائل پر جرأت اور دلیری کے ساتھ غور کرنا پڑے گا۔

ہمارے پیش نظر ایک ایسی سماج ہے جس میں مختلف طبقوں کا فرق مٹ جائے۔ معاشی معاملات میں سب کے ساتھ یکساں انصاف برتا جائے اور سب کو یکساں موقع دیا جائے۔ یعنی ایک ایسی منظم سماج جس کا مقصد یہ ہو کہ بنی نوع انسان بلند تر مادی اور تمدنی سطح پر پہونچ سکے اور اس میں روحانی صفات یعنی اشتراک عمل، بے غرضی، خدمت خلق، حق پسندی ہمدردی اور محبت نشو و نما پا سکیں۔ ہمارا نصب العین یہ ہے کہ ایک دن اس طرح کا ایک عالمگیر نظام قائم ہو جائے۔ اس راہ میں جو چیز رکاوٹ پیدا کرے اسے ہٹا دیا جائے۔ لیکن اگر قوت کا استعمال کیا جائے تو وہ نفرت اور ظلم کے جذبہ کے ماتحت نہ ہو بلکہ ٹھنڈے دل سے محض رکاوٹ کو دور کرنے کے لئے قوت و طاقت کا استعمال سلیقہ سے ہونا چاہئے۔ کیونکہ بے سلیقہ طاقت کنجی کو خراب کر کے کلہاڑی سے تالا کھولتی ہے یہ بات ذہن نشین کر لینا چاہئے کہ جو لوگ اقتدار اور مستقل حقوق کے مالک ہوتے ہیں وہ انہیں اس وقت تک نہیں چھوڑتے۔ جب تک وہ اسیر مجبور نہ کئے جائیں یا جب تک ایسے حالات نہ پیدا کر دئے جائیں کہ ان کے لئے ان حقوق کا نہ چھوڑنا چھوڑنے سے زیادہ مضر ہو۔ لہٰذا سماج کی موجودہ کشمکش یعنی قومی جنگ اور طبقوں کی جنگ کا تصفیہ بجز جبر کے اور کسی صورت سے ممکن نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ پہلے لوگوں کو اپنا ہم خیال بنانے کا کام بہت بڑے پیمانے پر کرنا پڑیگا کیونکہ جب تک بہت بڑی جماعت ہم خیال نہ ہو جائے اس وقت تک معاشرتی تبدیلی کی کوئی تحریک مضبوط بنیاد پر قائم نہ ہو سکے گی اور یوں بھی ایک غیر منصفانہ نظام کے خلاف جنگ کرنے کے لئے ضروری ہے۔ کہ ان غلط مفروضات کی تردید کی جائے جن پر اس کا دارومدار رہے۔ بہرحال اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ موجودہ سرمایہ دار سماج کی بنیاد کس اصول پر قائم ہے؟ صرف اس قدر کہہ دینا کہ موجودہ نظام کچھ نہیں مگر ایک سرمایہ داری کی روشن تصویر ہے ...... کافی نہیں یہ تو ایک کھلی ہوئی چیز ہے جس کو معمولی سی سمجھ کا آدمی تھوڑی سی جستجو اور پہلی ہی بار مطالعہ کرنے کے بعد سمجھ لیتا ہے کہ موجودہ سرمایہ دار سماج کی روش بنی نوع انسان کے لئے مضر ہے اور جدید سماج کی تشکیل میں سخت تکلیف دہ راستہ کا کانٹا ہے مگر ذرا اور غور و فکر سے کام لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس سے زیادہ مضر اور جدید سماج کی تشکیل کے لئے سد راہ ملکیت اور حق مطلق ہے۔

بعض ماہرین اقتصادیات کا خیال ہے کہ ملکیت اور حق مطلق عمل پر قائم ہے یا ایک شخصی عمل کے نتائج پر اس کے قبضہ و اقتدار کا وجود ہے۔ لیکن یہ دلیل کمزور ہے کیونکہ واقعہ اس کے خلاف ہے۔ اگر ہم غور کریں تو معلوم ہوگا کہ جس گھر میں ہم رہتے ہیں وہ تمام تر ہماری صنعت کا نتیجہ نہیں ہے۔ اسی طرح تمام مصنوعات جن کو ہم اپنی مطلق ملکیت قرار دیتے ہیں حقیقتاً ہماری ذاتی محنت سے حاصل نہیں ہوئی ہیں بلکہ نتیجہ ہیں دوسروں کی محنت کا جسکو جبراً حاصل کیا گیا ہے۔

ملکیت اور حق مطلق کے متعلق دوسرا خیال یہ ہے کہ اس کے اختراع سے سماج کو فائدہ پہونچتا ہے۔ کیونکہ ثروت و دولت سے بہترین نتائج پیدا کرنے کا خود ذریعہ یہی ہے" یہ خیال ایک حد تک

ہے۔ لیکن آج کی سماجی حالت دیکھتے ہوئے یہ کہنا مشکل ہے کہ حق مطلق سے اجتماعی فائدہ پہونچتا ہے۔ وسائل معاش انفرادی چیز نہیں بلکہ وظیفہ اجتماعی ہے۔ اسی لئے اس کو کسی فرد کا حق مطلق قرار دینا سماج کے دیگر افراد کے حق میں انتہائی ظلم ہے۔ اور کسی طرح بھی یہ درست نہیں ملکیت اور حق مطلق کے اعتراف سے سماج کو فائدہ پہونچتا ہے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے فی الحقیقت ایسا نہیں ہے۔ پورے سماج کو تو فائدہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے جبکہ وسائل معاش پر سماج کے تمام افراد کا مشترک قبضہ ہو۔ جوائنٹ اسٹاک کمپنیاں اور اسی قسم کے دوسرے ادارے بھی وظیفہ اجتماعی نہیں اس میں بھی انفرادی ملکیت اور حق مطلق کی روح ہے۔ مگر چولا تبدیل کر دیا گیا ہے کتابوں کے دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ قدیم زمانہ میں حق ملکیت بہت محدود تھا اور صرف غلاموں اور عورتوں تک جائز سمجھا جاتا تھا۔ اس کے بعد زیور اسلحہ اور گھوڑا بھی اس میں شامل ہوا اس کے بعد وہ قطعہ زمین جہاں کسی خاندان کے اسلاف مدفون ہوں۔ زمین کے وہ ٹکڑے جہاں کاشت کرتے ہیں بہت عرصہ کے بعد حق مطلق کی تحت میں آئے۔ قدیم زمانہ میں حق مطلق صرف بادشاہ کو حاصل تھا لیکن رفتہ رفتہ یہ قبیلہ کے سرداروں کو حاصل ہوا اور اب تو ہر انسان کے لئے مباح اور جائز ہے۔ قدیم زمانہ میں حق مطلق سے صرف خدمت لینے اور عارضی طور پر فائدہ اٹھانے کا حق حاصل تھا۔ پھر اس کے بعد ہبہ کرنے اور بیچنے کا حق حاصل ہوا اور آج موجودہ حالت تو یہ ہے کہ ایک شخص مرنے کے بعد یہی جس کو چاہتا ہے وصیت کر کے اپنے حق مطلق کو دے دیتا ہے۔

اب ذرا سکون اور ٹھنڈے دل سے اگر اس مسئلہ پر غور کیا جائے تو صاف ظاہر ہو جائیگا کہ ملکیت کی موجودہ صورت یعنی تمام نوع کی املاک کو قانوناً افراد کے لئے حق مطلق قرار دینا اجتماعیت اور سماج کی ترقی کے لئے کس قدر مضر ہے۔ ہم جرأت کے ساتھ۔۔۔۔۔ کہتے ہیں کہ موجودہ نظام حق مطلق کا قانون تمام قسم کی برائیوں کے پیدا ہونے کا سبب ہے آج اس زمانہ میں ہر فرد کو جب یہ حق مطلق حاصل ہے کہ وہ اپنی ملکیت کو چاہے تباہ و برباد کر دے چاہے کسی غیر مستحق کو اٹھا کر دیدے اور پھر اس میں کوئی دخل دینے کا بھی مجاز نہ ہو تو کیوں نہ سماج کی تباہی و بربادی ہو اور افلاس و بیکاری ملک میں کیوں نہ پھیلے۔ وراثت اور ہبہ کے ذریعہ جس طرح آج ملکیت منتقل ہو جاتی ہے۔ اس کے دیکھنے سے یہ صاف پتہ چل جاتا ہے کہ ایسا طبقہ مالک کا مالک ہو جاتا ہے۔ جس نے اس کے حصول میں کوئی کوشش نہیں کی ہے اور دنیائے عمل سے بہی کتنی بڑی ثروت علیحدہ ہو جاتی ہے۔

بہرحال، اس حق مطلق نے دنیائے عمل کے اندر سخت نقصان پہونچا رکھا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ نقاب اٹھا کر حقیقت آشکار کر دی جائے اور یہ بھی ظاہر کر دیا جائے کہ ایک اچھے سماج کے اصلی اور بنیادی مطلب کیا ہیں۔ اور اس کی بڑھتی ہوئی مانگیں کیوں کر پوری ہونگیں۔

تجلیٔ طور

(از حضرت محمد عارف شہید سیوہاروی جانشین حضرت آغا شاعر قزلباش مرحوم دہلوی)

ذرّہ کو رشکِ طور تجلّی نہ کیجئے
فطرت کو حسنِ ناز کا شیدا نہ کیجئے

پامالیٔ رگِ گلو پہ نہ بسمل کی ڈالئے
لاشہ تڑپنے دیجئے ٹھنڈا نہ کیجئے

میری نگاہِ شوق ہے خود آپ کی نظر
اپنی نگاہِ شوق کو رسوا نہ کیجئے

میں ہوں بُرا تو کیجئے میری شکایتیں
دل آپ کا ہے اس کا تو شکوا نہ کیجئے

آیا ہوں شوقِ دید میں دیدار کیلئے
جو آپ کا ہو اس سے تو پردا نہ کیجئے

برقِ نظر نہ پھونکدے کاشانۂ حیات
یوں مسکرا کے دیکھئے، دیکھا نہ کیجئے

اس مرتبہ تو اور بھی پی لیجئے شہید
اغلاط ہوں تو ان کی بھی پروا نہ کیجئے

نظم

ہمالہ

از حضرت نہال سیوہاروی

اے ہمالہ! اے بلندی کے جہانِ بے نظیر — پوچھتی ہیں رفعتیں تیری مزاجِ چرخِ پیر

عالمِ ایجاد کا سب سے بڑا پربت ہے تو — جس پہ نازاں ہند ہے وہ ہند کی عظمت ہے تو

دیکھ کر تیری بلندی کو نظر حیران ہے — تو وہ دنیا ہے جہاں عقلِ بشر حیران ہے

ایک پُر شوکت زمیں سے آسماں تک سلسلہ — میری عظمت کا کہاں سے ہے کہاں تک سلسلہ

روزِ اوّل سے یونہیں پائندہ شانیں ہیں تری — خندہ زن امواجِ دوراں پر چٹانیں ہیں تری

بامِ دنیا سے ہے اونچی آج تو پروازِ فکر — آفریں صد آفریں اے ہمتِ شہبازِ فکر

جاننے کی طرح اسرارِ ازل کو جان لوں! — چپہ چپہ تیرا اے اوجِ ہمالہ چھان لوں

یہ تبسم حسنِ فطرت کا یہ شانِ زندگی — آج میں سمجھا کہ جنت ہے جہانِ زندگی

ہر قدم پر دعوتِ نظارہ کا ساماں ہے حسن — عشق سے اے کاش یہ کہدے کوئی عریاں ہے حسن

یہ سحر کا وقت مشرق سے نمودِ آفتاب — لعلِ آتش رنگ کی صورت وجودِ آفتاب

کھینچتی ہے دامنِ دل کو ادا کہسار کی — دیدنی ہے برف باری سے فضا کہسار کی

یہ کہستاں کی زمیں اک آسمانِ نور ہے — ہے بلندیٔ ہمالہ یا جہانِ نور ہے

لو چھپا کر جلوۂ مہرِ درخشاں ابر نے — کر دیا ساری فضا کو کیف ساماں ابر نے

کیا تعجب گردمِ نظارہ انساں مست ہے — اپنی کیفیت سے خود بھی یہ کہستاں مست ہے

دیکھنا کس جوش میں گرمِ سفر ہے آبشار — انقلاباتِ جہاں سے بے خطر ہے آبشار

اہلِ ہمّت پر گراں یہ خاکداں کچھ بھی نہیں — یعنی اصلِ انقلاباتِ جہاں کچھ بھی نہیں
سختی کوشی جس کو کہتے ہیں شعارِ نیک ہے — ایک ہے دنیائے پستی و بلندی ایک ہے
تلخیٔ آفاتِ دوراں سے نہ ڈرنا چاہئے — اس جہاں سے صورتِ طوفاں گذرنا چاہئے
اِک شکوہِ زندگانی کا سماں وادی میں ہے — ہائے اس دریا کا عالم جو رواں وادی میں ہے
راہ میں دھوم مچاتا کیف میں بہتا ہوا — جا رہا ہے داستانِ سرخوشی کہتا ہوا
ساتھ اپنے ایک طوفاں آب کا لایا ہے یہ — واہ ری ہمّت سرِ کہسار سے آیا ہے یہ
یہ تعیّن سے گذر کر بے کراں کہلائے گا — بحر کی جانب چلا ہے بحر میں مل جائے گا
ہے یونہی انساں کی جوئے زندگانی کا سفر — وقفۂ طفلی و لمحاتِ جوانی کا سفر
زندگی کو کون کہتا ہے؟ فنا انجام ہے — موت اے غافل! وصالِ بحر کا اک نام ہے
اپنے مرکز کی طرف پے ہم رواں ہے آدمی — جاوداں ہے، جاوداں ہے، جاوداں ہے آدمی

اے جہانِ منتشر اے عالمِ ہندوستان! — تو اگر چاہے تو بن سکتا ہے اِک کوہِ گراں
تابکے اے ہند یہ اندازِ خواری تابکے؟ — تیرے ذرّوں کی پریشاں روزگاری تابکے
آسماں آمادۂ کیں ہے جفائیں سخت ہیں — چل رہی ہیں جو زمانہ میں ہوائیں سخت ہیں
غور سے سن وقت کا یہ فیصلہ "جو سوئے گا — کچھ گرہ کا کھوئے گا پھر خون دل کا روئے گا"
کفر و ایماں کا یہ کب تک راگ اے ہندوستاں! — ہو بلند از کفر و ایماں جاگ اے ہندوستاں
دَورِ بے کیفی ہے لا گردش میں جامِ اتحاد — ہاں! سنا دے ذرّہ ذرّہ کو پیامِ اتحاد
جو ہیں اک مدّت سے ٹوٹے ان دلوں کو جوڑ دے — ہو ملاپ ایسا کہ زنجیرِ غلامی توڑ دے

کاش ہو عظمت تری محکم ہمالہ کی طرح
ہو بلندی پر ترا پرچم ہمالہ کی طرح

درہ دانیال کا دربان

یونانی جو ترکی کے دشمن تھے اس سے فائدہ اٹھا کر جنگ عظیم کے ختم ہوتے ہی ترکی کے حصے بخرے کرنے کے لئے برطانیہ نے یونانیوں کو پرانا انتقام لینے کے لئے ابھارا۔ جو گیا تھا جو ملک کبھی اپنی آزادی کا بھوکا تھا آج دوسروں کو غلام بنانے دوڑا۔ سلطانی نشہ بھی کیا چیز ہے! یونانیوں کی طرح برطانیہ کی مدد پر اترا ہوئے۔ ملک گیری کے نشے میں سرمست سر سے پاؤں تک مسلح، یونانی، ترکی پر چڑھ دوڑے۔ انقرہ کی حکومت نے فوراً مقابلے کے لئے عصمت پاشا کے ماتحت ایک فوج بھیجی۔ فوج کیسی تھی؟ کچھ تو جنگ عظیم کے تھکے ماندے سپاہی تھے باقی سب ناتجربہ کار نوجوان والنٹیر۔ پاؤں میں جوتے تک نہ تھے۔ لڑنے کے لئے ٹھیک بندوقیں تک نہ تھیں۔ جنگ عظیم سے بچا کھچا کچھ گولہ بارود کچھ توپیں تھیں۔ مگران پر کیا بھروسہ ہو سکتا تھا۔ اسی فوج سے عصمت یونانیوں کے مقابلے میں جا کر صف آرا ہوا۔ جب یونانی اس کی طرف بڑھے تو یہ پیچھے ہٹ آیا۔ دوسرے دن اور پیچھے ہٹ آیا۔ اب تو اس نے ہلا لڑے بڑے ہٹنا شروع کر دیا۔ یہں سے کہ صبر والنٹیر بد دل ہو کر بیل دئے انقرہ میں ان خبروں کے پہنچنے سے کھل بلی مچ گئی۔ حکومت سخت پریشان ہوئی۔ اس نے عصمت کو سمجھایا، خوشامد کی، حکم دیا، کورٹ مارشل کرنے کی دھمکی دی۔ مگر وہ پیچھے ہی ہٹتا گیا۔ آخر مصطفےٰ کمال تک جو کمانڈر انچیف تھا اور عصمت سے واقف تھا بدحواس ہو گیا۔ پھر بھی عصمت پیچھے ہی ہٹتا گیا اور یونانی فوجوں کو ایسی جگہ لے آیا جہاں نہ ان کو آسانی سے مدد مل سکتی تھی اور نہ وہ بھاگ سکتے تھے۔ پھر ان پر ٹوٹ پڑا اور ساری فوج کو تہس نہس کر دیا۔ مقام افیون قرہ حصار پر یہ لڑائی ہوئی تھی آج عصمت کے نام کا جزو بن گیا ہے۔

عصمت جو کبھی ترکی سے باہر نہیں گیا تھا۔ اور کبھی فوجی ذمہ داریوں کے سوا کوئی ذمہ داری نہیں لی تھی تن تنہا سوئٹزرلینڈ کی صلح کانفرنس میں بھیجا گیا۔ جہاں بڑے بڑے گھاگ ترکی کو بنا لڑے بھڑے فتح کرنے کے لئے جمع تھے۔ یونانیوں کی ہار برطانیہ کی ہار تھی اور برطانیہ کی نمائندگی کرنے اس کا بہترین مدبر لارڈ کرزن آیا تھا۔ جو ہندوستان کے ۳۰ کروڑ انسانوں پر مطلق العنان راج کر کے آرہا تھا۔ طاقت کے گھمنڈ میں مست، حکومت کے نشہ میں چور ہو کر کرزن بھلا ترکی ایسے کمزور ملک کے ناتجربہ کار مدبر کو کیا خاطر میں لاتا۔ وہ ڈانٹتا رہا۔ گرجتا رہا اور عصمت کو منہ پر دیہاتی انسان کہتا رہا۔ اس لئے برطانی بیڑے کو حکم دیا کہ وہ ترکی پر حملہ کرنے کے لئے تیار رہے۔

عصمت جانتا تھا کہ ترکی میں اب لڑنے کا دم نہیں۔ اس کے اسلحہ، رسد اور ہمت سب ختم ہو چکے ہیں مگر پھر بھی وہ مسکرا مسکرا کر سب کچھ سنتا رہا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ قدامت پسند جو برطانیہ میں برسر اقتدار آئے ہیں لال روس سے بہت گھبراتے ہیں۔ اس لئے اس نے جواب میں یہ دھمکی دی کہ میں روسی فوجیں ترکی میں بلا لوں گا۔ دھمکی کے ساتھ ساتھ روس سے تعلقات بھی پیدا کر لئے۔ فرانس اور برطانیہ میں شام کے معاملے میں چشمک تھی۔ شام میں ترکی بھی کچھ حقوق چاہتا تھا۔ مگر پھر بھی عصمت نے فرانس کی طرفداری کر کے اسے دوست بنا لیا۔ اٹلی ترکی کا زبردست دشمن رہا تھا اور اب بھی تھا۔ مگر چونکہ برطانیہ اس کی بحری طاقت کی ترقی سے گھبراتا تھا اس لئے عصمت نے اس کی طرفداری کر کے اسے بھی دوست بنا لیا۔

عصمت کی اس سیاست کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ صلح کانفرنس سے اتنا کچھ لے کر لوٹا جتنے کی کسی ترک کو امید نہ تھی۔

عصمت جس خاموشی اور صبر سے پیچھے ہٹتا ہے اسی خاموشی اور صبر سے آگے بڑھتا ہے۔ وہ صبر اور استقلال کی ایک چٹان ہے جسے کیسا ہی طوفانی تھپیڑا ہلا نہیں سکتا۔ اگر وہ کسی افسر سے ناراض ہو جاتا ہے تو اسے کوئی سزا ملتی ہے اور نہ برطرف ہوتا ہے۔ صرف مصر یا برلن سفیر بنا کر بھیج دیا جاتا ہے۔ عصمت کا عقیدہ ہے کہ صبر کی طاقت بندوق سے کہیں زیادہ ہے۔

اس راز سے کم لوگ واقف ہوں گے کہ نئی ترکیہ کی تعمیر میں استقلال اور بردباری کے ساتھ ساتھ عصمت کی نرم دلی کا کتنا دخل ہے۔ جب کوئی ملک پرانی زنجیروں کو توڑ کر نئی دنیا بسانے چلتا ہے تو اسے خون اور آنسوؤں کا زبردست سمندر پار کرنا پڑتا ہے۔ خاص کر اگر یہ ملک ترکی کی طرح صدیوں کی قدامت کو بوجھ خلافت کی شکل میں اٹھائے ہوئے ہو، اور پھر اس کا کھویا کمال جیسا تیز اور سخت مزاج سپاہی ہو۔ مگر ترکی کو ایسے سمندر سے نہیں گزرنا پڑا کیونکہ اس کی ایک باگ عصمت کے ہاتھ میں بھی تھی اور عصمت انقلاب کے پیدا کئے ہوئے ہر زخم پر پھاہا رکھنے کو تیار تھا۔

خالدہ خانم ادیب نے کمال اور عصمت کا فرق دکھانے کو ایک عجیب

واقعہ لکھا ہے اس زمانے کا قصہ ہے جب ترکی کی غدار فوج جمہوری فوج سے لڑ رہی تھی۔ ایک ترکی دستہ نے جان بخشی کے وعدے پر ہتھیار ڈال دئے ۔ مصطفےٰ کمال کی رائے ہوئی کہ غداروں کا تہ تیغ کر دینا ہی بہتر ہے۔ جس وقت یہ مسئلہ اٹھا ہے کمال کے کمرے میں عصمت خالدہ خانم اور دوسرے مدبرین بھی تھے۔ کمال کا فیصلہ سنتے ہی عصمت کے چہرے پر پریشانی کے آثار نمودار ہو گئے۔ کیونکہ اس کا عقیدہ تھا کہ یہی غدار وطن پرستی کی ہوا کھاتے ہی قوم پرست بن جائیں گے وہ خاموشی سے اٹھا اور کمال کی میز کے پاس جا کر ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر چپکے چپکے سیدھی سادی زبان میں انکی جان بخشی کی سفارش کرنے لگا۔ اس کا لہجہ انسانی ہمدردی میں ڈوبا ہوا تھا۔ کمال بے طور سے ان کی بات سنی اور پھر غصے میں کھوٹے ہو گئے اور جلدی سے ایک کاغذ پر حکم لکھ کر عصمت کو تھما دیا عصمت نے پریشان نگاہوں اور دھڑکتے دل سے حکم پڑھا۔ اس میں لکھا ہوا تھا کہ ان سپاہیوں کی جان بخشی کی جاتی ہے۔ عصمت پڑھتے ہی ایک چھوٹے بچے کی طرح ہنس دئے۔

عصمت نے حربیہ کالج ترکی سے تکمیل کرتے ہی ترکی کی سیاست میں حصہ لیا۔ تب سے اب تک ۳۵ سال ہوئے جن میں پانچ زبردست لڑائیاں لڑی گئیں اور دو انقلاب ہوئے۔ ان میں سے ہر ایک میں عصمت نے اہم حصہ لیا وہ بیس سال کا تھا۔ جب سلطان کے خلاف ایک انقلابی تحریک کا سرگروہ تھا جنگ عظیم میں ترکی کی ہر لڑائی میں ہوشیاری دکھائی اور آخر میں جب ترکی فنا ہو چکا تھا اسے از سر نو زندہ کرنے میں کمال کا نائب رہا جیسا اس نے میدان جنگ میں بہادری کا ثبوت دیا ویسا ہی انتظام اور تدبر میں ماہر ثابت ہوا ۱۹۲۳ء سے ۱۹۳۷ء تک پہلے وزیر خارجہ پھر وزیر اعظم رہا اور کمال کے مرنے کے بعد جمہوریہ کے ایک کروڑ ستر لاکھ انسانوں کا ویسا ہی با اختیار صدر ہو گیا جیسے کہ اپنے ملک میں ہٹلر اور مسولینی ہیں۔

اس وقت وہ دنیا کے ہر بڑے مدبر سے زیادہ با اقتدار رہا ہے۔ لیکن ان تمام کارناموں پر بھی اس دنیا میں اس کا کوئی خاص چرچا نہیں۔ حتیٰ کہ حال ہی میں لندن سے ایک "کون کون ہے" کتاب شائع ہوئی تھی جس میں ترکی کے ہر چھوٹے آدمی کا تذکرہ تھا مگر اس کا نہیں۔ انقرہ کے بازاروں میں بھی اس کے بارے میں کوئی افواہ کوئی داستان مشہور نہیں ایسا خاموش انسان ہے کہ بہت کم تقریریں کرتا ہے اور بہت کم اخباروں میں بیان دیتا ہے۔ خانگی زندگی میں ایک سیدھے سادے اوسط طبقہ کے آدمی کی طرح اپنی بیوی بہن اور بچوں سے محبت کرتا ہے۔

عصمت جب دنیا میں داخل ہوا ہے تو تخت انقلاب اور سازش کا دور تھا۔ دشمنی، دھوکے اور خونریزی کا زمانہ تھا، مگر پھر بھی اس کا کوئی دشمن نہیں ہوا اور نہ یہ کسی کا۔ ایک مصطفےٰ کمال کا اس نے ساتھ دیا تو آخر تک نبھا دیا۔ اسی خاموشی اور استقلال کی وجہ سے یہ اپنے تمام ساتھیوں سے نمبر لے گیا۔ اور جب صدر کے انتخاب کا وقت آیا تو اس کے سوا کسی پر کسی کی نگاہ ہی نہیں پڑی کسی مدبر سے ملنا اتنا آسان نہیں ہے جتنا اس سے جو اخباری نمائندہ چاہے مل سکتا ہے۔ جب جاؤ تو ایک ۵۲ سال کا ادھیڑ قد ہلکے پھلکے جسم کا شخص نظر آتا ہے جو اس طرح مسکرا کر ملتا ہے گویا پرانی دوستی ہے۔ دوسرے کی بات بہت غور سے سنتا ہے جو کہتا ہے بے تکلفی سے کہتا ہے۔ لیکن جب ملاقات ختم ہونے کے بعد اخباری نمائندہ باہر آتا ہے۔ تب اسے پتہ چلتا ہے کہ اس کی معلومات میں کوئی اضافہ نہیں ہوا جیسا وہ گیا تھا۔ ویسا ہی واپس آیا۔

اس وقت ایسے ہی آدمی کی ترکی کو ضرورت ہے وہ تین طاقتوں سے گھرا ہوا ہے۔ برطانیہ، جرمنی اور روس اس کی زندگی صرف اس میں ہے کہ تینوں دوست رہیں، مگر کسی کا ساتھ نہ دینا پڑے۔ ایسی پالیسی میں طرح طرح کے اندیشے ہیں۔ ایک طاقت اسے اپنانے کے لئے دوسرے سے بدگمانی پیدا کر سکتی ہے۔ زبانی دوستی اور اندر اندر بیخ کنی کا شکار بنا سکتی ہے۔ مگر عصمت اس کھیل کا پرانا کھلاڑی ہے۔ وہ دوستی کرنا اور پھر اسے برقرار رکھنا خوب جانتا ہے۔ چال بازیوں میں بڑے بڑے مدبروں کو ہرا چکا ہے۔ اس کا بڑا کارنامہ وہ تھا جب کرزن کو ہرانے کے بعد اس نے جنگ حبشہ کے موقع پر اٹلی اور برطانیہ کی چشمک سے فائدہ اٹھا کر ایک ہی اشارہ میں برطانیہ سے دوستی کر لی۔ عصمت ٹوٹی کشتی کو بھی منجدھار سے نکال لینا جانتا ہے۔ اس لئے ترکی کی طرف سے اندیشہ کی کوئی بات نہیں۔ (ہندوستان لکھنؤ)

رُباعی

اے دوست زمانے میں ہے رہنا مشکل
جینا ہے تو آفات کا سہنا مشکل
ہر شئے ہے یہاں دشمن آرام و شکیب
کہنا مشکل اور نہ کہنا مشکل

ماہر ترمذی دکھنی

موت آجانے کے بعد

از جناب ربط ہاشمی فاضل ادب

"دارالامن" کے وہ دن اور وہ راتیں جو نسرین کی معیت میں گذریں کتنی خوشگوار تھیں! اس کی اس معیت نے مری زندگی میں کتنا بڑا انقلاب پیدا کردیا تھا۔ جب میں "دارالامن" کی ہنستی ہوئی دنیا سے رخصت ہوا تو مجھے ایسا معلوم ہوا کہ مسرت تو صرف "دارالامن" ہی میں مل سکتی ہے۔ اور یہ دنیا کی رنگینی اس کی چہل پہل، اس کی رعنائیاں بالکل اس طرح معلوم ہوئیں جیسے سب کی سب پھیکی پڑ گئی ہوں، افسردہ سی جیسے ان کی روح نکل کر "دارالامن" ہی میں رہ گئی ہو! میں کچھ کھویا سا واپس جا رہا تھا جیسے کہ میری کوئی بڑی قیمتی شے گم ہو گئی ہو!۔

حیدر میرے ہم جماعت تھے۔ اور ہم دونوں کی دوستی ضرب المثل تھی۔ ایام طالب علمی میں ہم دونوں ساتھ ساتھ رہے لیکن اختتام تعلیم کے بعد ملازمت کی مجبوریوں نے ہم دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کردیا۔ میں الہ آباد چلا گیا اور حیدر کلکتہ۔ گرمی کی تعطیل میں حیدر نے مجھے کلکتہ آنے کو لکھا مجھے بھی اسے دیکھے ہوئے عرصہ ہو گیا تھا سو چلا ہی آئیں۔

میں الہ آباد سے روانہ ہو کر کلکتہ آ پہونچا۔ حیدر کا "دارالامن" میں قیام تھا۔ "دارالامن" کی دیکھ بھال حیدر کی والدہ کی ایک سہیلی کے سپرد تھی "دارالامن" کا قیام محض یتیم اور بے کس لڑکیوں کی پرورش اور انہیں تعلیم و تربیت کے زیور سے مرصع کرنے کی غرض سے عمل میں لایا گیا تھا۔ کم و بیش چھوٹی بڑی بیس لڑکیاں "دارالامن" میں پڑھنا لکھنا۔ سینا، پرونا سیکھ رہی تھیں۔ ان سب میں زیادہ عقلمند، خوبصورت اور شائستہ نسرین تھی۔ چونکہ میں حیدر کا بہت ہی عزیز دوست تھا اس لئے مجھے "دارالامن" میں قیام کی اجازت مل گئی تھی۔ ورنہ عام لوگ وہاں آجا نہیں سکتے تھے "دارالامن" کی تیسری منزل پر جو بڑا سا کمرہ تھا اسی میں ہمارا قیام تھا اور ہم وہاں سے ان لڑکیوں کی تمام نقل و حرکت کو اچھی طرح دیکھ سکتے تھے اور میں اکثر ان کے تعلیمی مشاغل کے انہماک، سینے اور پھول کاڑھنے کے شوق کو بڑی دلچسپی سے دیکھا کرتا تھا۔

نسرین گویا ان لڑکیوں کی نگراں تھی استانی کی سعادت نسرین ہی کے سپرد تھی۔ نسرین سے بات کرنے کا جب بھی مجھے موقع ملتا تو اس کے بے تکلے جملوں، اس کی حاضر جوابی، شائستگی، ادب اور سلیقہ کو دیکھ کر میں دنگ رہ جاتا۔ رفتہ رفتہ مجھے نسرین سے ایک خاص قسم کا لگاؤ ہو گیا۔ دل ہر دم نسرین ہی سے باتیں کرنے کو چاہتا تھا۔ رفتہ رفتہ میں ایسا محسوس کرنے لگا کہ وہ ایک شہزادی ہے اور چند دن کے لئے "دارالامن" کی زینت بڑھانے کے واسطے یہاں چلی آئی ہے۔

حیدر کے اصرار اور دل کی خواہش سے مجبور ہو کر میں نے پوری چھٹی "دارالامن" میں گذار دی۔ اس مختصر سے عرصہ میں نسرین کو مجھ سے اور مجھے نسرین سے اتنی زیادہ محبت ہو گئی تھی کہ عہد و پیمان بھی ہو گئے۔ اور ہم دونوں نے ہمیشہ ایک دوسرے کے شریک رنج و راحت رہنے کی قسم بھی کھائی۔ "دارالامن" کے قیام کے مختصر ایام اس طرح ہنستے ہنساتے گذر گئے کہ جب تعطیل ختم ہو گئی تو ہم دونوں کے قلوب آئندہ جدائی کے روح فرسا تصور سے لرزنے لگے نسرین مجھے اور میں نسرین کو اپنے اپنے جذبات کے مطابق تسلی اور محبت کی استواری کا یقین دلانے لگے چھٹیوں کے آخری چار دن غم اور خوشی کے امتزاج کے آئینہ دار تھے۔ کبھی کبھی ہم اپنی پرنم آنکھوں سے ایک دوسرے کو دیکھتے اور ایک دوسرے سے لپٹ کر بچوں کی طرح رونے لگتے۔ محبت بھی کچھ عجیب شے ہے! ہمارے جذبات کتنے سچے اور پاک تھے! اور ہم دونوں میں کتنی شدید محبت تھی! نسرین اپنی غربت سے خائف تھی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میں اس کی غربت کے باعث اس سے متنفر ہو جاؤں۔ محبت بھی کتنے بے بنیاد شبہات پیدا کردیتی ہے!

میں جب الہ آباد واپس آیا تو میرے دل میں ایک درد، ایک مستقل چبھن سی رہنے لگی۔ دل میں ایک ہوک اٹھتی، اور میں مضطرب ہو جاتا۔ خط و کتابت کا سلسلہ جاری تھا۔ اور اس طرح ہم دونوں اپنے دلوں کی بے کلی میں تھوڑا سا سکون محسوس کرتے تھے۔ خط کے لئے ہماری آنکھیں اس طرح منتظر اور دل اس طرح بے قرار رہتا جس طرح کوئی بھوکا انسان کھانے کے لئے بے قرار رہتا ہے۔

آغاز محبت کے ایک سال بعد جب ہم دونوں ایک دوسرے کے بالکل قریب ہو چکے تھے۔ گھر سے میری طلبی کا خط پہونچا۔ میری چھوٹی بہن طاہرہ

کی پچھویں سالگرہ تھی اور والد صاحب نے مجھے اس کی سالگرہ پر آنے کی سخت تاکید کی تھی۔

میں نے چند دن کی چھٹی لی۔ اور گھر روانہ ہو گیا۔ اس وقت میری عمر ۱۸ سال کی تھی۔ دل میں ننھے ننھے ولولے اور نئی نئی امنگیں پنپ رہی تھیں اور میں ان ننھے پودوں کی دیکھ بھال میں اپنے آپ کو بھول گیا تھا دنیا کو بھول گیا تھا۔ سماج اور سماج کی کڑی جکڑوں کو بھول گیا تھا۔ مجھے کچھ بھی خبر نہ تھی کہ سماج کے ٹھیکیدار ضد کے پکے والدین میری دنیا تباہ کرنے کے لئے تلے بیٹھے ہیں۔

رابعہ کی سالگرہ کی تیاری کے ساتھ ساتھ وہ لوگ کچھ اور تیاری بھی کر رہے تھے۔ مگر مجھے کوئی خبر نہ تھی۔ ایک دن والد صاحب نے مجھے تنہائی میں اپنے پاس بلایا اور بڑی محبت سے پوچھا۔ "بتاؤ تو باپ کے مقابلہ میں بیٹے کا فرض کیا ہے؟" "اطاعت" میں نے جواب دیا۔ اور وہ میری پیٹھ کو پیار سے تھپکتے ہوئے بولے:۔

جان عزیز، تم تو جانتے ہو، کہ تم میرے کتنے لاڈلے بیٹے ہو، تمہاری امی کے ساتھ میری بھی دلی خواہش ہے کہ اب تمہیں نوشاہ بنا دیکھیں۔ ہم لوگوں نے تمہاری نسبت بھی طے کر لی ہے۔ ڈاکٹر نعیمی کو تو تم جانتے ہی ہو! کتنے لائق اور شریف آدمی ہیں ان کی ایک ہی لڑکی ہے۔ وہی نجمہ، اس کے ساتھ تو تم کھیل بھی چکے ہو۔ بچپن میں تم دونوں کے درمیان بڑی محبت تھی، تم دونوں کا جوڑا سب کو پسند ہے"!

آبا کی بات سن کر مرا دل دھک سے رہ گیا اور میری آنکھیں پرنم ہو گئیں میں بغیر جواب دئے اٹھ کر امی کے پاس چلا گیا، چہرے کا بدلا ہوا رنگ دیکھتے ہی اماں پیار سے بولیں۔

"میرے بیٹے کو کیا ہوا ہے۔ کیا بات ہے نجم؟"

میں نے اماں سے نسرین اور اپنی محبت کا پورا واقعہ من و عن بیان کر دیا جواب یہ تھا کہ انہیں اس محبت کا حال معلوم ہے اور اسی لئے میرے آبا مجھ سے میری شادی کر دینا چاہتے ہیں میں نے جب سب کے سامنے صاف انکار کر دیا تو مجھے گھر سے نکال دینے اور عاق کر دینے کی دھمکی دی گئی جب اس پر بھی میں راضی نہ ہوا تو زہر کے پیالے گھولے گئے اور مجھے بتلایا گیا کہ میرا انکار میرے والدین کے موت کا باعث ہو گا۔ اور تو اور ڈاکٹر نعیمی نے خود مجھے سمجھایا کہ انکار نالائقی کی دلیل ہے۔ جب میں نے ان سے کہا کہ اس طرح ہماری زندگی برباد ہو جائے گی تو وہ بولے "یہ محض خیال ہے لڑکپن ہے"!

نجمہ سے میری شادی ہو گئی۔ وہ تین دن جو نجمہ کے ساتھ مجھے گذارنے پڑے میں نہیں کہہ سکتا کہ میں نے اپنی آنکھوں کے آنسوؤں کو کس طرح ضبط کیا اور اپنے دل کے زخم کو کس طرح چھپایا۔ بس تین چار دن کی صحبت میں مجھے ایسا معلوم ہوا جیسے کہ میں قید میں گرفتار ہو گیا ہوں اور مجھے جیلر کے حکم سے سرتابی کی مجال نہیں ہے۔ یا اس طرح کہ میرا وجود، میرا جسم نجمہ کے پاس ہے اور میری روح نکل کر نسرین کے پاس چلی گئی ہے۔

شادی کے چوتھے دن میں وہاں سے بھاگا۔ اور سیدھا الہ آباد آ کر رکا میں ہر دم مغموم رہتا۔ گو نسرین کے خطوط آتے رہے پھر بھی مجھے غم کھائے جا رہا تھا۔ میں نے بڑی سعی کی کہ میرے دل سے نسرین کا خیال نکل جائے لیکن جس قدر میں سعی کرتا گیا۔ اسی قدر میری محبت کی گانٹھ مضبوط ہوتی گئی اور میں انتہائی کوشش کے باوجود نسرین کے خیال کو دل سے نہ نکال سکا نسرین کے خط کے لئے میرا دل بے قرار رہتا اور میری آنکھیں ترستی رہتیں لیکن نجمہ کا خط دو تین دن تک یوں ہی پڑا رہتا۔ اسے پڑھنے کو میرا جی ہی نہ چاہتا۔ اور اس کا جواب! مجھے یاد ہے بیسوں خطوط آنے کے بعد بھی دو سطریں لکھنا مجھ پر جبر ہوتا تھا۔

دو سال کے بعد جب نسرین کو میری شادی کا علم ہوا تو بھی وہ مجھ سے متنفر نہ ہوئی۔ اس کی محبت میں ذرہ برابر فرق نہ آیا۔ اس نے مجھے ایک خط لکھا۔

"نشاطِ قلب! شادی آپ کو مبارک ہو، میں خوش ہوں کہ آپ کی شادی ہو گئی۔ مجھے معلوم ہے کہ نجمہ مجھ سے کہیں زیادہ حسین زیادہ خوبصورت زیادہ ہنرمند اور لائق ہے مجھے بڑی مسرت ہوئی کہ میرے دل کے مالک کو ایسی لائق شریکِ حیات ملی۔ جیسے آپ سندر، جمیل، اور منوہر ہیں ایسی طرح میری بہن نجمہ بھی ہیں۔ آپ اگر مجھے بھول جائیں تو بہتر ہے۔ رہی میں؟ میں اپنی زندگی آپ کی یاد میں گذار دوں گی میں "دارالامن" میں معلمہ کی حیثیت سے کام کر رہی ہوں استانی جی کا انتقال ہو گیا ہے۔ اور میں نے تہیہ کر لیا ہے کہ باقی ماندہ زندگی کو ان بچوں کی دیکھ بھال ان کی تعلیم و تربیت میں گذار دوں اور آپ کی یاد لئے دنیا سے چلی جاؤں۔ میں آپ کی ہوں، میرے مالک، ہمیشہ آپ ہی کی رہوں گی اور اگر آپ مجھے بھلا نہ سکیں تو پھر آپ کی یہ لونڈی ہر وقت خدمت کے لئے حاضر ہے جب چاہیں اپنی خدمت میں بلا لیں میں دونوں ہی کی خدمت گذاری کو اپنا فخر سمجھوں گی"

نسرین کے خط کو پڑھ کر میری آنکھوں سے آنسو نکل آئے کتنی بے لوث اور سچی محبت تھی اس کو میرے ساتھ! ہر حال میں وہ میری شریک حیات بننے کو تیار تھی۔ اف! میں اس کی اس بے لوث اور بے پناہ محبت سے

بے تاب ہو گیا میں نے اسے جواب دیا کہ میں اسے تا زیست فراموش نہیں کر سکتا اور نہ مجھ میں اس کی طاقت ہے کہ اس کے بغیر جی سکوں اور انجام کار ہم دونوں خدا اور رسول کے قانون کے مطابق ہمیشہ کے لئے ایک دوسرے کے ہو گئے۔ لیکن اس واقعہ کے بعد نجمہ کی حالت بڑی افسوسناک ہو گئی۔

میں نے گھر سے رشتہ ناطہ توڑ لیا اور پھر کبھی بھول کر بھی میرا جی نہ چاہا کہ نجمہ کے پاس جاؤں اگرچہ بعض اوقات اس کی معصومیت اور اس کی بے گناہی سے میرا دل متاثر ہو جاتا۔ اس کے ساتھ ہمدردی پیدا ہو جاتی۔ لیکن وہاں جانے کو میرا دل ہی نہ چاہتا۔ وہ حسین تابعدار اور خدمت گذار لڑکی تھی اور مجھ سے والہانہ محبت بھی کرتی تھی پھر بھی میرے دل پر اس کی خوبصورتی کا کوئی اثر نہ ہوا اور اس کی محبت میرے دل میں راہ پیدا نہ کر سکی۔

آج بارہ سال کی جدائی کی جانکاہ اذیت برداشت کرتے کرتے تھک گئی اس میں جدائی کی تکلیف اور غم کو برداشت کرنے کی طاقت نہ رہی اور انجام کار اس کی روح سماج کی اس ظالم دنیا سے پرواز کر گئی۔

اس کی زندگی میں ماں باپ کی لعنت اور ملامت لوگوں اور سماج کے ٹھیکیداروں کی طعن و تشنیع پر کبھی میرے کانوں نے دھیان بھی نہ دیا۔ لیکن آج اس کی موت پر میری آنکھیں نہ جانے خود بخود کیوں اشکبار ہو گئیں؟

میں اب سوچتا ہوں کہ میں ظالم تھا یا سماج! میری تقصیر تھی یا سماج کی یا والدین کی جہالت اور ناعاقبت اندیشی نے بے چاری نجمہ کو تباہ و برباد کر دیا؟

مسلم ہندی

(از جناب ماہر کرمدی، لکھنوی)

ایک کھویا سا مسافر راہ سے بھٹکا ہوا
جس کو اب بھی یاد ہے اپنے زمانے کا شباب
فکرِ مستقبل نہیں ہے فکرِ ماضی کچھ نہیں
دیکھتی ہیں آج بھی اس کی نگاہیں پچھلے خواب
کارواں سے دور لیکن پاس ہی بیٹھے ہوئے
ضعف سے جس کے لئے ہے بیٹھ کر اٹھنا عذاب
اپنی دنیا وہ بنا کر عالمِ تخئیل پر
علم سے رکھتا ہے نفرت اور عمل سے اجتناب

جواہر ریزے

از محترمہ رضیہ سلطانہ بیگم صاحبہ

موت کا سکون اور کاہل کا آرام بے حسی قابلِ نفرت ہے۔ بڑھنے اور حرکت کرنے میں ہی کامیابی ہے۔

خدمتِ خلق، انسانی ہمدردی اور ایثار و کسرِ نفسی انسان کا زیور ہے۔

بلبلِ اسیر کی طرح قفسِ تنگ میں پھڑپھڑانا کم ہمتی کی دلیل ہے۔ ہمت سے یہ تیلیاں ٹوٹ سکتی ہیں۔

حال کے پردے کو مستقبل کے رُخِ زیبا سے اٹھا دو۔

سوچو تمہاری دیانت کی حد کیا ہے۔ سو دو سو۔ ہزار دو ہزار یا لاکھ دو لاکھ روپے پر تمہاری نیت بگڑ سکتی ہے؟ اگر تمہارا جواب اقرار میں ہو تو تمہاری دیانت کی یہ قیمت بہت کم ہے۔ تمہاری دیانت کے بالعوض زمین و آسمان کی درمیانی خلا کو زرو جواہر سے بھر کر بھی پیش کیا جائے تو تمہارا جواب نفی میں ہونا چاہئے۔

تمہارا موکار قلم حال کے ورقِ سادہ کو الٹ کر مستقبل کے زر نگار صفحہ پر گلکاریاں کرنے میں معروف ہونا چاہئے۔

سنجیدگی کو مردہ دلی کی حد تک نہ پہنچنے دو۔

اس وقت عام ذہنیت کیا مانگتی ہے۔ اور آنکھیں کس چیز کو پسند کرتی ہیں یہ جان لو تو تم کامیاب تاجر بن جاؤ گے۔

محبت ایک کی اذیت دو کی مسرت اور تین کی جنگ و عداوت ہے۔

پھول اپنی نکہت سے خود فائدہ حاصل نہیں کرتا۔ اور کلی خود اپنی رعنائی پر فریفتہ نہیں ہوا کرتی۔

تیر چلانے سے تیر کھانے میں زیادہ مزہ ہے۔

موسیقی میں اگر لذت ہے تو خدایا یہ کیسی لذت ہے کہ سینہ پھٹا جاتا ہے۔ اگر گانا سکون ہے تو یارب یہ کیسا سکون ہے جو دل کو بے قرار کئے دیتا ہے۔

گوشۂ تنہائی میں زہر کا پیالہ پی کر یا چھت سے لٹک کر مر جانا بزدلی ہے۔ اور جد و جہد کی جنگ میں کود کر جان دینا بہادری ہے۔

محبت اور سلطنت دو جداگانہ چیزیں ہیں۔

آج پر قانع نہ رہو اور کل کو تلاش کرو۔

پھولوں کی طرح ہنسو اور کلیوں کی طرح مسکراؤ۔

سکون و اطمینان بازارِ عالم میں ایک جنس نایاب ہے۔

آنسو کا نکل آنا محبت والی آنکھوں کے اختیار سے باہر ہے۔

جب ساز سے نغمہ جدا ہو جائے۔ جب موسیقی تاروں سے برہم ہو کر اپنا التفات ہٹائے تو پھر ساز کا ٹوٹ جانا۔ اور تاروں کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جانا ہی خوب ہے۔

تم اگر جائداد یا دولت کی طمع سے کسی عورت سے شادی کرتے ہو تو شریف اور معزز کہلانے کے مستحق نہیں۔

تمہارے جن دوستوں کا ہر سانس موجِ بادہ اور جن کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ پیامِ شراب کی حیثیت رکھتا ہو۔ ان کی ہم نشینی بجائے خود بہت مہلک اور تباہ کن ہے۔

بیداری صرف ان فرقت نصیب انسانوں کا حصہ ہے جن کے لئے دیدارِ دوست کی تمنا میں عمر بھر تڑپنا مقدر ہو چکا ہے۔

پھول کی عطر بیز نکہت جب تک ہمارے دماغ میں تقطیر کیا کرتی رہتی ہے۔ اس وقت تک ہم اسے بالوں میں گوندھ کر سر چڑھاتے ہیں۔ اور مالا میں پرو کر سینے سے لگائے رکھتے ہیں۔

اپنے میں دلوں کو جذب کرنے کی وہ طاقت پیدا کرو جو مقناطیس میں لوہے کو کھینچنے کی ہوتی ہے۔

گاؤں کے ہر گھر کی وسعت جس خلوص اور محبت سے لبریز ہوتی ہے۔ وہ شہر کے بازاروں میں عنقا ہے۔

پھول ہی ایسے دامن میں بھرے جاتے ہیں کہ وہ خوبصورت اور معطر ہیں

گناہ کی زندگی کا نشہ شروع میں تو بہت خوشگوار ہوتا ہے مگر آخر میں تباہ کار ہو جاتا ہے۔

ماضی کھوئی ہوئی دولت اور اُسکا افسوس بیکار۔

وقتی تحسین احسین ناشناس ہے۔ (خاص)

گُلِ فسُردہ دیکھکر

از جناب سید عزت علی صاحب عزتی

آیا نظر چمن میں کل اک گُلِ فسردہ — بیٹھی تھی پاس اس کے اک بلبلِ فسردہ
پھول اپنی زندگی کا نوحہ سُنا رہا تھا — تحلیل ہو کے اپنی شانیں مٹا رہا تھا
ہر پنکھڑی پر اس کی طاری تھی اک اُداسی — چھائی ہوئی تھی اس کی دنیا پہ بدحواسی
آمادۂ فنا تھا وہ آب و رنگ اُس کا — خالی تھا تازگی سے دامانِ تنگ اُس کا
نکہت بھی تھی گریزاں اس سے شمیم بھی تھی — رنجیدہ تھی صبا بھی برہم نسیم بھی تھی

دیکھی جو رنگ و بو کی یہ محفلِ فسردہ — یاد آگیا یکایک اپنا دلِ فسردہ
دل! اف وہ دل! جو گل کیا گلزارِ گلستان تھا — جس پر جناں کا دھوکہ فردوس کا گماں تھا
افسوس حسرتوں نے اُس کو اجاڑ ڈالا — مایوسیوں نے اس کا نقشہ بگاڑ ڈالا
دل! آہ وہ گُلِ تر! جو نازِ رنگ و بو تھا — آباد جس سے میرا گلزارِ آرزو تھا!
رخصت ہوئی تمنا برباد اُس کو کرکے — چلتی ہوئیں امیدیں ناشاد اس کو کرکے
اب بیکسی مجاور ہے مثلِ بلبل اُس کی — برباد ہو گئی سب شانِ تجمّل اُس کی

آ! اے گُلِ فسردہ تجھ کو گلے لگا لوں — پہلو میں اپنے رکھ لوں اک اور دل بنا لوں
سینہ میں دو طرح کی ہو محفلِ فسردہ — اک ہو گلِ فسردہ اک ہو دلِ فسردہ

(خاص)

جنگ اور اس کے خوفناک نتائج

از محترمہ ایم بی۔ اے ہیڈ مسٹریس

میں نے اس مضمون کو ذیل کے چند سوالوں کے ذریعہ ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔

جنگ کے اسباب۔

زمانہ سلف اور حال کی جنگ۔

جنگ کی تباہ کاریاں۔

امن کی قدر وقیمت۔

جنگ کے اسباب

قدرتی طور پر سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ جنگ ہوتی کیوں ہے؟ اور یہ ایک ایسا سوال ہے جس پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔ آئے دن ہمارے سامنے ایسے واقعات ہو جاتے ہیں۔ جنہیں ہم جنگ کا نام دیدیتے ہیں۔ بہت معمولی معمولی باتوں پر بھی جنگ ہو جاتی ہے۔ چنانچہ دنیا کی سب سے پہلی جنگ کا آغاز بھی ایک نہایت معمولی بات پر ہوا۔ ہابیل اور قابیل دو بھائی صدقہ دیتے ہیں اس وقت کی شریعت کے مطابق ایک بھائی کی قربانی مقبول اور دوسرے کی مردود ہو جاتی ہے۔ اور اسی وجہ سے دونوں میں جنگ ہو جاتی ہے۔ ہمارے ہاں بھی عجیب عجیب باتوں پر خونریزیاں ہو جایا کرتی ہیں جن پر بے اختیار ہنسی آتی ہے، مثلاً ایک زمیندار نے دوسرے کی زمین کا ایک بالشت ٹکڑا اپنا لیا۔ اور جنگ ہو گئی بارش برسی۔ ندی میں پانی آیا۔ آب پاشی کے وقت کئی ایک ایسے روح فرسا واقعات سننے اور پڑھنے میں آئے ہیں۔ کہ ایک زمیندار نے دوسرے کو موت کی گود میں سُلا دیا جس کے نتیجے کے طور پر بعض اوقات خاندان بھر کا صفایا ہو جاتا ہے۔

لیکن جس جنگ کا ذکر اور جس کے خوفناک نتائج کا اظہار مجھے کرنا ہے وہ عوام کی جنگ نہیں۔ بلکہ سلطنتوں کی جنگ ہے۔ جس میں حکومتوں کے تختے الٹ جاتے ہیں۔ قحط سالیاں اور امراض ملک بھر میں پھیل جاتے ہیں۔ ہزاروں لاکھوں خاندان تباہ و برباد ہو جاتے ہیں بچے یتیم اور عورتیں بیوہ ہو جاتی ہیں سہاگنوں کے سہاگ لٹ جاتے ہیں۔

حکومتوں کے اسباب جنگ وجدال بھی مختلف ہوتے ہیں۔ کوئی حکومت حصول آزادی کے لئے مصروف پیکار ہوتی ہے۔ کہیں ایک سلطنت دوسری پر دباؤ ڈالنے کے لئے خونریزی پر اتر آتی ہے۔ کہیں سرحد کا جھگڑا اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ کہیں قومیت کو بہانہ بنا لیا جاتا ہے اور کہیں حقوق کو وجہ جواز بنا کر لڑائی شروع کر دی جاتی ہے

غرض عوے بدرا بہانہ بسیار۔

زمانہ سلف اور حال کی جنگ

جوں جوں زمانہ ترقی کرتا جاتا ہے۔ طریقہ جنگ بھی بدلتا رہتا ہے اور آلات حرب بھی تبدیل ہوتے جاتے ہیں۔ جنگ کا ہر نیا طریقہ پرانے جنگی طرز سے زیادہ تباہ کن اور خوفناک ہوتا ہے۔ ہر نیا ہتھیار پرانے ہتھیار سے زیادہ خونی اور بہت زیادہ مہلک ہوتا ہے۔ ایک وہ زمانہ تھا جب انسان اپنی وحشت کا مظاہرہ پتھر سے کیا کرتا تھا جو ظاہر ہے اتنا مہلک نہ ہوتا ہوگا۔ پھر ایک وہ وقت آیا کہ پتھر کے ہتھیار حرف غلط کی طرح مٹ گئے۔ دھات کا زمانہ تھا۔ تیر وکمان سے جنگ ہوا کرتی تھی تلوار کا دَور تھا۔ بہادر شخص تلوار کا دھنی ہوتا تھا۔ زمانہ اس کا لوہا مانتا تھا۔ کوئی اس کی شمشیر آبدار کی تاب کہاں لا سکتا تھا؟ ہر کمال را زوالے لوہے اور فولاد نے بارود کے لئے تخت چھوڑا۔ بندوق اور پستول ایجاد ہوئی۔ توپ بنی ایک ہی فائر میں ہزاروں انسان موت کے گھاٹ اتارے جانے لگے۔ بہادری کا نام ونشان مٹ گیا۔ عورت بھی مرد سے زیادہ بہادر نکلی مشین گن ایجاد ہوئی۔ دیکھنے میں بندوق اور عمل وفعل کے لحاظ سے حشر آفریں۔ قیامت کا مقابلہ کرنے والی۔ ایک منٹ میں دشمن پر آگ کا مینہ برسانے والی۔ حضرت انسان کی بربریت یہیں پر نہیں رُکی۔ بلکہ اس کی درندگی نے ایک اور آفت بپا کی، سچ مچ بارود کا مینہ برسنے لگا۔ ہوائی جہاز ایجاد ہوا۔ بم! منوں وزن کے بم آسمان

سے گرنے لگے۔ گنا ہگار اور بے گنا ہ کی تمیز جاتی رہی۔ اپنے اور پرائے کی پہچان نہ رہی۔ چاہئے تو یہ تھا کہ اس ایجاد کو مفید عالم بنایا جاتا لیکن الٹا ہلاکت آفریں بنایا گیا آبادیوں کا پل بھر میں آثارِ تہ یہ اور کھنڈر کی صورت میں تبدیل کر دینا اس کا ایک نہایت معمولی سا کرشمہ ہے اس ہلاکت اور تباہی پر بھی حضرتِ انسان کا جنون کم نہ ہوا ایک اور قیامت آفریں ایجاد ہوئی "گیس" جدہر سے گیس کا گذر ہوا۔ شہر خموشاں موجود تھے۔ مردے ہی مردے نظر آئیں۔ انسان۔ حیوان اور ہریالی تک بے روح۔ اب ٹینکوں اور طیاروں نے انسان کی جگہ لی اور یہ چیزیں دنیا کے لئے مستقل خطرہ بن گئیں۔ غرض جتنے بھی جنگی ہتھیار ایجاد ہوتے رہے۔ بربادی کا باعث بنے۔ اور خدا جانے مستقبل میں کیا کیا کچھ دیکھنے میں آئے گا۔

جنگ کی تباہ کاریاں

آج سے چند صدیاں پہلے بھی لڑائیاں ہوا کرتی تھیں۔ اس وقت بھی حکومتیں اپنی اغراض کے لئے جنگ کیا کرتی تھیں لیکن اس وقت کی جنگ اتنی خوفناک اور قیامت آفریں نہ ہوا کرتی تھی جتنی موجودہ زمانے کی ہے۔ لوگ کہتے ہیں زمانہ آگے بڑھ رہا ہے۔ ترقی کا دور ہے تہذیب کا دور ہے۔ لیکن یہ سب غلط ہے۔ پچھلے زمانہ والوں کو ظالم اور وحشی کہہ کر پکارتے تھے۔ لیکن موجودہ زمانہ کی بربریت گزشتہ کی نسبت کئی قدم آگے بڑھی ہوئی ہے۔ زمانہ سلف میں دو حکومتیں آپس میں لڑتی تھیں۔ دونوں طرف کی فوجیں صف بستہ بالمقابل کھڑی ہوتی تھیں۔ دونوں طرف کے پہلوان آگے بڑھتے تھے۔ زور آزمائی کرتے تھے۔ تلوار چلائی جاتی تھی ایک مارا جاتا تھا۔ جیتنے والے کا بادشاہ کامیاب اور فتحمند کہلاتا تھا اور لڑائی ختم۔ کشت و خون ندارد۔ رستم و اسفندیار اور سہراب کے نام ابھی تک زندہ ہیں۔ لیکن اس دور کی جنگ کیا ہے؟ تباہی اور بربادی کا دوسرا نام۔ توپ، مشین گن، ہوائی جہاز، گیس ہر ایک اپنی اپنی جگہ پر فرشتۂ اجل۔ جدہر رخ پھیرا۔ کشتوں کے پشتے لگ گئے اور پُر رونق شہر دیکھتے ہی دیکھتے ویرانے سے بدتر۔ کھڑی فصلیں تباہ ہو جاتی ہیں۔ ہزاروں، لاکھوں مر جاتے ہیں۔ عورتوں، بچوں اور بوڑھوں تمام کو مساوی درجہ حاصل ہے تمام ایک ہی لاٹھی سے ہانکے جاتے ہیں۔ تمام کی تباہی یقینی ہے۔ زخمیوں کے لئے تیماردار نہیں رہتے وہ ویسے مر جاتے ہیں۔ جو موت سے بچ گئے۔ وہ زندہ درگور۔

یہ تو ہوئی جانی تباہی۔ اب اقتصادی تباہی کا منظر بھی دیکھ لیجئے تجارت ختم ہے۔ زمینداری اور کاشتکاری کا سلسلہ بند ہو جاتا ہے چیزوں کی قیمت اس درجہ بڑھ جاتی ہے۔ کہ خریدار نہیں ملتے۔ اجناس کی کمی کی وجہ سے گرانی نصف پر ہو جاتی ہے۔ لوگ بھوکوں مرجاتے ہیں قحط پڑ جاتے ہیں۔ غریب اور مفلس تو در کنار امیر اور مالدار لوگ موت آئے بغیر مر جاتے ہیں جنگ اگر ذرا طوالت پکڑ لے تو دور دور کے ملک بھی اثر پذیر ہو جاتے ہیں وہاں بھی تباہی اور بربادی کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا۔ میدان جنگ کی یہ حالت ہوتی ہے۔ کہ اختتام جنگ پر اُلّو بولنے لگتے ہیں۔ غرض جنگ شروع ہونے سے اس کے ختم ہونے اور اس سے بھی ایک طویل عرصہ بعد تک ملک کو قحط وبا۔ بدحالی اور پریشانیوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔

امن کی قدر و قیمت

امن خوشحالی اور فارغ البالی کا دوسرا نام ہے۔ ہر طرف مسرت کا طوطی بولتا رہتا ہے۔ آسودگی اور اطمینان عام ہوتا ہے۔ امیر غریب بوڑھے جوان۔ عورت، مرد، آرام اور سکھ کی زندگی بسر کرتے ہیں۔ کوئی کسی کو ستا نہیں سکتا۔ تجارت ترقی پر ہوتی ہے۔ دور دور سے مال و اسباب بآسانی منگوایا جا سکتا ہے۔ ہر ملک کی چیز سستے داموں مل جاتی ہے۔ نامہ و پیام خط و کتابت میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی۔ سات سمندر پار کی خیریت معلوم کرنی چند لمحوں کا کام ہے۔ تار ٹیلیفون وغیرہ ایسی نعمتوں کا لطف اٹھانا زمانۂ امن ہی کی برکت ہے۔ اپنی کمائی کا مزہ چکھنا۔ اپنے عزیزوں اور پیاروں میں بیٹھ کر وقت گزارنا کتنی بڑی نعمت ہے اور یہ نعمت امن ہی کے طفیل ہے۔

(خاص)

بھلائے ہوئے افسانے

(خاص)

مجھ کو دیوانہ بنا کر مسکرانا یاد ہے؟ — تجھ کو اے اختر نوازا اپنا وہ آنا یاد ہے؟
چاندنی مسحور کن تھی تو نکو سائن باغیں! — مجھ سے ملنے کو دری سکی وہ آنا یاد ہے؟
یاد ہیں اُنے ستِ نازِ اپنی وہ صہبا کو شیاں — دیکھ کر بے خود مجھے وہ لوٹ جانا یاد ہے؟
نیلی ساری صندلی رنگت پہ کھلتی ہی بہت — اتنا کہہ کر مسکرانا وہ لجانا یاد ہے؟

اختر دیوانہ کو تیرا وہ ہنس کر دیکھنا۔
لیکے چند انگڑائیاں وہ مسکرانا یاد ہے؟

اختر عباسی

چُنی ہُوئی کلیاں

از جناب شیدا سبحانی

رباعیات

رحمت و گنہگاری

مشہورِ خلائق میں ہے عظمت تیری — بے حد و بے اندازہ ہے قدرت تیری
اب دیکھنا ہے حشر میں اے ربِ رحیم — عصیاں مرے بڑھتے ہیں کہ رحمت تیری

کہتا تھا کوئی رندِ خرابات ابھی — بے وجہ نہیں ہے یہ مری میخواری
دانستہ گنہگار ہوا یہ سنکر — رحمت کو ضرورت ہے گنہگاروں کی!

تو مجھ کو بُرا کہتا ہے بے جا زاہد — تجھ سے مرا ایمان ہے اچھا زاہد
طاعت پہ تجھے ناز ہے لیکن مجھکو — اللہ کی رحمت پہ بھروسا زاہد

گن گن کے گنہ بخش دیئے جائیں سبھی — ہو جائے اگر دل سے پشیمان کوئی
جب سے ہے گنہگاروں کو رحمت کی تلاش — رحمت کو بھی ہے فکر گنہگاروں کی!

مانا کہ خطاکار و گنہگار ہیں ہم — دنیا کی نگاہوں میں سیہ کار ہیں ہم
لیکن ہم اس اُمید پہ خوش ہیں شیدا — اللہ کی رحمت کے سزاوار ہیں ہم

(خاص)

اشعار

گھر تو دونوں پاس ہیں لیکن ملاقاتیں کہاں — آمد و رفت آدمی کی ہے پر وہ باتیں کہاں (نامعلوم)
رات بھر شمع سر تو دھنتی رہی — کیا پتنگے نے التماس کیا (میر)
غیر پھرتا ہے لئے یوں ترے خط کو کہ اگر — کوئی پوچھے کہ یہ کیا ہے تو چھپائے نہ بنے (غالب)
توبہ کے بعد اپنا کیا جی ترس رہا ہے — بادل گرج رہا ہے پانی برس رہا ہے (داغ)
اب تو تکفیر سے واعظ نہیں ہٹتا حالی — پہلے سے کہتے تو دے کے ہٹا جاتا (حالی)
باغ بہشت سے مجھے اذن سفر دیا تھا کیوں — کار جہاں دراز ہے اب مرا انتظار کر (اقبال)
آج تسکین درد دل فانی — وہ بھی چاہا کئے مگر نہ ہوئی (فانی)
فاتحہ پڑھنے چلے تربت حسرت پہ جو وہ — پہلے کس ناز سے ہنس ہنس کے سنوارے گیسو (حسرت موہانی)
نہ جانے نوع انساں کیوں اجل سے خوف کھاتی ہے — اجل کہتے ہیں جس کو زحمت یک گام ہے ساقی (جوش)
تیسرے فاقہ ہیں دانۂ انگور رہے! — ہم نے جانا کہ بھرے ساغر بلور رہے (ریاض خیرآبادی)
وہ ضرور دشمن جان سہی مجھے غیر پھر بھی عزیز ہے — تری خاک پا جسے چھو گئی وہ برا بھی ہے تو برا نہیں (جگر مرادآبادی)
دل توڑ دیا تم نے میرا اب جوڑ چکے تم ٹوٹے کو! — وہ کام نہایت آساں تھا وہ کام بلا کا مشکل ہے (وحشت کلکتہ)
عشق کا سر نہیں جھکتا ہے فلک جھکتا ہے — یہ وہ سجدے ہیں جو محسوس نہیں ہوتے ہیں (سیماب)
دیر تک اس شبہ میں دیکھا ہلال — یہ کسی کافر کی انگڑائی نہ ہو (سائل دہلوی)
تڑپ کر ہاتھ رکھ دیتی ہے فطرت میری آنکھوں پر — کوئی ادنیٰ حقیقت بھی جو عریاں دیکھ لیتا ہوں (ساغر)
آشیاں پھونکا ہے بجلی نے جہان سو مرتبہ — پھر انہیں شاخوں پہ طرح آشیاں رکھتا ہوں میں (نہال)
دیکھا بھالا ہے مقدر اور سعی کا مآل — پھر بھی کوشش اپنی سی آزاد کر لیتا ہوں میں (آزاد)

قطعات

(از جناب محمد ابوالحسن صاحب بصیر صدیقی بدایونی)

فیض صحبت

خشک کھیتی جس طرح سیراب ہو جانے کے بعد
اک حیات تازہ کر لیتی ہے پھر سے اختیار
فیض سے صاحبدلوں کے یونہیں بداطوار بھی
بڑھ کے راہ راست پر اپنے کو لیتے ہیں سنوار

مشعل ہدایت

جس طرح تاریک راتوں میں ستاروں کی ضیا
بھولے بھٹکوں کے لئے ہوتی ہے اکثر رہنما
یونہیں گو اپنے خصائل کتنے ہی تاریک ہوں
پھر بھی نیک اعمال کی اُن میں اگر ہے کچھ ضیا
مشعل نور ہدایت بن کے چمکے گی ضرور
گم شدہ راہوں کو بھی دیدے گی منزل کا پتا (خاص)

سیر و سیاحت

ماسکو کے مناظر

جواہر لال نہرو

ماسکو کے بازاروں میں بہت چہل پہل تھی۔ زیادہ تر لوگ پیدل چل رہے تھے، ہر جگہ ہجوم نظر آتا تھا لیکن اس کے باوجود ہر شخص راستہ پر چلنے کے ضابطہ کو مد نظر رکھتا تھا اور تمام راہ گیر بلا ضرورت ٹھیرے بغیر آگے بڑھتے جا رہے تھے۔ پولیس کے سپاہی جنہیں روس میں ملیشیا کے سپاہی کہا جاتا ہے۔ اپنے فرائض کو نہایت اطمینان اور عمدگی سے انجام دے رہے تھے۔ میرا خیال ہے کہ ان کا کام اتنا مشکل نہیں ہے جتنا کہ یورپ کے دوسرے بڑے شہروں میں ہوا کرتا ہے۔ وہاں بگھیوں اور موٹروں کی آمد و رفت بہت کم ہے اور اگرچہ ٹرام، بسیں اور ٹیکسیاں بکثرت چلتی ہیں لیکن پیرس، برلن اور لندن کے مقابلہ میں ان کا تناسب بہت کم ہے میں جب ماسکو میں تھا تو اس زمانہ میں "سوویٹ ریپبلک" کا دسواں سالانہ جشن منعقد ہونے والا تھا۔ شاید اسی لئے اس زمانہ میں وہاں بہت زیادہ چہل پہل نظر آتی تھی۔

اس تقریب کے باعث سارا شہر آراستہ تھا اور جا بجا جھنڈے اور جھنڈیاں لگی ہوئی تھیں جن پر ہتھوڑے اور درانتی کا نشان بنا ہوا تھا یہ نشان مزدوروں اور کسانوں کی حکومت کا نشان ہے۔ اکثر مقامات پر لینن کی تصاویر آویزاں تھیں اور جگہ جگہ دس کا ہندسہ بھی آویزاں نظر آتا تھا جس کا مطلب یہ تھا کہ یہ جشن دسویں سالگرہ کی تقریب میں منایا جا رہا ہے۔

رات کے وقت چراغاں ہوا، بجلی کے قمقمے بھی سرخ رنگ کے تھے سرخ رنگ اشتراکی روس کو بہت پسند ہے اور اسے انقلاب کی علامت تصور کیا جاتا ہے۔ روسی زبان میں سرخ رنگ کے لئے جو لفظ ہے اس کے دو مطلب ہیں ایک سرخ اور دوسرا خوبصورت۔ چنانچہ ماسکو کا سب سے بڑا چوک جو قصر کریملن کے قریب واقع ہے اور جس کے ایک پہلو میں لینن کا مقبرہ بنا ہوا ہے۔ اشتراکی انقلاب سے پہلے بھی "سرخ چوک" کے نام سے موسوم تھا۔

ماسکو میں داخل ہوتے ہی ایک اجنبی پر جو اثر پڑتا ہے وہ یہ ہوتا ہے کہ ماسکو بہت بڑا شہر ہے لیکن منزل مقصود پر پہونچتے پہونچتے ایک سیاح یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ ماسکو مغربی شہروں سے بالکل جداگانہ بستی ہے۔ وہاں سنہرے کلس والے بہت سے مقبرے، وسیع چوک اور فراخ سڑکیں ہیں جن کی وجہ سے یہ شہر بہت زیادہ خوبصورت نظر آتا ہے گرجے بکثرت ہیں۔ ایک شخص نے ہمیں بتایا تھا کہ اس شہر میں ساڑھے سو گرجے ہیں۔ بعض بڑے بڑے گرجاؤں کو عجائب خانوں میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ لیکن عام طور پر گرجے اب بھی مذہبی خیالات رکھنے والے لوگوں کے لئے کھلے ہوئے ہیں۔ اشتراکی روس کی حکومت حکومت کے اعتبار سے مذہب کی حوصلہ افزائی نہیں کرتی۔ وہاں ایسی مجالس بھی قائم ہیں جو مذہب کے خلاف پروپیگنڈا کرتی ہیں۔ مدرسوں اور کالجوں میں جو تعلیم دی جاتی ہے اس میں بھی مذہبی تعلیم شامل نہیں لیکن ان سب باتوں کے باوجود مذہبی لوگوں کی راہ میں کوئی رکاوٹ بھی حائل نہیں کی جاتی اور وہ اپنے مذہبی فرائض کی بجا آوری میں بالکل آزاد ہیں۔ چنانچہ بہت سے لوگ بالخصوص دیہات میں رہنے والے آج بھی پہلے کی طرح نہایت آزادی اور پابندی کے ساتھ عبادت خانوں میں جاتے ہیں۔

قصر کریملن سے دائیں جانب حضرت مریم کے نام پر ایک گرجا بنا ہوا ہے۔ یہ گرجا بہت پرانا ہے اور اس کا تقدس دور و نزدیک مسلمہ ہے دور دور سے لوگ اس کے زیارت کے لئے آتے ہیں ہم نے دیکھا کہ ایک بہت بڑا ہجوم جس میں زیادہ تر عورتیں تھیں گرجا میں جا رہا تھا۔ لیکن اسے کسی نے نہیں روکا۔

مغرب کے کسی دوسرے شہر میں اس قسم کے مختلف لباس نظر نہیں آتے جس قدر کہ ماسکو میں پیرس کو براعظم یورپ کا بین الاقوامی مرکز تصور کیا جاتا ہے لیکن وہاں عام طور پر مغربی لباس ہی نظر آتا ہے۔ بجز ہندوستانی عورتوں کے جو وہاں بھی ساریاں پہن کر نکلتی ہیں۔ لیکن ماسکو میں ہر اعتبار سے ایشیا کا اثر غالب نظر آتا ہے۔ اور اسی لئے یہاں کسی قسم کا لباس بھی غیر معمولی، دلچسپی کا مرکز نہیں بنتا۔

ماسکو میں ایک سیاح کو جو حقیقی تبدیلی نظر آتی ہے وہ ہے سماجی تبدیلی۔ وہاں امیری اور غریبی کی انتہائیں نظر نہیں آتیں۔

ہر شخص خواہ وہ ریلوے اسٹیشن کا قلی ہو یا کسی ہوٹل کا خادم اسے کامریڈ یعنی رفیق کے لفظ سے مخاطب کیا جاتا ہے۔ اور کسی شخص کی خوبیوں اور حیثیت کا اندازہ اس کی تنخواہ کی بڑی رقم سے نہیں کیا جاتا۔ ہمیں بتایا گیا ہے کہ کمیونسٹ پارٹی کے ان ارکین کو جو حکومت کے بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہیں دو سو پچیس روبل یعنی ہمارے یہاں کے تین سو روپیہ کی برابر تنخواہ ملتی ہے۔ کلرک کی تنخواہ میں بھی کچھ زیادہ فرق نہیں، ہاں جو فرق ہے وہ آتا ہے کہ صدر کو رہنے کے لئے چند کمرے ایک موٹر اور چند دیگر مراعات ملی ہوئی ہیں۔ گاؤں کا کوئی کسان یا کسی کارخانہ کا کوئی مزدور جب صدر سے ملنے کے لئے آتا ہے تو بالکل اسی طرح ملتا ہے جس طرح دوسرے کسان یا مزدور سے۔ اور دوران گفتگو میں ایک دوسرے کو کامریڈ ہی کہہ کر پکارتے ہیں۔

ماسکو میں بڑی بڑی دوکانیں ہیں لیکن یہ سب حکومت کی ملکیت ہیں۔ ان میں جو سامان فروخت ہوتا ہے وہ نہایت سادہ اور فیشن کے لئے بیکار ہوتا ہے۔ پیرس اور لندن کے بازاروں کی طرح وہاں نفیس اور دلفریب اشیا موجود نہیں ہیں۔ بازاروں میں جو لوگ نظر آتے تھے ان کے لباس میں بھی فیشن کا کوئی لحاظ نہیں تھا۔ وہاں لباس پر روپیہ اور وقت صرف کرنے کو ایک ایسا عیب سمجھا جاتا ہے جو سرمایہ داروں ہی کے لئے مخصوص ہے۔

ہم ماسکو کی سرکاری تماشا گاہ میں بھی گئے۔ یہ تماشہ گاہ زار کے زمانہ کی بنی ہوئی ہے اور اس پر سات طلائی چھتریاں تعمیر کی گئی ہیں۔ زار کے زمانہ میں یہ تماشہ گاہ صرف امرا کے لئے مخصوص تھی۔ لیکن اب یہاں جو لوگ جمع ہوئے تھے وہ سب پڑھے لکھے مزدور اور کسان تھے ان کے لباس سے سادگی ٹپک رہی تھی اور بعض لوگ تو صرف قمیص پہن کر چلے آئے تھے۔

ہم نے ایک فلم بھی دیکھی، ایک انقلابی فلم، جس کا نام تھا "پیٹروگریڈ کے آخری دن"۔ روسی اپنی فلموں کی خوبصورتی اور صناعی کے لئے مشہور ہیں۔ جو فلم ہم نے دیکھی اس میں اس فرق کو نمایاں کیا گیا تھا۔ جو زار کے عہد حکومت میں غربت اور امارت کے درمیان موجود تھا۔ پھر جنگ کے ہولناک مناظر، زار کا زوال، کرینکی کی حکومت کا قیام، بالشویکوں اور کرینکی کے درمیان لڑائیاں اور سب کے بعد لینن کی فتح۔ یہ تمام مناظر اس قدر موثر تھے کہ میں نے محسوس کیا کہ پروپیگنڈا کا کوئی دوسرا ذریعہ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

ہم نے انقلاب کے ایک عجائب گھر کی سیر بھی کی۔..........

۔۔۔ یہ عجائب گھر پرانے زمانہ کے انگلش کلب کی عمارت میں واقع تھا۔ یہاں انگلش کلب کا مطلب یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ یہ کلب انگریزوں کا تھا۔ بلکہ یہ نمونہ تھا انگریزی کلبوں کا۔ اس عجائب گھر میں بہت سی دلچسپ چیزیں تھیں۔ لیکن مجھے یہاں کا صرف وہ حصہ پسند آیا جس میں ایشائی روس اور ترکستان وغیرہ کی تصویریں رکھی ہوئی تھیں۔ زار کے زمانہ میں جس عمارت کو دارالامرا کہا جاتا تھا میں نے اپنی زندگی میں اس قسم کی عمارتیں بہت کم دیکھی ہیں لیکن اب یہ عمارت "ٹریڈ یونین ہال" بنا دی گئی ہے۔

قصر کریملن، زار روس کا محل تھا، اس میں بڑی بڑی عمارتیں، مینار اور گنبد ہیں ہم نے اس کی سیر نہیں کی بلکہ ٹریڈ یونین کے صدر کلینن سے ملنے کے لئے گئے تھے روس کے اس سب سے بڑے انسان کے استعمال میں صرف دو تین کمرے تھے جن کا فرنیچر نہایت سادہ اور نمود و نمائش کے آثار سے بالکل پاک تھا (ماخوذ از سویٹ رشا)

دکھ کے لمحے

(از جناب سید علی صاحب وسعت فہمی)

تارے ڈوبے، سورج نکلا رات کٹی، اور ہوا سویرا — اب تک ڈولت ہے آوارہ ساجن ساجن کے من میرا

رات کٹی تھی نینوں میں اب دن بیتانے ہے گھیرا

بیچ ندی کے نیا اوپر، دور بانسری کوئی بجاوے — دھیمی دھیمی نبی کی لے میرے دلمیں اتری جاوے

ایسے میں پھر دگ بہرہ کا گھن کی نیائیں من کو کھائے

ساون روئے بیت گیا ہے، بھادوں دیکھیں کیا آئے — چین نہیں ہے من کو کہیں بھی، ہر دم اس کی یاد ستائے

ایسا ہو میں اس کو بھلا دوں، اے سجن جو موہے بھلائے

(وفامی)

سرخ فوج

سیاسی معلومات

اسرار احمد آزاد

اشتراکی روس اور جرمنی کے ہولناک تصادم نے دنیا کی توجہ روس کی سرخ فوج کی جانب منعطف کر دیا ہے اور آج ہر شخص یہ معلوم کرنے کا خواہشمند نظر آتا ہے کہ روس کی اس زبردست فوج نے جس کا وجود کم و بیش پچیس سال سے دنیا بھر کے شہنشاہیت پسندوں اور سرمایہ پرستوں کے لئے ایک مستقل خطرہ بنا رہا ہے۔ صحیح حالات کیا ہیں اس کی عسکری تربیت کس اصول پر کی گئی ہے۔ اور بین الاقوامی عسکری حلقوں میں اسے کتنی اہمیت حاصل ہے؟

سرخ فوج دراصل اشتراکی روس کے ان مزدوروں اور کسانوں پر مشتمل ہے جو صدیوں تک سرمایہ داری شہنشاہیت اور زمینداری کی خونچکاں گرفت میں پھنسے رہنے کے بعد روس میں اشتراکیت کے اجرا و قیام کی بدولت خود کو انسان اور آزاد انسان خیال کرنے کے قابل بن سکے ہیں آج سے ربع صدی پیشتر ان مزدوروں اور کسانوں نے زارشاہی کے خلاف علم جہاد بلند کیا یہی شکستہ و درماندہ حال مزدور اور کسان زار کی منظم اور تربیت یافتہ افواج سے لڑے اور وہ انقلاب برپا کر دیا جسے فرانس کے انقلاب کے بعد دوسرا اور اپنی خصوصیات اور عواقب و نتائج کے اعتبار سے پہلا اور عدیم المثال انقلاب کہنا چاہیئے۔

سرکاری طور پر اس فوج کا قیام ۲۳ فروری ۱۹۱۸ء کو عمل میں آیا اور روس کے انقلاب پسند کسانوں . . . . اور مزدوروں کے علاوہ اس میں زار کی فوج کے وہ سپاہی بھی شامل کر لئے گئے جو شہنشاہیت اور سرمایہ داری کے اس خوفناک مظاہرے میں جسے زار کی فوجوں اور دنیا بھر میں مزدوروں نیز دوسرے محنت کش طبقوں کی عزت، آزادی اور خوشحالی کے لئے لڑنے والے مزدوروں کی کشمکش سے تعبیر کیا جاتا ہے مزدوروں اور کسانوں کے معاون و ہمنوا تھے۔ اس موقعہ پر روس کی اشتراکی حکومت نے جو اعلان شائع کیا تھا اس کا مندرجہ ذیل حصہ خصوصی طریقہ پر قابل ذکر ہے۔

اب تک روس کی فوج، روسی مزدوروں کو کچلتے رہنے کے لئے مٹھی بھر سرمایہ داروں کا آلہ کار بنی ہوئی تھی۔ لیکن اب کہ روس کے مزدوروں اور دوسرے درماندہ اور محنت کش طبقوں نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی ہے ایک نئی فوج کے قیام کی ضرورت بھی محسوس کی جا رہی تھی۔ یہ فوج اشتراکی روس کی عسکری قوت کا مرکز ہے اور یہی فوج عوام کے مسلح ہونے کے لئے سنگ بنیاد کا کام دے گی۔

ابھی سرخ فوج کا قیام عمل ہی میں آیا تھا کہ روسی شہنشاہیت کی پاسبان روسی فوجوں اور دنیا کی دوسری شہنشاہیت پسند حکومتوں نے اشتراکی روس کو صفحہ ہستی سے مٹا دینے کے لئے اسے بے پناہ اور بظاہر ناقابل مدافعت یورش شروع کر دی اور سرخ فوج کو خاک و خون میں تڑپا دینے کی کسی سعی و کوشش سے بھی گریز نہیں کیا۔ سرخ فوج تربیت اور تنظیم کی ابتدائی منزلوں سے گذر رہی تھی، اس کے مقابلہ میں قوی ترین دشمنوں نے متعدد محاذ قائم کر رکھا تھا اس فوج کے سپاہی جو چند ہی روز پیشتر کھیتوں اور کارخانوں سے نکل کر روس کی سرکاری فوجوں کو شکست دینے کے باعث خود بھی ہر اعتبار سے خستہ حال بن چکے تھے پورے تین سال تک نہایت جرارت، پامردی اور استقلال کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کرتے رہے اس سہ سالہ مدت میں، اسلحہ اور خوراک کی قلت، تجربہ کار افسروں کی عدم موجودگی، دوستوں کی غداری اور دوسرے غیر متوقع حادثات کے باعث جس قدر مشکلات پیش آسکتی تھیں سرخ فوج کو ان کا مقابلہ کرنا پڑا لیکن اس فوج کے نوجوان سپاہی اور افسر کسی مصیبت سے دل شکستہ نہ ہو سکے اور تین سال کی خونریز جنگ اور صبر آزما مقابلہ کے بعد انجام کار اس فوج نے اندرونی اور بیرونی دشمنوں کو عبرتناک شکست دے کر اشتراکی روس کو پورے طور پر آزاد کرا لیا۔

کامریڈ اسٹالن اور سرخ فوج

سرخ فوج کی تاریخ بیان کرتے ہوئے یہ امر نا ممکن ہے کہ اس سلسلہ میں کامریڈ اسٹالن کی مساعی کو نظر انداز کر دیا جائے۔ مزدوروں کے اس رہنمائے اعظم کو سب سے پہلی مرتبہ ایک خاص مقصد کے لئے۔

زاریزن کے محاذ پر بھیجا گیا تھا۔ آج یہ مقام اسٹالن گراڈ کے نام سے مشہور اور والگا کے بڑے بڑے شہروں میں سے ایک شہر ہے۔ کامریڈ اسٹالن کا یہ دورہ اگرچہ فوجی معاملات ہی کے سلسلہ میں تھا لیکن اس محاذ کی فوجوں سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس محاذ پر لڑائی جاری تھی، دشمن شہر کے دروازہ کے قریب پہونچ چکا تھا اور اشتراکی فوجوں میں ہراس و انتشار کے آثار نظر آرہے تھے اس نازک موقعہ پر کامریڈ اسٹالن نے مداخلت کی اور تار کے ذریعہ کامریڈ لینن سے مشورہ کرلینے کے بعد نہایت مختصر وقت میں حالات کو یکسر تبدیل کردیا۔ کامریڈ اسٹالن کی صدارت میں ایک مجلس حربیہ (وار کونسل) قائم کی گئی اور اس محاذ پر سرخ فوج کی تربیت اور تنظیم کا کام شروع کردیا گیا۔

کامریڈ اسٹالن کے عزم و استقلال، اور سعی و جہد سے وہ کام کر دکھایا جو چند روز قبل ناممکن نظر آتا تھا محاذ جنگ پر تربیت یافتہ فوجوں کے دستے بریگیڈ اور ڈویژن جمع ہونے لگے۔ بادی النظر میں ایسا معلوم ہوتا تھا کہ زمین کا سینہ شق ہوگیا ہے۔ اور پرانے زمانے کے بہادر زندہ ہوکر سرخ فوج کے سپاہیوں کی صورت میں روس کو شہنشاہیت اور سرمایہ داری کی لعنتوں سے محفوظ رکھنے کے لئے محاذ جنگ پر جمع ہو رہے ہیں۔ سرخ فوج کے ان بہادر سپاہیوں نے دشمن کی منظم، تربیت یافتہ اور نہایت عمدہ اسلحہ سے مسلح فوج کی پیشقدمی کو نہ صرف روک ہی دیا بلکہ اسے کامل طور پر شکست دے کر اشتراکی روس کی حدود سے واپس چلے چلے جانے پر بھی مجبور کردیا۔

اس محاذ جنگ کے علاوہ، دوسرے محاذوں پر بھی کامریڈ اسٹالن کی مداخلت کو کچھ کم اہم اور نتیجہ خیز نہیں کہا جاسکتا۔ اس سلسلہ میں پرم کے قریب مشرقی محاذ کا واقعہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ اس محاذ پر کامریڈ اسٹالن کو خانہ جنگی کے خاتمہ کے قریب اس وقت بھیجا گیا تھا جب حالات بدترین صورت اختیار کرچکے تھے اور بھیانک شکست انقلاب پسند روسی فوجوں کے سر پر منڈلا رہی تھی۔ اس محاذ پر جو فوجیں دشمن کے مقابلہ میں مصروف جنگ تھیں وہ پانچ روز تک روٹی کا ایک ٹکڑا کھائے بغیر منجمد کر دینے والی سردی میں مسلسل لڑتے رہنے کے بعد پسپا ہوجانے پر مجبور ہوگئی تھیں کامریڈ اسٹالن نے یہاں پہونچکر سپاہیوں کے دلوں میں ایک تازہ روح پھونکدی، انھوں نے بڑھتے ہوئے دشمن کو روکدیا اور چند ہی روز کے بعد جارحانہ حملے کرکے اسے پسپا کردیا۔

ٹراٹسکی کی تجویز سے اختلاف

سنہ ۱۹۱۹ء کے موسم خزاں میں کامریڈ اسٹالن نے جنوبی محاذ جنگ کے نقشہ میں وہ فیصلہ کن ترمیم کی جس نے اس خانہ جنگی کے رخ کو یکسر تبدیل کردیا۔ اس موقعہ پر کامریڈ اسٹالن کی انقلابی ذہانت خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ ٹراٹسکی اس وقت سرخ فوج کے قائدین میں شمار کیا جاتا تھا اور اس نے ڈینکن پر جارحانہ پیشقدمی کے لئے جو نقشہ مرتب کیا تھا۔ اس کی رو سے سرخ فوج کو والگا اسٹیپی سے ہوکر گزرنا پڑتا تھا۔ کامریڈ اسٹالن نے اپنی فراست کی بدولت اس تجویز کے نقائص اور نتائج کو قبل از وقت محسوس کرکے اس کے مقابلہ میں ایک نیا نقشہ مرتب کیا جس کے ماتحت اس پیشقدمی کے لئے ڈونباس کے صنعتی رقبہ سے گذرنے کی تجویز کی گئی۔ پہلی تجویز کے نقائص اور نئی تجویز کے محاسن بالکل واضح تھے ایسے علاقہ سے گذرنے کی بجائے جس کے باشندوں کا ایک بڑا حصہ سرخ فوج کا مخالف اور باقاعدہ طور پر برسرپیکار تھا۔ اور کوسک کے علاقوں میں ابھی تک کولاک کا اثر موجود تھا، کامریڈ اسٹالن نے یہ تجویز کیا کہ سرخ فوجوں کو خارکاؤ اور ڈونباس کے اضلاع سے گزرنا چاہئے ان علاقوں میں مزدور آباد تھے اور انہیں اشتراکی روس کے ساتھ ہمدردی تھی۔ پھر یہ اندیشہ بھی تھا۔ کہ اگر ٹراٹسکی کی تجویز پر عمل کیا گیا۔ تو دشمن ڈونیز ریلوے کو کوئلہ سے محروم کرکے سرخ فوج کو دو حصوں میں منقسم کرسکتا ہے۔

ٹراٹسکی نے کامریڈ اسٹالن کی تجویز کی سختی کے ساتھ مخالفت کی لیکن سنٹرل کمیٹی نے اسے منظور کرلیا۔ آج اس تجویز کی کامیابی ظاہر ہے سرخ فوج اسی تجویز کے ماتحت ڈینکن کی جانب بڑھی، اس مقام کے شورش پسندوں کو بحر اسود کی جانب بھگادیا۔ اور چند ہی روز میں یوکرین اور شمالی کاکیشیا کو دشمن کے وجود سے پاک کردیا۔

سنہ ۱۹۱۸ء اور سنہ ۱۹۲۰ء کے درمیان بالشویک پارٹی کی سنٹرل کمیٹی ہر اس موقعہ پر جہاں روس کے اشتراکی انقلاب کو خطرہ لاحق ہوتا تھا کامریڈ اسٹالن ہی کو بھیجتی رہی۔ چنانچہ روس کی اس خانہ جنگی کی تاریخ کا مطالعہ کرنے والے حضرات اس امر سے اچھی طرح واقف ہیں کہ کامریڈ اسٹالن ایک مرتبہ بھی کسی ایسے محاذ پر موجود نہیں رہا جہاں حالات پُرسکون اور حسب معمول تھے! البتہ ایسے تمام مواقع اور مقامات پر جہاں کسی نہ کسی وجہ سے سرخ فوج مشکلات و مصائب میں مبتلا ہوتی اور یہ اندیشہ پیدا ہوگیا کہ حالات کی پیچیدگی اشتراکی روس کے لئے نقصان کا باعث ہوگی کامریڈ اسٹالن کی موجودگی ضروری تھی۔

کامریڈ اسٹالن نے محنت کش طبقہ کی اس ریاست کے دفاعی اور حفاظتی مسائل کو سمجھنے اور حل کرنے میں کبھی بے توجہی سے کام نہیں لیا اور ماضی کی طرح آج بھی اسٹالن سرخ فوج کے ہر چھوٹے سے چھوٹے مسئلہ کو اچھی طرح سمجھتا ہے اور اسے اسکے مخلص اور قریبترین دوست کی حیثیت حاصل ہے۔

طاقت کے اخلاقی اسباب

بلند نصب العین تک پہونچنے اور اچھے مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے

انسان جو مشکلیں مصیبتیں اور کلفتیں برداشت کرتا ہے وہ اس کے لئے توہین و تذلیل کا باعث نہیں ہوتیں بلکہ اس کے عزم و استقلال ہمت جرأت اور حمیت و خودداری میں اضافہ کر دیتی ہیں۔ سرخ فوج اپنے قیام کے ابتدائی ایام ہی سے لاتعداد موانع و مشکلات کے باوجود جو کارہائے نمایاں انجام دیتی رہی ہے ان میں مادی قوتوں سے زیادہ اخلاقی طاقت کارفرما نظر آتی ہے سرخ فوج کا ہر سپاہی لینن اور اسٹالن کے مطمح نظر سے والہانہ عقیدت رکھتا ہے۔ اور اشتراکیت کے قیام و تحفظ اور اشاعت کو اپنا اولین فرض تصور کرتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ سرخ فوج قیام امن کے لئے قائم کی گئی ہے اور استعماری فوجوں کی طرح اس فوج کو دوسرے ممالک و اقوام کی آزادی سلب کرنے کے لئے استعمال نہیں کیا جائے گا۔ سرخ فوج کے سپاہیوں کی تربیت میں حقیقی بین الاقوامی روح کام کر رہی ہے۔ وہ حکومت کے جبر و تشدد یا استعماری ضرورتوں سے مجبور ہو کر بادل ناخواستہ عسکری نظام میں منسلک نہیں ہوئی بلکہ انہوں نے اپنے ضمیر کے مطالبہ کو مان لینے کے بعد یہ سمجھ کر سرخ فوج میں شرکت اختیار کی ہے کہ انہیں دنیا کی وسعتوں میں امن و سکون قائم کرنا اور اقوام عالم کو محکومیت اور معاشی تفوق و برتری سے نجات دلانا ہے۔

کامریڈ اسٹالن نے روس اور جرمنی کے درمیان آغاز جنگ کے بعد جو پہلی تقریر کی ہے اس میں نہایت کشادہ دلی کے ساتھ بعض مقامات سے اشتراکی فوجوں کی پسپائی کا اعتراف بھی موجود ہے۔ برطانوی خبر رساں ایجنسی یعنی رائٹر کے فوجی مبصر نے اس اعتراف پر جو تبصرہ کیا ہے اس موقعہ پر اس کا تذکرہ نامناسب نہ ہوگا۔ یہ مبصر کہتا ہے کہ:۔

> اسٹالن کے اس صاف اور واضح اعتراف سے اس امر کا اندازہ ہوتا ہے کہ روس اپنے اس رہنما پر کس درجہ اعتماد کرتا ہے۔ اور پسپائی کے اعتراف کے باوجود اسے اشتراکی روس کی کتنی حمایت حاصل ہے۔ اس کے برعکس اگر ہٹلر اور گوبلز اپنی قوم کے سامنے اسی قسم کی تقریر کرتے تو انہیں شدید اختلافات اور الزامات کا سامنا کرنا پڑتا۔

ان الفاظ سے صرف ایک ہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے اور وہ یہ کہ سرخ فوج اشتراکی روس کی طاقت کا مرکز ہے اور اس کا ہر فرد انجام سے بے نیاز ہو کر دشمن سے مقابلہ کو اپنا اولین فرض تصور کرتا ہے۔ لیکن کیوں؟ صرف اس لئے کہ اسے اپنے نصب العین کی پاکیزگی اور بلندی کا یقین ہے وہ تنخواہ یا مال غنیمت کی شکل میں سیم و زر حاصل کرنے کا خواہشمند نہیں بلکہ موجودہ حالات میں دشمن کے ساتھ خونریز مقابلہ کو اپنا فرض تصور کرتا ہے۔ کیا ایسا سپاہی شکست سے متاثر اور اس کی روح دشمن کی بالادستی سے مغلوب ہو سکتی ہے؟

عسکری تربیت

اشتراکی روس کے ہر باشندہ کے لئے عسکری تربیت لازمی ہے پہلے اکیس سالہ نوجوانوں کو عسکری تربیت اور فوجی خدمات کے لئے طلب کیا جاتا تھا لیکن کچھ عرصہ سے اکیس سال کی بجائے فوجی تربیت کے لئے انیس سال کی قید لگا دی گئی ہے تاکہ جب اٹھارہ سال کی عمر میں روس کے نوجوان تعلیم حاصل کرنے کے بعد علم و عمل کے کسی شعبہ میں داخل ہوں تو انہیں فوجی خدمات کے لئے اسے چھوڑنا نہ پڑے۔ ہر سال یکم ستمبر تا یکم نومبر تک نوجوان روسی شہریوں کو فوجی تربیت کے لئے طلب کیا جاتا ہے۔ عام طور پر فوجی خدمت کی مدت دو سال مقرر ہے لیکن ایسے عسکری شعبوں کے لئے جن میں زیادہ تعلیم و تربیت کی ضرورت ہے اس مدت میں حسب ضرورت ایک یا دو سال کا اضافہ کر دیا جاتا ہے۔

سرخ فوج کے سپاہی اخلاق کی برتری جس کے باعث وہ اپنے دشمنوں پر فتح یاب رہی ہے۔ اور جس کی وجہ سے اس زمانہ میں بھی جب کہ وہ عسکری اعتبار سے بھی ضعیف تھی اس نے متعدد کارہائے نمایاں انجام دئے ہیں۔ دراصل اشتراکیت کی ترقی کی مرہون منت ہے۔ ۱۹۳۰ء تک سرخ فوج کو اطمینان بخش طریقہ پر مسلح نہیں کیا جا سکا تھا۔ لیکن ۱۹۳۰ء کے بعد ہر دو پنج سالہ لائحہ عمل کی بدولت روس میں جس قدر صنعتی ترقی ہوئی اسی قدر فن، علم اور اسلحہ کے اعتبار سے سرخ فوج کی حالت بھی بہتر ہوتی گئی۔ اس سلسلہ میں ایک مثال سرخ فوج کی اس ترقی کو واضح کر سکے گی جو اس نے ۱۹۳۰ء کے بعد کی ہے۔

۱۹۲۹ء میں سرخ فوج کی مشینی طاقت کو بحصہ مساوی تقسیم کیا جاتا تو ہر سپاہی کے حصہ میں ۲.۶ گھوڑوں کی طاقت آتی لیکن اس کے بعد اس طاقت میں مسلسل اضافہ ہوتا چلا گیا۔ ۱۹۳۲ء اور ۱۹۳۳ء میں یہ طاقت علی الترتیب ۷.۳۰ اور ۸.۷۰ تک ترقی کر گئی۔ اس وقت عسکری ماہرین کا خیال تھا کہ فرانس، امریکہ اور خود برطانوی فوج بھی۔ جو اس زمانہ میں مشینی طاقت کے اعتبار سے بہترین فوج سمجھی جاتی تھی مشینی طاقت کے اعتبار سے سرخ فوج کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔

۱۹۳۳ء کے بعد سے اس وقت تک روس نے صنعتی اعتبار سے جو ترقی کی ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ اشتراکی روس کے تعمیری کام کی تکمیل کے ساتھ ساتھ سرخ فوج کی مشینی طاقت میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔ اور جرمنی کے حملہ کے بعد سے ٹینکوں طیاروں اور دوسرے ضروری سامان جنگ کی صورت میں اشتراکی روس نے اپنی مشینی طاقت کا جو مظاہرہ کیا ہے

اسے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اب تک روس کی فوجی اور مشینی طاقت کا جو اندازہ کیا جاتا رہا ہے وہ خوش فہمی پر مبنی نہیں تھا۔

سرخ فوج کے حالات کو تفصیل کے ساتھ بیان کرنے کے لئے بہت زیادہ فرصت اور گنجائش درکار ہے۔ مختصر خیال کے محدود صفحات اور عنوانات کی تقسیم ہمیں اس امر کی اجازت نہیں دیتی کہ اس موضوع پر زیادہ وضاحت کے ساتھ اظہار خیال کریں۔ البتہ اس قدر کہنا نامناسب نہ ہوگا کہ جرمنی اور روس کی موجودہ لڑائی میں جرمنی کا سرخ فوج کو مغلوب کرنا بنا ہر ناممکن نظر آتا ہے۔ اور جو لوگ سرخ فوج کی قوت، جوش عمل اور طریقہ کار سے اچھی طرح واقف ہیں وہ اس حقیقت کو بھی فراموش نہیں کر سکتے کہ جرمنی کی ابتدائی کامیابیاں اشتراکی روس کی شکست پر منتج نہیں ہو سکتیں۔

ایک دیوانہ شاعر

(از محترمہ نسیم فاطمہ صاحبہ اختر)

نہال الدین نہال۔ موضع ڈہکیا ضلع پیلی بھیت کے رہنے والے تھے کسی کے عشق میں از خود رفتہ ہو گئے تھے اور آخری عمر تک دیوانہ رہے چاروں ابرو کا صفایا ان کی وضع میں داخل تھا۔ اس عالم بےخودی میں شعر کہتے تھے اور کسی کاغذ یا ٹھیکری پر لکھ کر پھینک دیتے تھے قدردان ان کو چن چن کر حرز جاں بنا لیتے تھے آپ کسی کے شاگرد نہ تھے۔ اردو فارسی دونوں میں، شعر کہتے تھے۔ عالمگیر جنگی بخار" دنالیا" ۱۹۱۸ء میں وفات پائی۔ جناب بسمل بریلوی نے رسالہ زمانہ کانپور بابت جون ۱۹۲۳ء میں نہال کا حال اور کلام شائع کیا تھا اردو کے چند اشعار یہ ہیں:۔

اس کا علاج کیا ہے بتا چارہ گر مجھے
صحت میں یاد آتے ہیں زخم جگر مجھے

تم جس طرح سے چاہو روا ہے تمہیں ستم
میں نامراد عشق ہوں میری دفا کا کیا
مل جائے کوئی برق تبسم کو کیا غرض
بجلی گرے کہیں نگہ سرمہ سا کا کیا
جانے کے بعد آپ کے رو دیا بہت نہال
کہتا تھا" ہائے عشق کسی بیتوا کا کیا"

واں زلفیں سنواری گئیں اٹھے ہیں یہاں اشک
کس رخ پہ برستی ہے گھٹا دیکھتے رہنا
تم آؤ تو میخانہ میں اک لطف ہے زاہد
پنہاں ہی مرد خدا دیکھتے رہنا
اک مایۂ صد ناز نہال آپ کا دل ہے
لے جائے گی وہ زلف رسا دیکھتے رہنا

اے صبا غیر کے گھر جانے کا دوں خاک ثبوت
تو تو نقش کف پا جا کے مٹا بھی آئی
بال کھولے سر بالیں کوئی آ بیٹھا ہے
ہم نے مانا کہ طبیب آئے دوا بھی آئی
اب کہاں دل میں سرور سامان نشاط
تیری الفت تو وہاں آگ لگا بھی آئی

تڑپ کر کہا اس نے قاصد سے میرے
بہت دور منزل ہے قاصد تمہاری

تو کہاں ہے؟

مقدس معبود! ——— تو کہاں ہے؟
دیر میں ہے! ——— حرم میں ڈھونڈوں؟
یا تو کلیسا میں رہتا ہے؟ ——— بتا دے
مقدس معبود! ——— تو کہاں ہے
"قلوب مصفا میں" ——— ہاتف غیبی نے صدا دی

(نورجہاں بیگم دختر محمد عطاءاللہ خاں)

نظم

جانے والے پیتم سے

از جناب نسیم ستیغی

جب ناگن کالی راتوں کی ڈس، ڈس کے جی برمائے گی
جب ساون کی ہر ایک گھٹا گھر گھر کے فلک پر چھائے گی
جب صبح کے ٹھنڈے ٹھنڈے میں ہر چیز خوشی ٹپکائے گی
اے جانے والے اس دل میں اک ہوک سی اُٹھتی جائیگی

جب ذوقِ نظر ناکام رہے گا جلووں کی ارزانی سے
جب بات کوئی یاد آئے گی الفت کی حسین کہانی سے
جب آنسو بازی جیتینگے دریا کی تیز روانی سے
اے جانے والے اس دل میں اک ہوک سی اُٹھتی جائیگی

جب عشق و محبت کی دنیا تاریک نظر آئے گی مجھے
جب صبح کی رنگیں شوخ فضا تاریک نظر آئے گی مجھے
جب میری نگاہِ ہوش ربا تاریک نظر آئے گی مجھے
اے جانے والے اس دل میں اک ہوک سی اُٹھتی جائیگی

جب رات کی خاموشی میں فلک ضَو پاش نگہ سے دیکھے گا
جب چاند کی کرنوں پر چاندی کے تاروں کا دھوکا ہوگا
جب ایسے میں یاد آئے گا وہ پاسِ محبت کا وعدہ
اے جانے والے اس دل میں اک ہوک سی اُٹھتی جائیگی

افسانہ

شکستہ رباب

از جناب سید محمد مسیح صاحب

نرنیدر قصبہ نگری کا جو شہر سے چونتیس میل کے فاصلہ پر واقع ہے ایک یتیم نوجوان، خوبصورت، خوش سیرت، تعلیم یافتہ اور تندرست لڑکا ہے۔ اُس کے دل بہلانے کا سامان ایک شکستہ رباب ہے جس کو وہ تنہائی میں بجا کر اپنی خلوت کو جلوت سے بدل لیتا ہے۔

صبح کا سہانا وقت ہے، نسیم سحری کے مسحور کن جھونکے سحر کر رہے ہیں آفتاب عالم تاب لے اپنے چہرہ سے نقاب اٹھا کر افق گلنار کا پرچم لہرا کر در مشرق سے وارد ہو کر دنیائے بے ثبات کو منور کر دیا اور نیلے آسمان پر عیاں ہوا۔

نرنیدر بھی کنج باغ میں اپنا شکستہ رباب لئے نکل آیا، باغ ایک گلدستہ معلوم ہوتا ہے جس کو یہ قدرت نے خود سنوارا ہو وسط باغ میں ایک مرمریں حوض ہے جس کے چاروں جانب گلاب کے پودے لگے ہوئے عجب سماں پیدا کر رہے ہیں۔ حوض تک پہونچنے کے لئے پانچ سیڑھیاں ہیں، سیڑھیوں کے دونوں جانب خوشنما گملے رکھے ہوئے ہیں۔ باغ کے چاروں طرف خوشنما روش ہے، باغ کے ایک جانب مَیل کا عالیشان ایک پرانا درخت ہے۔

زمانہ کا ستایا نرنیدر اسی پرانے درخت کے نیچے پہونچ جاتا ہے اور اس درخت کے سہارے بیٹھ کر آپ نے شکستہ رباب کے تاروں کو کہنہ مضراب سے چھیڑ کر عالم پر ایک محویت طاری کرتا ہے۔ یہ راگ کسی ناکام محبت کے قلب کی صحیح ترجمانی کرتا ہے جس کو نرنیدر نے آپ نے شکستہ رباب کی تانوں سے ملا کر اس راگ کے ساتھ یہ گانا شروع کر دیا۔

اڑی ہوا میں جاتی ہے۔ گاتی چڑیا یہ راگ
آؤ پریتم مل مل کھیلیں، پریم پریت کا پھاگ
چڑیا منگ منگ اڑتی پھرتی، ساگر سے ملتی ندیا
میں دکھیاری بچھڑ گئی ہوں، کاٹے کھیلیں پھاگ

شیلا جو قصبہ کے تحصیلدار رام سہائے کی اکلوتی، حسین، خوش مزاج تعلیم یافتہ نوجوان لڑکی تھی۔ کنج باغ میں روز صبح ٹہلنے آیا کرتی تھی، وہ ایک طرف سے باغ میں داخل ہوئی اور سیدھی حوض کی جانب متوالی چال سے قدم اٹھاتی حوض کے قریب پہونچ گئی۔ ابھی وہ قاعدے سے بیٹھنے بھی نہ پائی تھی کہ اس نے رباب پر کسی کو گاتے ہوئے سُنا۔ شیلا بیتاب ہو کر دیوانہ وار تلاشِ مغنی میں آواز کے ساتھ بڑھتی چلی گئی۔ جب وہ میل کے درخت کے قریب پہونچی تو اُس نے نرنیدر کو دیکھا اور فوراً ٹھٹک گئی۔

نرنیدر گانے میں اس قدر محو تھا کہ اس کو بالکل خبر نہ تھی کہ اُس کے کاندھے پر شیلا اپنا ملائم اور نازک ہاتھ رکھے کھڑی ہے، شیلا گانا سُن کر برداشت نہ کر سکی اور اُس کے دل سے آہ سرد بلند ہوئی۔ جس نے نرنیدر کو اپنے خواب سے بیدار کر دیا اور تب اُسے معلوم ہوا کہ کوئی لڑکی اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھے کھڑی ہوئی ہے۔ جب نرنیدر نے اس کے جانب نظر اٹھائی تو شیلا نے اُس سے التجا کی کہ وہ ہی راگ پھر چھیڑا جائے نرنیدر خاموش تھا اور آخر کار شیلا یکایک فرشِ زمین پر گر کر بے ہوش ہو گئی۔

نرنیدر گھبرا گیا اور فوراً اُسے گود میں اٹھا کر حوض کی جانب لایا اور قریب کی گھاس پر لٹا کر حوض سے اپنے چلوؤں میں پانی لا کر اس پر چھڑکا مگر ہنوز وہ ہوش میں نہ آئی تھی تب نرنیدر نے آپ نے زانو پر اس کا سر رکھ کر پھر وہی راگ آپ نے شکستہ رباب پر چھیڑا کہ شاید اُس سے شیلا ہوش میں آوے، رفتہ رفتہ شیلا کو ہوش آیا اور اُس نے اپنے کو نرنیدر کے زانو پر پایا۔ شیلا متعجب تھی کہ یہ کیا معاملہ ہے۔ وہ کچھ شرمندہ ہو گئی اور فوراً اٹھ کر اپنے گھر کی جانب چل دی مبادا کہ کوئی آگاہ نہ ہو جائے۔

شیلا کا دل نرنیدر نے مجروح کر دیا تھا مگر نرنیدر تو شکستہ رباب کا دلدادہ تھا اس پر شیلا کا کچھ اثر نہ ہوا۔ وہ روزانہ باغ میں آتا تھا اور تھوڑی دیر رباب بجا کر چلا جاتا تھا۔ اب شیلا کا روزانہ یہ دستور ہو گیا کہ وہ نرنیدر سے پہلے باغ میں آتی اور چند پھولوں کو جمع کر کے ایک گلدستہ بناتی اور جب نرنیدر آتا تو اسے پیش کرتی۔ نرنیدر اُس گلدستہ کو لے کر شیلا کے دست زریں کا صرف ایک تولہ لیتا

تھا اب بھی دستور عرصہ تک قائم رہا مگر اب تک زنیدر پر شیلا کی محبت کا اثر مطلق نہ ہوا۔ شیلا نے زنیدر پر اظہار محبت کے مختلف طریقے اختیار کئے لیکن زنیدر پر ایک کا بھی اثر نہ ہوا کیونکہ وہ اپنے رباب کو چاہتا تھا اس کے سوا اُسے کسی چیز کی تمنا نہ تھی۔

شیلا زنیدر کی محبت میں دیوانی تھی اُس کو آپ لے تن من دھن کی کچھ سدھ نہ تھی اور روز بروز کمزور ہوتی جاتی تھی۔ اس کا چہرہ زرد پڑ چکا تھا اور اب صرف ہڈیوں کی مالا رہ گئی تھی۔ آخر کار شیلا کے باپ رام سہائے نے اپنی بیوی سے دریافت کیا کہ آخر یہ شیلا کی حالت کیا ہے؟ شیلا کی ماں نے شیلا سے دریافت کیا کہ آخر وہ کیوں اس قدر مغموم اور افسردہ رہتی ہے۔ شیلا نے اپنی ماں سے کہا کہ طبیعت کچھ خراب ہے۔ ایشور نے چاہا تو دو چار دن میں ٹھیک ہو جاؤں گی اور ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہہ دیا کہ آپ نے زنیدر کو رباب بجاتے تو سنا ہوگا۔ آپ مجھے بھی ویسا ہی رباب منگا دیں تاکہ میں بھی اپنا دل اسی سے بہلایا کروں اور اگر آپ اجازت دیں تو زنیدر سے سیکھ بھی لیا کروں۔

ماں نے بیٹی کی خواہش کو پورا کرنے کے لئے رام سہائے سے ذکر کیا رام سہائے بیٹی کو بہت عزیز رکھتے تھے فوراً اُس کی خواہش کو پورا کرنے کے لئے تیار ہوگئے اور شیلا کے لئے ایک عمدہ سا رباب آگیا۔ زنیدر روزانہ اُس کے باپ کی خواہش کے مطابق شیلا کو رباب سکھانے لگا کبھی وہ شیلا کے گھر جاتا اور کبھی شیلا باغ میں آکر سیکھتی۔ اب شیلا کی حالت سنبھل گئی اور ماں باپ کو بھی اطمینان ہوگیا۔

لیکن اسی دوران میں قصبہ میں وبا پھیلی اور شیلا کو وبا نے یتیم ہی کر کے چھوڑا۔ شیلا پر والدین کی موت کا زبردست صدمہ ہوا اگرچہ وہ تمام مال و دولت کی اکیلی مالک تھی مگر اُس کو والدین کی موت نے بالکل مردہ کر دیا تھا۔ زنیدر شیلا کا دل بہلاتا تھا اور تسکین دیا کرتا اور رباب سکھاتا رہا۔ شیلا نے اُس سے متعدد مرتبہ کہا کہ وہ اکیلی ہے۔ لہٰذا زنیدر کو اُس کے گھر میں رہنا چاہئے۔ مگر زنیدر نے ہر مرتبہ صاف صاف انکار کر دیا۔ زنیدر کی اس بے التفاتی نے شیلا کو بہت بے چین کر دیا۔ اور وہ بہت غمگین رہنے لگی تھی لیکن پھر بھی یہ خیال کر لیتی تھی کہ شاید کچھ دن بعد اس پر میری محبت کا اثر ہو۔ زنیدر اسی طرح اس کے گھر آتا رہا اور رباب سکھاتا رہا۔

ایک دن زنیدر خلافِ معمول شام کے وقت اپنا شکستہ رباب اٹھا کر کنجوں باغ کی طرف چل دیا۔ اس دن اس کو باغ کی خوبصورتی میں کچھ اضافہ معلوم ہوا مگر وہ خوبصورتی اسے خوش نہ کر سکی اس نے آج کچھ شیلا کے متعلق سوچا اور آہ سرد بلند کی اور خاموش ہو کر حسب معمول اس درخت کے نیچے بیٹھ کر زور سے شکستہ رباب کے تاروں کو اپنی کہنہ مضراب سے چھیڑ دیا اور بلند آواز سے گانا شروع کر دیا آج اس کی آواز میں ایک خاص قسم کا درد تھا اور آواز نہایت سُریلی تھی۔ کیوں؟ یہ تمام باتیں کسی کی موت کا پیش خیمہ تھیں۔

فوراً ہی شیلا کو آواز سنائی دی جس نے اسے بے تاب کر دیا اور دیوانہ وار بھاگتی ہوئی باغ میں داخل ہوئی اور زنیدر تک پہونچتے پہونچتے اُس کے قدم لڑکھڑانے لگے۔ اور آخر کار زنیدر کے قدموں پر گر کر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے خاموش ہو گئی۔

زنیدر کے یہ حالت دیکھ کر اس کو ہوش میں لانے کی کوشش بے جا کی کیونکہ اس کو یہ معلوم نہ تھا کہ شیلا کی روح ہمیشہ کے لئے پرواز کر گئی وہ شیلا کو اسی طرح پھر حوض کے قریب لے گیا اور چلوؤں سے اس کے چہرہ پر پانی ڈالنا شروع کیا مگر کچھ اثر نہ ہوا۔ وہ پریشان تھا کہ آخر کیا معاملہ ہے؟ اس نے جب شیلا کے سینہ پر ہاتھ رکھا تو وہاں صرف جسد خاکی کو بالکل بے حس و حرکت پایا۔

زنیدر بہت خاموشی سے اٹھا اور اپنا شکستہ رباب اٹھا کر شیلا کے قریب آیا اور بیٹھ کر اُس کی طرف ٹکٹکی باندھ کر دیکھنے لگا۔ پھر اس کے سر کو اپنے زانو پر رکھا اور رباب کے تاروں کو دردبھرے راگ سے چھیڑ دیا بجاتے بجاتے اُس کا ہاتھ بہکنے لگا۔ اس لئے کہ اُس کی آنکھیں پتھرا گئی تھیں۔ چہرہ پر مردنی چھا رہی تھی اور چند ہی منٹ میں اس کی روح صیاد قید نہ معلوم سے آزاد ہو کر ہمیشہ کے لئے پرواز کر گئی۔ اور اس طرح دونوں نے دنیائے فانی کو خیرباد کہا ؎

پھول تو دو دن بہار جانفزا دکھلا گئے
حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے

زندگی

(محترمہ نورجہاں بیگم صاحبہ دختر محمد عطا اللہ خاں صاحب)

ناشکرگذار ہستی ۔۔ ۔ ۔ تو دل کی بے قراری کو
وبالِ جان کیوں سمجھتی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ نادان
دل تڑپنے ہی کے لئے ۔ ۔ ۔ اور جب دل ہی نہ تڑپے گا
تو پھر ۔ ۔ "تیری زندگی ہی کہاں ہوگی"
دشمنِ جاں ۔ ۔ ۔ دل کی تڑپ ہی
"دراصل زندگی ہے"



من میں تیرے رام ہے جوگی من میں تیرے رام

دیس بدیس پھرت ہے مارو چھانت ہے سنسار
نگری نگری پھیرت پھیری مورکھ تو بے کار
اپنے اندر ڈھونڈے ہر کو گھٹ میں کر بسرام
من میں تیری رام ہے جوگی من میں تیرے رام

انگھ بھبوت رما کر بیٹھو مکھ پر چھوڑے کیس
گیانی دھیانی بے نا سوچو کون کو ہے یہ بھیس
کنٹھ میں وہ خود بول رہا ہے جپت ہی جا کو نام
من میں تیرے رام ہے جوگی من میں تیری رام

روپ بدل کر گردھاری کو جھوٹی مالا چھوڑ
سانچا بھیس بدل لے اپنا سب سے ناتا توڑ
"جا کی خاطر جوگ لیا ہے وا کو نہ کر بدنام"

من میں تیرے رام ہے جوگی من میں تیرے رام

پوجا پاٹ دکھاون کی ہے ناحق عمر گنوائے
اپنے من کا پھیرے من کا جو چاہے ہو جائے
دل ہے تیرا پریم کا مندر جا میں سندر شیام
من میں تیرے رام ہے جوگی من میں تیرے رام

کاٹھ کمنڈل پاس دھرے ہیں آگ کو سمنک ڈھیر
چاروں اور اُجیتا تیرے ہردے میں اندھیر
دل کا دیا بھی بادے اپنا بن جائیں سب کام
من میں تیرے رام ہے جوگی من میں تیرے رام

مسلسل افسانہ

نئی زندگی

کاؤنٹ ٹالسٹائی

نمبر ۳

گذشتہ اقساط کا خلاصہ۔ مازلوا ایک غریب روسی لڑکی تھی، ماں کا سایہ سر سے اٹھ جانے کے بعد گاؤں کی ایک رئیس خاتون نے مازلوا کی حالت پر ترس کھا کر اس کی پرورش و کفالت کی ذمہ داری قبول کر لی۔ مازلوا حسین تھی اور اس امیر خاندان میں رہ کر تربیت حاصل کرنے کی وجہ سے اس کی عادات و اطوار اور رفتار و گفتار میں اور بھی جاذبیت اور دلکشی پیدا ہو گئی تھی۔

مازلوا نے جس خاندان میں پرورش اور تربیت پائی تھی۔ اسی خاندان کا ایک جوان شہزادہ چند روز کے لئے اس گاؤں میں آکر مقیم رہا اور ایک عیاش اور مشغول نوجوان کی طرح مازلوا کے حسن دلنواز سے متاثر ہو کر اسے اپنی ہوس رانی کا شکار بنانے کے بعد واپس چلا گیا۔ مازلوا سمجھی تھی کہ اس کی یہ لغزش پہلی اور آخری ثابت ہو گی لیکن اس کا یہ خیال غلط ثابت ہوا۔ مازلوا حاملہ تھی چند ماہ کے بعد رسوائی کے خوف سے وہ اپنی محسن خاتون کے یہاں سے چلی گئی اور شریفانہ زندگی بسر کرنے کی بہت سی کوششیں کرنے کے بعد جب اسے کسی طرح بھی کامیابی نہ ہوئی تو انجام کار اس نے ایک فاحشہ عورت کی طرح اپنی زندگی گذارنی شروع کر دی۔ اسی زمانہ میں کچھ ایسے حالات پیش آئے کہ مازلوا کو ایک سنگین جرم کا مرتکب سمجھ کر اس کے خلاف مقدمہ چلایا گیا۔ آج اس مقدمہ کی پہلی پیشی ہے اس مقدمہ میں جن لوگوں کو اسیسر مقرر کیا گیا تھا ان میں شہزادہ کا نام بھی شامل تھا۔ مازلوا دو سپاہیوں کی معیت میں کئی میل پیدل چلنے کے بعد کچہری پہونچ چکی ہے۔ اور شہزادہ اپنی ایک خاتون دوست کی یاد دہانی پر عدالت میں جانے کی تیاری کر رہا ہے۔ (مترجم)

باب ۳
ذہنی کشمکش

چائے پی لینے کے بعد شہزادہ عدالت سے آئے ہوئے سمن کو دیکھ کر یہ معلوم کرنے کے لئے کہ اسے کس وقت وہاں پہونچنا چاہئے۔ نیز شہزادی کے خط کا جواب دینے کی نیت سے اپنے مطالعہ کے کمرہ میں گیا۔ درمیان میں شہزادہ کا نگارخانہ واقع تھا۔ شہزادہ یہاں سے گذرا تو اس کی نظر ایک نامکمل تصویر پر پڑی۔ جو ایک نکن کے سہارے دروازہ کے قریب ہی رکھی ہوئی تھی، دیواروں پر چند اور تصاویر بھی آویزاں تھیں، شہزادہ کو مصوری سے بھی دلچسپی تھی لیکن ان تصاویر کو دیکھ کر اسے ایسا محسوس ہوا کہ وہ اس فن میں ترقی نہیں کر سکتا، اس سے پیشتر بھی اسے متعدد بار اسی قسم کا خیال آچکا تھا لیکن وہ ہمیشہ یہ تصور کر کے اس خیال کو دل سے نکال دیتا تھا کہ اس کا ذوق مصوری بہت بلند ہے۔ اور اسی لئے اسے معمولی تصاویر میں کوئی دلکشی نظر نہیں آتی۔ پھر بھی نہ معلوم کیوں یہ خیال اسے افسردہ بنا دیا کرتا تھا۔

اب سے سات سال قبل اس نے صرف اس خیال سے فوجی خدمات سے کنارہ کشی اختیار کر لی تھی کہ اسے آرٹ سے دلچسپی ہے اور اس تمام عرصہ میں وہ آرٹ ہی کی جانب اپنی تمام تر توجہ مبذول بھی کرتا رہا تھا لیکن اب سات سال کی مدت گذر جانے کے بعد اسے محسوس ہو رہا تھا کہ وہ اس کا اہل نہیں اور اسی لئے آج ماضی کی ان تمام باتوں کی یاد جو کسی نہ کسی طرح اس کے شوق سے تعلق رکھتی تھیں اس کے لئے باعث تکلیف بنی ہوئی تھی

اس نے اپنے نگارخانہ پر ایک نظر ڈالی اور ان تمام قیمتی اشیاء کو دیکھ کر جو اس کی زینت میں اضافہ کر رہی تھیں اس کے چہرہ پر افسردگی کے آثار نمایاں ہو گئے۔ شہزادہ اسی حال میں مطالعہ کے کمرہ میں پہونچا۔ کمرہ بھی نہایت شاندار اور بیش قیمت سامان سے آراستہ تھا۔ سامنے رکھی ہوئی الماری کے ایک خانہ میں جس پر "اشد ضروری" کے الفاظ کندہ تھے عدالت سے آیا ہوا سمن موجود تھا۔ جس کے مطالعہ کے بعد اسے معلوم ہو گیا کہ عدالت میں حاضری کا وقت ٹھیک گیارہ بجے مقرر ہے۔

شہزادہ میز کے قریب رکھی ہوئی کرسی پر بیٹھ گیا اور شہزادی کو خط لکھنے لگا۔

"شکریہ دعوت اور عدالت میں حاضری کے لئے یاد دہانی کا ممنون ہوں۔ میں شام کو کھانے کے وقت آنے کی کوشش کروں گا۔"

یہ سطور لکھنے کے بعد اسے خیال آیا کہ اس خط کے الفاظ سے بہت زیادہ قربت و محبت کا اظہار ہوتا ہے۔ اس نے اسے چاک کر کے دوسرا خط لکھا

لیکن لکھنے کے بعد اسے محسوس ہوا کہ دوسرے خط کے الفاظ سے سوختگی ٹپکتی ہے۔ اس لئے اس نے اسے بھی چاک کر دیا اور میز پر لگے ہوئے ایک بٹن کو دبا کر گھنٹی بجائی۔ جسے سن کر ایک خوش پوش ملازم اندر آیا۔ شہزادہ نے حکم دیا۔

"راسکی (ایک روسی سواری جسے گھوڑا کھینچتا ہے) منگاؤ"

بہتر حضور!

"اور سنو! شہزادی کورشگن کے ملازم سے کہدو کہ وہ شہزادی کا شکریہ ادا کرنے کے بعد انہیں یقین دلا دے کہ ہم شام کو آنے کی کوشش کریں گے۔"

"بہتر حضور!"

ملازم کمرہ سے باہر چلا گیا، شہزادہ نے اپنے دل میں خیال کیا شہزادی کو خطوط کا نہ لکھنا تہذیب کے خلاف ہے۔ لیکن کیا کروں میں اس وقت جواب لکھنے کی کوشش کے باوجود معذور رہا۔ بہر حال میں آج اس سے ملوں گا۔

شہزادہ باہر آیا تو ایک خوبصورت اور سبک رفتار راسکی کھڑی ہوئی تھی۔ گاڑی بان، شہزادی کورشگن کے یہاں شہزادہ کی آمد و رفت سے واقف تھا اور اس کا خیال تھا کہ یہ آمد و رفت صرف اس لئے ہے کہ وہ شہزادی کے ساتھ شادی کر سکے۔ شہزادہ کو آتے ہوئے دیکھ کر اس نے کہا:-

"کل حضور بمشکل ہی شہزادی کے محل سے نکلے تھے کہ میں پہونچ گیا لیکن دربان سے معلوم ہوا کہ حضور ابھی تشریف لے جا چکے ہیں۔"

"اچھا!" شہزادہ نے اپنے دل میں خیال کیا "گاڑی بان بھی ہمارے معاملات سے واقف ہے" ایک مرتبہ پھر اس کے روبرو شہزادی کورشگن کے ساتھ مناکحت کا سوال پیدا ہو گیا لیکن وہ اس وقت اس سوال اور اس سے تعلق رکھنے والے دوسرے سوالات کا کوئی فیصلہ نہیں کر سکا۔ ایسے مواقع پر اس کے سامنے ہمیشہ دو پہلو ہوتے تھے، بیوی کی معیت امور خانہ داری کی جانب سے اطمینان، بچوں کی موجودگی کا تصور اور یہ خیال کہ اس وقت اس کی موجودہ بے مقصد زندگی ایک ایسی زندگی میں تبدیل ہو جائے گی جسے صحیح معنی میں ایک معزز انسان کی زندگی کہنا چاہیئے اسے شادی کر لینے کی جانب مائل کرتا تھا لیکن جب وہ غیر شادی شدہ نوجوانوں کی طرح اپنی موجودہ آزادی کے سلب ہو جانے کا تصور کرتا تھا تو اس خیال کو دل سے نکال دینے پر مجبور ہو جاتا تھا۔

شہزادی کورشگن کے ساتھ شادی کے معاملہ میں ایک اور بات بھی حائل تھی، شہزادہ اچھی طرح جانتا تھا کہ شہزادی کورشگن ہر اعتبار سے ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔ لیکن وہ اس بات سے بھی ناواقف نہیں تھا شہزادی کی عمر کم از کم ستائیس سال ہے۔ اس عرصہ میں شہزادہ کے علاوہ اس نے اور لوگوں سے اظہار محبت بھی کیا ہوگا یہ تصور اس کے لئے ناقابل برداشت تھا اور اسی لئے وہ شہزادی کے ساتھ شادی کرنے کے معاملہ میں پس و پیش سے کام لے رہا تھا۔ بہر حال ابھی تک وہ اسی کشمکش میں مبتلا تھا اور اس سلسلہ میں کسی نتیجہ پر پہونچنے سے پہلے وہ مائیکل کی بیوی وزالیانا کے خط کا انتظار بھی کر لینا ضروری تصور کرتا تھا۔ اب جب کہ وہ ان خیالات میں مستغرق تھا اس نے اس بات کا فیصلہ کر لیا کہ وزالیانا کا جواب موصول ہونے سے پیشتر وہ کورشگن کے ساتھ شادی کے مسئلہ پر غور تک بھی نہ کرے گا۔

گاڑی عدالت کے بیرونی دروازہ پر پہونچ گئی تھی، شہزادہ نے گاڑی سے اترتے ہوئے اپنے دل میں کہا: "اب مجھے ذمہ داری کے ساتھ اپنے ان فرائض کو ادا کرنا چاہیئے جو عوام کی جانب سے مجھ پر عاید ہوتے ہیں میں سمجھتا ہوں کہ اس معاملہ میں میں حق بجانب ہوں پھر ان فرائض کی ادائیگی کے سلسلہ میں بہت سے دلچسپ واقعات بھی پیش آتے ہیں۔" شہزادہ اسی قسم کے خیالات دل میں لئے ہوئے عدالت کے احاطہ میں داخل ہوا۔

باب ۵
کچہری والے

کچہری کے برآمدہ میں چہل پہل نظر آرہی تھی، چپراسی سبک روی کے ساتھ ایک کمرہ سے دوسرے میں آجا رہے تھے، وکیل مختار اور بیرسٹر اپنے موکلوں کو ضروری ہدایات دینے میں مصروف تھے اور مقدمات کے ایسے فریق جنہیں پولیس نے اپنی حراست میں نہیں لیا تھا دیوار کے سہارے بیٹھے ہوئے مختلف مقدمات پر خیال آرائی کر رہے تھے۔

"عدالت کہاں ہے؟" شہزادہ نے ایک چپراسی سے دریافت کیا۔

"کونسی عدالت؟" چپراسی نے سوال کرتے ہوئے کہا "یہاں تو دیوانی اور فوجداری عدالتیں ہیں!"

"میں اسیسر ہوں!" شہزادہ نے جواب دیا۔

"پھر تو حضور کو فوجداری عدالت کہنا چاہیئے تھا!" چپراسی نے ایک کمرہ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا "دیکھئے! دائیں جانب جا کر بائیں طرف کو مڑ جائیے دوسرا دروازہ فوجداری عدالت کا ہے۔"

شہزادہ چپراسی کی ہدایت کے مطابق فوجداری عدالت کے دروازہ پر پہونچا، یہاں دو آدمی کھڑے ہوئے تھے ان میں سے دراز قد اور فربہ جسم والا شخص ایک نیک دل اور خوش مزاج سوداگر تھا اور دوسرا ایک یہودی دوکاندار پہلا شخص کھڑے ہی کھڑے کچھ ناشتہ کرنے

کے بعد گلاس میں انڈیلی ہوئی کوئی چیز پیتے ہوئے یہودی دوکاندار سے اون کی قیمت کے متعلق گفتگو کر رہا تھا کہ شہزادہ پہونچ گیا۔

"کیا جیوری کے اراکین کے لئے یہی کمرہ مخصوص ہے؟" شہزادہ نے دریافت کیا۔

"جناب!" سوداگر نے مسکراتے ہوئے کہا "کیا آپ بھی ہماری طرح جیوری کے رکن ہیں؟"

شہزادہ نے اپنے سر کی جنبش سے سوداگر کے خیال کی تصدیق کی۔

"اچھا ہوا!" سوداگر نے کہا "اب ہم مل کر معاملہ پر غور کریں گے۔ میرا نام پاکلا خوف ہے اور میں ایک تاجر ہوں لیکن کیا میں دریافت کر سکتا ہوں کہ مجھے کس معزز شخص کے ساتھ مل کر کام کرنے کی عزت نصیب ہوگی؟"

شہزادہ نے اپنا نام بتایا اور کمرہ میں چلا گیا۔

کمرہ میں اس وقت تقریباً دس آدمی موجود تھے۔ اپنی شکل وساخت اور وضع ولباس کے اعتبار سے ایک دوسرے سے بالکل مختلف نظر آتے تھے۔ یہ سب لوگ ابھی آئے تھے۔ کچھ کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے اور کچھ کمرہ میں اِدھر اُدھر ٹہل رہے تھے۔ یہ سب لوگ ایک دوسرے کے لئے تقریباً اجنبی تھے اس لئے ان کی گفتگو میں بے تکلفی کی بجائے احتیاط جھلک رہی تھی اور وہ ایک دوسرے سے متعارف ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔

ان میں ایک صاحب پنشن یافتہ کرنل تھے اور اس وقت بھی اپنی فوجی وردی میں ملبوس۔ کچھ لوگوں نے لمبے کوٹ پہن رکھے تھے وہ مین اصحاب صبح کے لبادے ہی پہنے ہوئے چلے آئے تھے اور ایک شخص نے دیہاتیوں جیسا لباس پہن رکھا تھا۔ لیکن ہر شخص کے چہرہ پر...... شاید اس خیال سے...... کہ وہ عوام کی ایک اہم خدمت انجام دے رہا ہے۔ فخر اور اطمینان کے آثار نمایاں تھے۔ پھر اس تصور سے ان کی مسرت اور اطمینان میں اور بھی اضافہ ہو جاتا تھا کہ وہ سب اپنے ضروری کاموں کو ملتوی کر کے اپنا فرض ادا کرنے کے لئے آئے ہیں حالانکہ ان میں سے ایک شخص بھی ایسا نہیں تھا جو بات بات میں اپنے نقصان اور ایثار کا ذکر نہ کر دیتا ہو۔

یہ لوگ موجودہ موسم، موسم بہار کی جلد آمد اور تجارتی ترقی کے امکانات پر گفتگو میں مصروف تھے۔ کچھ لوگ ابھی تک ایک دوسرے کے متعلق یہی غور کر رہے تھے کہ یہ کون ہے شہزادہ کے پہونچنے پر سب لوگ اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔ یہ لوگ شہزادہ سے واقف نہیں تھے۔ لیکن اس کی وجاہت اور امیرانہ لباس کو دیکھ کر اس سے متعارف ہونے کو ایک قابل فخر مسرت تصور کرتے ہوئے جلد از جلد تعارف حاصل کر لینے کی کوشش کرنے لگے۔

شہزادہ اس عزت افزائی اور احساس برتری کو اپنا حق تصور کرتا تھا لیکن کیوں؟ اس کا جواب خود شہزادہ کے پاس بھی نہیں تھا کیا اس کا طرزِ زندگی، انگریزی، فرانسیسی اور جرمن زبان میں اہل زبان ایسی مہارت اور اس کا امیرانہ اور بیش قیمت لباس اسے دوسرے لوگوں سے ممتاز بنا سکتا ہے؟ شہزادہ خود اس کا جواب نفی میں دیتا تھا لیکن باایں ہمہ وہ خود کو دوسروں سے برتر اور اس برتری کو اپنا پیدائشی اور قدرتی حق تصور کرتا تھا۔ اور اگر کوئی شخص اس کی عزت افزائی میں قاصر رہتا تھا تو یہ امر اس کیلئے ناقابل برداشت خلش بن کر رہ جاتا تھا۔

کمرہ میں داخل ہونے کے بعد اگرچہ سب لوگ شہزادہ کی طرف متوجہ ہو گئے تھے لیکن اس کا استقبال اس طریقہ سے نہیں کیا گیا تھا جیسے وہ اپنے مرتبہ کے لحاظ سے ضروری تصور کرتا تھا۔ اس لئے شہزادہ کو ان لوگوں کی بدتہذیبی پر بہت غصہ آیا اس کی خود پسندی مجروح ہوئی تھی لیکن یہ سب کچھ دیکھتے اور جلتے ہوئے بھی وہ خاموش رہنے پر مجبور تھا۔

ان لوگوں میں ایک شخص ایسا بھی تھا جو کسی زمانہ میں شہزادہ کے بھانجہ کا معلم رہ چکا تھا۔ اس کا نام پیٹر گراسیمو وچ تھا لیکن اول تو شہزادہ کو اس کا خاندانی نام معلوم ہی نہیں تھا دوسرے وہ اس بات کو واضح کر دینا چاہتا تھا کہ وہ اس معمولی حیثیت رکھنے والے شخص سے کچھ زیادہ واقف نہیں ہے اس لئے اس نے اس شخص کی جانب بھی کوئی توجہ نہیں کی۔

"اچھا! تم بھی پھنس گئے!" پیٹر نے قہقہہ لگا کر کہا۔ "اس جال سے نکلنا بہت دشوار ہے!"

"میں نے اس جال سے نکلنے کی کوشش ہی کب کی ہے؟" شہزادہ نے ترشروئی کے ساتھ جواب دیا۔

"ہاں صاحب! میں اسی جذبہ کو قومی خدمت کا جذبہ کہتا ہوں لیکن ذرا بھوک لگے یا نیند پریشان کرے تو پھر تم دوسرا راگ الاپنا شروع کر دوگے۔" پیٹر نے معترضانہ انداز میں کہا۔

"خوب! اب یہ شخص مجھے "تو" کہہ کر مخاطب کرے گا" شہزادہ نے اپنے دل میں خیال کیا اور افسردگی کے ساتھ کمرہ کے دوسرے گوشہ میں چلا گیا۔ اس گوشہ میں کئی آدمی ایک دراز قامت اور ریش وبروت صاف شخص کے گرد کھڑے ہوئے نہایت توجہ کے ساتھ اس کی گفتگو سن رہے تھے اور وہ دیوالی کے ایک ایسے مقدمہ کی روداد کو نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کر رہا تھا جس میں ایک نوجوان وکیل نے نہایت کامیابی کے ساتھ

سچ کو جھوٹ ثابت کر کے ایک ضعیف خاتون کے خلاف ایک کثیر رقم کی ڈگری حاصل کر لی تھی۔

"وکیل نہایت قابل انسان ہے۔" دراز قد شخص نے کہا۔

سامعین نے اس کے اس فقرہ کو نہایت توجہ اور غالباً احترام کے ساتھ سنا اور ان میں سے بعض لوگوں نے اس شخص کی تائید میں کچھ کہنے کی کوشش بھی کی لیکن اس نے انہیں گفتگو کا موقعہ دیتے ہوئے اپنی تقریر کو جاری رکھا گویا کہ اس کے مقابلہ میں سب لوگ "جاہل مطلق" کی حیثیت رکھتے تھے اور انہیں اس اہم خطبہ کے دوران میں کسی قسم کی مداخلت کا حق حاصل نہیں تھا۔

شہزادہ اگرچہ دیر سے آیا تھا لیکن چونکہ ایک جج صاحب بھی ابھی تک تشریف نہ لا سکے تھے اس لئے اسے کافی عرصہ تک منتظر رہنا پڑا۔

باب ۶

جج، پیشکار اور سرکاری وکیل

جج صاحبان کی اس مختصر سی جماعت کے صدر جو اس مقدمہ کی سماعت کے لئے مقرر کی گئی تھی کچہری کے وقت سے پہلے ہی تشریف لا چکے تھے صدر صاحب شادی شدہ تھے لیکن بہت آزاد منش اور عاشق مزاج واقع ہوئے تھے۔ آپ کی رفیقۂ حیات بھی آپ ہی کے نقش قدم پر چلتی تھیں۔ اور اسی لئے یہ لوگ ایک دوسرے کے معاملات میں کسی قسم کی مداخلت سے پرہیز کرتے تھے۔ آپکا قد دراز اور جسم مضبوط تھا اور بڑی بڑی گھنی مونچھوں کی وجہ سے چہرہ بارعب معلوم ہوتا تھا۔

آج صبح آپ کو سوئٹزرلینڈ کی ایک حسینہ کا خط موصول ہوا تھا جس میں اطلاع دی گئی تھی کہ آج شام کو پانچ اور چھ بجے کے درمیان وہ ہوٹل اطالیہ میں ان کی آمد کی منتظر رہے گی۔ یہ نوجوان حسینہ پہلے جج صاحب کے یہاں بچوں کی تربیت کے لئے ملازم تھی اور اب جنوبی روس سے پیٹرزبرگ جاتے ہوئے محض جج صاحب سے ملنے کے لئے یہاں ٹھہر گئی تھی اس حسینہ کا نام کلارا تھا اور گزشتہ موسم بہار کے آغاز میں جج صاحب اور کلارا کے درمیان خوشگوار تفریحی تعلقات کا آغاز ہوا تھا۔

آج صبح کلارا کا خط ملنے کے بعد جج صاحب نے فیصلہ کیا کہ جسقدر جلد ہو سکے آج کا کام ختم کر کے انہیں مقررہ وقت پر ہوٹل اطالیہ پہونچنا چاہئے۔ یہ فیصلہ کرنے کے بعد جج صاحب کچہری آ گئے اور یہاں اپنے پرائیویٹ کمرہ میں تشریف لے جا کر دروازہ کو اندر سے بند کر دینے کے بعد الماری میں رکھے ہوئے "ڈمبلز" نکالے اور اپنے ہاتھوں کو اوپر، نیچے دائیں اور بائیں گھما گھما کر ورزش کرتے رہے، پھر انہوں نے "ڈمبلز" کو سر سے اونچا لے جا کر آہستہ آہستہ تین بار اپنے پیروں کے انگوٹھوں کو چھوا۔ اور پھر اپنے ہاتھ کی چھنگلیا کی تیسری انگلی سے جس میں سونے کی انگوٹھی جگمگا رہی تھی۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اپنے دائیں بازو کی مچھلی کو دباتے ہوئے خیال کیا کہ "انسان کو تندرست رکھنے کے لئے سرد پانی سے نہانے اور ورزش کرنے سے بہتر کوئی طریقہ نہیں۔"

ابھی جج صاحب ورزش سے فارغ بھی نہ ہوئے تھے کہ کسی شخص نے دروازہ پر دستک دی اور جج صاحب نے جلدی سے "ڈمبلز" کو الماری میں رکھ کر دروازہ کھول دیا۔

"معاف فرمائیے!" جج صاحب نے نووارد سے مخاطب ہو کر کہا۔

نووارد بھی اسی عہدہ پر ممتاز تھا اور آج کے مقدمہ کی سماعت کے لئے جو جماعت مقرر کی گئی تھی اسے بھی اس کی رکنیت کا فخر حاصل تھا اس شخص کا سینہ فراخ اور شانے کشادہ تھے آنکھوں پر سنہری فریم کا چشمہ لگا ہوا تھا لیکن آنکھوں سے بے اطمینانی ٹپک رہی تھی۔

"میتھو نکیٹک آج بھی ابھی تک نہیں آئے!"

"نہیں صاحب!" صدر نے اپنا چوغہ پہنتے ہوئے کہا "وہ ہمیشہ دیر سے آتے ہیں"

"افسوس!" نووارد نے کرسی پر بیٹھ کر ایک سگریٹ پیتے ہوئے کہا "انہیں شرم بھی نہیں آتی!"

یہ صاحب آج صبح اپنی اہلیہ سے لڑ کر تشریف لائے تھے۔ ان کی رفیقۂ حیات نے اس مہینہ کے ختم ہونے سے پہلے اس ماہ کے مصارف کی تمام رقم خرچ کر ڈالی تھی اور آج صبح جب اس نے آئندہ مہینہ کے لئے مقررہ رقم کا کچھ حصہ پیشگی طلب کیا اور جج صاحب نے اس مطالبہ کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ تو ان دونوں کے درمیان جھگڑا ہو گیا اور جج صاحب کی بیوی نے صاف صاف کہہ دیا کہ اگر آپ کا یہی طرز عمل رہا تو آئندہ آپ کو کھانے کے لئے ایک ٹکڑا بھی نہیں دیا جائے گا۔ بیوی کی اس تنبیہ کے بعد خطرہ اس اندیشہ سے کہ کہیں معاملہ طول نہ پکڑ جائے اور بیگم تریاہٹ کے ماتحت اپنی اس دھمکی کو عملی شکل نہ دیدے آپ دم دبا کر گھر سے چلے آئے۔

"یہ اچھی زندگی اور اچھے اخلاق کا نتیجہ ہے!" اس نے "تندرست، خوش مزاج اور خوش وضع" صدر کی جانب دیکھتے ہوئے خیال کیا "یہ ہمیشہ خوش اور مطمئن رہتا ہے اور میں۔ ۔ ۔ ۔ ؟ مجھے ایک لمحہ کے لئے بھی سکون حاصل نہیں ہوتا!"

پیشکار کاغذات کا ایک پلندہ بغل میں دبائے ہوئے کمرہ میں داخل ہوا۔

"شکریہ!" صدر نے سگار جلاتے ہوئے کہا "پہلے ہمیں کس مقدمہ کی سماعت کرنی ہے؟"

"زہر خورانی کا مقدمہ!" پیشکار نے بے توجہی سے جواب دیا۔

"کوئی ہرج نہیں" صدر نے یہ سمجھتے ہوئے کہ بہر حال اسے چار بجے

عمل ختم کرکے وہ اپنی محبوبہ سے ملاقات کے لیے جا سکیگا جواب دیا۔

"زہرخورانی کا مقدمہ ہی سہی! لیکن ملزم آگئے ہیں؟"

"ابھی نہیں!"

"اور بریود؟"

"وہ موجود ہیں!" پیشکار نے جواب دیا۔

"اچھا!" صدر نے حکم دیا "تم ان سے کہدو کہ پہلے زہرخورانی کے مقدمہ کی سماعت ہوگی!"

بریود سرکاری وکیل تھا اور اسے ہی اس مقدمہ میں سرکار کی جانب سے پیروی کرنی تھی پیشکار کمرہ سے باہر آیا تو بریود ایک فائل اپنی بغل میں دبائے اور دوسرا ہاتھ میں لئے عجلت کے ساتھ برآمدہ سے گذر رہا تھا سکریٹری نے اسے دیکھکر آواز دی۔

"صدر صاحب دریافت کرتے ہیں کہ کیا آپ تیار ہیں؟ پیشکار نے کہا۔

"میں ہمیشہ تیار رہتا ہوں!" سرکاری وکیل نے جواب دیا "لیکن آج پہلے کس مقدمہ کی سماعت ہوگی؟"

"زہرخورانی کے مقدمہ کی!"

"مناسب؟" وکیل نے جواب دیا حالانکہ وہ اسے مناسب نہیں سمجھتا تھا۔ وکیل صاحب کے ایک دوست نے گزشتہ شب ایک ہوٹل میں ایک الوداعی جلسہ منعقد کیا تھا اور ان حضرات نے صبح پانچ بجے تک اس جلسہ میں شریک رہ کر تاش کھیلنے اور شراب پیتے رہنے کی وجہ سے مقدمہ کے کاغذات کو اٹھا کر دیکھا تک بھی نہ تھا لیکن اس کے باوجود اس نے "مناسب" کہہ کر یہ فیصلہ کر لیا کہ اسے "فوراً" اس مقدمہ کی مسل پر ایک نظر ڈال جانی چاہیئے پیشکار وکیل کی اس کمزوری سے واقف تھا اور اسی لئے اس نے صدر جج کو پہلے زہرخورانی کے مقدمہ کی سماعت کا مشورہ دیا تھا۔ در اصل ان دونوں کے مابین سیاسی اختلافات کارفرما تھے۔ پیشکار خیالات کے اعتبار سے آزاد خیال ہی نہیں بلکہ ترقی پسند واقع ہوا تھا لیکن اس کے برعکس بریود قدامت پسند بلکہ تاریک خیال قدامت پسند تھا اور اسی لئے پیشکار نہ صرف اس کا مخالف ہی تھا بلکہ اس کی موجودہ معزز حیثیت پر حسد بھی کرتا تھا۔

"لیکن "سکوپسی" (ایک مذہبی فرقہ) کے مقدمہ کے سلسلہ میں آپ کا کیا ارادہ ہے؟" پیشکار نے دریافت کیا۔

"میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ گواہوں کی موجودگی کے بغیر میں اس مقدمہ کو پیش کرنے کے لئے تیار نہیں۔ میں عدالت کے روبرو بھی یہی جواب دونگا" بریود نے جواب دیا۔

"لیکن یہ معاملہ کیا ہے؟" پیشکار نے طنزیہ انداز میں سوال کیا۔

"میں اس طرح اس کی پیروی نہیں کرسکتا" بریود نے اپنے ہاتھ کو جنبش دیتے ہوئے کہا اور تیزی کے ساتھ اپنے پرائیویٹ کمرہ میں چلا گیا کچھ عرصہ سے سکوپسی فرقہ کے عیسائیوں کے خلاف ایک مقدمہ زیر سماعت تھا اور بریود انہیں سزا دلانے کا خواہشمند تھا لیکن اسے یقین تھا کہ اگر اس مقدمہ کی سماعت تعلیم یافتہ اسسیروں کی موجودگی میں ہوئی تو انہیں بری کردیا جائیگا اسی لئے وہ اسے موخر کرا رہا تھا اور اس نے ایک معمولی سے گواہ کی عدم موجودگی کو بہانہ بناکر صدر جج کو اس بات پر آمادہ کرلیا تھا کہ اس مقدمہ کی سماعت آئندہ سشن میں ایک ایسے مقام پر کی جائے جہاں تعلیم یافتہ اسسیروں کی بجائے غیر تعلیم یافتہ دیہاتی اس فرض کی ادائیگی کیلئے منتخب کئے جائینگے جنکی موجودگی میں اسے اپنی کامیابی کا پورا یقین تھا۔

عدالت کے احاطہ میں اب چہل پہل بڑھ گئی تھی لوگ برآمدہ سے گزرکر دیوانی عدالت کے دروازہ پر جمع ہورہے تھے اور اس مقدمہ کی کارروائی سننے کے لئے مشتاق نظر آتے تھے جس میں ایک وکیل نے اپنی طباعی اور ذہانت کی بدولت ایک خاتون کو اس کی جائداد سے محروم کرادینے کی صورت پیدا کردی تھی۔ سب لوگ جن میں جج اور خود وکیل بھی شامل تھے اس خاتون کے برسرحق ہونے سے واقف تھے لیکن وکیل نے جو قانونی نکتے پیدا کئے تھے ان کی موجودگی میں حق و صداقت، کذب و باطل بن کر رہ گئی ہیں۔ اور اس خاتون کا اپنی جائداد سے محروم ہوجانا ایک امر ناگزیر بن گیا تھا۔

دو سوال

(محترمہ کریم النساء صاحبہ)

ایک روز میں نے پروانہ سے پوچھا ———
محبت کسے کہتے ہیں ——— وہ ذوق کیف
میں مجبوم اٹھا اور اپنی پیاری جان شمع پر نثار
کردی ———
پھر میں نے شمع سے پوچھا ———
زندگی کسے کہتے ہیں ——— وہ لرز گئی
اچانک ہوا کا ایک معصوم جھونکا آیا اور اسے گل
کرگیا۔

سینٹ کین کا کنواں

از جناب ابرار صاحب قدوائی بارہ بنکی بپل

ذیل میں مشہور انگریزی شاعر رابرٹ سدے کی ایک دلچسپ نظم کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ "سینٹ کین" نے "کارنوال" کے مقام پر سنہ ۹[illegible]ء میں ایک کنواں بنوایا تھا جو اپنی خصوصیت کی بنا پر بہت مشہور تھا۔ یہ نظم غالباً آپ کے لئے بھی باعث تفریح ہوگی ——! مترجم

انگلستان میں ایک کنواں تھا۔
اس کنویں سے زیادہ شفاف پانی شاید کسی نے دیکھا ہو۔
انگلستان میں شاید ہی کوئی ایسی "بیوی" ہو
جس نے "سینٹ کین کے کنویں" کا نام نہ سنا ہو!
شاہ بلوط اور کھجور کے دو درخت اس کے دونوں جانب تھے۔
اور اس کی پشت پر ایک دوسرا درخت تھا۔
ایک اور تیسرا درخت بھی اس کے کنارے۔
پانی کی سطح کو چوم رہا تھا!
ایک مسافر اس کنویں پر آ ٹھیرا۔
مسکراتا ہوا وہ اس کے بالکل قریب آیا۔
اس لئے کہ وہ صبح سویرے ہی گھر سے نکل کھڑا ہوا تھا۔
اور دھوپ بے حد تیز تھی۔
اُس نے بے انتہا شفاف اور کسی قدر ٹھنڈا پانی بصد شوق پی لیا۔
اس لئے کہ وہ مسافر گرمی کی شدت سے بے تاب تھا اور اسے پیاس بجھانے کی تمنا تھی۔
وہ کنویں کے کنارے بیٹھ گیا۔
ایک گھنے درخت کے سایہ میں!
اتنے میں ایک آدمی قریب ہی کی ایک گھر سے
اپنا ڈول بھرنے کے لئے اس کنویں پر آیا۔
کنویں کے بالکل قریب اس نے وہ ڈول رکھ دیا۔
اور دوسرے اجنبی مسافر کو خوش آمدید کہا۔
"محترم! کیا آپ کنوارے ہیں؟" اس نے دریافت کیا۔
اور آپ کی "شریک زندگی" اگر ہیں
تو پانی کا یہ گھونٹ جو آپ نے ابھی پیا آپ کے لئے پیام
خوش نصیبی ہے۔
اور آپ کی زندگی بھر کے "گھونٹوں" سے افضل ترین"
اور ہاں! آپ کی "شریک زندگی" اگر ہیں۔
تو کیا وہ کبھی "کارنوال" میں بھی آئی ہیں؟
اور اگر وہ آچکی ہیں تو میرا خیال ہے۔
کہ انہوں نے "سینٹ کین کے کنویں" کا پانی ضرور پیا ہوگا"
"میری بیوی اس وقت گھر پر ہیں اور یہاں کبھی نہیں آئیں"
اس اجنبی نے جواب دیا۔
لیکن یہ کہ میرا یہ آخری گھونٹ سب سے افضل ہے۔ ان باتوں سے اس کا کیا تعلق؟
میں ملتجی ہوں! خدارا مجھے بتائیے کہ کیوں؟"
"سینٹ کین نے" اس آدمی نے کہا "بہت مرتبہ"
"اس شفاف کنویں کا پانی پیا"
"اور قبل اس کے کہ وہ راہِ عدم پر گامزن ہو"
اس نے کنویں پر کوئی جادو کر دیا"
اگر کوئی شوہر اس مشہور کنویں سے
پانی پی لے اپنی بیوی سے قبل
تو یقیناً وہ خوش نصیب انسان ہے۔
اس لئے کہ وہ اپنی زندگی پر پوری طرح حاوی ہوگا۔
لیکن اگر بیوی اپنے شوہر سے پہلے ہی پی لے
تب تو شوہر کا خدا ہی حافظ ہے!"
وہ اجنبی فوراً اس کنویں پر جھک گیا۔
اور دوبارہ اس نے پانی پیا۔
تم نے اس کنویں سے پانی پی ہی لیا! اچھا سنو! میں نہیں

اسی وقت بتائے دیتا ہوں؟
"مس کار لمالی" آدمی نے کہا۔
لیکن وہ "کار ٹوالی" مسکرانے لگا جب وہ اجنبی بولا۔
اور شرمندگی وندامت کے ساتھ اپنا سر اسمتھ نے "نفی" میں ہلا دیا۔

مَیں نے بے انتہا جلدی کی جیسے ہی کہ رسم نکاح اختتام کو پہونچی۔
میں اپنی بیوی کو وہیں برساتی ہی میں چھوڑ آیا۔
لیکن۔ آہ! بیشک وہ مجھ سے کہیں زیادہ عقلمند تھی!
اس لئے کہ وہ اس کنوئیں کے پانی کی ایک بوتل پہلے ہی گرجا میں منگا چکی تھی!

عصرِ نو کا فرعون

(از جناب ابوالاسرار صاحب رمزی اٹاوی)

کرسیوں پر جلوہ فرما ہیں یہاں کچھ نوجواں گیند بلا کھیل کر آئے ہیں پہنے جرسیاں
اعلیٰ طبقہ کے مہذب اور بھی مہمان ہیں اس زمانے کے ترقی یافتہ انسان ہیں
سامنے رکھے ہوئے ہیں صف بصف زریں جام اور گلدستے، ترپلیں، خاصدانِ سیم خام
پان سگرٹ، بوتلیں سوڈے کی شربت برف کا حصر و تخمینہ ہے مشکل ان کے بے جا صرف کا
اڑ رہا ہے سرخ ہونٹوں سے سگاروں کا دھواں چائے کے بھپکے ہیں سگرٹ کے شراروں کا دھواں!
وحشیانہ طور پر ہیں بعض مشغولِ طعام منھ کے اندر چل رہا ہے گرم لقموں سے کلام

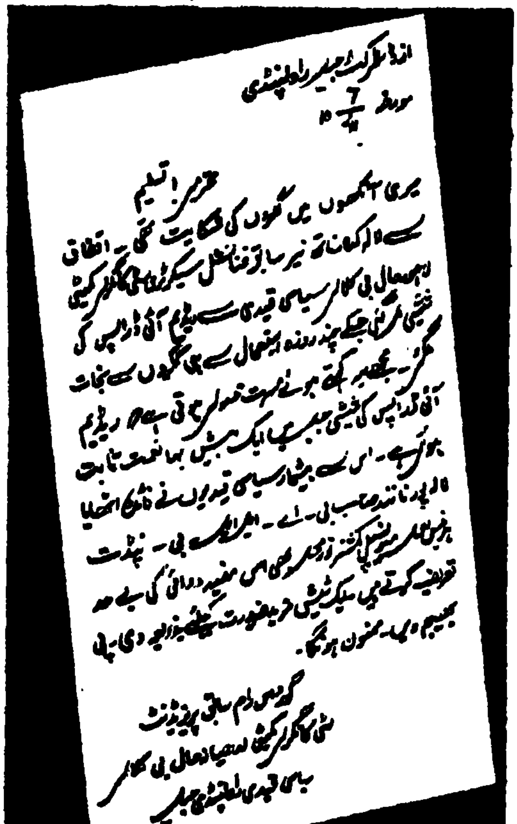
کان میں آتی ہے اتنے میں صدائے راہ گیر دیکھتا ہوں سامنے ہے ایک کبڑا مردِ پیر
فقر کے سامان اپنے ساتھ پھیلائے ہوئے اک فقیر آتا ہے اپنا ہاتھ پھیلائے ہوئے
آگے بڑھتا ہے یہ سائل رنگِ محفل دیکھ کر بھوک لے جاتی ہے اس کو کھینچ کر نزدیک تر
کون سنتا ہے مگر افسوس! آوازِ سوال! راس آتا ہے کسے یہ نغمۂ سازِ سوال؟
اک جواں کہہ کر یہ، ٹھوکر مارتا ہے تان کر "ہے مخل اندھا ہماری گفتگو میں جان کر"
لڑکھڑا کر ڈھیر سا گرتا ہے فرشِ خاک پر مفلسی روتی ہے اپنی حالتِ غمناک پر
آہ! کتوں کی طرح بوٹوں کی ٹھوکر مار کر روندتا ہے آدمی کو آدمی دھتکار کر

یہ نہ پوچھو مرتکب اس معصیت کا کون ہے
یہ بتا سکتا ہوں عصرِ نو کا اک فرعون ہے

”ریڈیم آئی ڈراپس کی شیشی جیل میں نعمت ثابت ہوئی“

”گکروں سے نجات مل گئی بیشمار سیاسی قیدیوں نے فائدہ اٹھایا“

ڈسٹرکٹ جیل راولپنڈی سے پریزیڈنٹ کانگرس کمیٹی لدھیانہ کی چٹھی


ڈسٹرکٹ جیل راولپنڈی
مورخہ ۵ 7/۴۲

مکرمی تسلیم
میری آنکھوں میں گکروں کی شکایت تھی۔ اتفاق سے لالہ کھانا رام نیر سابق فنانشل سیکرٹری کانگرس کمیٹی لدھیانہ حال بی کلاس سیاسی قیدی سے ریڈیم آئی ڈراپس کی شیشی مل گئی جس کے چند روزہ استعمال سے ہی گکروں سے نجات ہو گئی۔ مجھے یہ کہتے ہوئے بہت مسرت ہوتی ہے کہ ریڈیم آئی ڈراپس کی شیشی جیل میں ایک بیش بہا نعمت ثابت ہوئی ہے۔ اس سے بیشمار سیاسی قیدیوں نے فائدہ اٹھایا۔ لالہ پرمانند صاحب بی۔ اے۔ ایل ایل بی۔ پنڈت ہربنس لال ... بھی اس مفید دوائی کی بے حد تعریف کرتے ہیں۔ ایک شیشی حسب ضرورت بذریعہ وی پی بھیجیں ممنون ہونگا۔

گوردھن رام سابق پریزیڈنٹ
سٹی کانگرس کمیٹی لدھیانہ حال بی کلاس
سیاسی قیدی ڈسٹرکٹ جیل

ریڈیم آئی ڈراپس رجسٹرڈ

کے استعمال سے بیس بیس سال کے پرانے گکرے نظر کی کمزوری آنکھوں میں پانی اتر آنا چمک کی وجہ سے آنکھوں میں نقص موتیا بند۔ اندھراتا (شب کوری) اچھا یعنی آنکھ کا پھولا دور ہو جاتا ہے سرخی دھند غبار جالا۔ آشوب چشم اور سوزش وغیرہ بیماریاں تھوڑے ہی یوم میں دور ہو جاتی ہیں **تندرست آنکھوں والے اگر اسے استعمال کریں تو بینائی بڑھاپے** میں بھی قایم رہتی ہے دنیا مان چکی ہے کہ ریڈیم آئی ڈراپس استعمال کرنے والوں کی نگاہ کبھی خراب نہیں ہو سکتی اسے ہر گھر میں موجود رہنا چاہیئے۔

قیمت فی شیشی صرف تین روپیہ محصولڈاک علاوہ۔ نمونہ ایک روپیہ

سول ایجنٹس
میسرز نرائن داس جگوان داس کیمسٹس
انارکلی لاہور — چاندنی چوک دہلی

لوکل ایجنٹس
میسرز بلی رام برادرس سوداگران انگریزی دوبیات انارکلی لاہور
ڈاکٹر کرشن چند اینڈ کمپنی لمیٹڈ چوک انارکلی لاہور

ٹیلیفون لاہور آفس	ٹیلیفون دہلی آفس	ٹیلیفون فیکٹری
۴۱۵۴	۵۳۸۴	۳۶۷۴

بذریعہ وی پی منگوانے کا پتہ۔
ماڈرن کیمیکل ورکس پوسٹ بکس نمبر ۲۱۱ لاہور

ایڈیٹر صاحب محشر خیال کی رائے

ریڈیم آئی ڈراپس امراض چشم کے لئے ایک لاثانی دوا ہے اور اس وقت تک متعلقہ امراض چشم میں مبتلا متعدد مریضوں پر اس دوا کا تجربہ کیا گیا ہے انہیں اس سے حیرت انگیز فوائد حاصل ہوئے ہیں اور اپنے علم و یقین کی بناء پر ہم یہ لکھتے ہوئے مسرت اور اطمینان محسوس کرتے ہیں کہ یہ دوا۔ محشر خیال کے دفتر سے دستیاب نہیں ہوتی — ماڈرن کیمیکل ورکس پوسٹ ۲۱۱ لاہور سے مل سکتی ہے اور ہمارے قارئین اسے وہیں سے طلب کر سکتے ہیں۔ قیمت فی شیشی تین روپے محصولڈاک ساتھ لگتا ہے۔

رنگِ جدید

نظم

از جناب [illegible]

ناواقفِ اسرارِ خدائی ہے ابھی تو
اللہ کا بندہ نہ مسلماں ہے نہ ہندو

بے رنگ ہیں نغمے ترے مندر کے برہمن
اے شیخ ترے باغ کے پھولوں میں نہیں بو

حکمت کی کتابوں میں نہیں عشق کے نکتے
اس رمز کو سمجھا ہے فلاطوں نہ ارسطو

مظلوم کی طاقت سے خدا تم کو بچائے
شیروں کو گرا دیتے ہیں اس دشت کے آہو

ہوتے ہیں جو مجروح غلاموں کے کلیجے
ایک تیر ہوا آقا کے جگر میں بھی ترازو

آجاتا ہے لب ہائے امارت پہ تبسّم
تھمتے نہیں جب دیدۂ مزدور کے آنسو

تو بھی عمل و عزم کے میداں میں اُتر آ
دنیا کی ہر اک قوم ہے سرگرمِ تگاپو

ہو جائے گر اندازۂ طاقت تجھے اپنا
افلاک کی گردش ہے تری جنبشِ ابرو

قوموں کے نصیبوں کو بدل دے تری ٹھوکر
ایوانِ حکومت کو ہلا دیں ترے بازو

تو کس لئے آرائشِ کاکل کا ہے درپے
بنتے ہیں بگڑنے میں ترے اور بھی گیسو

مے خانہ کا در کھول کہ ہنگامِ گل آیا
اب دل پہ ترے بادہ کشوں کو نہیں قابو

جی کھول کے ساقی ابھی برسی ہیں گھٹائیں
ہے لطفِ مئے ناب کے پینے کا لبِ جو

باقی نہ رہے مشربِ انساں میں تفاوت
مسجد میں جپیں رام تو مندر میں ہو یاہو

کچھ حسن پہ ہوتا ہے محبت کا اثر بھی
چلتا ہے محبت پہ جہاں حسن کا جادو

مرے لئے بجلی ہے ترے لب کا تبسّم
تیرے لئے موتی ہے مری آنکھ کا آنسو

مزاحیہ

آموں کا پارسل

از جناب [illegible] صاحب دہرہ دون

ہندی سے ترجمہ

دان پور اسٹیشن سے کچھ دور۔ ایک مقام پر انگریزوں کی آبادی ہیں سالی گنج کی عمدہ کھپریل کا ایک لمبا سا مکان ہے جسے ریلوے کے گارڈوں کے لئے ریسٹ ہاؤس۔ یعنی آرام گھر کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ ایک ہی قطار میں بہت سے کمرے ہیں اور تمام کمروں کے سامنے ایک ہی برآمدہ مکان کی پشت کی جانب دیسی کھپریل کے کئی کمرے ہیں جن میں سے ایک باورچی خانہ ہے۔ اور باقی میں نوکر رہتے ہیں۔ کمروں کے سامنے باغیچہ ہے۔ اور دیسی گلاب کے دو چار پودوں کے علاوہ تمام انگریزی پھول لگے ہوئے ہیں۔

جولائی کا مہینہ تھا۔ آسمان پر کالے کالے بادل چھائے ہوئے تھے اور سامنے برآمدے کے پلنگ پر مچھردانی کے اندر ڈی سوزا گارڈ سو رہا تھا۔ رات کے دو بجے مغل سرائے سے ۲۶ نمبر کی مال گاڑی لے کر ڈی سوزا دانا پور آیا۔ تھا۔ اور آج صبح دس بجے پینجر گاڑی لے کر اسے مغل سرائے واپس جانا تھا

آٹھ بجے ریسٹ ہاؤس کا خانساماں ننگے پاؤں آہستہ آہستہ اندر داخل ہوا اور آکر صاحب کے بستر کے پاس کھڑا ہو گیا۔ کانپور کی ٹوئیل کا رنگین سلیپنگ سوٹ پہنے صاحب گہری نیند سو رہے تھے کوٹ کے بٹن بھی کھلے ہوئے تھے۔

خانساماں نے پکارا "حضور"

حضور کی نیند میں خلل نہ آیا۔

خانساماں نے پھر ذرا زور سے پکارا "آٹھ بج گئے ہیں حضور"

صاحب اسی طرح بےخبر سوتے رہے آخرکار خانساماں نے مچھردانی کے اندر ہاتھ ڈال کر صاحب کو ہچکولے دیتے ہوئے کہا۔

"حضور آٹھ بج گئے ہیں"

صاحب نے اب آنکھیں کھولیں۔ انگڑائی لی اور جمائی لے کر تکیے کے نیچے سے سرکاری گھڑی کو نکال کر دیکھا۔ آٹھ بج کر بارہ منٹ ہو گئے تھے صاحب نے بستر پر بیٹھے بیٹھے کہا "ٹوسل (غسل) تیار کرو"

"بہت اچھا حضور!" کہہ کر خانساماں باہر چلا گیا۔

صاحب بستر سے اٹھے کھونٹی پر ٹنگے ہوئے کوٹ کی جیب سے سگرٹ اور دیا سلائی نکالی پھر کوٹ کی اندرونی جیب سے ایک خط نکالکر برآمدے میں آئے ایک آرام کرسی پر بیٹھ کر سگرٹ سلگایا اور وہ خط پڑھنے لگے۔ مظفر پور کے اسٹیشن ماسٹر کی لڑکی ایلس کے ساتھ مسٹر ڈی سوزا کی شادی ہونا قرار پائی تھی یہ خط اسی کا تھا۔ اکتوبر میں ڈی سوزا کی ایک ماہ کی چھٹی ہوتے ہی شادی ہوگی۔ پھر نینی تال جا کر ہنی مون منائینگے یہ سب کچھ طے ہو چکا تھا۔ اور صاحب اس سے خیالی لطف اٹھا رہے تھے یہ خط تین دن سے صاحب کی جیب میں رکھا تھا اگرچہ بواپسی ڈاک جواب دینے کی تاکید تھی مگر صاحب کو فرصت نہ ملی۔ آج اس کا جواب دینا ضروری تھا۔ شیونگ وغیرہ سے فرصت پانے کے بعد جب صاحب باہر نکلے تو نو بجے تھے۔ گاڑی ٹھیک ساڑھے نو بجے دانا پور پہونچتی تھی اس وقت اسٹیشن پر جا کر ٹرین کا چارج لینا تھا۔ اس لئے ایلس کی جواب دینے کے ارادہ کو ملتوی کر دیا۔ اور خانساماں کو حاضری لگانے کا حکم دیا۔ خط کا جواب نہ لکھے جانے سے صاحب کچھ ناراض سے ہو گئے تھے۔

ناشتہ میز پر آیا۔ دو ٹوسٹ۔ مکھن اور چائے اور دو ابلے ہوئے انڈے صاحب نے ایک انڈا توڑا تو اسے گندہ پا کر الگ رکھدیا اور دوسرا توڑ کر نمک چھڑک کر کھانا شروع کیا۔ بھوک بہت لگی ہوئی تھی اس لئے ٹوسٹ کھاتے ہوئے پوچھا۔ "بوائے اور کیا ہے"

خانساماں نے جواب دیا۔ "مٹن چاپ ہے۔ ٹھنڈا روسٹ ہے۔ کری چاول ہے" خانساماں کے ماتحت نے آکر مٹن چاپ کی پلیٹ میز پر رکھدی صاحب نے اس پلیٹ میں سے تین چار چاپ لے کر اپنی رکابی میں رکھے اور چھری سے کاٹ کر ایک ایک ٹکڑا کھانے لگے۔ چباتے چباتے انہوں نے کہا "بوائے بہت سکت (سخت) ہے تمہارا مٹن۔ یہ تو مٹن ملوم (معلوم) نہیں پڑتا"

خانساماں نے کہا "حضور گوٹ مٹن ہے آج اصلی مٹن نہیں ملا"

صاحب نے دوسرا چاپ کاٹ کر چبانے کی فضول کوشش کرتے ہوئے کہا "لے جاؤ پھینک دو اس کو۔ کتا لوگ کو بھی مت دینا ان لوگوں کا دانت ٹوٹ جائے گا"

خانساماں نے میز پر سے برتن اٹھاتے ہوئے اپنے ماتحت سے کہا "روسٹ اور کری چاول لاؤ۔ صاحب کے لئے۔ جلدی کرو" کل رات کو کچھ روسٹ مٹن کچھ بچ گیا تھا۔ اس میں سے دو ٹکڑے کاٹ کر صاحب نے کھائے مگر پسند نہ آئے۔ کری مرغی کی تھی پلیٹ سے بھاپ اٹھ رہی تھی۔ ایک ٹکڑا منہ میں ڈال کر دیکھا اچھی طرح پکا نہ تھا۔ صاحب نے بہت غصہ سے چلا کر کہا۔ "یو۔ ڈیم۔ تم لوگ نے یہ کیا بنایا ہے؟ ہمرا بھوک کھراب کیا تم لوگ نے۔ ہم تمہارا رپورٹ کرے گا" یہ کہکر کانٹا چھچہ پھینک کر صاحب اٹھ کھڑے ہوئے گھڑی نکال کر دیکھی نو بجکر ۵ منٹ ہوگئے تھے۔ ٹوپی لے کر صاحب اسٹیشن کی طرف روانہ ہوئے۔

ٹرین دانا پور سے چھوٹ گئی۔ چار پانچ آدمیوں کے بیٹھنے کے ڈبوں کے علاوہ باقی سب ڈبے مال کے تھے۔ ہر ایک اسٹیشن پر رکتے رکتے شام کو گاڑی مغل سرائے پہونچے گی۔ بارہ بجتے بجتے ڈی سوزا کو بہت بھوک لگ گئی۔ ٹرین کا چارج لیتے وقت اس نے بریک وان کو آموں کی ٹوکریوں سے بھرا ہوا دیکھا تھا۔ اس طرف دربھنگا کی طرف سے آموں کا چالان ہوتا ہے۔ ڈی سوزا نے سوچا دو چار آم کیوں نہ کھائے جائیں یہ سوچ کر اس نے بریک وان کا دروازہ کھول ڈالا۔ پکے آموں کی خوشبو نے دماغ معطر کر دیا۔ سامنے ایک بڑا ٹوکرا تھا۔ اس پر مضبوطی سے ٹاٹ سلا ہوا تھا۔ ٹاٹ کی سُتلی کاٹ کر صاحب نے ایک آم نکالا اچھی قسم کا لنگڑا آم تھا پھر ایک اور نکال کر بریک وان کا دروازہ بند کر دیا۔ اور اپنے کمرے میں جا کر آموں کو پانی سے دھویا اور ایک رکابی میں آم کاٹ کر کھانے لگا۔ آم ختم ہونے سے پہلے گاڑی کیولبار اسٹیشن پر پہونچی اسٹیشن ماسٹر گاڑی پاس کرنے کے لئے آیا۔ بریک وان کے پاس پہونچکر اس نے کہا (Good morning Mr. D'Souza) "گڈ مورننگ مسٹر ڈی سوزا یہاں کچھ مال اترنا ہے کیا؟" صاحب نے آم کھاتے کھاتے کہا "کوئی نہیں" "بڑا اچھا آم کھا رہے ہو صاحب پارسل کا آم ہے"۔ اسٹیشن ماسٹر نے پوچھا۔

صاحب نے کہا "کھاؤ گے؟"

"ہاں ہاں لاؤ دو چار" کہہ کر اسٹیشن ماسٹر بریک وان پر چڑھ گئے۔ صاحب نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ سامنے کی ٹوکری سے دو آم لے لو"۔ اسٹیشن ماسٹر صاحب دو دو دونوں جیبوں میں اور دو آم ہاتھ میں لے کر باہر آئے۔ پھر پلیٹ فارم پر پہونچکر گھنٹی بجانے کو کہا۔ اور ٹرین چھوٹ گئی۔ صاحب ہاتھ دھوکر — ڈرائیور کو ہری جھنڈی دکھا رہے تھے کہ انہوں نے محسوس کیا بھوک ابھی ویسی کی ویسی ہی ہے۔ دو آم اور کھانے چاہئیں دو آم نکال کر اس نے اور کھائے۔ ہاتھ منہ دھوکر بیٹھے ہی تھے۔ کہ گاڑی آرہ اسٹیشن پر آکر رکی۔ آرہ بڑا اسٹیشن ہے اس لئے اسٹیشن ماسٹر خود گاڑی پاس کرنے نہیں آیا۔ بلکہ جنرل اسسٹنٹ آئے۔ بابو صاحب کی کافی عمر تھی۔ آنکھوں پر عینک تھی۔ بریک وان پر چڑھ کر انہوں نے کہا۔ "ہلو مسٹر ڈی سوزا۔ آم کی خوشبو کتنی اچھی آرہی ہے!" ڈی سوزا نے جواب دیا آپ آم ہیں کے لنگڑا آم ہے؟ ہاں دو چار دو" بابو نے کہا۔ ڈی سوزا نے دو چار آم نکال کر بابو کو دیئے۔ پھر بریک وان بند کر کے اسٹیشن کے دفتر میں گیا گاڑی یہاں دیر تک رکتی ہے۔ اسٹیشن ماسٹر گھر پر تھا اس کے دو لڑکے اسٹیشن پر کھیل رہے تھے۔ چھوٹے اسٹیشن ماسٹر کے ہاتھ میں آم دیکھ کر اور یہ دیکھ کر کہ ڈی سوزا نے دئے ہیں۔ وہ دونوں دوڑتے ہوئے صاحب کے پاس گئے اور کہا صاحب آم کھلاؤ۔ صاحب نے پھر بریک وان کا دروازہ کھولا۔ اور ان دونوں کو اپنے ہاتھ سے آم نکال کر دیئے۔ لڑکوں نے اور دو۔ اور دو کہہ کر دس بارہ آم صاحب سے لئے اور ناچتے کودتے گھر چلے گئے اسی طرح ہر ایک اسٹیشن پر سدا برت کرتے ہوئے۔ اور کبھی کبھی آپ بھی کھاتے ہوئے ڈی سوزا نے چار بجے تک ٹوکری تقریباً خالی کر دی۔ سکل دیہا۔ کے اسٹیشن پر بابو کو دو آم دیکر ڈی سوزا نے دیکھا کہ ٹوکری میں صرف پندرہ سولہ آم رہ گئے ہیں۔ اسٹیشن ماسٹر سے انہوں نے اس ٹوکری کا حال بیان کیا۔ وہ بولا "ایک ہی ٹوکری سے کیوں نکالے صاحب اتنی ٹوکریاں پڑی ہیں دو دو چار چار سب میں سے نکالتے تو ٹھیک رہتا" صاحب نے کہا "یہ آم بہت اچھا تھا دوسری ٹوکریوں کا آم کیسا ہوتا کون جانتا ہے؟" "ابی یہ نہایت اچھا آم ہے" اسٹیشن ماسٹر نے کہا۔

صاحب نے اپنے دل میں سوچا ٹوکری بالکل خالی ہوگئی ہے۔ "لے خلاصی لائن سے کچھ پتھر کا ٹکڑا لاؤ" کافی پتھر جمع ہو جانے پر صاحب نے کہا "ٹوکری سے آم نکال کر پہلے پتھر بھردو اور پھر اس پر آم رکھ دو" خلاصی نے ویسا ہی کیا۔ ٹرین چھوٹ جانے پر صاحب نے ٹوکری کا ٹاٹ خود اپنے ہاتھ سے سیا۔ سوا اور سُتلی ریل گاڑی میں رہتی ہے۔ ٹرین مغل سرائے پہونچی۔ اسٹیشن سے کام ختم کرنے اور چارج سے فراغت پانے کے بعد ڈی سوزا گھر جا رہا تھا کہ دو دوستوں نے پکڑ لیا اور کہا "ایک بازی برج کھیلیں"۔ ریسٹورنٹ میں شراب ملتی تھی اور دام بھی نقد دینے نہیں پڑتے تھے۔ ڈی سوزا راضی ہوگیا برج بہت دیر تک ہوتی رہی ایک دو پیگ وسکی کے پئے اور اسی طرح تقریباً ساڑھے چھ بج گئے۔ ڈی سوزا نے سوچا اب گھر چلیں بہت بھوک لگی ہے۔

گھر پر صرف اس کی بوڑھی ماں تھی بنگلے پر پہونچ کر ڈی سوزا نے دیکھا کہ اس کی ماں کچھ ناراض سی معلوم ہوتی ہے۔ فرش پر ایک طرف آم کی ٹوکری۔ اوندھا دھری آم رکھے تھے ایک طرف پتھر کے ٹکڑے اور دوسری طرف پندرہ سولہ آم پڑے ہیں۔ ڈی سوزا کو نشہ ہو گیا تھا۔ اس لئے معاملہ ٹھیک طرح سمجھ نہ سکا غصہ سے پوچھا ماں نے "جوجان تم کس گاڑی سے آئے ہو؟"
ڈی سوزا نے اس بات کا جواب نہ دیتے ہوئے کہا "یہ باسکٹ کہاں سے آیا؟" اس کی ماں نے کہا "مظفر پور سے تین دوپہر کو تمہارے ہونے والے خسر کا ایک خط آیا تھا۔ انہوں نے ڈیڑھ سو لنگڑا آم روانہ کئے تھے۔ اور لکھا تھا کہ پارسل نمبر ۱۵ گاڑی سے پہونچے گا۔ بلٹی ہو پہنچنے میں شاید دیر ہو۔ مال آدمی کو بھیجکر منگا لینا۔ گاڑی کے آنے کے پندرہ منٹ بعد میں جاکر ٹوکری لے آئی اور کھول کر دیکھا کہ سب آم چوری کر لئے گئے ہیں آم نکال کر پتھر بھر دئے گئے ہیں یہ کیسی بری بات ہے۔ تم معلوم کرو کہ ۱۵ اپ ٹرین میں کون گارڈ تھا۔" ڈی سوزا نے کہا "ٹرین ۱۵ اپ کو میں لایا ہوں۔" "تب تم اتنی دیر تک کہاں رہے؟ اور یہ کس کا کام ہو سکتا ہے۔ شاید دیگا میں یا بانکی پور میں کسی نے یہ حرکت کی ہو" ڈی سوزا نے کہا "نہیں نہیں یہ میں نے ہی کھائے ہیں" بڑھیا پہلے ہی سمجھ گئی تھی کہ لڑکا شراب کے نشے میں ہے۔ اس نے کہا "تم ایک ٹوکرہ آم کھا گئے؟" "بہت بھوک لگا تھا اس واسطے کھا ڈالا" ماں نے کہا "ایسا نہیں ہو سکتا میں کل صبح اس معاملہ کی اچھی طرح جانچ کر کے شکایت کر دوں گی ہر گز اس معاملہ کو یوں نہیں جانے دیا جا سکتا اتنے آم تھے ریل کے نوکر ہی کیسے چور ہوتے ہیں؟"

ایک ہزار روپیہ شرط

جو چاہو گے - ہو جائے گا

عمل محبت کے شائقین جو سب طرف سے مایوس ہو چکے ہوں۔ آخری مرتبہ ہمارا سدھ وشی کرن جنتر منگا کر اپنے دل کی مراد حاصل کریں اس جنتر کو اپنے پاس رکھ کر آپ اپنے دل میں جس کسی مرد یا عورت کا نام لیں گے خواہ وہ کیسا ہی پتھر دل مغرور اور سخت کلام کیوں نہ ہو۔ جہاں کہیں بھی ہوگا۔ آپ کے پاس آجائے گا۔ اور ہر وقت آپکے پاس رہنے کی خواہش کرے گا۔ علاوہ ازیں اس جنتر سے قسمت فوراً کھل جائیگی مقدمہ میں کامیابی ہوگی۔ ملازمت فوراً ملے گی۔ روزگار میں ترقی ہوگی۔ ہر ایک بیماری سے چھٹکارا ہوگا۔ ریس اور سٹہ لاٹری میں دولت ملے گی۔ مردہ روحوں سے بات چیت ہوگی۔ دل پسند شادی ہوگی۔ آپ جس کام کا خیال کریں گے فوراً ہی جنتر سے بجلی کی کرنٹ کی طرح طاقت نکلکر اس کام کو پورا کرے گی۔ غرضیکہ آپ کی ہر مراد پوری ہوگی۔ (نوٹ) فائدہ نہ ہو تو قیمت واپس اصلی تعریفی سرٹیفکیٹ موجود ہیں۔ جھوٹا ثابت کرنے والے کو ایک ہزار روپیہ مفت انعام اولاد کے خواہشمند دو سدھ جنتر منگا دیں۔ کسی قسم کی پوجا پاٹ آپ کو نہیں کرنا ہوگا ایک سدھ جنتر کی قیمت ایک روپیہ پندرہ آنے تین کی رعایتی قیمت پانچ روپے چاندی کا دو روپیہ بارہ آنہ۔ سونے کا آٹھ روپے پانچ آنے۔ ایک سے زیادہ چار کاموں کے لئے اسپیشل نمبر ۲ منگا دیں۔ قیمت پانچ روپے پانچ آنے سونے کا دس روپے نو آنے۔ ڈاک خرچ الگ چھ سے زیادہ کاموں کے لئے اسپیشل نمبر ۳ منگا دیں۔ قیمت نو روپے پانچ آنے سونے کا انیس روپے تین جنتر ایک ساتھ منگوانے سے محصول ڈاک معاف۔



لکشمی سدھ جنتر

جن کو زیادہ دولت کی خواہش ہو۔ وہ سدھ کو جنتر منگائیں اس کو گھر یا دوکان یا کاروباری تھیلہ میں یا ٹرنک بکس میں رکھنے سے چند ماہ کے اندر کافی دولت آ جاتی ہے فائدہ نہ ہو تو قیمت واپس۔ قیمت ایک روپیہ پندرہ آنہ۔ چاندی کا دو روپیہ بارہ آنے۔ سونے کا آٹھ روپے پانچ آنے وی۔ پی طلب کریں۔

دشمن کو مغلوب کرنا

اگر دشمن کو مغلوب کرنا ہو تو یہ جنتر اپنے پاس رکھیں۔ دشمن کیسا ہی سنگدل یا زبردست کیوں نہ ہو مغلوب ہو جائے گا۔ اس پر آپ کا رعب چھا جائیگا اور آپ سے وہ ہمیشہ عاجزی سے پیش آئے گا۔ نیز اگر ساہوکار تنگ کرتے ہوں تو اس کے اثر سے وہ بھی آپ سے عزت سے پیش آئیں گے۔ ترکیب استعمال یہ ہے کہ اس جنتر کو چاہیں تو دائیں بازو پر باندھ لیں یا گلے میں ڈال دیں۔ قیمت صرف ایک روپیہ چار آنہ (عہ) علاوہ محصول ڈاک۔

پتہ۔ **آنند سوامی آنند کٹی۔ پوسٹ بکس ۲۷ ایم۔ کے ڈی امرت سر** (پنجاب)

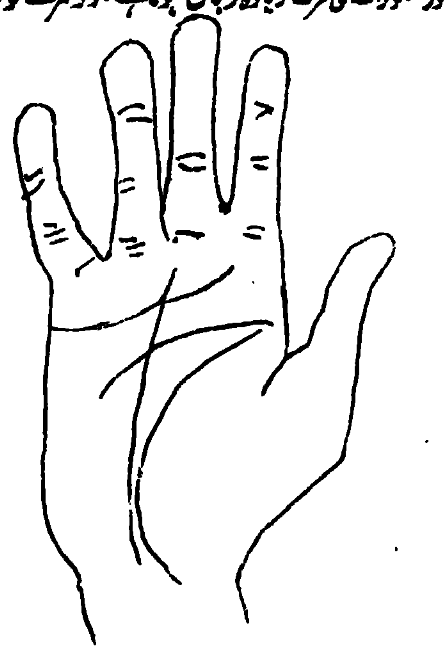
تقدیر — علم قیافہ — نمبر ۲

عصبی ہاتھ

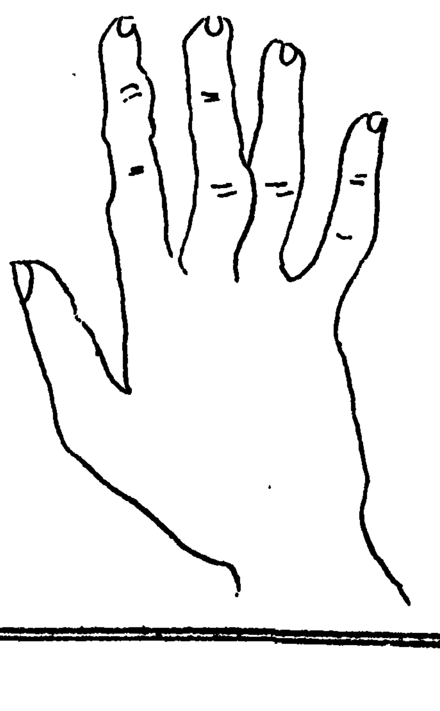
اس ہاتھ کی انگلیاں سخت، ٹیڑھی اور مڑی تڑی ہوتی ہیں، ناخن پر گوشت تینوں طرف سے بڑھا ہوا اور اطراف میں ابھرا ہوتا ہے۔ ہتھیلی بعض اوقات پہنچے کی طرف چوڑی اور انگلیوں کے نیچے سکڑی اور پتلی ہوتی ہے اور بعض ہاتھوں میں انگلیوں کے نیچے چوڑی اور پہنچے کی طرف ڈھلوان اور سکڑی ہوتی ہے۔

ہاتھ اگر سخت اور گٹھیلا ہوا ہو تو آدمی ارادہ کا مضبوط اور سرگرم ہوتا ہے طبیعت میں بے چینی اور ترغیب پسندی ہوتی ہے۔ گرد و پیش کے اثر سے متاثر ہوتا ہے۔ اگر نرم اور گداز ہو (جو کہ بالعموم ہوتا ہے) تو زود رنج اور متلون مزاج ہوتا ہے۔ ایک کام یا خیال پر زیادہ دیر تک قائم نہیں رہتا۔ کام کرنے کی خاص صلاحیت ہوتی ہے۔ تیز ذہین، آزاد خیال اور خود رائے ہوتا ہے۔ مذہبی عقائد عجیب و غریب اور نرالے ہوتے ہیں بات میں سے بات پیدا کرتا ہے، نازک مزاج اور ذہن رسا رکھتا ہے۔ چست و چالاک اور تیز سمجھ سوجھ کا ہوتا ہے۔ مزاج میں انوکھا پن اور جدت پسندی ہوتی ہے۔ یہ لوگ اکثر موجد ہوتے ہیں ان کا رجحان لوگوں کے خیالات کی متابعت کرنے کے خلاف ہوتا ہے۔ کبھی منضبط قاعدوں یا اصولوں کے پابند نہیں ہوتے۔ یہ اس وجہ سے نہیں کہ بے قاعدگی ان کی عادت ہے بلکہ اس وجہ سے کہ ان کی متجسس طبیعت نامعلوم طریقہ سے ایسی بات پیدا کر دیتی ہے۔ جسے مقبولیت کا شرف حاصل ہو جاتا ہے۔ خواہ کسی درجہ اور رتبہ کے بھی ہوں اپنے آپ کو کسی نہ کسی شکل میں نمایاں اور اپنی شخصیت کو قائم کر لیتے ہیں زمانہ سے آگے آگے چلتے ہیں۔ اکثر ان کے کام کرنے کے طریقے غلط ہوتے ہیں مگر آخیر میں کامیابی کا سہرا ان کے سر ہوتا ہے۔

وہ ہتھیلی جو انگلیوں کے نیچے چپٹی اور چوڑی ہو زیادہ باعمل اور عملی زندگی کے متعلق کارآمد چیزوں کی موجد ہوتی ہے۔ برخلاف اس کے جو ہتھیلی پہنچے کی طرف چوڑی ہو اس میں عملی قوت نہیں ہوتی، تخیلات اور تصورات کی طرف زیادہ رجحان ہوتا ہے۔ دوسرے لوگ اس کے



عصبی ہاتھ



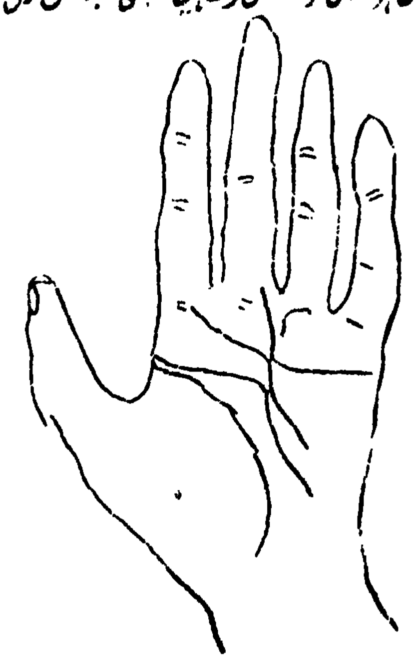
عصبی ہاتھ

دماغ سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ مگر عملی قوت کی کمی کی وجہ سے وہ خود فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ تخیلی قوت تو ان میں موجود ہوتی ہے وہ اگر عملی صورت اختیار کرے تو ایک دم میں انقلاب برپا ہو جائے۔ (نقشہ نمبر ۵ صفحہ ۵۵)

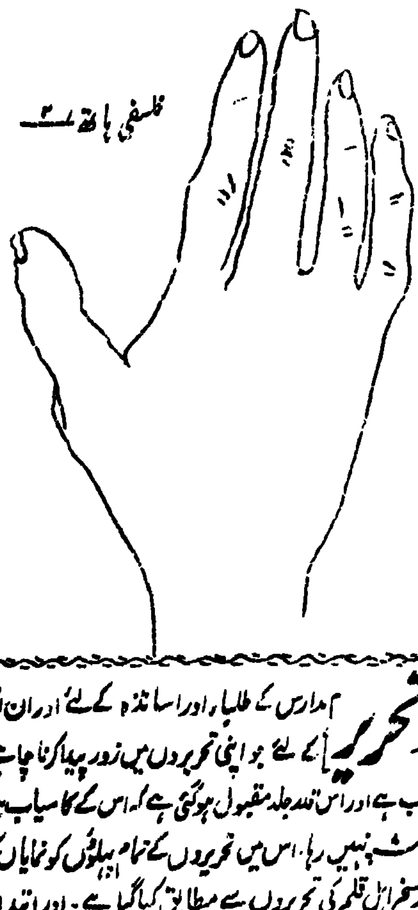
فلسفی ہاتھ

یہ ہاتھ بآسانی پہچاننے میں آتا ہے۔ لمبا اور گٹھیلا ہوتا ہے ہتھیلی تدرست گاؤدم انگلیاں بھی کسی قدر گاؤدم، انگلیوں کی ہڈیاں اور جوڑ نمایاں اور بڑے بڑے ہوتے ہیں۔ اکثر یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ چھوٹی، منجھولی (چوتھی اور تیسری) انگلی خمیدہ ہوتی ہے۔ ناخن انگشتانہ کے مانند گول ابھرے ہوئے اور لمبے ہوتے ہیں۔

ایسے ہاتھ والے سنجیدہ، متین اور اپنے کو لئے دئے رہتے ہیں۔ اصل دوست اول تو کسی کے ہوتے ہی نہیں۔ اگر خوش قسمتی سے ایک آدھ ہوا بھی تو اس تک سے پوری طرح دل کی بات نہیں کہتے۔ ہر ایک سے اخلاق اور بے تکلفی سے ملیں گے مگر کسی کو بے جا فائدہ اٹھانے کا موقعہ نہیں دینگے خود جا اور بے جا دوسروں سے فائدہ اٹھانے کا خاص ڈھب ہوتا ہے — پیٹ کے ہلکے نہیں ہوتے، راز کی پوری حفاظت کرتے ہیں۔ تحمل اور ضبط بلا کا ہوتا ہے۔ برائی اور چوٹ کو نہ کبھی بھولیں اور نہ معاف کریں۔ کبھی اوچھا وار نہیں کرتے، صبر کے ساتھ موقعہ کی تاک میں لگے رہتے ہیں، جب انہیں کامیابی کا پورا یقین ہو جاتا ہے۔ تو بھرپور وار کرتے ہیں۔ خوددار بہت ہوتے ہیں اور بسا اوقات خودداری خودبینی تک پہنچ جاتی ہے۔ دوسروں سے ممتاز رہنے کی ہر امکانی کوشش کرتے ہیں۔ محنتی، جفاکش، دل پر



جبر کرنے والے اور زمانہ شناس ہوتے ہیں۔ مذہب بالخصوص روحانیت کی طرف خاص رجحان ہوتا ہے۔ عمدہ صاف اور وضعدار لباس کے بہت شوقین ہوتے ہیں۔ اگر ان سے کسی کو کام نکالنا ہو تو لباس کا خیال رکھئے کیونکہ وہ صفائی، پاکیزگی، شان و طمطراق اور باضابطگی کو پسند کرتے ہیں جادو ٹونے وظیفے وظائف اور ٹوٹکوں کے قائل ہوتے ہیں (نقشہ نمبر ۶)



فلسفی ہاتھ ۔

بزمِ شعراء

رنگِ تغزل

(از جناب رونق صاحب دکنی سیمابی)

آیا فغانِ گلکدۂ دل لئے ہوئے   برسات اور بہار کا حاصل لئے ہوئے
پہلو ہے ایک بوجھ مشکل لئے ہوئے   سرمایۂ وفا ہے میرا دل لئے ہوئے
زخموں میں مستقل خلش جانگداز ہے   دل ہے خیالِ دوست کا حاصل لئے ہوئے
عاشق ہے محو لیلیٰ کو دیکھنے کی آرزو   ہیں حق شناس جذبۂ باطل لئے ہوئے
پردے میں چشمِ عشق ہو یا امتیاز کے   یا حسن خود ہے پردۂ حائل لئے ہوئے
بے جادۂ سحر میں نہیں جب پر نگارِ ن   یہ نقشِ پا ہے نقشۂ منزل لئے ہوئے
چھلکی ہوئی ہے کیوں میری محفل پہ مردنی   کون اٹھ گیا ہے شوخیٔ محفل لئے ہوئے
یہ آرزوئے دل ہے بپا ایک حشرِ نو   یہ اشک ایک آرزوئے دل لئے ہوئے
سرمارۂ دوش روح تپِ غم سے سرگراں   آسانیاں ہیں عقدۂ مشکل لئے ہوئے
اہلِ وصل کی ظرف شناسی کا شکریہ   میں جا رہا ہوں کاسۂ سائل لئے ہوئے

رونق حلاوتِ ستمِ دوست کچھ نہ پوچھ
اک جاں ہوں اور دل کے مقابل لئے ہوئے

تجلیات

(از جناب مولانا محمد یونس صاحب مسیح)

جز اجل اپنی دوا ہی کچھ نہ ہو   کچھ نہ ہو یارب شفا ہی کچھ نہ ہو
کیا کریگا خضر اس کی پیروی   جس کو منزل کا پتہ ہی کچھ نہ ہو
آپ کیوں الزام دیتے ہیں بجا   کرتی ہے جس سے خطا ہی کچھ نہ ہو
تابِ فرقت کب اٹھا سکتا ہے وہ   جسم ہی جس کے رہا ہی کچھ نہ ہو
کرتے ہیں جرمِ محبت بار بار   اور چاہتے ہیں سزا ہی کچھ نہ ہو
تو جدا ہو تیرا تصور رات دن   جز ترے دل میں بسا ہی کچھ نہ ہو
آخری کلمہ ہو یارب ان کا نام   اور زباں سے پھر ادا ہی کچھ نہ ہو
بے قراری اس کی دیکھا چاہئے   ہائے وہ جس کی دوا ہی کچھ نہ ہو

ہے یہی اپنی تمنا اے مسیح
وہ ہوں اور ان کے سوا ہی کچھ نہ ہو

احساسات

(از جناب احسان صاحب برہانپوری)

ترچھی نظر سے جانبِ دل مسکرا کے دیکھ   اس طور کو بھی برقِ نظر سے جلا کے دیکھ
موسیٰ کا ذکر چھوڑ ہمیں آزما کے دیکھ   جو طور پر گری تھی وہ بجلی گرا کے دیکھ
روشن ہوئے ہیں داغِ دل اے مہِ تمام   اک بار ان ستاروں کی دنیا میں آ کے دیکھ
یہ چرخ کے ستارے ہیں لے آئیں توڑ کر   اپنی نظر کے مارے دل کی ہمت بڑھا کے دیکھ
میں خود غرض جو دامنِ ہستی کروں نہ چاک   فصلِ بہار آئی ہے اب پیلوا کے دیکھ
تیرے مریضِ ہجر کو آغوش میں لئے   تسکین دے رہی ہے ستم تو قضا کے دیکھ
مشتاقِ جلوہ ہے ہر ذرہ رہیگی میری نگاہ   بے پردہ ایک بار ہی جلوہ دکھا کے دیکھ
کملا نہ جائے غنچۂ امید و آرزو   اے نازشِ بہار ذرا مسکرا کے دیکھ
تابِ نظارہ طالبِ دیدار کو نہیں   تجھ کو نہ ہو یقین تو پردہ اٹھا کے دیکھ

احسان عمرِ خضر اگر چاہتا ہے تو
ہستی کو اپنی راہِ وفا میں مٹا کے دیکھ

تجلیات

(از جناب ایس معین الحسن صاحب بی۔ اے)

میٹھی نظر سے وہ جو ادھر دیکھتے رہے   ہم اپنے جذبِ دل کا اثر دیکھتے رہے
گل دیکھتے رہے کہ تغیر دیکھتے رہے   جلوہ کسی کا شوقِ نظر دیکھتے رہے
نظروں میں اپنی خار ہیں تم بن چمن میں پھول   تم سامنے ہو گلِ تر دیکھتے رہے
نرگس کی طرح گو ہمہ تن چشم بن گئے   پھر بھی نہ انکو جی کے نظر دیکھتے رہے
مرکے بھی ان کی دید کی حسرت نہ مٹ سکی   آنکھیں کھلی ہوئی تھیں ادھر دیکھتے رہے
تاروں میں ڈھونڈتے پھرے اس چاند کو مگر   اپنے ہی دل میں رشکِ قمر دیکھتے رہے
آجاؤ اب تو نورِ سحر بن کے سامنے   برسوں شبِ فراق میں راہ دیکھتے رہے
افشائے رازِ عشق نہ محفل میں ہو کہیں   نظریں بچا بچا کے ادھر دیکھتے رہے
بزمِ طرب میں ان کی تھے سب مست ہم مگر   بہکی ہوئی خدائی نظر دیکھتے رہے

اظہارِ شوق تم نے کیا ہائے کیوں معین
بدلی ہوئی جب ان کی نظر دیکھتے رہے

احساسات شاعر

(از جناب ماسٹر ایم۔ کے قریشی جاوید بریلوی)

کسی کے دل میں آئیگی خوشی محسوس کرتا تھا
کہ اب انجام تشنہ زندگی محسوس کرتا ہوں

الٰہی کیا ہے خیال زندگی اب آہ کر کر
زمانے کی نظر میں برہمی محسوس کرتا ہوں

تمہاری اک نظر کافی تھی تسکین محبت کو
میں اپنی زندگی کو زندگی محسوس کرتا ہوں

سراپا رنج و غم میں کیوں پھر جانان میں
غضب ہے ان دنوں وحشت نئی محسوس کرتا ہوں

قدم رکھا ہو جب سے عشق کی دنیا میں نے ہمدم
خلش سی اپنے دل میں اک نئی محسوس کرتا ہوں

خیال یار تیری جلوہ فرمائی معاذ اللہ
سیہ خانے میں اپنے روشنی محسوس کرتا ہوں

تم جاوید کیا اُف یہ مرگ بیکسی توبہ
تم ہی جب کہہ دو ہمیں خوشی محسوس کرتا ہوں

غزل

(از جناب تاج الدین صاحب فریح)

قیامت ہو اللہ دلستاں کا بدگماں ہونا
غضب ہے مہرباں ہو کر ترا نامہرباں ہونا!

ازل سے فطرت غم دوست اپنے ساتھ لایا ہوں
نوشتے میں مرے لکھا نہیں ہے شادماں ہونا

مری روداد کیوں محتاج اسلوب نگارش ہو
نہ ممکن ہی نہیں تحریر میں زور بیاں ہونا

میرے نالوں سے ہے نظم دو عالم درہم و برہم
وبال دو جہاں ہے ایک میرا سرگراں ہونا

مرے حسرت بھرے جذبات غم کی ترجمانی کو
نگاہ شوق کو لازم ہے دل کا ترجماں ہونا

نگاہ دوربیں سے چھپنے والے لاکھ پردوں میں
قیامت ہے خدائی بھر کی نظروں سے نہاں ہونا

فریح ہر شعر تیرا رازدار صورت ملہم ہے
مبارک ہو تجھے روح الامین کا ہم زباں ہونا

جذبات منتظر

(از جناب محمد یحییٰ صاحب منتظر)

ہے جور کا شکوہ نہ جفاؤں کا گلا ہے
ظالم میری فریاد نہیں شکر خدا ہے
ہم کہہ نہیں سکتے ہیں کہ کس کس کی قضا ہے
شمشیر بکف آہ وہ مقتل کو چلا ہے

ہو صبر و تحمل بھی عطا مجھ کو خدایا
قسمت میں اگر درد والم میری لکھا ہے

کچھ جوش محبت نے وہ کہنے دیا افسوس
گو دل نے تقاضہ مرے سو بار کیا ہے

بیمار محبت کی تیرے غیر ہے حالت
کچھ دیر کا مہماں ہے اب دیر ہی کیا ہے

للہ چلے آئیے کاشانۂ دل میں
گھر کیجئے آباد یہ ویرانہ پڑا ہے

دیکھا کئے تم دل کے تڑپنے کا تماشہ
یہ بھی کبھی پوچھا کہ تمہیں ہوگیا کیا ہے

کس خام خیالی میں پڑے ہو میاں منتظر
یوں درد محبت بھی چھپائے سے چھپا ہے

جذبات شباب

(از جناب عبدالرحمٰن صاحب شباب سیمابی)

خنجر جور و جفا دل پر چلاتے جایئے
امتحان ضبط الفت آزماتے جایئے

داد دیتے جایئے اور ظلم ڈھاتے جایئے
اس نئے انداز سے مجھ کو ستاتے جایئے

نغمۂ اقرب اپنے ہونٹوں سے سناتے جایئے
ڈھونڈنے والوں کو لیکن دُور پاتے جایئے

گر نہیں ہے عشق مجھ سے ربط پنہاں کیا ضرور
اپنے دل سے یاد بھی میری بھلاتے جایئے

جستجو نے نامکمل ہو شکست پائے شوق
عزم راسخ ہو تو ہر سختی اٹھاتے جایئے

کہہ رہی ہے آجکل یہ اہل دنیا کی روش
دوست بنتے جایئے دشمن بناتے جایئے

جذبہ ایثار سے خالی ہیں دل جن کے شباب
گفتۂ حالیؔ انہیں ہر دم سناتے جایئے

خیالات شاکر

(از جناب سید عزیز حیدر صاحب شاکر بلگرامی)

رفتہ رفتہ جو عداوت تھی وہ الفت ہوگئی
بڑھتے بڑھتے دشمنی آخر محبت ہوگئی

جس طرح پر آئینے سے چھٹتا جاتا ہے غبار
دور میرے دل کی بس یونہی کدورت ہوگئی

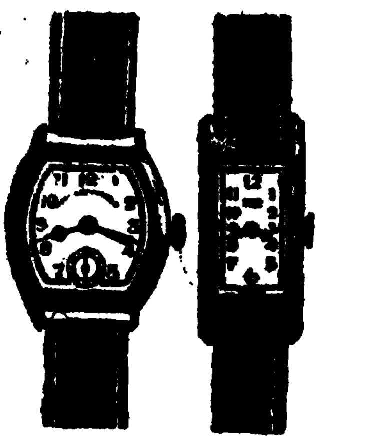
جب ادھر ترک ستم ایجاد کی آنکھیں لڑیں
دل کو غم سے اور غم کو دل سے رغبت ہوگئی

پھنس گیا دل دام گیسو میں بہت اچھا ہوا
روز کے جھگڑے سے اب مجھ کو فراغت ہوگئی

راز کھل جائیگا اس عہد وفا کا ترے
تری غزلوں کی اگر شاکر اشاعت ہوگئی

10,000
دس ہزار روپیہ کی ٹھیلی مفت

ہماری کمپنی نے اپنی تین مشہور فائدہ مند دوائیوں کی مشہوری کے لئے ہر شیشی کے خریدار کو ایک فینسی ہیوٹ دستی واچ اور ایک تولہ سونا پیرس نیو گولڈ مفت دینے کا فیصلہ کیا ہے جلدی کریں اور فائدہ حاصل کریں۔



بال عمر بھر نہیں اُگے

ہماری مشہور دوائی "آملی جوہر حسن" کے لگانے سے ہر جگہ کے بال بغیر کسی تکلیف کے ہمیشہ کے لئے دور ہو جاتے ہیں۔ اور پھر دوبارہ اس جگہ بال کبھی پیدا نہیں ہوتے جگہ ریشم کی طرح ملائم نرم اور خوبصورت نکل آتی ہے قیمت فی شیشی ایک روپیہ پندرہ آنے ۱۵/۱ تین شیشی کی قیمت صرف پانچ روپیہ -/۵ اس دوائی کو مشہور کرنے کے لئے ہر شیشی کے ہمراہ ایک فینسی ہیوٹ رسٹ واچ اور ایک تولہ سونا پیرس نیو گولڈ بالکل مفت بھیجا جاتا ہے یہ سونا دیکھنے میں بالکل اصلی سونے کے مانند ہے اور کسوٹی پر اصلی سونے کا رنگ دیتا ہے اس سے ہر قسم کے زیورات تیار ہو سکتے ہیں۔ (ضروری نوٹ) مال ناپسند ہونے پر قیمت فوراً واپس کر دی جاتی ہے تین شیشی دوائی کے خریدار کو محصول ڈاک معاف ہو۔ تین تولہ سونا اور تین گھڑیاں مفت انعام بھی جاتی ہیں۔

بال کالا تیل

اس بال کالا تیل کے استعمال سے بال ہمیشہ کے لئے سیاہ ہو جاتے ہیں۔ اور تمام عمر کالے ہی پیدا ہوتے ہیں بے نظیر سیناسی تحفہ ہے فائدہ نہ ہونے پر قیمت فوراً واپس ہوگی۔ قیمت فی شیشی ایک روپیہ پندرہ آنے -/۱۵/۱ تین شیشی کی رعایتی قیمت صرف پانچ روپیہ -/۵ اس دوائی کو مشہور کرنے کے لئے ہر شیشی کے ہمراہ ایک فینسی ہیوٹ رسٹ واچ اور ایک تولہ سونا پیرس نیو گولڈ بالکل مفت بھیجا جاتا ہے یہ سونا دیکھنے میں بالکل اصلی سونے کی مانند ہے اور کسوٹی پر اصلی سونے کا رنگ دیتا ہے اس سے ہر قسم کے زیورات تیار ہو سکتے ہیں (ضروری نوٹ) مال ناپسند ہونے پر قیمت فوراً واپس کر دی جاتی ہے تین شیشی دوائی کے خریدار کو محصول ڈاک معاف اور تین تولہ سونا اور تین گھڑیاں مفت انعام۔

کالے گورے ہو گئے

اگر آپ اپنے چہرہ کا رنگ کالے سے گورا تبدیل کرنا چاہتے ہیں یا اپنے مرجھائے چہرہ پر بدنما کالے داغ کیل پھنسیاں چیچک کے داغ اور چھائیاں دور کرنے کی خواہش رکھتے ہیں تو ہمارا سائنس کے اصولوں سے تیار کردہ "لندن بیوٹی لوشن" استعمال کریں جس سے آپ کے جسم یا چہرہ کا رنگ شرطیہ طور پر کالے سے گورا ہو جائے گا۔ قیمت فی شیشی ایک روپیہ پندرہ آنہ ۱۵/۱ علاوہ محصولڈاک تین شیشی کی قیمت رعایتی صرف پانچ روپیہ -/۵ اس دوائی کو مشہور کرنے کے لئے ہر شیشی کے ہمراہ ایک فینسی ہیوٹ رسٹ واچ اور ایک تولہ سونا پیرس نیو گولڈ بالکل مفت بھیجا جاتا ہے۔ یہ سونا دیکھنے میں بالکل اصلی سونے کے مانند معلوم ہوتا ہے اور کسوٹی پر اصلی سونے کا رنگ دیتا ہے اس سے ہر قسم کے زیورات تیار ہو سکتے ہیں۔ (ضروری نوٹ) مال ناپسند ہونے پر قیمت فوراً واپس کر دی جاتی ہے۔ تین شیشی دوائی کے خریدار کو محصول ڈاک معاف اور تین تولہ سونا اور تین گھڑیاں مفت انعام بھیجی جاتی ہیں۔

ملنے کا پتہ:- لندن کمرشل کمپنی پوسٹ بکس ۱۶۶ 166 ایم۔کے۔ڈی' لاہور شہر

نقد و نظر

ریویو کے لئے کتابوں کی دو دو جلدیں آنی ضروری ہیں۔ ایک جلد موصول ہونے پر ریویو نہیں کیا جائے گا۔ (ادارہ)

کتابیں

گلبانگ آزادی۔ از حضرت نہال سیوہاروی۔ سائز ۲۲×۲۹/۱۶ صفحات ۲۰۔ قیمت مجلد ۸ر ملنے کا پتہ:۔ مکتبہ برہان۔ دہلی۔

حضرت نہال سیوہاروی کسی تعارف کے محتاج نہیں آپ ایک حریت خواہ اور ترقی پسند شاعر ہیں اور آپ کو بجا طور پر پیدائشی اور حقیقی شاعر کہا جاسکتا ہے مخشر خیال کے قارئین گزشتہ اشاعت میں حضرت نہال سیوہاروی کی ایک نظم "میرا ہندوستان" مطالعہ فرماچکے ہیں اور اس اشاعت میں موصوف کی دوسری معرکۃ الآرا نظم "ہمالہ" شائع ہو رہی ہے۔ گلبانگ آزادی اسی شعلہ نوا شاعر کی ایسی ایک صد رباعیات کا مجموعہ ہے جو آزادی کے موضوع پر کہی گئی ہیں اور ہر رباعی اپنی جگہ آزادی کی مکمل تشریح پیش کرتی ہے۔ کتاب کے ابتدائی سولہ صفحات مولانا سعید احمد صاحب ایم۔ اے مدیر برہان کے لکھے ہوئے ایک فاضلانہ مقدمہ پر مشتمل ہیں اور مقدمہ بجائے خود ایک قابل مطالعہ مقالہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کتاب کا کاغذ دبیز اور چکنا ہے۔ اور طباعت وکتابت میں ہر اعتبار سے نفاست اور پاکیزگی کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ جلد خوبصورت اور مضبوط ہے اور اس پر سنہرے حروف میں کتاب اور مصنف کا نام چھپا ہوا ہے۔ یہ کتاب ہر حیثیت اس قابل ہے کہ مخشر خیال کے قارئین اسے مطالعہ فرمائیں اور اسے اپنی لائبریری میں رکھیں۔

شہر خموشاں۔ از سید محمود مورخ بی۔ اے سائز ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۱۱۵ قیمت غیر مجلد ایک روپیہ ملنے کا پتہ:۔ گلفروش پبلشنگ ہاؤس دہلی۔

یہ کتاب سید محمود مورخ بی۔ اے کے سات افسانوں کا مجموعہ ہے۔ یہ افسانے سائنٹفک ہیں۔ اور اگر انہیں طلسم ہوشربا کا "رنگ جدید" کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا یہ افسانے دلچسپ ہیں اور ان لوگوں کے لئے خصوصیت کے ساتھ دلچسپ ہوسکتے ہیں جو زندگی کی حقیقتوں کے مقابلہ میں مافوق الفطرت قوتوں پر زیادہ اعتقاد رکھتے ہیں۔

مورخ کے افسانے۔ یہ کتاب بھی سید صاحب کے افسانوں کا مجموعہ ہے اور موضوع، ضخامت، سائز نیز کتابت، طباعت، کاغذ اور قیمت کے اعتبار سے شہر خموشاں کا دوسرا حصہ معلوم ہوتی ہے۔ دونوں کتابوں کا کاغذ نہایت معمولی اور کتابت وطباعت کے حسن سے محروم ہے اور قیمت زیادہ اگر ان کتابوں کے مذکورہ بالا مصائب کو دور کرکے ان کی قیمت بھی کم کردی جائے تو ہمیں یقین ہے کہ عوام انہیں شوق اور دلچسپی کے ساتھ مطالعہ کرسکتے ہیں۔

ذکر وفکر۔ از مقصود زاہدی۔ سائز ۲۰×۳۰/۱۶ صفحات ۱۲۶ قیمت غیر مجلد آٹھ آنے ملنے کا پتہ:۔ مکتبہ ساغر ادبی مرکز میرٹھ یا زاہدی بلڈنگ ۹ ازبیا۔

یہ کتاب مقصود زاہدی صاحب کے متعدد مضامین اور افسانوں کا مجموعہ ہے مقصود صاحب نوجوان ہیں۔ لیکن جیسا کہ جناب ساغر نظامی نے مصنف کا تعارف کراتے ہوئے لکھا ہے کہ "ہوسِ جوانی کے مقابلہ میں زندگی کے تلخ تجربات مقصود کے دل پر گہرا نقش چھوڑتے ہیں" ہم ان مضامین اور افسانوں کے مطالعہ سے اس حقیقت کے اعتراف پر مجبور ہیں کہ مقصود صاحب کے پیکر میں ایک حقیقت نگار اور ترقی پسند ادیب کی روح بیدار ہورہی ہے۔ اور اگرچہ ان کی اس سعی اول میں بعض خامیاں بھی موجود ہیں لیکن ہمیں یقین ہے کہ اگر "ماحول" نے انہیں علم وادب کی خدمت سے دستکش ہوجانے پر مجبور نہ کردیا تو یہ نوجوان ادیب بہت جلد ترقی کرے گا۔

رسالے

قدرتی علاج نمبر (ہمدرد صحت) سائز ۲۰×۲۶/۸ صفحات ۲۲۴ قیمت ۱۲/ آنے ملنے کا پتہ۔ دفتر ہمدرد صحت لال کنواں دہلی۔

رسالہ ہمدرد صحت، صحت وتندرستی کے عنوان پر ایک مفید ماہنامہ ہے اور زیر تبصرہ نمبر اس کا قدرتی علاج نمبر اس نمبر میں ایسے تمام عنوانات کے ماتحت جو قدرتی علاج سے تعلق رکھتے ہیں نہایت مفید، دلچسپ اور فاضلانہ مضامین جمع کردیئے گئے ہیں اور ان کا مطالعہ ہر شخص کے لئے مفید ہوسکتا ہے۔ ہندوستان میں جہاں جہالت عام ہے اور بیشتر تعلیم یافتہ افراد بھی زندگی کے اس ضروری شعبہ سے جسے صحت اور تندرستی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے "قطعاً" بے پرواہ رہتے ہیں۔ اس قسم کے رسائل اور چھوٹی چھوٹی کتابوں کی اشاعت بہت زیادہ مفید اور ضروری ہے۔ زیر تبصرہ نمبر کا کاغذ ردی ہے لیکن کتابت اور طباعت عمدہ ہے۔..... تبصرہ کے لئے جو جلد بھیجی گئی ہے وہ معمولی ایڈیشن سے تعلق رکھتی ہے۔ ہمدرد صحت کی سالانہ قیمت ایک روپیہ ہے۔ اور یہ خاص نمبر ۸ر میں مل سکتا ہے۔

اطلاع منی آرڈر روانہ کرتے وقت اپنا پورا پتہ یا نمبر خریداری منی آرڈر فارم کی کوپن پر لکھ دیا کیجیے۔ منیجر

سینما

شیخ مختار

ایک ہی راستہ کا ہیرو

محمد نعیم دہلوی

ساگر کا One way (ایک ہی راستہ) جن لوگوں نے دیکھا ہے۔ وہ اُس کے دراز قامت منگو کو فراموش نہیں کر سکتے۔ اس کی بہترین فن کاری کے علاوہ اس کی رفتار و گفتار میں عجیب جدت ہے۔ جو فلم بین طبقہ پر اثر ڈالے بغیر نہ رہی۔ اور یہ تسلیم شدہ امر ہے کہ اگر مشہور ڈائریکٹر محبوب نے اس فلم (ایک ہی راستہ) میں سے منگو کو نکال لیا جائے۔ تو باقی تصویر ایک بے جان سی چیز ہو کر رہ جاتی ہے۔

چھ فٹ ایک انچ کے اس دراز قامت ایکٹر کا پورا نام مختار احمد اور ذات شیخ ہے۔ وہ ۲۲ دسمبر ۱۹۱۶ء کو دہلی کے ایک معزز اور مشہور تجارت پیشہ خاندان میں پیدا ہوا۔ اور چار سال کی عمر سے ہی اُسے فلم دیکھنے کا موقع ملا۔ اُس زمانہ میں یونیورسل فلم کمپنی کے اسٹنٹ فلم عوام میں بے حد مقبول تھے اور ایڈی پولو اور ایلمو یونیورسل کے ہردلعزیز اداکار تھے۔ ننھے مختار کو ان فلموں سے بے حد دلچسپی تھی۔ اُس نے عمر میں سب سے پہلا جو فلم دیکھا۔ وہ ایک سرکس سے متعلق تھا۔

۱۹۲۳ء میں اُسے کراچی جانے کا اتفاق ہوا۔ جہاں اس کے والد پولیس میں ایک اعلیٰ عہدہ پر فائز تھے۔ وہیں اس کی تعلیم کا آغاز ہوا۔ لیکن سینما کے لئے وقت نکالنا وہ بہر صورت ضروری سمجھتا تھا۔ اسٹنٹ فلموں کی بجائے سب سے پہلا نفسیاتی فلم جو اُسے پسند آیا۔ وہ لان چینی کا فلم (Hunch back of Notredam) (ہنچ بیک آف نوٹری ڈیم) تھا۔ اُس روز سے آج تک وہ صرف نفسیاتی فلم ہی دیکھنے پسند کرتا ہے۔ اور ہالی وُوڈ کا مشہور اسٹار والیس بیری (Wallace Berry) اس کا پسندیدہ ایکٹر ہے۔

کراچی سے واپس آ کر ۱۹۲۶ء میں وہ دہلی کے سکول میں داخل ہوا لیکن اس دوران میں فلم بینی کا شوق اس قدر تھا۔ کہ بعض بعض روز وہ متواتر تینوں شو دیکھا کرتا تھا۔ اور اس کی دلی آرزو تھی کہ وہ بھی ایکٹر بن سکتا۔ ہر ایک سکول میں جو ڈرامے کھیلے جاتے تھے ان میں وہ ضرور حصہ لیتا۔ چنانچہ مشن کالج دہلی کے پروفیسر اشتیاق حسین قریشی کے شہرہ آفاق ڈرامہ "معلم اسود" کی شہرت میں مختار کی اداکاری کو بڑا دخل حاصل ہے۔ "معلم اسود" میں اسے شیطان کا پارٹ دیا گیا تھا۔ اُس نے اپنے پارٹ کو جس خوش اسلوبی سے نبھایا۔ اس کا اندازہ یوں لگایا جا سکتا ہے کہ اس روز سے وہ کالج میں شیطان ہی کے نام سے مشہور ہو گیا۔

۱۹۳۵ء میں اُس نے میٹرک پاس کیا۔ اس کے والد کا خیال تھا کہ وہ اُسے فوج میں بھرتی کرا دیں۔ کیونکہ مختار کے قد و قامت اور ہمت و دلیری کے سبب یہ یقین تھا۔ کہ وہ فوج میں بہت جلد امتیازی حیثیت حاصل کرے گا۔ لیکن مختار جانتا تھا۔ کہ اس طرح اس کا دیرینہ خواب شرمندۂ تعبیر نہ ہو سکے گا۔

اس دوران میں اس کی نظر سے ایک انگریزی رسالہ Picture Goer گزرا جو انگلستان سے نکلتا ہے۔ اس کے سرورق پر "Hollywood's Tallest man" یعنی ہالی وُوڈ کے سب سے زیادہ لمبے آدمی کا تذکرہ تھا۔ مختار چونکہ خود انسان کی بجائے ایک مینار ہے۔ اس لئے اپنے ہم قامت انسان کے حالات اس نے انتہائی شوق سے پڑھے۔ وہ کہتا ہے کہ اس رات کو وہ تمام رات ہالی وُوڈ کے خواب دیکھتا رہا۔ اور اس روز سے اس نے مصمم ارادہ کر لیا کہ حالات خواہ کتنے ہی مخالف ہوں وہ ہالی وُوڈ ضرور جائیگا۔

وہ کوشش کرتا رہا کہ جس طرح ہو سکے فلمی دنیا میں شامل ہو جائے فلمی اخبارات میں "ضرورت ہے" کے کالموں پر اس کی نظر سب سے پہلے پڑتی۔ لیکن عرصہ تک یہ جدوجہد بے سود ثابت ہوئی۔ اور لاچار ہو کر ۱۸ جنوری ۱۹۳۶ء کو (Indian Tea Market Expansion Board) میں ملازم ہو کر بہار چلا گیا۔ ملازمت بڑی معقول تھی اور آئندہ ترقی کی بہت زیادہ امید بھی تھی۔ لیکن بدقسمتی سے بہار ایک ایسی جگہ ہے۔ جہاں فلموں کا قحط رہتا ہے۔ مختار یوں بھی ہندوستانی فلموں کی بجائے انگریزی فلموں کا دلدادہ ہے اور وہ بہار میں عنقا تھے۔ مختار جیسا آدمی جو روزانہ تین تین شو دیکھے اور رات کو گھر میں سونے کی بجائے سینما ہال کی کسی بینچ پر سو جانے کو ترجیح دے

ایک ایسے صوبہ میں کس قصہ منتی تکلیف میں مبتلا ہوگا۔ جہاں۔ انگریزی فلم وغیرہ تک میسر نہیں آتے اور بدقسمتی اس کے ساتھ یہ مذاق کرتی رہی کہ وہ جس پرچہ کو اٹھاتا تھا۔ اس میں کسی فلم کا تذکرہ ضرور ہوتا۔ کسی اخبار کو دیکھتا۔ تو اس میں کسی اداکار کی تصویر موجود ہوتی۔ اور ہالی وڈ کی یاد کسی نہ کسی طرح اس کے دل میں تازہ رہتی۔

سیلوان اس کا ہیڈ کوارٹر تھا ایک مرتبہ کسی میلے کے سلسلہ میں اسے سولہ میل دور ایک ایسے گاؤں میں جانا پڑا جس کی کچی سڑک میں اس کی سائیکل ایک ایک فٹ گھس گھس جاتی تھی۔ گاؤں میں پہنچنے کے بعد اس کے ماتحت نے بتایا کہ شکر ہو چکی ہے چنانچہ دس سیر شکر دلوانے کے لئے جب وہ اس دور افتادہ گاؤں کے بنئے کی دوکان پر پہنچا تو اس جھونپڑی نما دوکان میں سامنے کی دیوار پر ڈالیس بیری کی تصویر چسپاں تھی یہی وائس بیری ہے جو شمار کا سب سے زیادہ محبوب ایکٹر ہے۔

ایک ایسی جگہ جہاں خواب و خیال میں بھی یہ امید نہ تھی کہ وہاں ہالی وڈ کے کسی اداکار کی تصویر ہو سکتی ہے۔ اپنے پسندیدہ اداکار کی تصویر دیکھ کر اس کا زخم تازہ ہو گیا۔ اور قدرت کی اس ستم ظریفی پر اس کے آنسو نکل پڑے۔ اور وہ بچوں کی طرح رونے لگا۔ وہ کہتا ہے ایک نہیں آ دار تھی۔ جس نے کہا کہ تو بھی اداکار رہے گا۔

اسی دوران میں اسے کلکتہ جانے کا اتفاق ہوا اور وہاں نیو تھیٹر کے مشہور ڈائریکٹر مسٹر بروا سے اس کی ملاقات ہوئی لیکن نتیجہ حسب دلخواہ برآمد نہ ہوا۔

لیکن جولائی ۱۹۳۶ء میں جب وہ چھٹی پر دہلی آیا ہوا تھا ہندوستان کے ہر دلعزیز ڈائریکٹر مسٹر محبوب سے اس کی ملاقات ہوئی

اور محبوب نے اپنی تصویر کے لئے اس گوہرِ نایاب کو چن لیا۔

مسٹر محبوب کو ہندوستانی سکرین پر متعدد نئے چہروں کو پیش کرنے کا فخر حاصل ہے۔ لیکن ان سب میں مختار نے جو معیاری درجہ پا لیا ہے تک کوئی دوسرا نہیں پہنچ سکا۔ اس نے اپنے پہلے فلم "ایک ہی راستہ" میں اتنی شہرت اور ہردلعزیزی حاصل کی جو دوسرے اداکاروں کو دس فلموں میں کام کرنے کے بعد بھی حاصل نہیں ہوتی۔ وہ ہندوستان کے چوٹی کے ایکٹروں میں شامل ہے۔ اور ہالی وڈ کا خواب بھی بھولا نہیں ہے۔ چنانچہ اسنے ہالی وڈ کا پروگرام بنا بھی لیا ہے۔ ۱۹۴۲ء کے آخر میں وہ وہاں ضرور جائیگا۔

عرصہ کے بعد اب اس کا دوسرا فلم بن رہا ہے۔ وہ کیسا ہوگا۔ اس کیلئے مختار کا نام ہی اس کا ضامن ہے۔ کہ وہ لاجواب تصویر ہوگی۔ بہت مکمل ہوچکا۔ اور عنقریب آپ کی نظروں سے گزرے گا۔

اس کے آئندہ فلم کا نام روٹی ہے یہ بھی مسٹر محبوب کی ڈائرکشن میں تیار ہوگا۔ مختار اور چندر موہن کا انتخاب عمل میں آچکا۔ ہیروئن کے لئے بڑی کاوش سے کام لیا جا رہا ہے۔ اور کسی نئے چہرے کے انتخاب کے لئے ایک وفد ہندوستان کا دورہ شروع کر چکا ہے۔

صحت و تندرستی

لیموں کے فوائد

از جناب کامل جوہری

اس کا درخت عام طور پر ہر جگہ پایا جاتا ہے۔ اور اس کی کئی قسمیں ہیں۔ کاغذی لیموں زیادہ مفید ہوتا ہے۔ اور ادویات میں اکثر یہی کام آتا ہے مزاج اس کا سرد تر ہے۔ ایک یا دو عدد پیاس اور سوزش کو رفع کرتا ہے۔

صفراوی کے متلی میں مفید ہے اور صفراوی بخار دور کرنے میں اکسیر ہے (سینہ و باہ کو مضر ہے) مصلح اس کا شکر اور بدل شگترہ ہے) اس کا عرق دال ترکاری وغیرہ میں ملانے سے ذائقہ عمدہ ہو جاتا ہے لو۔ گرمی سے سر میں درد ہو تو لیموں سونگھنے سے اور کنپٹی پر ملنے سے آرام ہو جاتا ہے۔ لیموں کو کاٹ کر اس پر نمک مرچ چھڑک کر آگ پر رکھ کر گرم کر لیں اور چوسیں۔ متلی ہٹے۔ پیٹ کے درد کو آرام ہوگا نیز ہاضم و مشتہی ہے۔

گرمی میں عرق پانی میں ملا کر پینا فرحت بخشتا ہے۔ گرم پانی میں پینا سوڈا واٹر سے زیادہ مفید ہے۔

ہیضہ کے دنوں میں اس کا استعمال بطور حفظِ ماتقدم اور بحالتِ مرض مفید ہے۔ اس کا رس نکال کر اور اس میں قدرے کافور ملا کر استعمال کرنا ازالۂ مرض میں اکسیر ہے۔

خسری یعنی تپّی اچھلنے کی حالت میں اس کے رس میں تیل فلیلی ملا کر مالش کریں۔ غیر معمولی موٹاپے کی حالت میں لیموں کا استعمال بدن کو اصلی حالت پر لاتا ہے۔ پانی میں قدرے لیموں کا رس ملا کر نہانے سے خارش دور ہوتی ہے۔ ہاتھ پاؤں میں سوزش یا خارش ہو تو اس کے چھلکے کی مالش بہت مفید ہے۔ منہ پر ملنے سے کیل مہاسے بدنما داغ اور دھبے دور ہو جاتے ہیں۔ دانتوں پر ملنا دانتوں کو چمکیلا بناتا ہے۔ اس کے چھلکے سے برتن یا زیور صاف کیا جائے تو مثل پالش کے معلوم ہوگا۔ لیموں کو گرم کر کے تراشنے سے دس گنا رس نکلتا ہے۔ رومال۔ چادریں وغیرہ میلے ہوں تو نصف لیموں کا عرق گرم پانی میں ڈال کر اور کپڑے کو بھگو کر دھوئیں بہت صاف ہوگا۔

اگر سنگ مرمر کے ٹکڑے دھواں لگ کر سیاہ ہو جائیں تو گرم عرق لیموں سے وہ جلد صاف ہو سکتے ہیں۔

عورتیں لیموں کس طرح استعمال کریں

سبزیاں چھیلتے ہوئے جب ہاتھ میلے ہو جائیں تو جو کے آٹے میں قدرے لیموں کا رس شامل کر کے ہاتھ دھوئیں بہت صاف ہو جائیں گے۔

اگر تارکول کے داغ لگ جائیں تو لیموں کا عرق لگانے سے دور ہو جائینگے چکنی اشیاء کے دھبے لیموں کے رس سے دور ہو جاتے ہیں۔

لیموں کی پھانک چہرے پر آہستہ آہستہ ہر روز ملنے سے کیل اور مہاسے باقی نہیں رہتے اور اگر چھائیاں وغیرہ زیادہ نکل آئیں تو تین کاغذی لیموں کا رس ایک اچھی شیشی میں نچوڑ لیں اس میں ½۱ اونس خالص الکحل اور ½۱ اونس خالص عرق گلاب ملا کر سوتی یا کسی نرم رومال سے چہرہ پر ملیں جب عرق چہرہ پر خشک ہو جائے تو پھر گلیسرین کی بالائی مل لیں پھر تھوڑی دیر کے بعد نیم گرم پانی اور صابن سے دھو ڈالیں۔ ایسا چند روز کے کرنے سے کیل مہاسے چھائیاں سب دور ہو جائیں گے۔

نہانے کے پانی میں اگر لیموں کا رس شامل کر لیا جائے تو میل کٹ جاتا ہے اور سر کے بالوں میں ملائمیت چمک اور پائیداری پیدا ہوتی ہے۔ اگر کوئی سفید کپڑا زرد یا بدرنگ ہو گیا ہو تو کنستر میں گرم پانی کر کے اس میں لیموں کی چند پھانکیں ڈال دیں سوڈا بھی اور صابن بھی حسبِ مقدار شامل کر سکتے ہیں پانی ابلنے پر کپڑے ڈال دیں۔ تین چار گھنٹوں کے بعد ان کپڑوں کو صاف پانی سے دھو ڈالیں بہت صاف ہو جائیں گے۔

موسم برسات میں کھانا کھاتے وقت سبزی وغیرہ میں لیموں کا رس ڈالنے سے ہاضمہ درست رہتا ہے۔ زکام کھانسی کی حالت میں استعمال نہ کریں۔

نشہ۔ شراب۔ بھنگ۔ افیون پینے والے اگر عرق لیموں پی لیں تو نشہ ہرن ہو جاتا ہے چستی پیدا ہوتی ہے اور غنودگی غائب ہو جاتی ہے۔

کوئی زہریلا جانور کاٹے تو رس ملیں اچھا ہو جائے گا اور اثر کو پھیلنے سے روکے گا۔

سرکہ کی جگہ بھی لیموں کام دے سکتا ہے۔ سم اور زہر کے اثر کو زائل کرنے کے لئے اس کا عرق اکسیر سے کم نہیں۔ ترکیب استعمال یہ ہے۔

ایک سیر دودھ گلا کر تازہ چند پیالوں میں بھر لیں اور دو عدد کاغذی لیموں لے کر ان کے چار ٹکڑے کر کے۔ ایک ایک ٹکڑا ہر ایک پیالی میں نچوڑتے جائیں اور پیتے جائیں۔ لیموں نچوڑتے ہی دودھ پی لینا چاہئے۔ تاکہ پھٹ نہ جائے اسی طرح چند روز پینے سے .... کھل کر جاتی ہیں دماغی اور جسم زہر سے پاک ہو جائے گا۔

لیموں سے دانت کے درد کا علاج

صبح باسی منہ ایک گلاس پانی میں نصف لیموں کا عرق نچوڑ کر غرغرا کرتے ہوئے پی جائیں چند منٹ بعد پھر باقی نصف حصہ کا عرق ایک گلاس پانی میں نچوڑ کر پئیں۔ اس کے بعد چھلکے کے سفید حصہ کو لے کر ایک چمچہ پانی میں ڈبوئیں اور اسی پر ایک برش رگڑ کر اس سے دانت پر مالش کریں۔ انشاء اللہ ایسا کئی روز کرنے سے دانت کا درد خصوصاً پائیریا جڑ سے جاتا رہے گا۔ آزمایا ہوا ہے۔ لیموں کا رس جراثیم کا قاتل ہے۔ اگر جراثیم اور کیڑوں کو مارنا ہو تو اس کا استعمال کرو۔ اگر بدن کے کسی حصہ پر زخم آجائے تو آیوڈین کے عوض لیموں کا رس زخم پر لگا دیا جائے۔ چمڑے کو مردہ کرنے کے بغیر ہی جیسا کہ آیوڈین سے ہوتا ہے۔ زخم مندمل ہوتا ہے اور جراثیم داخل نہیں ہونے پاتے۔

مدارس میں بچے کھیل کود میں گر پڑتے ہیں ان کے گھٹنے پھوٹ جاتے ہیں یا جسم کا اور کوئی حصہ چھل جاتا ہے اور خون نکل آتا ہے۔ ایسی حالت میں بہترین علاج یہ ہوگا کہ لیموں کا رس نچوڑ کر لگا دیا جائے اور اس کا استعمال اس وقت تک جاری رکھا جائے جب تک زخم مندمل نہ ہو جائے۔

دمہ اور ضیق النفس کے مریض شدت مرض میں اگر لیموں کا رس ہر غذا سے قبل اور سونے سے قبل استعمال کریں تو مرض میں بہت تخفیف ہو جاتی ہے۔

بد ہضمی میں اس سے بہتر علاج نہیں ہو سکتا کہ کسی قسم کی غذا استعمال کرنے کی بجائے دن میں پانچ مرتبہ پانی ملا کر ایک ایک لیموں کا رس پی لیا جائے۔

پھوڑے پھنسیاں اگر کسی کو بار بار نکل آئیں اور تکلیف دیں تو لیموں کو اس طرح استعمال کریں۔ ترکیب حسب ذیل ہے۔

لیموں کو خوب گرم کیا جائے اور پھر اس کے دو ٹکڑے کئے جائیں۔ ایک حصہ پھوڑے یا پھنسی پر رکھ کر باندھ دیا جائے۔ لیموں جس قدر گرم ہو اچھا ہے۔ جب پھوڑا پھوٹ جائے تو ایک پائنٹ گرم پانی میں ایک لیموں کا رس ملا کر اس کو دھو دیا جائے اور پیپ وغیرہ نکل جانے کے بعد پٹی باندھ دی جائے۔ اس طرح بہت فائدہ ہوگا۔

نزلہ ہو تو لیموں کو تنور میں اتنی دیر پکایا جائے کہ اس کا پوست سرخ ہو جائے اور رس نکلنا شروع ہو۔ اس رس کو ایک چائے کے چمچے کی مقدار میں ہر تیسرے گھنٹے استعمال کیا جائے۔ ذائقہ کے لئے اس میں شہد ملا لیا جا سکتا ہے۔ صحت ہونے تک صرف ہلکی غذا مثلاً دودھ۔ شوربا استعمال کریں۔

قبض

لیموں کے استعمال سے دفع کیا جا سکتا ہے۔ ترکیب یہ ہے کہ ایک پائنٹ گرم پانی میں ایک لیموں کا رس ملا کر حقنہ کر لیا جائے اور جس قدر ممکن ہو لیموں کا افشرہ استعمال کیا جائے۔ اس علاج کے دن ہلکی غذا استعمال نہ کی جائے۔

کھجلی ہو تو لیموں کو کاٹ کر سر کے گنج حصہ پر ملیں۔

مرض خناق

اس مرض میں لیموں کا رس اور پانی ایک ہی مقدار میں ملایا جائے اور اس سے اول گھنٹہ گھنٹہ پر غرغرہ کیا جائے اور پھر دو دو گھنٹہ کے وقفہ سے اس کے علاوہ ایک یا دو دو تولہ حسب ضرورت ایک چمچہ یا پورا خالص عرق لیموں پیا جائے اس طرح وہ عارضی خراش جو حلق میں آجاتی ہے مندمل کر دیگا۔

خرابی جگر۔ تبخیر اور اختلاج قلب میں لیموں کا افشرہ فائدہ کرتا ہے۔

ملیریا

میں لیموں کا رس برابر پانی میں ملا کر دن میں چار بار استعمال کرنا چاہئے — (بعض اطباء نے اسکو کونین سے زیادہ استعمال کرایا ہے۔

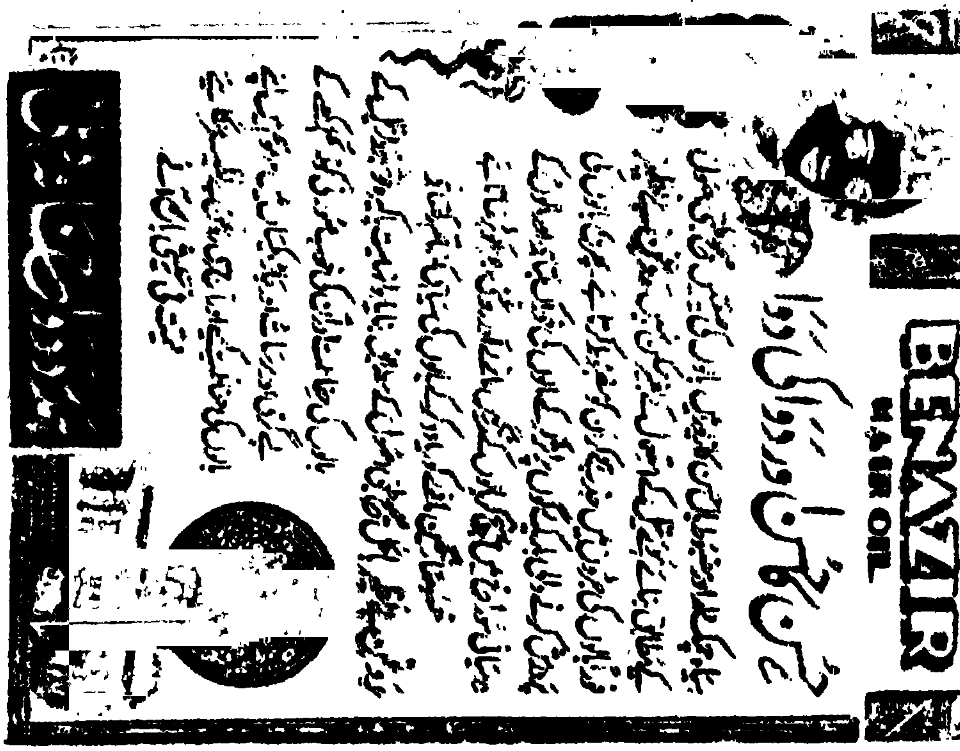
انگل بیڑا

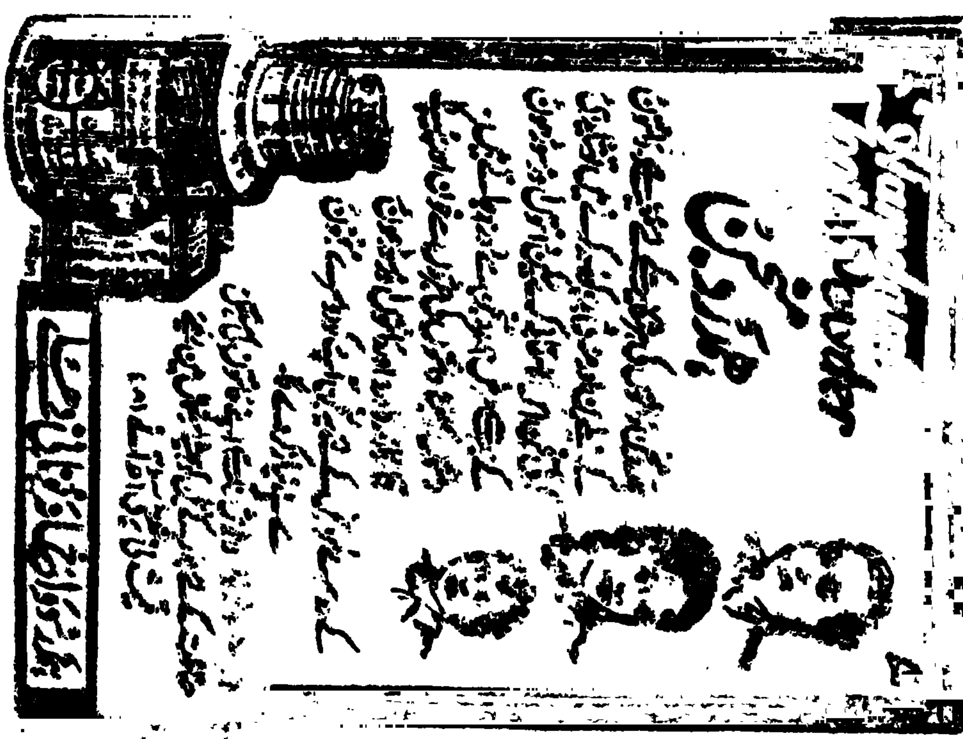
لیموں کو گرم کر کے دو حصہ کیا جائے ایک حصہ متاثرہ انگلی پر رکھ کر باندھ دیا جائے اور تمام رات بندھا رکھا جائے۔ اس طرح مواد جلد نکل جائے گا عرق لیموں ناخون کے دھبوں کو صاف کر دیتا ہے۔ دانتوں کے لئے بہت مفید ہے۔

ہاتھ پھٹتے ہوں تو عرق لیموں کی مالش کی جائے اور پھر روغن موم لگایا جائے۔ بہت فائدہ ہوگا۔

صلابت شریانی

میں عرق لیموں بہت مفید ہے کیونکہ یہ پیشاب خوب لاتا ہے اور ساتھ ہی ساتھ گردوں کے پرانے ورم میں بھی مفید ہے جیسا کہ یورک ایسڈ اور گٹھیا کی شکایت میں عام طور سے مفید ہوا کرتا ہے۔ اگر عرق میں گلیسرین بھی ملا لی جائے تو اور مفید نتیجہ نکل سکتا ہے۔


BENAZIR
HAIR OIL
حسن کا حسن اور دوا کی دوا
ہمدرد دواخانہ (وقف)


Tooth Powder
ہمدرد منجن
ہمدرد دواخانہ یونانی دہلی

فینسی رسٹ واچ مفت انعام

ہمارا مشہور عطر سینٹ فلاور نہایت عمدہ تازہ پھولوں سے تیار کیا جاتا ہے جو کہ پوشاک اور تمام گھر کو معطر کر دیتا ہے سینکڑوں معزز آدمیوں نے اسے استعمال کر کے زبردست الفاظ میں اس عطر کی تعریف کی ہے۔

اس عطر کو مشہور کرنے کے لئے ہم نے فی زمانہ ہر ایک شیشی کے خریدار کو ایک عدد فینسی رسٹ واچ مفت دینے کا فیصلہ کیا ہے گھڑی کیا ہے ایک چھوٹا سا خوبصورت تحفہ ہے جس کی خوبصورتی اور چمک دمک غضب ڈھاتی ہے جس کی گارنٹی دس سال ہے جو اگر اس عرصہ میں خراب ہو جائے تو ہم دوسری گھڑی مفت دیں گے انعامی گھڑی کی تقسیم کا سلسلہ محض اس بیش قیمت مفید و نایاب ایجاد کو قدردانوں کے ہاتھوں تک پہنچانے کی غرض سے شروع کیا گیا ہے اس لئے جن اصحاب کو عمدہ عطر کی ضرورت نہ ہو وہ محض گھڑی کے لالچ سے منگانے کی تکلیف گوارا نہ فرمائیں۔ ایسے آرڈروں کی تعمیل نہیں کی جائے گی۔ قیمت فی شیشی عہ ایک یا دو شیشی کے خریدار کو محصول ڈاک پیکنگ خرچ ادا کرنا ہوگا آٹھ آنے اور دو روپیہ دینے پڑیں گے تین شیشی کے خریدار کو صرف پانچ روپیہ دینے پڑیں گے محصول ڈاک معاف اور تین عدد فینسی رسٹ واچ بطور انعام مفت ملیں گی۔

پتہ:- امریکن کمرشل سٹور ناہن انبالہ

تین صد روپے مفت انعام

عمل محبت کے شائقین ہمارا اصلی جادو تعویذ منگائیں اس کو اپنے پاس رکھ کر اپنے دل میں جس کسی کا نام لیں گے خواہ وہ کیسا ہی پتھر دل مغرور اور سخت کلام کیوں نہ ہو، جہاں کہیں بھی ہوگا آپ کے ملنے کے لئے تڑپنے لگ جائیگا اور جب بھی آپ اس کے سامنے ہونگے تو وہ آپ سے اظہار محبت کریگا ہر وقت آپ کے ساتھ رہنے کی خواہش کریگا نیز گمشدہ کی تلاش کرنا کسی کے دل کا بھید معلوم کرنا مردہ روحوں سے بات چیت کرنا معشوق کو بس میں کرنا حسب مرضی روزگار حاصل کرنا غرضیکہ آپ کے ہر ایک سوال کا جواب آپ کو مل جائیگا اور آپ کے دل میں کوئی ایسی خواہش ہے جو کہ باوجود کئی ہزار کوششوں کے بعد بھی پوری نہیں ہوئی تو وہ بھی ہمارے اصلی جادو تعویذ کے پاس رکھنے سے تین دن کے دوران میں پوری ہو جائے گی۔ ہدیہ فی تعویذ پانچ روپے محصول ڈاک معاف۔ مگر ایک ماہ کے لئے خاص رعایتی قیمت پر دیا جا رہا ہے تاکہ ہر ضرورت مند منگوا کر فائدہ اٹھا سکے۔ اس رعایتی اعلان سے فائدہ اٹھانے کے خواہشمند رجسٹری ڈاک خرچ کے لئے پانچ آنہ کے ٹکٹ فوراً بھیج دیں اس تعویذ کے اصلی سرٹیفکیٹ موجود ہیں غلط ثابت کرنے والے کو تین صد روپیہ مفت انعام دیا جائے گا۔

پتہ:- موہنی بھنڈار ناہن کے انبالہ

سفید داغ (پھلبہری) کو پورا فائدہ ہوگا

جناب ابو محمد حیات خاں ریٹائرڈ ہیڈ کلرک چیف انجینئر سکریٹری پی ڈبلیو ڈی ارگیشن برانچ پٹیالہ تحریر فرماتے ہیں مجھے یہ تصدیق کرتے ہوئے خوشی ہے کہ سفید داغ پھلبہری کی جو دوا میں نے گذشتہ ماہ آپ کے ہاں سے منگائی تھی اس کے استعمال سے میری رشتہ دار لڑکی کو پورا فائدہ ہوا اور مجھے یقین ہو گیا ہے کہ آپ کی دیگر دوائیاں بھی ایسی ہی کارآمد ثابت ہونگی۔

مبلغ ایک ہزار روپیہ نقد انعام

سفید داغ برص پھلبہری کا مجرب علاج اگر اس فقیری مرہم کو تین یوم مالش کرنے سے بغیر کسی قسم تکلیف کے سفید داغ جڑ سے نہ جاتے رہیں تو قیمت واپس اعتبار نہ ہو تو اقرار نامہ لکھا لیں اپنی حالت اور عمر ضرور تحریر فرمائیں قیمت فی شیشی بیس روپے

نوٹ:- مندرجہ بالا سرٹیفکیٹ غلط ثابت کرنے والے کو ایک ہزار روپیہ نقد انعام دیا جائے گا۔

بواسیر کی شرطیہ دوا:- پہلے روز خون بند تین روز میں مکمل آرام قیمت دو روپے۔

پتہ:- امریکن میڈیکل سٹور ناہن انبالہ

دولت آپ کو تلاش رہی ہے

ڈہائی سو روپے ماہوار کما لو

فرنچ گولڈ اور اس کے زیورات

فرنچ گولڈ کی ایجنسی لیکر آپ ڈہائی سو روپے ماہوار کما سکتے ہیں یہ نقلی سونا کسوٹی پر اصلی سونے کا رنگ دیتا ہے اور بالکل اصلی سونے کی مانند کوٹا اور پگھلایا جا سکتا ہے اور آجکل کے فیشن کے مطابق ہر قسم کے زیور تیار ہیں آپ اپنے شہر ایجنسی کے لئے فوراً درخواست کریں۔ تیار شدہ زیورات کی مکمل سٹ تین تولہ فرنچ گولڈ ایک چوڑی ایک جوڑی کانٹے نیو ڈیزائن ایک انگوٹھی بھی فیشن نمونہ کے طور پر بھیجے جاتے ہیں ہوشیار اور تجربہ کار ایجنٹوں کو ہر قسم کی سہولت دی جائے گی شرائط قواعد ایجنسی فوراً طلب کریں۔

پتہ: فرنچ گولڈ سپلائی کمپنی رجسٹرڈ ناہن انبالہ

قتل سے پہلے قاتل کی شناخت

ہوا بند تھی اور شدتِ حبس کے باعث سانس لینا بھی مشکل ہو رہا تھا ہانس کرنیزر، کلرک کا مکان، سویڈن کے دارالسلطنت اسٹاک ہالم کے ایک بارونق محلہ میں واقع تھا اور وہ اس زبردست عمارت کی چوتھی منزل کے ایک کمرہ میں مقیم تھا۔ گرمی کی شدت سے پریشان ہوکر کرنیزر دریچہ کے قریب آ کھڑا ہوا اسے خیال تھا کہ شاید اس طرح وہ بحر بالٹک سے آنے والی ٹھنڈی ہوا میں سانس لے سکے گا۔

کرنیزر اس وقت قطعاً خالی الذہن تھا اور بے توجہی کے ساتھ بالمقابل مکان کی جانب دیکھ رہا تھا کہ ایک اہم اور حیران کن واقعہ نے اس کی توجہ کو اپنی جانب مبذول کر لیا مدراستہ کی دوسری جانب واقع عمارت کی چوتھی منزل ہانس کرنیزر کے کمرہ کے مقابل واقع تھی۔ کرنیزر نے دیکھا کہ اس منزل کے کمرہ میں ایک نہایت حسین خاتون بیٹھی ہوئی کسی کتاب کا مطالعہ کر رہی ہے۔ کرنیزر نے اسے پوری توجہ اور شوق کے ساتھ دیکھا۔ یہ خاتون بہت اچھا لباس پہنے ہوئے تھی اور اس کے گھونگریالے بال نہایت عمدگی کے ساتھ گندھے ہوئے تھے کرنیزر اس کے دلفریب حسن سے اس درجہ متاثر ہوا کہ اس نے اسے اپنی جانب متوجہ کرنے کے لئے اپنی نگاہیں اس کے چہرہ پر گاڑ دیں۔

دفعتہً ایک ادھیڑ عمر کا آدمی کمرہ میں داخل ہوا جسے دیکھ کر یہ حسین خاتون خوفزدہ ہوگئی اور اسی خوف و ہراس کے عالم میں کتاب اس کے ہاتھ سے گر پڑی۔ چاقو کا ایک لمبا پھل ہوا میں چمکتا ہوا نظر آیا۔ مرد نے اس خاتون کی پشت پر حملہ کرکے اسے زخمی کر دیا تھا۔ خاتون کے لبوں سے ایک چیخ برآمد ہوئی وہ کرسی سے گر پڑی اور مرغِ بسمل کی طرح فرش پر تڑپ تڑپ کر جان دیدی۔

یہ واقعہ جس سرعت کے ساتھ پیش آیا تھا اس نے کرنیزر کو بالکل متحیر کر دیا تھی کہ وہ کسی شخص کو امداد کے لئے آواز بھی نہ دے سکا لیکن چند لمحوں کے بعد جب اس کے حواس بجا ہوئے اور اس نے اس واقعہ کی اہمیت کو محسوس کیا تو مجنونانہ انداز میں دوڑتا ہوا موقعۂ واردات کی جانب روانہ ہوا...... اسے یقین تھا کہ قاتل ہنوز اسی عمارت میں موجود ہوگا۔

بالمقابل عمارت کے دربان نے جب کرنیزر کا قصہ سنا تو پہلے تو اس کے چہرہ پر ہوائیاں اڑنے لگیں لیکن جب اسے یاد آیا کہ وہ کمرہ بالکل خالی ہے تو اس کی پریشانی اطمینان میں تبدیل ہوگئی۔ کرنیزر نے جس مکان کا حوالہ دیا تھا وہ گزشتہ کئی ہفتہ سے بالکل خالی اور مقفل تھا۔ اور اس عرصہ میں کسی متنفس نے وہاں قدم تک بھی نہ رکھا تھا۔

کرنیزر کے اصرار پر دربان اسے چوتھی منزل میں لے گیا۔ کرنیزر وہاں پہونچکر تعجب اور اضطراب کی حالت میں چاروں طرف دوڑنے لگا، کمرہ میں داخل ہوا تو راستہ کی دوسری طرف اس کا کمرہ نظر آ رہا تھا وہ متحیر تھا کہ اصل واقعہ کیا ہے؟ اسے شبہ ہونے لگا کہ کہیں وہ خواب تو نہیں دیکھ رہا تھا لیکن بیداری میں خواب دیکھنا کیا معنی؟

دربان نے پولیس کے سپاہی کو مطلع کیا۔ اور جب سپاہی نے کرنیزر سے اس واقعہ کی تصدیق کرنا چاہی تو اس نے وہ تمام حالات بیان کر دئے جو وہ بچشم خود دیکھ چکا تھا۔ سپاہی نے نہایت غور کے ساتھ کمرہ کا معائنہ کیا لیکن وہ بدستور مقفل تھا اور اسے کھول کر دیکھنے کے بعد بھی کوئی ایسی علامت نظر نہ آئی جس سے اس واقعہ کی تصدیق ہو سکتی۔

سپاہی نے بیماروں کو لے جانے والی گاڑی بھیجدینے کے لئے اپنے صدر مقام کو ٹیلیفون کیا تاکہ کرنیزر کو پاگل خانہ پہونچایا جاسکے۔ اسے یقین ہوگیا تھا کہ کرنیزر کسی دماغی مرض میں مبتلا ہے اور ایک ایسے شخص کے پاگل ہونے میں شبہ ہی کیا ہوسکتا ہے جو پیش آنے والے واقعہ قتل کو دیکھ اور اس سے تعلق رکھنے والے نادیدہ افراد کے متعلق تمام تفصیلات بیان کرسکتا ہو!

اس واقعہ کے چند ہفتہ بعد مکانات کو کرایہ پر دینے والے ایجنٹ کی ہدایت پر ایک ادھیڑ عمر کا شخص اپنی بیوی کی معیت میں اس مکان کو دیکھنے کے لئے آیا۔ پہلی ہی نظر میں دربان کو یہ خیال گذرا کہ کرنیزر نے کسی نادیدہ خاتون اور اس کے ہمراہی کا جو حلیہ بیان کیا تھا یہ لوگ بالکل اس کے مطابق ہیں لیکن چونکہ کرنیزر کو پاگل سمجھ کر دماغی امراض کے ہسپتال میں بھیجدیا گیا تھا۔ اس لئے اسکے بیان پر کوئی توجہ نہ کرتے ہوئے اس خیال کو دل سے نکال دیا اور یہ مکان کرایہ پر دیدیا گیا۔

تین ماہ کے بعد برابر کے کمروں میں رہنے والے دوسرے کرایہ داروں

نے دربان کو اطلاع دی کہ انہوں نے اس کمرہ سے جس میں یہ حسین خاتون اور اس کا ادھیڑ عمر شوہر مقیم تھا کسی شخص کے چیخنے کی آواز سنی ہے۔ یہ اطلاع پا کر دربان پولیس منتظم لے گیا اور جب وہ دوسرے کرایہ داروں کی مدد سے اس کمرہ کا دروازہ کھولا گیا تو سب لوگوں کو یہ دیکھ کر سخت تعجب ہوا کہ خاتون خون میں لتھڑی فرش پر پڑی دم توڑ رہی ہے۔ اس کا شوہر اس کے چہرہ پر دہشت برس رہی تھی کمرہ میں کھڑا ہوا ہے اور چند ماہ پیشتر ہانس کریزر نے جس واقعہ کو چشم دید واقعہ کی حیثیت سے بیان کیا تھا آج وہ بے کم و کاست دیکھنے والوں کے پیش نظر ہے۔ لوگوں نے قاتل کو گرفتار کرنا چاہا تو اس نے کسی قسم کی مزاحمت نہیں کی اور خود کو لوگوں نے حوالہ کر دیا۔

اس قتل کی تحقیقات کے سلسلہ میں ان تمام باتوں کی تصدیق ہو گئی جو ہانس کریزر نے اس واقعہ سے چار ماہ پیشتر بیان کی تھیں۔

اب سویڈن کے ممتاز ڈاکٹر متفقہ طور پر ہانس کریزر کو رہا کرانے کی کوشش کر رہے ہیں تاکہ اس کے دماغ کا معائنہ کرنے کے بعد وہ اس قوت کے متعلق کوئی اندازہ کر سکیں جس کی بدولت اس شخص نے قبل از وقوع واقعہ کو دیکھ لیا تھا۔

سائنس کے ماہرین اس واقعہ پر غور کر رہے ہیں لیکن ابھی تک وہ اس کی اصل وجہ دریافت نہیں کر سکے۔

مشرقی بہنوں کے لئے نہایت حسین وجمیل

مشرقی کشیدہ کاری چھپ گئی

کئی ماہ سے برابر اس کتاب کا اشتہار ہو رہا ہے۔ ہم نے غلط اشتہار نہیں دیا اب یہ کتاب چھپ کر تیار ہوگئی ہے۔ اس کتاب کی تیاری میں ہندوستان کی سینکڑوں مشرقی بہنوں نے حصہ لیا ہے۔ اور اس کو ادیبہ ہند محترمہ رضیہ چمن دہلوی نے مرتب کیا۔ اور ہندوستان کے مشہور آرٹسٹ نیاز الدین صاحب فریدآبادی نے تیار کیا۔ اور ہندوستان کے مشہور خوشنویس مسٹر یوسف نے اس کا ٹائٹل بنایا اور لکھا۔

ضخامت اس کی تقریباً ڈیڑھ سو صفحات ہوگئی۔ سائز اس رسالے کے برابر کاغذ سفید چکنا اس کتاب کی قیمت تین روپے ہونی چاہئے تھی۔ لیکن جن بہنوں نے ہمارے اعلان پر دس جون ۱۹۴۱ء تک پیشگی بھیجدیے ان کو یہ کتاب تیرہ آنے میں دفتر سے محصول ڈاک لگا کر بھیجدی گئی۔ اس کے بعد جن بہنوں نے دس جولائی تک ستر آنے بھیجدیے ان کو معہ محصول سترہ آنے میں بھیجی گئی۔

اب اس کی قیمت معہ محصول ایک روپیہ چودہ آنے (عہ۱۴) ہے۔ لیکن ہزارہا بہنوں کی درخواست پر ابھی ایک ماہ کا وقت رعایت کا اور دیا جا رہا ہے۔ لہذا جو بہنیں یا بھائی ۱۵ اگست تک (عہ۵) ایک روپیہ پانچ آنے کا منی آرڈر بھیجدیں گے۔ یا وی۔ پی منگالیں ان کو ہم اپنے پاس سے محصول ڈاک لگا کر یہ شاندار کتاب بھیجدیں گے۔ اس کے بعد شاید ایک روپیہ چودہ آنے سے بھی زیادہ قیمت بڑھ جائے۔

۱۵ اگست تک رعایت۔ ایک جلد معہ محصول ایک روپیہ پانچ آنے دو جلدیں معہ محصول دو روپے سات آنے تین جلدیں معہ محصول تین روپے نو آنے چار جلدیں معہ محصول چار روپے دس آنے۔ اس سے زیادہ کوئی رعایت نہیں۔

منی آرڈر اور خط وکتابت کا پتہ

منیجر رسالہ خاتون مشرق اردو بازار جامع مسجد دہلی

۱۷ نوجوان لڑکیاں

اس عمر میں ہر لڑکی پر نکھار اور خوبصورتی آجاتی ہے

اس کی آرزوئیں جوان ہوجاتی ہیں اور......

شباب کی اندرونی بے چینی اور خاموش تمناؤں کا بے پناہ ہجوم ہر جوان لڑکی کو بے چین کر ڈالتا ہے۔ اس کی مست نگاہیں اِدھر اُدھر گھومتی ہیں اور شرم و حیا سے مغلوب ہو کر زمین میں گڑ جاتی ہیں۔ ان لطیف اور منتظر احساسات کو مرد کبھی نہیں جانچ سکتا۔

پچھلے دنوں کی بات ہے۔ اسی ہندوستان کے ایک شہر میں سترہ مختلف کنواری لڑکیاں ایک دوسرے کی دوست تھیں۔ ایک ساتھ سب جوان ہوگئیں اور جوانی نے پوری طرح انہیں سجا دیا۔ رفتہ رفتہ ایک ایک کرکے شادیاں ہوگئیں ہر لڑکی شوخ اور چنچل تھی اور بے تکلف تھی۔ شادیوں سے پہلے جب وہ ایک دوسرے سے ملتی تھیں تو انہوں نے آپس میں ایک عجیب و غریب مشورہ کیا — جب میری شادی ہوجائے گی تو

میں پہلی رات کے تمام حالات تمہیں لکھونگی

ہر لڑکی نے ایک دوسرے سے یہی وعدہ کیا اور آخر کار وہی ہوا ہر لڑکی نے اپنی سسرال پہونچکر پہلی رات کی ساری باتیں لکھ بھیجیں۔ پہلی رات کے ہر چھوٹے بڑے واقعہ کو بلا رو رعایت بالکل صاف لفظوں میں لکھ بھیجا۔ اس طرح ۱۷ خط جمع ہوگئے ہر لڑکی نے پہلی رات کی کہانی لکھی۔ ہر کہانی لمبی چوڑی اور بالکل کھری کھری باتیں۔ لڑائی، جھگڑے، رونا دھونا۔ شرم اور اشتیاق کی کشمکش اور اُس رات کا تمام کچا چٹھا جمع ہوگیا۔ یہ ۱۷ خط ایک منچلے کے ہاتھ لگ گئے۔ بے حد دلچسپ اور عجیب و غریب خطوط ہیں۔ اس منچلے نے ان سب خطوں کو بجنسہ ایک کتاب میں چھاپ دیا۔ اس کتاب کا نام **۱۷ راتیں** ہے۔ بہت ہی عجیب کتاب ہوگئی ہے۔ اور بہت صحیح حالات کے ساتھ، تقریباً ڈیڑھ سو صفحات ہیں۔ مجلد ہے قیمت صرف ایک روپیہ۔ بذریعہ وی۔ پی پارسل منگا لیجئے۔ پانچ آنے محصول لگے گا۔ (کنواری لڑکیاں یہ کتاب ہرگز ہرگز نہ منگائیں)

کتاب منگانے کا پتہ

منیجر رسالہ محشر خیال اردو بازار جامع مسجد دہلی

صنعت و حرفت

پیشتر کہا جا چکا ہے کہ ریگ مال دو قسم کا ہوتا ہے ایک تو لکڑی کے واسطے ہوتا ہے۔ دوسرا لوہے اور چیل کے کام آتا ہے۔ لکڑی کے استعمال کے واسطے تو پہلے پرچے میں ذکر کیا جا چکا ہے اب لوہے اور چیل پر استعمال کرنے کے ریگمال کا حال لکھتے ہیں۔

یہ ریگمال بھی اسی طرح تیار ہوتا ہے۔ فرق صرف اتنا ہے (۱) لوہے پر استعمال کرنے کے ریگمال کا رنگ سیاہ ہوتا ہے اور لکڑی کے لئے سفید رنگ (۲) لوہے کے ریگ مال کا کانچ سخت ہوتا ہے (۳) لوہے کے ریگمال کے کاغذ پر ایک طرف کپڑا ہوتا ہے۔ یہ کپڑا عام طور پر جالی دار ہوتا ہے جو بازار سے بہت سستا مل جاتا ہے۔ اس کپڑے کو سریش سے تر کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد اسے میز پر پھیلا کر اوپر سے کاغذ چپکا دیا جاتا ہے۔ جب کاغذ اچھی طرح سے چپک جائے اس وقت اس کو دھوپ میں سکھا دیا جاتا ہے۔ تاکہ دونوں آپس میں اچھی طرح مل جائیں۔

اب پہلے طریقہ کی طرح کانچ لگا کر ریگ مال تیار کر لو۔ لیکن اس کیلئے کانچ سوڈے کی بوتلوں کا استعمال ہوتا ہے۔ سیاہ رنگ اس طرح کیا جاتا ہے کہ یا تو کانچ سخت رنگ کا استعمال ہوتا ہے۔ یا کانچ کو جمانے سے پہلے جو گوند لگایا جاتا ہے اس میں بلیک لیڈ ڈال لیا جاتا ہے۔

سیر کرو اور روپیہ کماؤ

آج کل زمانہ بہت ترقی کر گیا ہے۔ اس ترقی یافتہ زمانے میں ہر چیز بذریعہ ایڈورٹائزمنٹ اور بذریعہ ایجنٹ و ایجنسی فروخت ہوتی ہے اور آجکل تجارت صرف ان ہی دو طریقوں پر منحصر ہے۔ کہ وہ زیادہ سے زیادہ ایجنٹ بھرتی کریں اور ایجنٹ اسی صورت میں زیادہ بھرتی ہو سکتے ہیں جب کہ فرم ان کو معقول کمیشن دے۔ اس لئے ہر فرم زیادہ ایجنٹ بھرتی کرنے کے لئے زیادہ سے زیادہ کمیشن دیتی ہے۔

جو بڑی بڑی کمپنیوں کے ایجنٹ ہوتے ہیں وہ معقول رقم کما لیتے ہیں۔ اور دنیا بھر کی سیر کر لیتے ہیں۔ کیونکہ ہر فرم اپنی چیز کی شہرت کے لئے ہر اخبار میں اشتہار دیتی رہتی ہے۔ اور جب ان چیزوں کے بیچنے والا ایجنٹ کسی گاہک کے پاس جاتا ہے۔ تو وہ بغیر تعریف کے ہی چیزیں خرید لیتے ہیں کیونکہ اس کی تعریف وہ اخبارات و رسائل میں پڑھ چکے ہیں۔ اس طرح ایجنٹ ایک ایک جگہ سے کئی کئی آرڈر وصول کر لیتے ہیں۔

ایجنٹ کا کام صرف اتنا ہے کہ وہ کمپنی یا فرم کے مال کے لئے آرڈر وصول کرے۔ مال وغیرہ بھیجنا خود کمپنی کا کام ہے۔ بعض لوگ یہ کہہ دیتے ہیں کہ جو مال بذریعہ ایجنسی فروخت ہوتا ہے وہ دھوکے باز کمپنیوں کا ہوتا ہے۔ ان کا یہ خیال کسی حد تک ٹھیک تھا مگر اب سراسر غلط ہے۔ کیونکہ پہلے پہلے کچھ کمپنیاں اس قسم کی پیدا ہو گئی تھیں۔ مگر وہ ایک جگہ سے صرف ایک ہی آرڈر وصول کر سکے۔ پھر ان کو کوئی آرڈر نہ ملا۔ اس لئے وہ کمپنیاں فیل ہو گئیں اور اپنی مثال پردۂ دنیا پر چھوڑ گئیں۔ تاکہ پھر کوئی ایسی جرأت نہ کرے۔

ان باتوں کا لحاظ رکھتے ہوئے کوئی بھی کمپنی یا فرم اپنے گاہک کو دھوکہ نہیں دے گی۔ آپ کسی دکانداری کی مثال لے لیجئے جو دکاندار ایک دفعہ آپ کو دھوکہ سے کوئی مال دے دیگا۔ کیا آپ اس سے پھر بھی سودا خریدنے کی کوشش کریں گے؟ نہیں! بالکل اسی طرح ان کمپنیوں کا حال ہے۔ اگر کبھی کسی غلطی کی وجہ سے کوئی مال خراب آ بھی جاتا ہے۔ تو وہ اس کو واپس کر لیتی ہیں۔ اور آپ کی قیمت یا دوسرا مال بھیج دیتی ہیں۔

چونکہ آج کل اس نازک دور میں ہمارے بہت سے پڑھے لکھے بھائی بیکار ہیں اور اعلیٰ تعلیم ہونے کی وجہ سے وہ معمولی کام نہیں کر سکتے ان کے لئے میں مشورہ دوں گا کہ وہ اس معزز پیشہ کو اختیار کریں۔ اور معقول آمدنی پیدا کریں۔ کم تنخواہ والے ملازم بھی اپنے فالتو اور بیکار وقت میں اس کام کو کر سکتے ہیں۔ اپنے عزیزوں رشتہ داروں اور پڑوسیوں کو اس کام کا مشورہ دے کر ان کی غربت دور کریں۔

ایجنسی کی مختصر شرائط جو تقریباً ہر کمپنی کی یکساں سی ہوتی ہیں۔

۱۔ ہر کمپنی اپنے ایجنٹ کو کمیشن فی صدی اور سفر خرچ دیتی ہے۔

۲۔ سامان کے نمونے پیسے لے کر نمونے بھیج دیتی ہے اس کے ساتھ ہر قسم کی ایڈورٹائزر کی چیزیں وغیرہ مفت دیتی ہے۔

۳۔ ایجنٹ جس علاقہ میں کام کرتا ہو۔ اس علاقہ کے اخباروں میں ایڈورٹائز

کراتی ہے۔

۴۔ بعض کمپنیاں تنخواہ پر بھی ایجنٹ یا سیلز مین رکھتی ہیں۔ اور معقول تنخواہ دیتی ہیں۔

میں ہر ہندوستانی بیکار اور کم تنخواہ والے ملازم کو یہ صلاح ضرور دوں گا۔ کہ وہ اپنے بیکار اور فالتو وقت میں ایجنسی کا کام ضرور کریں۔ یہ کام ماہوار آمدنی میں اضافہ کرتا ہے اور پھر خوبی یہ ہے کہ جب جی چاہے کام کرو کسی کی پابندی نہیں۔ ایک وقت میں دو تین کمپنیوں کی ایجنسی بھی لے سکتے ہیں۔ باعزت کام ہے۔

جو اصحاب ایجنسی کے کام سے شوق رکھتے ہیں۔ وہ صرف پانچ پیسے کے ٹکٹ بھیج کر مختلف کمپنیوں کے پتے اور ان کی شرائط ایجنسی وغیرہ اس پتہ سے منگا سکتے ہیں۔ ان کمپنیوں کو ایجنٹوں کی ہر وقت ضرورت رہتی ہے۔ پتہ یہ ہے:-

شبیر احمد خاں۔ جنگلی جاہ کوچہ پنڈت دہلی۔

ادبِ لطیف

(از جناب حبیب احمد صاحب زیدپوری)

انتظار

مجھے تیرا ہی انتظار ہے۔ اے دوست! لیکن تو نہ آیا۔ کیا تو بھی دنیا اور دنیا والوں کی طرح بے وفا ہوگیا! تو نے تو زندگی بھر دوستی نباہنے کا عہد و پیمان کیا تھا۔ کیا اس عہد و پیمان کو جب نقش بر آب سمجھے تیرا انتظار اب بھی ہے۔ اے دوست! نہ جانے کتنی دیر تک میں دریا کے کنارے تیرے لئے چشم براہ رہا۔ یہاں تک کہ آفتاب غروب ہوگیا۔ تاریکی چھاگئی اور پھر..... میں اسی تاریکی میں کسی طرف چل کھڑا ہوا۔ رات کا وقت تھا اور ہُو کا عالم کسی طرف سے درندوں کی خوفناک آواز آتی اور دل لرز جاتا، کسی شاخ سے الو کی بھیانک چیخ سنائی دیتی اور کلیجہ دہل جاتا۔ کبھی وہم و گمان سے رونگٹے کھڑے ہوجاتے...... کیا تو جانتا ہے دوست! میں اس وقت کہاں تھا؟ ایک درخت کے نیچے بیٹھا تیرا منتظر تھا۔ کبھی تاروں کو گنتا، کبھی نظروں سے آسمان کی سیر کرتے ہوئے چاند کو تلاش کرتا، لیکن آہ وہ بھی تیری ہی طرح لاپتہ تھا........ یہاں تک کہ مجھے نیند آگئی........ یکایک پرندوں کی خوش الحانیوں سے آنکھ کھل گئی......... شاید صبح ہو رہی تھی۔ آنکھیں ملتا ہوا اٹھ بیٹھا........ ہاں صبح کی سپیدی افق مشرق سے پھیل رہی تھی...... لیکن آہ تو خواب میں بھی نہ آیا اے دوست!......... خیر تو آ، یا نہ آ، لیکن یقین کر، میں اب بھی تیری آمد کا انتظار کر رہا ہوں۔ آہ! تو کیا جانے اے دوست!

کہ پاس دوستی بھی کس قدر دشوار ہوتا ہے

نابینا لڑکا

میرے لئے دن اور رات سب برابر ہیں۔ کیونکہ جس وقت میں جاگتا ہوں وہ میرے لئے دن ہوتا ہے خواہ وہ رات ہی کیوں نہ ہو، اور جس وقت خوابِ خواب رہتا ہوں وہ میرے لئے رات ہے۔ مجھے اس کا احساس ہے کہ اکثر تم آنکھ والے میری اس بے بسی پر آنسو بہاتے ہو اور اس مصیبت کے تصور سے تمہارے رونگٹے بھی ضرور کھڑے ہوجاتے ہوں گے۔ مگر کیا تم نے کبھی اس پر بھی غور کیا ہے کہ میں نے اس نقصان عظیم کو کس قدر صبر و تحمل سے برداشت کر رکھا ہے۔

جب میں لوگوں کو کہتے سنتا ہوں کہ، آنکھیں بڑی نعمت ہیں بلکہ سارے جسم کا بادشاہ ہیں، تو مجھے اپنی آنکھیں نہ ہونے پر رونا آتا ہے اور آنکھ والوں سے پُر زور درخواست کرتا ہوں کہ خدا کے لئے میرے سامنے اس چیز کی خوبیاں بیان نہ کرو، جنہیں میں ہرگز حاصل نہیں کر سکتا کیونکہ اس سے میرے دماغ کا سکون اور دل کی راحت برباد ہوجاتی ہے۔ میں آنکھوں سے محروم ہی لیکن پھر بھی جس وقت گاتا ہوں تو میری ساری مصیبت دور ہوجاتی ہے، اور اس وقت ایسا محسوس کرتا ہوں کہ میں خود ہی بادشاہِ وقت ہوں۔

دل کے ٹکڑے

شعر جو ہیں زبان پہ جاری — اشک جو آنکھ سے ٹپکتے ہیں
کون سمجھے انہیں کہ یہ مسرور — میرے مجروح دل کے ٹکڑے ہیں

[illegible]

نظیر اکبر آبادی

ازنواب [illegible] صاحب
سکریٹری بزم نظیر

محشر خیال کے ماہ نومبر سنہ ۱۹۳۴ء میں میاں نظیر اکبر آبادی کا بھی تذکرہ ہے اس کے متعلق مجھے کچھ عرض کرنا ہے بار خاطر نہ ہو تو غور فرمائیے اور اگر ممکن ہو سکے تو تصحیح فرما دیجئے نہ معلوم آپ نے کہاں سے یہ اخذ کیا ہے کہ میاں نظیر کی پیدائش ۱۱۵۱ھ میں ہوئی ہے اور یہ کہ وہ دہلی میں پیدا ہوئے عرض یہ ہے کہ میں بزم نظیر کا سکریٹری اور عم بزرگوار شفیق مرحوم کا جانشین ہوں جو اس گھرانے کے خلیفہ کہلاتے تھے۔ میرے اور میاں نظیر کی قبر نیز مکانات میں چند قدم کا فاصلہ ہے میرے نانا صاحب نے ان کو اچھی طرح دیکھا ہے اور نواسے نواسیاں یہاں موجود ہیں کچھ گوالیار میں ہیں اور وہ خاص چیزیں وغیرہ ان کے پاس ہیں اور وہ لوگ ہر طرح راضی ہیں۔

میاں نظیر کی پیدائش کا سن ۱۱۵۱ھ اور وفات ۱۲۴۶ھ ہے آپ دراصل عظیم آباد میں پیدا ہوئے تھے آپ کے والد محمد فاروق صاحب وہاں کسی نواب کی مصاحبت میں تھے۔ آگرہ میں نواب سلطان قلعدار کی دختر سے عقد ہوا تھا اس لئے یہ ننہال ہے آپ نے نواب آصف الدولہ اور محمد شاہ کا زمانہ خوب دیکھا تھا اور غدر کے زمانے تک یہ خاندان محلہ موری دروازہ میں آباد رہا۔

گلی ملکہ واقع قصبہ تاج گنج جو تاریخی حیثیت سے نواب بیگم صاحبہ باندہ کی یادگار ہے۔ یہاں آباد ہوئے اور یہیں دفن ہوئے میر تو عمر میں گیارہ سال محترم تھے اور غالب سے چونسٹھ سال کے بزرگ تھے علمی قابلیت عربی اور فارسی کی خوب تھی شعر و سخن کا شور عالم پر چھا گیا اور باپ کے ہی زیر اثر ان ــــ کو حاصل کیا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ غربت میں زندگی بسر کی مگر بڑے منکسر مزاج صوفیانہ لباس، حلیم الطبع ہر مذہب اور ہر ملت سے راہ و رسم جاری رکھنے والے تھے۔ مجھے تعجب ہے کہ آپ کی قلم سے یہ شکایت نکل گئی کہ کلام میں اثر تو بہت ہے لیکن زبان دانی کی سلیقہ مندی ظاہر نہیں ہوتی وغیرہ وغیرہ۔ اس موقعہ پر چند شعر پیش کرتا ہوں انصاف فرمائیے:۔

گل نظیر آیا چمن میں اک عجب رشک چمن
گلرخ و گلگوں قبا و گلعذار و گل بدن
مہر طلعت زہرہ پیکر مشتری رو مہ جبین!
سیمبر سیماب طبع سیم ساق و سیم تن
نازنین ناز آفریں نازک بدن نازک مزاج
غنچہ لب رنگیں ادا شکر دہاں شیریں سخن
تیر قد نشتر نگہ مژگاں سناں ابرو کماں
برق ناز و رزم ساز و نیزہ باز و تیغ زن
بے مروت بے وفا بے درد بے پروا خرام
جنگجو قتال و جم سر فراز و سر شکن
زلف و کاکل خال و خط چاروں کے یہ چاروں غلام
مشک تبت مشک چیں، مشک خطا مشک ختن
دوش سرو دندان و لب چاروں سے یہ چاروں خجل
نسترن برگ سمن در عدن لعل یمن
جلا ایسے ہی خوش وضعوں کے ہوتے ہیں نظیر
بے قرار و دل فگار و خستہ حال و بے وطن

آئندہ اگر آپ کی توجہ ہوئی تو نظیر کا بہترین کلام خدمت میں پیش کرنے کو حاضر ہوں فی الحال یہ اصلاح مدنظر ہے امید کہ آپ ضرور شکریہ کا موقع دیں گے آجکل لکھنؤ یونیورسٹی سے ایک صاحب جو بالکل نو عمر ہیں۔ پہلے شخص ہیں جو نظیر پر ریسرچ فرما رہے ہیں آپ کا نام نامی منشی محمد ریاض الحق ایم اے ہے اور سب کچھ حاصل کر چکے ہیں غالباً یہ پہلا ذخیرہ ہے جو وہاں کی لائبریری میں رکھا جائے گا۔

صرف ڈیڑھ سال کے عرصہ میں جب سے میں نے اس خدمت کو اپنے ذمہ لیا ہے تو میں محسوس کر رہا ہوں کہ شاگرد اور خلیفہ ۹۹ فی صدی ان پڑھ اور جاہل ہیں۔ لیکن پیٹ میں ہزاروں اشعار بھرے ہوئے

ضروری اعلان

محشر خیال بک ڈپو کی بہترین کتابوں کا ذخیرہ

نام کتاب	مصنف	موضوع	قیمت
افسانہ	مجنوں	تنقید	عیہر
ادب اور زندگی	″	″	عہ/
اردو شاعری پر ایک نظر	کلیم الدین احمد ایم اے	″	۱۲/
مقالات ہاشمی	نصیر الدین ہاشمی	″	۱۲/
دیوان غالب مرقع چغتائی	چغتائی	دیوان	عـہ/
اقبال	مرتبہ انجمن ترقی اردو	مضامین	۱/
اقبال	از احمد دین	تنقید	۱۲/
باقیات فانی	فانی بدایونی	دیوان	عیہر
ارباب نثر اردو	سید محمد ایم اے	″	۱/
فکر بلیغ	شاد عظیم آبادی	″	عہر
مغل اور اردو	نصیر حسین خیال	″	۱/
داستان عجم	″	از دفتر شاہنامہ فردوسی	عہ/
نادر ہند	شاد عظیم آبادی	مثنوی	۱۲/
دیوان غالب نقش چغتائی	چغتائی	دیوان	عمہ/
″ تاج ایڈیشن قسم اعلیٰ	مرتبہ تاج کمپنی	″	عـہ/
″ ″ ″ دوم	″	″	صہ/
″ ″ ″ سوم	″	″	عیہر
″ ″ ″ چہارم	″	″	۱۲/
″ طاہر ایڈیشن	آغا محمد طاہر	″	عیہر
″ قسم دوم	″	″	۸/
″ مشرح	وحید الدین بے خود	شرح	۱۲/
″	آغا محمد باقر	″	۱/
″	عبد الباری آسی	″	ے/
″	نظامی بدایونی	″	عہر
بہارستان	ظفر علی خاں	نظم	للعہ/
شاہنامہ اسلام کامل	حفیظ جالندھری	″	لعہ/
سوز و ساز	″	″	۱/
گل نغمہ	عظیم الدین	دیوان	عہر
گفتار بے خود	بیخود دہلوی	″	ے/
در شہوار بے خود	″	″	۱/

نام کتاب	مصنف	موضوع	قیمت
کلیات اکبر	اکبر الہ آبادی	کلیات	للعہ
نغمہ نور	بہزاد لکھنوی	دیوان	عہ/
کیف و سرور	″	″	عہ/
ظہور رحمت	شاد عظیم آبادی	اخلاق نبوی نظم	۸/
نشاط روح	اصغر گونڈوی	دیوان	۱/
حیات اقبال	مرتبہ تاج کمپنی	سوانح	عہ
صحیفہ ادب	طارق بی اے	دیوان غالب پر تنقید	عیہر
شعلہ و شبنم	جوش ملیح آبادی	دیوان	ے/
حرف و حکایت	″	تنقید	عہر
فکر و نشاط	″	″	عیہر
نقش و نگار	″	″	عہر
جنون و حکمت	″	رباعیات	ے/
گلبانگ آزادی	نہال سیوہاروی	″	۸/
خیاباں	محمود حسن اسرائیلی	دیوان	عہ/
تصویر احساس	الطاف مشہدی	″	۱/
نغمۂ حرم	اختر شیرانی	″	عہر
نغمۂ روح	اختر انصاری	″	۱۲/
شکوہ جواب شکوہ قسم خاص	اقبال	″	۶/
بانگ درا	″	″	عہر
انتخاب حسرت	حسرت موہانی	″	۸/
دیوان جان صاحب	جان صاحب	″	عیہر
دیوان رنگین و انشا	رنگین و انشا	″	عہر
گل کدہ	عزیز لکھنوی	″	عیہر
لوائے سرکش	طالب اناوی	″	عہ
متاع درد	ثاقب کانپوری	″	۱/
پیام جاوید	مجازی	″	عہ
انتخاب زریں	راس مسعود	نظم	عہر
آہنگ رزم	وقار انبالوی	″	۸/

محشر خیال بکڈپو اردو بازار ۔ جامع مسجد دہلی

قیمت	موضوع	مصنف	نام کتاب	قیمت	موضوع	مصنف	نام کتاب
عہ/	دیوان	مرتبہ آزاد	دیوان ذوق	عہ۸/	افسانے	ایم اسلم	گلزار حیات
عہ/	ناول	پیری لوی	داستان	عہ/	〃	زبیدہ سلطانہ	لمحات رنگین
عہ۴/	〃	صادق الخیری	دوشیزہ صحرا	۱۲ر	〃	حاجی لق لق	حاجی لق لق کے افسانے
عہ/	〃	اشرف صبوحی	بغداد کا جوہری	عہ/	〃	〃	دوائی
عہ۸/	〃	ل۔ احمد	لالہ رخ	عہ/	〃	قیسی رام پوری	کیفستان
سے۸/	〃	ملا رموزی	عورت ذات	۱۲ر	〃	قاضی عبد الغفار	سیب کا درخت
عہ۴/	〃	〃	لاٹھی اور بھینس	عہ۸/	〃	اوپندر ناتھ اشک	ڈاچی
عہ۸/	〃	〃	شفاخانہ	عہ۸/	〃	ناکارہ حیدرآبادی	صدائی
عہ/	〃	〃	زندگی	عہ/	〃	سندباد جہازی	کیلے کا چھلکا
عہ۸/	〃	پنڈت کرشنا	سہاگ رات	۱۲ر	〃	مرزا ادیب	اندھا دیوتا
عہ/	〃	مولوی عنایت اللہ	تائیس	عہ۸/	〃	〃	مصر نورو کے خطوط
عہ۸/	〃	〃	نجم السحر	عہ/	نظم	حاجی لق لق	لق لقہ
سے/	〃	〃	سلامبو	عہ/	مزاحیہ	شوکت تھانوی	موج تبسم
عہ/	ڈرامہ	〃	ہیملٹ	عہ/	〃	〃	سیلاب تبسم
عہ/	〃	〃	انطونی کلاپطرہ	عہ/	〃	〃	بحر تبسم
۱۲ر	〃	〃	ہیرودیاس	عہ۴/	〃	〃	دنیائے تبسم
عہ/	〃	شاہد احمد	پردیں وتریا	عہ/	〃	〃	منشی جی
عہ/	〃	〃	نرگسی جال	عہ/	〃	〃	سوتیا چاہ
عہ/	〃	فضل حق قریشی	ریڈیو ڈرامے	عہ/	〃	〃	بڑھبس
۳ر	〃	〃	لیڈر	عہ۸/	〃	رشید احمد صدیقی	خنداں
۸ر	〃	〃	تعلیم زدہ بیوی	۴ر	〃	فراق دہلوی	سات ملاقتوں کی کہانیاں
۱۲ر	〃	انصار ناصری	نجمہ نوری	۴ر	〃	ناکارہ	تماشہ پر تماشہ
۸ر	〃	〃	سلمیٰ	۴ر	مزاحیہ دیوان	عباس حسین	گہوارہ تبسم
۸ر	〃	نور آہی	روح سیاست	عہ/	〃 ناول	عظیم بیگ چغتائی	سنز کرڑھلے
عہ۸/	〃	فضل الرحمن	ظاہر و باطن	عہ/	〃	〃	کمزوری
عہ۸/	〃	〃	نئی روشنی	عہ/	〃	〃	کھرپا بہادر
عہ/	〃	〃	حشرات الارض	عہ/	〃	〃	دیکھا جائے گا
۱۲ر	〃	اشتیاق حسین قریشی	معلم اسود	عہ/	〃	〃	کولتار
۴ر	افسانے	سدرشن	چٹکیاں	عہ/	〃	〃	شہزوری
۶ر	〃	〃	کنج عافیت	عہ۸/	ناول	منشی پریم چند	میدان عمل
۴ر	〃	〃	خوش انجام	سے/	〃	〃	گئودان
				عہ۸/	〃	〃	غبن
				عہ۸/	ناول	سلمیٰ تصدق	قلوپطرہ

محشر خیال بک ڈپو۔ اردو بازار۔ جامع مسجد دہلی

نام کتاب	مصنف	موضوع	قیمت
پاربہا	مسز سشن	افسانہ	۴/
افسانۂ لطیف	ل. احمد	”	عا/
لمعات		”	عہ/
فرنگیانیاں	... داس	سیاست سیر سوانح	۱۲/
سوشلزم		”	۸/
ہٹلر کیا چاہتا ہے		”	۱۲/
مسولینی کی آپ بیتی	مسولینی	”	[illegible]
تاریخ مسلم لیگ	... حسین بی۔ اے	”	[illegible]
اسٹالن	شانتی نرائن	”	[illegible]
اسٹالن	تیرتھ رام	”	۱۲/
اسٹالن	گوپال متل	”	۶/
اسٹالن	محمد اشرف	”	۶/
لینن	دھرم دیو	”	۴/
لینن	ڈاکٹر اشرف	”	عہ/
غلامی کا انسداد	... شانی	”	۱۲/
راجا و پرجا	”	”	۱۲/
ہمارے زمانہ کی غلامی	”	”	۶/
ہٹلر اعظم	چندر شیکھر	”	[illegible]
ہم سوراج کیوں چاہتے ہیں	... داس	”	۴/
وفاق ہند	مظہر انصاری	”	عہ/
یورپ کی حکومتیں	ڈاکٹر نجم الدین	”	[illegible]
سلاطین قائدین اسلام	یوسف احمد	”	عہ/
سوئٹ روس	جواہر لال نہرو	”	عہ/
میری کہانی	”	”	عہ/
تلاش حق	گاندھی جی	”	سے/
قوم کی آواز	”	”	عہ/
نپولین بوناپارٹ	دھرم دیو	”	۱۰/
اتاترک	محمد مرزا	”	عا/
مسلمانان ہند کی؟	”	”	
حیات سیاسی	”	”	[illegible]
عہد حاضر کے بڑے لوگ اول	”	”	۸/
” ” ” دوم	”	”	۸/
” ” ” سوم	”	”	۸/

نام کتاب	مصنف	موضوع	قیمت
عہد حاضر کے بڑے لوگ چہارم	محمد مرزا	سیاست سیر سوانح	۸/
دنیا کی کہانی	پروفیسر مجیب	”	[illegible]
گاندھی جیون	ظفر نیازی	”	عہ/
پیغام آزادی	تلک	”	عا/
سرمایہ داری	عبدالملک	”	۶/
تعمیر نو	عبداللہ انور بیگ	”	[illegible]
جنگ آزادی	غلام حیدر	”	[illegible]
مسلمانوں کا ماضی و حال مستقبل	میاں بشیر احمد	”	۴/
راجہ اور کسان	عبداللہ بٹ	”	۶/
سیاست ملیہ	امین زبیری	”	[illegible]
انقلاب فرانس	”	”	۶/
کارل مارکس	”	”	۶/
غدر ۱۸۵۷ء	شیخ حسام الدین	”	عہ/
مسلمانان ہند کی سیاست وطنی	امین زبیری	”	۱۰/
سیاسیات ہند	سرجان	”	عہ/
اصلاحات ہند	”	”	عہ/
مسولینی	خواجہ احمد عباس	”	۵/
محمد علی	”	”	۵/
محمد علی جناح		”	[illegible]
لیگ آف نیشنز	ایم ایچ بھٹی	”	۱۲/
ڈی ویلیرا	تیرتھ رام	”	عہ/
شہید میکسونی	پنڈت اندر	”	۱۲/
انقلاب میں کسانوں کا ہاتھ		”	۸/
گیری بالڈی	لالہ لاجپت رائے	”	عہ/
مکتوبات محمد علی	مولانا محمد علی	”	[illegible]
” ” دوم	”		[illegible]
تقاریر ظفر علی خاں	مولانا ظفر علی خاں	”	۹/
انقلاب عثمان	آغا رفیق	”	[illegible]
تاریخ جمالیات	مجنوں گورکھپوری	”	عا/
قصائد ذوق	مرتبہ شاہ سلیمان	قصائد	[illegible]
فسانہ عجائب	..	-	۱۲/

نام کتاب	مصنف	موضوع	قیمت
اتحاد ملی	مجنوں گورکھپوری	سیاست سیر سوانح	عہ
مسلمانوں کا روشن مستقبل	طفیل احمد	"	۱۲ر
حکومت خود اختیاری	"	"	[illegible]
انقلاب دہلی	نظامی پریس	"	[illegible]
تہذیب عمل		"	عہ
اقبال دلہن	بشیر الدین احمد	اخلاقی ناول	[illegible]
حسن معاشرت	"	"	[illegible]
عصائے پیری	"	"	[illegible]
بچوں سے دو دو باتیں	"	"	[illegible]
فرائض سلاطین	"	فرمان	[illegible]
لقمان اشرف	اشرف جہاں	اخلاقی ناول	[illegible]
ابن الوقت	مولوی نذیر احمد	"	[illegible]
رویائے صادقہ	"	"	[illegible]
محصنات	"	"	[illegible]
ایامیٰ	"	"	[illegible]
مراۃ العروس	"	"	[illegible]
توبۃ النصوح	"	"	[illegible]
بنات النعش	"	"	[illegible]
چند پند	"	نصیحتیں	۸ر
منتخب الحکایات	"	"	۸ر
محبوب خدا	چودھری افضل حق	سیرۃ نبی	[illegible]
مولیٰ	یوسف بخاری	اقوال	۱۲ر
مجنوں کے افسانے	مجنوں گورکھپوری	افسانے	[illegible]
مصری افسانے	سجاد میرٹھی	"	۸ر
خیالستان	سجاد حیدر	"	[illegible]
جمالستان	نیاز فتحپوری	"	[illegible]
نگارستان	"	"	[illegible]
داستان غدر	میر مہدی مجروح	داستان	[illegible]
الف لیلیٰ		"	[illegible]
چہار درویش	میر امن	"	۸ر
حاتم طائی	-	-	۸ر
خطوط شبلی	عطیہ فیضی	خطوط	عہ
خطوط اکبر	خواجہ حسن نظامی	"	[illegible]

نام کتاب	مصنف	موضوع	قیمت
مکاتیب اکبر	خواجہ حسن نظامی	خطوط	عہ
لڑکیوں کی انشاء	راشد الخیری	"	۱۲ر
انشائے بشیر	بشیر الدین احمد	"	[illegible]
زنانہ خطوط	مولانا خاموش	"	۵ر
ٹیپو سلطان	امجد علی	سوانح	۱۲ر
افسانہ پدمنی	مولوی احتشام الدین	تنقید	عہ
مطالعہ حافظ	"	"	[illegible]
افادات سلیم	وحید الدین سلیم	مضامین	[illegible]
نگارشات	آغا محمد باقر	"	[illegible]
گیتان جلی	ٹیگور	نظم	عہ
ڈرامہ اکبر	محمد حسین آزاد	ڈرامہ	[illegible]
نیرنگ خیال	"	مضامین	[illegible]
نازو اور دوسرے افسانے	اختر انصاری	افسانے	[illegible]
باقیات بجنوری	ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری	"	[illegible]
خنداں	پروفیسر رشید احمد صدیقی	"	[illegible]
ہم اور وہ	-	"	۱۲ر
روپ متی	خواجہ شفیع صاحب	"	۱۲ر
ہٹلر کیا چاہتا ہے	-	سیاست	۱۲ر
آئندہ زمانہ	محمد فضل الرحمن	ڈرامہ	عہ
نستے علیکم	ایم۔ اسلم	-	[illegible]
بحر تبسم	شوکت تھانوی	-	[illegible]
لوب اور زندگی	مجنوں گورکھپوری	مضامین کا مجموعہ	[illegible]
اخلاق اور فلسفہ اخلاق	مولوی حفظ الرحمن	-	[illegible]
غلامانِ اسلام	مولانا سعید احمد ایم اے	-	[illegible]
لالہ رخ	-	-	[illegible]
دھرتی ماتا	پرل بک	-	[illegible]
قصائد عزیز	عزیز لکھنوی	قصائد	[illegible]
قصائد ذوق معمولی	ذوق	"	۳ر
گلدستہ محسن کاکوری	محسن کاکوری	نظم	۶ر
شب کی پکار	راحت آرا بیگم	افسانے	۸ر
غنچۂ افسانہ	"	"	۸ر

نام کتاب	مصنف	موضوع	قیمت	نام کتاب	مصنف	موضوع	قیمت
بانسری آواز	راحت آرا بیگم	افسانے	۸ر	غریب کی آہ	ہری کرشن	افسانے	۱۲ر
دنیائے بہتے افسانے	گوپال متل	"	۱۲ر	چاند کا گناہ	مہدی علی خاں	"	۱۲ر
معیار محبت	صباح سنامی	"	عہ	اندھی دنیا	اختر الغفاری	"	عہ
محبت اور نفرت	اصغر حسین رائے پوری	"	۱۲ر	تازہ اور دیگر افسانے	"	"	عہ
سوز ناتمام	عاشق بٹالوی	"	۱۲ر	میری ناتمام محبت	حجاب امتیاز علی	"	۱۲ر
سحر فرامش	طاہرہ قریشی	"	۱۲ر	گناہ و غربت	"	"	۱۲ر
نظارے	کرشن چندر	"	عہ	شرارے	آہ سیتاپوری	"	۱۲ر
طلسم خیال	"	"	۱۲ر	تین پیسے کی چھوکری	قاضی عبد الغفار	"	۱۲ر
واہ و دام	راجندر سنگھ بیدی	"	۱۲ر	لیلیٰ کے خطوط	"	"	۱۲ر
پریم کا جادو	سراج الدین احمد	"	۱۲ر	مجنوں کی ڈائری	"	"	عہ
اشتعلے	حمد علی ایم۔اے	"	عہ	عجیب	"	"	عہ
آتش پارے	سعادت حسین منٹو	"	عہ	الہامی افسانے	مرتضیٰ احمد خاں	"	عہ
روسی افسانے	"	"	عہ	زاد راہ	منشی پریم چند	"	عہ
نظر کے دھوکے	بدر شکیب	"	۱۲ر	آخری تحفہ	"	"	۱۲ر
محشرستان	محشر عابدی	"	۱۲ر	دلدات	"	"	۱۲ر
سات تارے	سات مشہور ادیب	"	۱۲ر	جوش نگر	سلطان حیدر جوش	"	۱۲ر
ایک کہانی	چھ مشہور ادیب	"	۱۶ر	خطوط کی ستم ظریفی	عظیم بیگ چغتائی	"	۸ر
عروس ادب	عباس حسین	"	عہ	چغتائی کے افسانے	"	"	عہ
عورتوں کے افسانے	کوثر چاند پوری	"	۱۲ر	روح لطافت	"	"	۱۲ر
دنیا کی حور	"	"	عہ	گناہ کی راتیں	ایم۔ اسلم	"	عہ
دل گداز افسانے	"	"	عہ	رقاصہ	"	"	عہ
دردناک افسانے	نسیم الوری	"	۱۶	تفسیر حیات	"	"	۱۲ر
ریزۂ مینا	پچاس مشہور ادیب	"	عہ	حسن انجلینا	مولانا عبد الحلیم شرر لکھنوی	ناول	۸ر
اخوان الشیاطین	افضل حسین چشتی	"	۱۲ر	منصور موہنا	"	"	۸ر
موپساں کے افسانے	نصیر حیدر	"	عہ	ملک العزیز ورجینا	"	"	۱۰ر
صدائے جرس	والدہ سراج الدین ظفر	"	۱۲ر	فلورا فلورنڈا	"	"	۱۰ر
پھول اور کلیاں	ٹیگور	"	۱۲ر	فردوس بریں	"	"	۱۴ر
خاموش حسن	"	"	۱۲ر	شاہکار شرر	"	"	عہ
نیلوفر	حسن عزیز جاوید	"	۱۲ر	عصمت انونو	منشی ندیم صہبائی	"	۸ر
ساز فطرت	"	"	۱۲ر	آنچلیا	"	"	۸ر
عورت اور دیگر افسانے	رشید جہاں	"	عہ	ماہ لقائے مجیہ	"	"	۱۲ر
طلسمات	عابد علی عابد	"	عہ				
سیاہ کار	محمد باقر نسیم	"	عہ				

محشر خیال بک ڈپو۔ اردو بازار۔ جامع مسجد دہلی

محشر خیال دہلی

فہرست مضامین

جلد ۱ | بابت ماہ ستمبر سنہ ۱۹۳۱ء | نمبر ۳

چندہ سالانہ ہندوستان، عدن، سیلون سے بذریعہ منی آرڈر دو روپے بارہ آنے
بذریعہ وی۔پی۔ ۲ غیر ممالک سے پانچ شلنگ بذریعہ [illegible]

مقیم الدین فاروقی کی گرفتاری

مقیم الدین فاروقی جنرل سکریٹری آل انڈیا اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے نام سے قارئین محشر خیال ناواقف نہ ہوں گے۔ مقیم الدین میرے چھوٹے بھائی ہیں۔ آپ نے گزشتہ سال دہلی یونیورسٹی سے ایم۔اے کا امتحان پاس کیا تھا اور لا کالج میں داخل ہو گئے تھے۔ زیر نظر راس کے اس حکم کے خلاف جو انہوں نے طلباء کو سیاسیات میں حصہ نہ لینے کے متعلق دیا تھا احتجاج کرنے کے جرم میں سر ماریس گوئر وائس چانسلر دہلی یونیورسٹی نے آپ کو نہ صرف ایم۔اے کی ڈگری ہی سے محروم کر دیا بلکہ لا کالج میں تعلیم جاری رکھنے کی اجازت بھی نہیں دی۔

مقیم الدین اور ان کے عزیزوں اور دوستوں کے لئے سر ماریس گوئر کا یہ فیصلہ غیر متوقع اور تعجب خیز نہیں تھا۔ شہنشاہیت کے نمائندے عوام کے جذبات کو کچلنے اور جمہوریت کا گلا گھونٹنے کے لئے جو کچھ بھی کریں کم ہے۔ بہرحال اس فیصلے نے ایک ترقی پسند نوجوان کو یہ تعلیم حاصل کرنے سے کم از کم دو سال کے لئے محروم کر دیا اور آپ کا تمام وقت اسٹوڈنٹس فیڈریشن کو مقبول اور مضبوط بنانے میں صرف ہونے لگا۔

مقیم الدین اگست کے آخری عشرہ میں بہار اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے جلسوں منعقدہ پٹنہ اور آل انڈیا اسٹوڈنٹس فیڈریشن کونسل کے اجلاس کلکتہ میں شرکت کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ جہاں بنگال کی حکومت نے انہیں ۳ ستمبر کی شام کو ڈیفنس آف انڈیا رولز کے ماتحت گرفتار کر لیا۔ مقیم الدین کی گرفتاری کی اطلاع ہمیں اخبارات سے معلوم ہوئی لیکن ابھی تک یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ انہیں اس ہمہ گیر قانون کی کس دفعہ کے ماتحت گرفتار کیا گیا ہے اور ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا۔

کلکتہ کے اخبارات سے اس قدر ضرور معلوم ہوا ہے کہ مقیم الدین فاروقی کی گرفتاری کسی ایسے الزام کے ماتحت عمل میں لائی گئی ہے جسے بنگالی طالب علم بالکل بے معنی تصور کرتے ہیں۔ چنانچہ مقیم الدین فاروقی کی گرفتاری کے بعد کلکتہ یونیورسٹی کے کالج میں مکمل ہڑتال رہی۔ پھر کلکتہ یونیورسٹی کے سابق گریجویٹ اور زیر تعلیم طلباء نے اور دیگر کالج کے طلباء نے اپنے اپنے جلسوں میں مقیم الدین فاروقی کی گرفتاری پر حکومت کے اقدام کی جو مذمت کی ہے اور حکومت سے ان کی فوری رہائی کا جو مطالبہ کیا ہے اس سے بھی اس خیال کی تصدیق ہوتی ہے۔

میرے برادر بزرگ مولانا عبد الصمد صدیقی ایک سال سے اسی قانون کے ماتحت گجرات جیل میں اپنی قید کی میعاد پوری کر رہے ہیں اب چھوٹے بھائی مقیم الدین فاروقی کو بھی اسی قانون کا شکار بنا لیا گیا ہے۔ یہ واقعات ایک محبت کرنے والے بھائی کے لئے جس قدر دلدوز ہو سکتے ہیں قارئین کے لئے اس کا اندازہ کرنا کچھ دشوار نہیں لیکن میں مطمئن ہوں کہ مجھے ایسے دو بھائیوں کا بھائی ہونے کا فخر حاصل ہے۔ جو حکومت کی سخت گیریوں کے خلاف سچائی کی آواز بلند کر سکتے ہیں اور انہیں قید و بند کی مصیبتیں بھی سیدھی راہ سے نہیں ہٹا سکتیں۔

مقیم الدین فاروقی ہندوستان کے طلباء کی عزت برقرار رکھنے، ان کے مفاد کی حفاظت اور انہیں زندہ قوموں کے نوجوانوں کی صف اول میں کھڑا کرنے کے جرم میں گرفتار کر لئے گئے ہیں اور ہمیں ان سے یہی توقعات بھی تھیں اب یہ ہندوستان کے بہادر طلباء کا کام ہے کہ وہ اپنے محبوب لیڈر کے قدم بقدم چلتے ہیں یا نہیں وہ اس پرچم کو سر بلند رکھ سکتے ہیں جسے سربلند رکھنے کے لئے ان کی مجلس کے جنرل سکریٹری کو گرفتار کیا گیا ہے یا اسے سرنگوں کر کے دنیا کی نظروں میں خود کو حقیر بنا لیتے ہیں۔ لیکن مجھے توقع ہے کہ مقیم الدین کی گرفتاری کے بعد ہندوستان کے طالب علم سیدھی راہ سے منحرف نہ ہوں گے۔ مقیم الدین فاروقی کے ساتھ محبت اور عقیدت کے اظہار کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ آخر وقت تک ان کے بتلائے ہوئے راستہ پر چلتے رہنا۔

عبدالحق فاروقی (ایڈیٹر محشر خیال)

اعتذار

اگست کا محشر خیال نہ پہونچنے پر قارئین کرام کو جس قدر پریشانی ہو سکتی ہے۔ ہم اسے اچھی طرح محسوس کرتے ہیں۔ لیکن اس مرتبہ جو مشکلات پیش آئیں انہوں نے ہمیں اگست کے رسالہ کی اشاعت ملتوی کر دینے پر مجبور کر دیا۔ جنگ کی وجہ سے حکومت نے پٹرول کی طرح کاغذ کی خرید و فروخت پر بھی پابندیاں عائد کر دی ہیں۔ اور بغیر لائسنس حاصل کئے یہ کاغذ نہیں خریدا جا سکتا۔ اسی لئے ہمیں محشر خیال کے لئے کاغذ نہیں مل سکا۔ یہ ایک ایسی مجبوری تھی جس کا ہمارے پاس کوئی علاج نہیں تھا۔ لیکن اگست کی اشاعت کے ملتوی ہونے سے ایک فائدہ یہ ضرور ہوا کہ اب پرچہ ہر مہینہ کے پہلے ہفتہ میں شائع ہو جایا کرے گا۔ جہاں تک خریداروں کا تعلق ہے۔ اس التوا سے انہیں کوئی نقصان نہیں ہوا ان کی میعاد خریداری میں ایک ماہ کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔

منیجر

خیالات

حادثے

ٹیگور اور چغتائی

اگست گذشتہ میں دو ایسے غمناک حادثے پیش آئے جنہیں عرصہ دراز تک فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ یہ حادثے ہیں ٹیگور اور چغتائی کی موت۔ ڈاکٹر رابندرناتھ ٹیگور اور مرزا عظیم بیگ چغتائی کے انتقال نے ہندوستان کے علمی اور ادبی حلقوں کو جو زبردست نقصان پہونچایا ہے۔ اس کی تلافی دشوار ہی نہیں بلکہ ناممکن نظر آتی ہے۔ ٹیگور اور چغتائی کے مفصل حالات اسی اشاعت میں شائع ہو رہے ہیں جن کے مطالعہ سے اس بات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ان لوگوں نے ہندوستانی ادب کی کتنی گرانقدر خدمات انجام دی ہیں۔ ٹیگور دنیا کے سامنے اہل ہند کی ذہنی بلندی کا ایک زندہ ثبوت تھے اور چغتائی نے اردو ادب میں مزاح نویسی کے اعتبار سے ایک نئی راہ پیدا کی تھی۔ ٹیگور نے ۷ اگست کو اس جہانِ فانی کو خیرباد کہا۔ اور چغتائی نے ۲۰ اگست کو۔ ٹیگور کو بین الاقوامی شہرت حاصل تھی اور مرزا عظیم بیگ چغتائی سے محض اردو اور ہندی زبانوں سے دلچسپی رکھنے والے حضرات واقف تھے۔ لیکن اہل ہند کے لئے ان دونوں کا انتقال ایک ہی حیثیت رکھتا ہے۔ اور مخشر خیال ان ہر دو حادثات پر اظہار افسوس کرتا ہے۔

ٹیگور کی یادگار

ڈاکٹر ٹیگور آنجہانی کو ہندوستان کی قومی زندگی میں۔ جو نمایاں حیثیت حاصل تھی۔ اس کے پیش نظر ہمیں یہ سن کر بے حد مسرت ہوئی کہ مسز سروجنی نائیڈو کے زیر صدارت کلکتہ میں منعقدہ ایک اہم جلسہ میں آپ کی یادگار قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا ہے۔ نہ صرف اسی قدر بلکہ ایک ایسی مجلس بھی قائم ہو گئی ہے۔ جو آنجہانی ٹیگور کی یادگار وسوا بھارتی کی مالی امداد کے لئے ہندوستان کے طول و عرض میں چندہ فراہم کرنے کے علاوہ ہندوستانی والیانِ ریاست کو اس بین الاقوامی تربیت گاہ ... کا سرپرست بھی بنانے کا کام انجام دے گی۔ وسوا بھارتی ڈاکٹر ٹیگور کی زندہ یادگار ہے۔ اور اسے ترقی دینا ہر ہندوستانی کا اولین فرض ہے۔ ... اس کی سرپرستی کے لئے ہندوستانی والیانِ ریاست کو ... دینے کا تعلق ہے۔ ہم اس فیصلہ سے اتفاق نہیں کرسکتے۔ آنجہانی ڈاکٹر ٹیگور زندگی بھر جن خیالات کے علمبردار رہے تھے اور انہوں نے وسوا بھارتی کو جن اصول و عقائد کی بنیاد پر قائم کیا تھا ہندوستانی والیانِ ریاست کسی حال میں بھی ان سے متفق الرائے نہیں ہو سکتے۔ اور انہیں اس ادارہ کی سرپرستی کے لئے دعوت دینا ڈاکٹر ٹیگور کے بنیادی خیالات سے کھلا ہوا انحراف ہے۔

فانی بدایونی

مذکورہ بالا سطور کی سیاہی ابھی خشک بھی نہ ہونے پائی تھی کہ حیدرآباد سے حضرت فانی بدایونی کے انتقال کی اطلاع موصول ہو گئی۔ مرحوم کا نام شوکت حسین تھا اور آپ اردو زبان کے نامور شعراء میں شمار کئے جاتے تھے آپ کا کلام عوام و خواص میں یکساں مقبول تھا اور ہر درجے کے ادبی اور علمی حلقوں میں اسے قدر و عزت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ فانی کا انتقال ہندوستان کے ادبی حلقوں کے لئے ایک نقصان عظیم ہے۔ مخشر خیال اس حادثہ پر مرحوم کے متعلقین کے ساتھ اظہار ہمدردی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں صبر عطا فرمائے اور مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ دے۔

جمہوریتوں کا اعلان

یورپ کی گذشتہ دو سالہ جنگ اور روس اور جرمنی کی موجودہ آویزش نے دنیا میں سیاسی، معاشرتی اور اقتصادی انقلاب کو یقینی اور لازمی بنا دیا ہے۔ آزاد اور سمجھدار قومیں اسے اچھی طرح سمجھتی ہیں اور اپنے اپنے فائدہ یا نقصان کے اعتبار سے اسے برپا کرنے یا روک دینے کی کوششیں کر رہی ہیں۔ روس اور جرمنی کی آویزش نے لڑائی کو اس منزل پر پہونچا دیا ہے۔ جس کے بعد انسان کو ایک ہی راستہ پر چلنا پڑے گا۔ لیکن وہ راستہ فسطائیت کا راستہ ہوگا یا حقیقی جمہوریت یعنی اشتراکیت کا؟ اس ... کا جواب فی الحال نہیں دیا جا سکتا۔ دنیا کے جمہوریت پسند ممالک! یعنی ... اور امریکہ حالات کی رفتار کو ہمارے مقابلہ میں بہتر طریقہ پر سمجھتے ہیں۔ اسی لئے انہوں نے اگست میں مشترکہ طور پر ایک اہم اعلان شائع کیا ہے جو آٹھ دفعات پر مشتمل ہے۔ اور جس میں دنیا کو اس بات کا یقین دلایا گیا ہے کہ اگر اس خوفناک جنگ کا نتیجہ فسطائیت کے زوال کی صورت میں برآمد ہوا

تو جہاں تک برطانیہ اور امریکہ کا تعلق ہے۔

وہ کسی طرح بھی توسیع حکومت کی حکمت عملی اختیار نہ کریں گی۔

کسی ملک کے باشندوں کی خواہش کے خلاف اس ملک کی حدود میں تغیر و تبدل نہ کیا جائے گا۔

ہر ملک کو اپنا آئندہ نظام حکومت منتخب کرنے کا حق حاصل ہوگا اور جنگ کے دوران میں جن اقوام کی آزادی سلب کر لی جا چکی ہے انہیں پھر آزاد کر دیا جائے گا۔

دنیا کی ہر قوم کو خواہ وہ چھوٹی ہو یا بڑی فاتح ہو یا مفتوح کامل تجارتی آزادی حاصل ہوگی اور ہر ملک اپنی ضروریات کے ماتحت کچا مال حاصل کرنے میں قطعاً آزاد ہوگا۔

مزدوروں کی بہتری اقتصادی ترقی اور معاشرتی فلاح و بہبود کے پیش نظر دنیا کی تمام قوموں کے درمیان اتحاد عمل قائم کیا جائے گا۔

نازی مظالم کے خاتمہ کے بعد جو امن قائم ہوگا اس کے ماتحت ہر قوم دوسری اقوام کے حملوں کے خطرہ سے بے نیاز ہو کر اپنی حدود میں امن اور خوش حالی کی زندگی بسر کر سکیگی۔

بحری راستے آزاد ہوں گے۔ اور

مستقل امن قائم رکھنے کے لئے یہ ضروری ہوگا کہ اقوام عالم ہر قسم کے تشدد سے دست کش ہو جائیں۔ اسلحہ بندی اور اسلحہ سازی ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے اور اقوام و ممالک کی خود مختاری قائم رکھنے کے لئے مشترکہ ضمانت کا طریقہ رائج کیا جائے۔

مدعیان جمہوریت پسندی کا یہ اعلان اس عہد کی ایک اہم دستاویز ہے لیکن یہ دستاویز "میگنا کارٹا" ثابت ہوگی یا "ورسائے کا معاہدہ"؟ اس سوال کا صحیح جواب مستقبل ہی دے سکے گا۔ برطانیہ کے نائب وزیر اعظم مسٹر اٹیلی نے اس اعلان کی تشریح کرتے ہوئے یہ بھی یقین دلایا ہے کہ یہ اعلان ہر قوم پر اثر انداز ہوگا اور اسے رنگ و نسل کے امتیاز سے بالاتر رکھا جائے گا لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب برطانوی حکومت اپنی توسیع پسندانہ حکمت عملی کو ترک کر دینے کا فیصلہ کر چکی ہے۔ تو ہندوستان کے سلسلہ میں اس پر فوراً عمل پیرا ہونے کی راہ میں کیا مشکلات حائل ہیں؟ انڈین نیشنل کانگریس کا مطالبہ بھی تو یہی ہے۔ برطانوی حکومت اگر حقیقی معنی میں مذکورہ بالا اعلان کی حامی ہے تو اسے فوراً ہندوستان کی کامل خود مختاری کا اعلان کر کے اپنی نیک نیتی کا ثبوت بہم پہنچانا چاہیے۔ ورنہ دنیا یہ سمجھنے پر مجبور ہے کہ یہ اعلان [illegible] صلح کی ایک چال ہے [illegible]

سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔

جنگ

لڑائی کے بارہ ہفتے

دنیا کے مستقبل کے سلسلے میں روس اور جرمنی کے درمیان گذشتہ بارہ ہفتوں سے جو فیصلہ کن اور ہولناک معرکہ برپا ہے اس کی شدت میں ہنوز کوئی کمی نہیں ہوئی۔ اور نازی فوجوں نے اشتراکی روس پر جو تیسرا حملہ کیا تھا اس میں انہیں کسی قدر کامیابی بھی حاصل ہوئی ہے۔ لیکن متعدد مقامات سے سرخ افواج کی پسپائی کے باوجود اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ فتح روس ہی کو حاصل ہوگی اور اشتراکی روس کے خلاف نازی یورپ کا یہ حملہ نازیت کے دائمی زوال پر منتج ہوگا۔ قارئین شاید یہ سوال کریں کہ ایسی حالت میں جب کہ نازی فوجیں اشتراکی روس کے متعدد مقامات پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہو چکی ہیں اور بعض دوسرے اہم علاقوں اور شہروں پر نازیوں کے قبضہ کر لینے کا اندیشہ ہے یہ کہنا کہ "فتح اشتراکی روس ہی کو حاصل ہوگی" کہاں تک درست ہو سکتا ہے؟ لیکن اگر جنگ کی رفتار فریقین جنگ کی فوجی، اخلاقی اور طرز جنگ کا بغور مطالعہ کیا جائے تو ہمیں یقین ہے کہ ہر شخص یہی نتیجہ اخذ کرنے پر مجبور ہوگا۔ آیئے ہم اس جنگ کے حالات پر ایک سرسری تبصرہ کریں۔

نازی حملہ کے مقاصد

اشتراکی روس پر نازی حملہ کا مقصد کیا تھا؟ برطانیہ کے خلاف جنگ جاری رکھنے کے لئے یوکرین کے زرخیز خطہ پر متصرف ہو کر غلہ حاصل کرنا روس کے تیل کے چشموں پر قابض ہو کر تیل کی اس کمی کو پورا کرنا جو دو سالہ جنگ کی وجہ سے پیدا ہو گئی ہے۔ روس کی معدنیات سے مستفید ہونا۔ اور سب کے بعد سرمایہ داری کے دشمن اشتراکی روس پر غالب آ کر سرمایہ داری کی بدترین مظہر نازیت کو ایک طویل مدت کے لئے انقلاب اور زوال کے خطرہ سے محفوظ کر لینا۔ ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے محض دس ہفتوں کی میعاد مقرر کی گئی تھی لیکن کیا نازی یورپ اپنے مقاصد کے حصول میں کامیاب ہو گیا اور کیا نازی اقتدار اعلیٰ کی مقرر کردہ مدت میں جرمنی اور اس کے حلیف روس کو مغلوب کر سکے؟ ان سوالات کا جواب ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ جرمنی اپنے مقاصد اور ارادوں میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ نازی فوجیں یوکرین کی سرزمین میں داخل ہو چکی ہیں لیکن انہیں اس زرخیز خطہ میں داخل ہونے کے بعد کیا حاصل ہوا؟ لہلہاتے ہوئے کھیتوں کی بجائے بھڑکتے ہوئے شعلے خوشنما عمارتوں کی جگہ کھنڈر اور سامان جنگ تیار کرنے والے [illegible]

[illegible] کی جگہ ماسکو اور ہلسنکی کو دے دیا ہے لیکن ان برباد شدہ شہروں اور دیہات میں بھی امن و سکون حاصل نہیں ہوا۔ سرخ فوج کے [illegible] لیکن شہروں اور دیہات کے باشندوں نے ان پر زندگی تنگ کر رکھی ہے انہوں نے قدم قدم پر غاصب حملہ آوروں کا مقابلہ کیا اور اب گوریلا طرز [illegible] نے نازی افواج کے عقب میں انہیں شدید نقصان پہونچایا ہے

طاقت کا مقابلہ

گذشتہ دو سال میں جرمن فوجوں نے سارے یورپ کو تسخیر کر کے اپنے غیر مفتوح ہونے کی چوندھیا دینے والی جھلک دکھلادی تھی۔ اشتراکی روس پر حملہ کے بعد اس کی حقیقت واضح ہوگئی اور دنیا اس بات کو اچھی طرح سمجھنے لگی کہ یورپ کے دوسرے ملکوں پر جرمن حملوں میں کامیابی اس بات پر مبنی نہیں تھی کہ جرمن فوجیں "ناقابل تسخیر" ہیں بلکہ اول تو جرمنی کے مقابلہ میں ان ملکوں کی فوجی طاقت کم تھی دوسرے انہیں جرمن سازشوں کے جال بچھے ہوئے تھے اور چونکہ اشتراکی روس میں یہ دونوں باتیں موجود نہیں اس لئے اس ملک پر حملہ کے بعد جرمن فوجیں اپنی سابقہ شہرت کو قائم رکھنے میں کامیاب نہ ہوسکیں۔ اشتراکی روس کی بری فوجیں جس بے جگری کے ساتھ نازی یورپ کی فوجوں کا مقابلہ کر رہی ہیں اسے ان کے دشمن بھی تسلیم کرتے ہیں۔ جرمنی کی ہوائی طاقت دنیا کے لئے ایک مستقل خطرہ کی حیثیت رکھتی تھی لیکن پچھلے بارہ ہفتوں کے ہوائی مقابلوں نے ثابت کر دیا کہ یہ خطرہ اگر بالکل واہمہ نہیں تو کم از کم ناقابل مدافعت بھی نہیں۔ روسی طیاروں نے جرمن ہوائی قوت پر اپنی فوقیت ثابت کر دی اور آج وہ آمد و رفت میں کم و بیش دو ہزار میل کا فاصلہ طے کر کے برلن پر حملے کر رہے ہیں۔ صرف اسی قدر نہیں بلکہ جرمنی اور اس کے حلیفوں کے دوسرے فوجی اور صنعتی شہر بھی ان کے حملوں سے محفوظ نہیں رہ سکے۔ اور سرخ بحری بیڑہ آج بھی بحر بالٹک اور بحر اسود میں اپنی فوقیت اور برتری کے پرچم لہرا رہا ہے اور نازی یورپ کا مشترکہ بحری بیڑہ بھی اسے دعوت مقابلہ دینے کی جرأت نہیں کر سکا۔ یہاں اس بات کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ صنعتی اعتبار سے بھی اشتراکی روس جرمنی کے مقابلہ میں کمتر ثابت نہیں ہوا۔ جرمنی بے شمار روسی توپوں، ٹینکوں، مسلح موٹروں، لاریوں اور طیاروں کی تباہی اور ان پر قبضہ کر لینے کے اعلانات کرتا رہا ہے۔ لیکن کیا یہ حیرت کی بات نہیں کہ [illegible] اور ناقابل قیاس نقصانات کے بعد بھی روسیوں کے سامان جنگ کی کمی کے متعلق کوئی اطلاع موصول نہیں ہوئی۔ اس سے دو ہی نتیجے اخذ ہوسکتے ہیں ایک یہ کہ جرمنی کے یہ اعلانات خلاف واقعہ اور باطل ہیں اور دوسرا یہ کہ اگر انہیں درست تسلیم کر لیا جائے تو اشتراکی صنعت [illegible] کے باوجود جنگی ضرورتوں کو

کامیابی کے ساتھ پورا کر سکتی ہے۔ اور دونوں نتائج سے اشتراکی روس کی برتری ثابت ہوتی ہے۔

مشکلات اور نقصانات

نازی فوجیں روس کی سرزمین میں جس قدر آگے بڑھتی جارہی ہیں اسی قدر ان کی مشکلات میں بھی اضافہ ہو رہا ہے۔ دنیا کی کوئی بہترین فوج بھی اس وقت تک فتح و نصرت حاصل نہیں کر سکتی جب تک اسے امداد خورد و نوش کا سامان اور لڑائی میں کام آنے والی چیزیں پہونچتے رہنے کے ذرائع محفوظ نہ ہوں۔ موجودہ زمانہ میں یہ ذرائع جس قدر وسیع اور آسان ہوگئے ہیں اسی قدر غیر محفوظ بھی ہیں اور جرمن فوجوں کے عقب میں روسی شہری ان کے ذرائع رسل و رسائل جس طرح نقصان پہونچاتے ہیں ان کا حال ایک جرمن سپاہی کے اس خط سے معلوم ہوتا ہے جو اس نے اپنے ایک عزیز کو لکھا تھا اور جو کسی نہ کسی طرح سنسر کی نظر سے بچ کر مکتوب الیہ تک پہونچ گیا تھا۔ اس خط میں یہ جرمن سپاہی لکھتا ہے کہ

> ہم نیند اور پانی کے لئے ترستے ہیں۔ ہمیں ایک لمحہ کے لئے بھی آرام نصیب نہیں ہوتا۔ اور ہمیشہ روسی گوریلا دستوں کے حملوں کا اندیشہ لگا رہتا ہے۔

فوجی مبصرین کا خیال ہے کہ جرمنی اس میدان میں اپنی نوے فی صدی فوج لا چکا ہے اور اس وقت تک کم و بیش پچیس لاکھ جرمن سپاہی روسیوں کے ہاتھوں سے مارے گئے یا ان کی قید میں ہیں۔ بلاشبہ روسیوں کو بھی اس لڑائی میں زبردست نقصانات برداشت کرنے پڑے اور جیسا کہ روس کے سفیر مقیم لندن موسیو میاسکی نے ایک تازہ بیان میں کہا ہے۔ اسے

> نازی جرمنی کو شکست دینے کے لئے اور بھی قربانیاں کرنا پڑیں گی

لیکن ان تمام نقصانات کے باوجود روسی سپاہی ٹھنڈے دل کی طرح اپنے ملک کی حفاظت اور دنیا کو نازی خطرہ سے نجات دلانے کے لئے میدان جنگ میں آرہے ہیں۔ اور ہر نقصان انہیں فسطائیت کا پہلے سے زیادہ دشمن بناتا اور ان کے عزم مدافعت میں اضافہ کرتا جارہا ہے۔

لڑائی کی خصوصیات

ان تمام باتوں کے بعد ہمیں اس لڑائی کی خصوصیات پر بھی غور کرنا چاہئے۔ دنیا کی بڑی سے بڑی لڑائیوں کی تاریخ ہمارے سامنے ہے لیکن انفرادی جرأت و دلیری کے چند واقعات کے علاوہ دنیا کی ضخیم تاریخ میں اس قسم کا ایک واقعہ بھی نہیں ملتا۔ جو سرخ فوج کی ہمت و جرأت اور عزم و استقلال کے مقابلہ میں پیش کیا جاسکے۔ دشمن کی بے رحم اور بے پناہ فوجوں کے درمیان محصور ہو جانے کے [illegible] بہادر سپاہی [illegible]

قبول کر لیتے ہیں لیکن یہ فخر صرف سرخ فوج کے سپاہیوں ہی کو حاصل ہے کہ انہوں نے کسی ایک مقام پر بھی دشمن کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالے اور دشمن کی اطاعت پر موت کو ترجیح دی۔ اس لڑائی کی دوسری خصوصیت ہے۔ عوام کا مدافعتی جذبہ۔ غیر فوجی شہری ہمیشہ فاتح کی اطاعت قبول کر لیا کرتے اور ہر ممکن طریقہ پر جنگ کی تباہ کاریوں سے بچنے کی کوشش کیا کرتے ہیں لیکن روسی شہریوں کا حال بالکل مختلف ہے۔ سرخ فوج سے کہیں زیادہ روسی شہری دشمن کی مدافعت پر تلے ہوئے ہیں اور اوڈیسہ اور لینن گراڈ کے متعلق آمدہ اطلاعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر نازی جرمن ان شہروں میں داخل ہونے میں کامیاب بھی ہو گئیں تو انہیں بے اندازہ نقصان برداشت کرنا پڑے گا اور قدم قدم پر ان کا مقابلہ کیا جائے گا۔

عوام کی لڑائی

اس لڑائی میں یہ خصوصیات کیوں پیدا ہو گئی ہیں۔ یورپ کے دوسرے ملکوں میں جرمنی کو ان بے پناہ مشکلات کا سامنا کیوں نہیں کرنا پڑا اور دوسرے ملکوں کے عوام نے غاصب حملہ آوروں کے مقابلہ اسی بے جگری کے ساتھ کیوں نہیں کیا جس طرح روسی عوام کر رہے ہیں؟ ان سوالوں کا جواب صاف ہے۔ یورپ کے دوسرے ملکوں میں یا تو سرمایہ داروں اور شہنشاہیت پسندوں کی حکومت تھی یا ان نام نہاد جمہوریت پسندوں کی جو جمہوریت کا لبادہ پہن کر عوام کو دھوکہ دے رہے تھے۔ سرمایہ دارانہ تہذیب کے ماتحت عوام میں خود اعتمادی اور دلیری پیدا نہیں ہوتی۔ صرف برسر اقتدار طبقے ہی اپنے مفاد کے تحفظ کے لئے صلح یا جنگ کی راہیں اختیار کرتے ہیں اور عوام کو ان کے عروج و زوال سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ اسی لئے جب جرمنی نے یورپ کے دوسرے ملکوں پر حملہ کیا تو وہاں کے عوام نے خود کو جنگ کی تباہ کاریوں سے محفوظ رکھنے کے لئے "آقا" کی تبدیلی کو برداشت کر لیا۔ لیکن اشتراکی روس کی ترقی معدودے چند سرمایہ داروں کی رہین منت نہیں۔ بلکہ عوام کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ اشتراکی روس کا ذرہ ذرہ عوام کی ملکیت ہے۔ اس کے ایک ایک چپہ پر عوام کی صبر آزما کے نقوش کندہ ہیں انہوں نے چوتھائی صدی کی مسلسل جدوجہد سے ایک نئی تہذیب اور تمدن کی تعمیر کی ہے۔ اور اس کے زوال میں انکا زوال مضمر ہے۔ وہ اس حقیقت کو سمجھتے ہیں اور اسی لئے وہ اسے اسٹالن کیلنن، مولوتوف وارا شلوف یا سرخ فوج کی لڑائی نہیں سمجھتے۔ بلکہ اپنی لڑائی سمجھتے ہیں اور اسی لئے اسے فتح کرنے کے واسطے ہر قسم کی قربانیاں کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔

دوست اور دشمن

[illegible] میں ایک امر بات قابل غور ہے سارا یورپ آج اشتراکیت کے خلاف صف بستہ ہے لیکن اس یورپ کا کوئی ملک ایسا نہیں جہاں اشتراکیت کے ہمدرد موجود نہ ہوں اور جہاں کی حکومت کو اندرونی انقلاب کا خطرہ لاحق نہ ہو۔ فرانس، پولینڈ، چیکوسلاواکیہ، فن لینڈ، رومانیہ، بلغاریہ اور خود جرمنی سے مقامی اشتراکیت پسندوں کے سلسلہ میں جو خبریں وقتاً فوقتاً موصول ہوتی رہتی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یورپ کے عوام اس خونریزی سے کتنے متنفر ہیں اور موقع ملتے ہی وہ نازیت کے زوال میں کس طرح مدد دیں گے۔

لیکن کیا روس کے عوام بھی اس ہولناک جنگ سے ایسے ہی متنفر ہیں جیسے کہ یورپ کے دوسرے ملکوں کے عوام؟ نہیں! جس طرح روسی عوام نازیت کے مقابلہ کو اپنا اہم ترین فریضہ تصور کرتے ہیں اسی طرح یورپ کے دوسرے ملکوں کے عوام بھی ان کی اس جدوجہد کو ضروری اور مبارک سمجھتے ہیں۔ یورپ ہی کے نہیں بلکہ دنیا بھر کے سرمایہ دار اشتراکی روس کے دشمن ضرور ہیں لیکن اس کے دوستوں کی تعداد دشمنوں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ ہے۔ البتہ دشمن برسر اقتدار ہیں ان کے ہاتھ میں حکومت کی بے پناہ طاقت ہے اور وہ اسے اپنے ناپاک عزائم کی تکمیل کے لئے استعمال کر سکتے ہیں۔ دوست کمزور ہیں اور موقعہ کے منتظر۔ دنیا کا اقتصادی، سیاسی اور تجارتی نظام عوام ہی کے ساتھ وابستہ ہے اور کوئی حکومت نہ تو بہت زیادہ عرصہ تک ان کے جذبات سے بے توجہی اختیار کر سکتی ہے۔ اور نہ ان کی امداد و اعانت کے بغیر قائم رہ سکتی ہے۔ یورپ کے عوام کو جس وقت بھی موقعہ ملا وہ نازیت کو فنا کر دینے کے لئے بڑی سے بڑی قربانیاں کرنے کے لئے میدان میں نکل آئیں گے

خلاصہ

جرمنی نے روس پر حملہ کرتے ہوئے جن مقاصد اور ارادوں کو سامنے رکھا تھا وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ فوجی قوت کے کسی شعبہ میں اشتراکی روس جرمنی سے کمتر ثابت نہیں ہوا۔ جرمن افواج کی قوت روز بروز کم ہوتی جا رہی ہے۔ اور ان عظیم نقصانات کو پورا کرنے کے لئے نہ صرف دوسرے محاذوں ہی پر متعینہ جرمن فوجوں کو مشرقی محاذ پر بلایا جا رہا ہے۔ بلکہ یورپ کی دوسری نازیت نواز حکومتوں کو مزید فوجیں بھیجنے پر مجبور کیا جا رہا ہے۔ جرمنی کی ابتدائی کامیابیوں کا سرخ فوج کے فوجی اخلاق جذبۂ مدافعت اور عزم و استقلال پر کوئی اثر نہیں پڑا اور آج بارہ ہفتے گذر جانے کے بعد بھی وہ نہایت ہمت و جرات کے ساتھ نازی فوجوں کا مقابلہ کر رہی ہے۔ اشتراکی قوت کے روح رواں عوام نہ صرف اپنی حکومت اور فوج [illegible]

[illegible] کے ایک ایک [illegible]

[illegible] میں [illegible] کے ہر ملک میں بے شمار ایسے [illegible] موجود ہیں جو اشتراکی [illegible] اس [illegible] کو نازیت کے غلبہ سے محفوظ رکھنے کے لئے بڑی سے بڑی قربانیاں کرنے کو باعث فخر سمجھتے ہیں۔ ان حالات کی موجودگی میں کیا اشتراکی روس پر نازیت کا غلبہ ممکن ہے؟ تاریخ اس حقیقت پر گواہ ہے کہ جس قوم نے ہمت، جرات، استقلال اور تنظیم و یک جہتی کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کیا وہ ہمیشہ غیر مفتوح اور مظفر و منصور رہی۔ پھر اشتراکی روس کے معاملہ میں یہ حقیقت بدل نہیں سکتی۔ اور محض اس لئے اشتراکی روس کو مغلوب نہیں کیا جا سکتا کہ نازیت اسے مغلوب کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ تاریخ اپنے عمل اور اوراق کو بدل نہیں سکتی۔ اور اشتراکی روس کی فتح ایک ایسی حقیقت ہے جو مستقبل قریب میں واضح ہو کر رہے گی۔

اہل ہند اور جنگ

اس سلسلہ میں یہ کہہ دینا بھی نامناسب نہ ہوگا کہ روس اور جرمنی کی لڑائی کے متعلق اہل ہند کے خیالات صاف نہیں۔ خیالات کا یہ انتشار عوام ہی تک محدود نہیں بلکہ خواص بھی اس کا شکار ہو رہے ہیں۔ اس دماغی انتشار کے بہت سے اسباب ہیں جن میں سب سے پہلا سبب تعلیم کی کمی اور مطالعہ سے بے توجہی کے باعث اشتراکیت اور اشتراکی روس کے صحیح حالات سے عدم واقفیت ہے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ گذشتہ بیس سال کے عرصہ میں ہمیں اس ملک کے متعلق جس قدر معلومات بہم پہونچائی گئیں وہ اس درجہ نفرت انگیز اور شرمناک تھیں کہ آج ہمارا ذہن و دماغ انکے خلاف کسی بات کو برداشت اور تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں۔ ہندوستان ایک نیم نوآبادیاتی ملک کی حیثیت رکھتا ہے اور کسی نیم نوآبادیاتی ملک کا سیاسی نظریہ واضح نہیں ہوتا ایک طرف تو اس پر غیر ملکی اثر ہوتا ہے۔ اور دوسری طرف اس کے باشندوں میں سیاسی اور سماجی بیداری موجود ہوتی ہے اور ان دو مختلف طاقتوں کے ملنے اور ٹکرانے سے اس ملک کی سیاست معجون مرکب بن کر رہ جاتی ہے۔ اور سب کے بعد ہندوستان ایک مذہب پسند ملک ہے اور اس کے باشندے خواہ ہندو ہوں یا مسلمان کسی ایسے ملک کی کامیابی کے خواہشمند نہیں ہو سکتے جس کے متعلق انہیں دشمنِ مذہب ہونے کا یقین دلایا جا چکا ہو۔ ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے ان اسباب میں ایک سبب کا اور بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ زار پسند روس ترکی کے ساتھ ہمیشہ برسر پیکار رہا ہے اس لئے ہندوستان کے مسلمان روس کا نام سنتے ہی اسے اسلام کا سب سے بڑا دشمن تصور کر کے اس کی شکست کیلئے دست بدعا ہو جاتے ہیں لیکن انہیں معلوم ہونا چاہئے کہ زار کے ساتھ زاریت کی تمام لعنتیں [illegible] ہو چکی ہیں۔ اشتراکی روس نہ تو اسلام کا دشمن ہے اور

دہریت کا اس کے مذہب میں کسی قوم کو غلام بنانا بدترین گناہ ہے۔ اشتراکیت کسی کے مذہب سے کوئی تعرض نہیں کرتی اور دنیا کی ہر قوم کو حقیقی جمہوریت کے قیام کی دعوت دیتی ہے۔ یورپ میں گذشتہ دو سال سے جو لڑائی جاری تھی اس میں جرمنی کو کامیابی حاصل ہوتی یا برطانیہ کو ہندوستان ہی نہیں بلکہ مشرق و مغرب کی کسی محکوم و مظلوم قوم کو اس سے کوئی فائدہ نہیں پہونچ سکتا تھا ہاں، آقا ضرور بدل جاتے لیکن اشتراکی روس کی فتح ہر غلام قوم کی زنجیروں کو کاٹ دے گی، روس کی فتح آزادی کی فتح ہے جمہوریت کی فتح ہے اور دنیا کے طول و عرض میں ایک ایسے نظام کے قیام کی مستقل ضمانت جس کے ماتحت ہر قوم امن و سکون اور خوش فارغ البالی کی زندگی بسر کر سکے گی۔ روس اور جرمنی کی آویزش پر غور کرتے ہوئے ہمیں ان حقیقتوں کو نظر انداز نہیں کر دینا چاہئے۔

اسلامی ممالک

ایران کا مسئلہ

ایران میں برطانوی اور روسی فوجیں داخل ہو چکی ہیں۔ اور آج ایشیا کے اس آزاد اسلامی ملک پر دو یورپی قوموں کا قبضہ ہے۔ ایران میں برطانوی افواج کے داخلہ کے موقع پر ایرانی اور برطانوی افواج کے مابین جو خفیف سی آویزش ہوئی۔ اور اس میں ایران کے بہادر فرزندوں کو جو نقصان پہونچا وہ قابل صد ہزار افسوس ہے لیکن جہاں تک بین الاقوامی حالات کی پیچیدگیوں اور دنیا کے مستقبل کا تعلق ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اس واقعہ کا پیش آنا ناگزیر تھا اور اس کنہ برائی کو قبول کر کے ایران کے ارباب بست و کشاد نے جس دور اندیشی اور تدبر کا ثبوت دیا اس کی بدولت ایران مستقل میدان جنگ بن جانے سے محفوظ ہو گیا۔ یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ ایران میں جرمن بہ تعداد کثیر موجود تھے اور روس اور جرمنی کے درمیان آغاز جنگ کے بعد سے اس ملک میں ان کی تعداد بڑھتی ہی جا رہی تھی اور حالات اس درجہ پیچیدہ ہو گئے تھے کہ اشتراکی روس اور برطانوی حکومتوں کے بار بار توجہ دلانے کے باوجود ایران کی سابقہ وزارت کے اراکین انہیں ایران سے خارج کر دینے پر تیار نہ ہوئے۔ لیکن ایران میں جرمنوں کی موجودگی سے روس اور برطانیہ اس درجہ مضطرب کیوں تھے کہ انہیں اس خطرہ کو مسدود کرنے کے لئے ایران پر قبضہ کر لینا پڑا؟ بظاہر یہ حرکت تعجب خیز اور نفرت انگیز معلوم ہوتی ہے۔ لیکن اگر مشرق وسطی کے نقشہ کو سامنے رکھ کر غور کیا جائے تو خطرہ کی اہمیت کو سمجھ لینا دشوار نہیں رہتا۔

ایران کی اہمیت

ایران کے شمال میں روسی ترکستان بحر کیسپین [illegible] ایشیا

جنوب میں بحیرۂ عرب اور خلیج فارس مشرق میں افغانستان اور بلوچستان اور مغرب میں ترکی، عراق اور خلیج فارس کے شمالی حصے سے گھرا ہوا ہے۔ اور ماوراء کاکیشیا کے مطرب میں بحر اسود واقع ہے جس کے مغربی ساحل کے بیشتر حصہ پر جرمنی کا قبضہ ہے اور روس اور جرمنی کی آویزش کی بدولت یہ سمندر بھی لڑائی کا میدان بنا ہوا ہے۔ ایران میں جرمنوں کی موجودگی کا نتیجہ یہی ہوسکتا تھا کہ وہ ترکستان اور ماوراء کاکیشیا کے علاقوں کو بھی جنگ کا میدان نہیں تو ایسی ہولناک اور تباہ کن سازشوں کا آماجگاہ تو ضرور ہی بنا دیتے ایران سازشوں کے آغاز کے بعد ایران کی سرزمین پر جو ابتدائی تیز تر تھی وہ اس کے لئے زیادہ تباہ کن ثابت ہوتی ۱۹۲۱ء میں ایران اور اشتراکی روس کے درمیان جو معاہدہ ہوا تھا اس کی رو سے کسی خطرہ کے تحت اشتراکی افواج کو ایران میں داخل ہونے کا حق حاصل تھا اس لئے جہاں تک روسی فوجوں کے داخلہ کا تعلق ہے اس پر کسی قسم کا اعتراض نہیں کیا جا سکتا لیکن ہم یہ سمجھنے سے معذور ہیں کہ برطانوی افواج کا یہ اقدام کس طرح جائز ہو سکتا ہے اور ایرانی حکومت سے عارضی صلح کے بعد روسی فوجوں کی طرح برطانوی فوجوں کو آگے بڑھنے سے کیوں نہیں روکا گیا بہرحال یہ امر یقینی ہے کہ اس جنگ کے ختم ہوجانے کے بعد روسی فوجیں ایران سے واپس چلی جائیں گی ہندوستان نے مسلمانوں کو روس کی جانب سے کسی تشویش کی اس لئے ضرورت نہیں کہ اشتراکی حکومت کا بانی لینن ہی وہ پہلا شخص تھا جس نے گذشتہ جنگ عظیم کے بعد زاریت پسند روس اور ایران کے تمام معاہدات کو چاک کرکے روسی فوجوں کو ایران سے واپس بلا لیا تھا۔

ترکی کا مستقبل

ایران میں روسی اور برطانوی افواج کے داخلہ نے حالات کو جمہوریہ ترکی کے لئے بے حد نازک اور پیچیدہ بنا دیا ہے۔ ہمیں نازی افواج کے ہندوستان کی جانب بڑھنے کا تو کبھی کوئی خطرہ پیدا نہیں تھا لیکن اس بات کا امکان ضرور تھا کہ جرمنی اور اس کے حلیف مشرقی محاذ جنگ کو ماوراء کاکیشیا تک وسعت دینے کے لئے سرزمین ایران کو مستقر بنائیں اور اس کام کے لئے انہیں ترکی سے گذر کر ایران تک پہنچنے میں جو سہولتیں ہیں وہ کسی اور راستہ سے گذرنے کی صورت میں حاصل نہیں ہوسکتی تھیں۔ مگر یہ خطرہ فوری نہیں تھا۔ اور موجودہ حالت میں اس سے بالکل مختلف ہے، اس وقت اگر جرمنی، ایران میں اپنے حریفوں کی موجودگی کے خطرہ کو مسدود نہیں کرتا تو مشرقِ وسطیٰ میں اس کے خلاف برطانیہ اور روس کا ایک مستحکم متحدہ محاذ قائم ہوجاتا ہے۔ اور اگر وہ اسے مسدود کرنے کی جانب قدم بڑھاتا ہے تو یا تو جمہوریہ ترکی نازی افواج کے راستہ میں کسی قسم کی مزاحمت نہیں کرتی یا انہیں روکنے کے لئے خود اسے بھی اشتراکی روس اور برطانیہ کے دوش بدوش کھڑا ہونا پڑتا ہے [illegible] ترکی کی یورپی سرحدوں کے قریب نازی افواج کے اجتماع [illegible] میں فوجی سرگرمیوں کی جو خبریں موصول ہوئی ہیں ان سے اندیشہ پیدا ہوگیا ہے کہ جرمنی عنقریب ہی یا تو جمہوریہ ترکیہ کو محوری حکمت عملی اختیار کرلینے پر آمادہ کرنے کی کوشش کرے گا یا نازی فوجیں ترکی پر حملہ آور ہوجائیں گی۔ ایران میں روسی اور برطانوی افواج کے داخلہ سے جہاں ایک طرف ترکی کے شریک جنگ ہوجانے کا اندیشہ پیدا ہوگیا ہے وہیں یہ امر موجب اطمینان بھی ہے کہ اب روس اور برطانیہ ترکی کو نہایت آسانی کے ساتھ ہر قسم کی مدد دے سکتے ہیں۔ ترکی کے متعلق یہ یقین نہیں کیا جاسکتا کہ وہ محوری حکومتوں کے مطالبات کے روبرو سر تسلیم خم کردے گا اس لئے اس بات کا زیادہ امکان ہے کہ جرمنی ترکی پر حملہ آور ہوجائے

مسٹر ستیہ مورتی کا نعرہ

مرکزی اسمبلی کے ڈپٹی لیڈر اور کانگریس کے ممتاز رہنما مسٹر ستیہ مورتی نے جیل سے رہا ہونے کے بعد کانگریس کو یہ مشورہ دیا ہے کہ وہ حکومت کے ساتھ ترک تعاون کی موجودہ حکمت عملی کو ترک کرکے ازسرنو صوبجاتی حکومتوں پر فائز ہوجائے آپ کا خیال ہے کہ اس طرح کانگریس حکومت کی جنگی حکمت عملی کو زیادہ متاثر کرسکتی ہے اول تو ہم یہ بات ہی سمجھنے سے قاصر ہیں کہ جن حالات میں ستیہ گرہ کی موجودہ تحریک شروع کی گئی تھی انہیں کامل طور سے تبدیل کئے بغیر کانگریس اپنی حکمت عملی کس طرح تبدیل کرسکتی ہے۔ دوسرے یہ بات بھی ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ حکومت کے ساتھ کسی سمجھوتہ کے بغیر وہ کانگریسی رہنما جو قیام وزارت کے ذمہ دار ہیں کس طرح قید خانوں سے باہر آسکتے ہیں اور اگر یہ لوگ سمجھوتہ کرنے کے بعد رہا ہوکر وزارتیں قائم بھی کرلیں تو حکومت کی جنگی حکمت عملی کو کس طرح متاثر کرسکیں گے۔ ہندوستان کے ہزاروں نوجوانوں کو قید اور نظر بند کرا دینے کے بعد مسٹر ستیہ مورتی کی جانب سے برطانوی شہنشاہیت کے ساتھ سمجھوتہ کی یہ کوششیں ہر حیثیت سے مذمت کے قابل ہیں۔ اور ہمیں یقین ہے کہ ملک کا کوئی بہی خواہ انہیں پسند نہیں کرسکتا۔ بلاشبہ ستیہ گرہ کی موجودہ تحریک اپنی جگہ قطعاً بے سود اور ملک کے نوجوانوں کے لئے تباہ کن ثابت ہوئی ہے اور اس کا ختم ہوجانا ہی مفید ہے لیکن سمجھوتہ کی شکل میں نہیں بلکہ کسی ایسی صورت میں جو اہل ہند کو ان کے نصب العین کے قریب تر پہونچا سکے۔ بہرحال اس تحریک نے کانگریس کے موجودہ [illegible] کو اہل ملک کی نظر میں قیادت کے لئے نااہل ثابت کردیا ہے۔ [illegible] درست ہوجانے کے بعد ملک میں ان کا موجودہ اثر و رسوخ [illegible]

میرے گیت

جناب ساحر صاحب لدھیانوی

مرے سرکش ترانے سن کے دنیا یہ سمجھتی ہے ۔ کہ شاید میرے دل کو عشق کے نغموں سے نفرت ہے
مجھے ہنگامۂ جنگ و جدل میں کیف ملتا ہے ۔ مری فطرت کو خوں ریزی کے افسانوں سے رغبت ہے
مری دنیا میں کچھ وقعت نہیں ہے رقص و نغمہ کی ۔ مرا محبوب نغمہ شورِ آہنگِ بغاوت ہے

مگر اے کاش وہ دیکھیں مری پُرسوز راتوں کو ۔ میں جب تاروں پہ نظریں گاڑ کر آنسو بہاتا ہوں
تصور بن کے بھولی وارداتیں یاد آتی ہیں ۔ تو سوز و درد کی شدت سے پہروں تلملاتا ہوں
کوئی خوابوں میں خوابیدہ امنگوں کو جگاتی ہے ۔ تو اپنی زندگی کو موت کے پہلو میں پاتا ہوں

میں شاعر ہوں مجھے فطرت کے نظاروں سے الفت ہو ۔ مرا دل دشمنِ نغمہ سرائی ہو نہیں سکتا
مجھے انسانیت کا درد بھی بخشا ہے قدرت نے ۔ مرا مقصد فقط شعلہ نوائی ہو نہیں سکتا
جواں ہوں میں جوانی لغزشوں کا ایک طوفاں ہے ۔ مری باتوں میں رنگِ پارسائی ہو نہیں سکتا

مرے سرکش ترانوں کی حقیقت ہے تو اتنی ہے ۔ کہ جب میں دیکھتا ہوں بھوک کے مارے کسانوں کو
غریبوں مفلسوں کو بے کسوں کو بے سہاروں کو ۔ سسکتی نازنینوں کو تڑپتے نوجوانوں کو
حکومت کے تشدد کو امارت کے تکبر کو ۔ کسی کے چیتھڑوں کو اور شہنشاہی خزانوں کو

تو دل تابِ نشاطِ بزمِ عشرت لا نہیں سکتا
میں چاہوں بھی تو خواب آور ترانے گا نہیں سکتا

علمی مقالہ

تہذیب

از جناب آفاق محمد صاحب بی اے

اس موضوع سے میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ دورِ جدید کی تہذیب کیا ہے یا دورِ ماضی کی تہذیب کیا تھی بلکہ ایک عام طریقے سے تہذیب پر بحث کرنا چاہتا ہوں کہ تہذیب کیا ہے۔ میں اس بات کی کوشش کروں گا کہ قارئین کے سامنے تہذیب کا ایک نمونہ پیش کروں اور یہ بتلاؤں کہ تہذیب کوئی قدرتی چیز نہیں ہے جو خود بخود وجود میں آئی بلکہ ایک مصنوعی چیز ہے جس کو انسان کے دماغ نے بنا لیا ہے اور جو انسانی صلاحیت، انسانیت، ہمدردی و محبت، آزاد خیالی اور تعلیم کا نتیجہ ہے جس وقت تک انسان فطرت یا طبیعت اور حس غریزی کی متابعت کرے گا کبھی تہذیب کی طرف مائل نہیں ہو سکتا۔

یہ قطعی طور سے نہیں کہا جا سکتا کہ قدیم زمانہ میں نہ تو تہذیب تھی اور نہ مہذب لوگوں کی معقول تعداد۔ کچھ لوگ ضرور تھے لیکن وہ اس قدر کم تھے کہ نہ تو وہ قوم کے عام لوگوں پر اپنا اثر ڈال سکے اور نہ قوم کو مہذب بنا سکے۔ اگر ایسے لوگوں کی تعداد زیادہ ہوتی تو کہا جا سکتا ہے کہ اصلاح کرنے والے لوگوں کی تعداد ہمیشہ کم رہی ہے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ وہ عوام پر اپنا اثر ڈالنے میں کامیاب نہ ہوتے۔ قدیم نامہذب اقوام میں کچھ ایسی خصوصیات پائی جاتی ہیں جو مہذب قوموں میں بھی موجود ہیں اور جو تہذیب کا ضروری جزو قرار دی جاتی ہیں لیکن ہم کو ان خصوصیات سے غرض نہیں۔ ہم کو ان خصوصیات کی تلاش کرنی چاہئے جو تمام اعلیٰ تہذیب والی قوموں میں مشترک ہیں اور جو وحشی اقوام میں قطعاً مفقود ہیں اس طریقے سے ہم یہ معلوم کر سکتے ہیں کہ تہذیب کیا چیز ہے۔ گو کہ وہ تہذیب نہیں بلکہ تہذیب کا ایک خاکہ ہوگا۔

مثال کے طور پر میں تہذیب کے چند نمونے پیش کرتا ہوں جو دنیا کی آنکھوں میں بہت ممتاز حیثیت رکھتے ہیں چین میں تانگ اور سنگ کا زمانہ تھا (۰۰۰–۰۰۰ء) اس زمانے میں چینیوں نے بڑی ترقی کی۔ ان کی صنعت و حرفت، مصوری اور سنگتراشی کا شہرہ تمام دنیا میں پھیل چکا تھا۔ ان کی نظم و نثر کا بھی پتہ چلتا ہے۔ لیکن صرف ترجموں سے مگر یہ کوئی ایسا معتبر ذریعہ نہیں ہے جس پر یقین کر لیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ یورپ کے کسی مصنف یا مورخ نے چین کی ملکی اور معاشرتی تاریخ تفصیل سے نہیں لکھی ہے۔ جس سے یہ سب دقتیں پیش آتی ہیں اور ہم صحیح طور پر اس زمانے کی تہذیب کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ صرف ہم اپنے دماغ اور قوتِ تخیل سے آنکھوں کے سامنے ایک دھندلا سا خاکہ تیار کر سکتے ہیں کہ وہ کس طریقے سے رہتے سہتے اور گفتگو کرتے تھے۔ ایران کی مثال لیجئے۔ ہارون الرشید اور صفویہ دور میں فنون لطیفہ اور ادب معراجِ کمال تک پہنچ گیا تھا اور اس نے اپنے زمانے کے شاعر فردوسی اور عمر خیام جیسے شعرا پیدا کئے جو مشہور ہوئے لیکن چونکہ فارسی شاعری کی شہرت کا سبب صرف ایران ہی کے لوگوں کی تہذیب ہیں لہٰذا اس کو بھی نظر انداز کرنا پڑتا ہے۔ اب ہم یونان کی جو تھی صدی قبل مسیح کا زمانہ لیتے ہیں۔ کوئی شخص اس بات سے انکار نہیں کر سکتا کہ اس زمانے میں یونان کا اثر تمام دنیا پر غالب تھا۔ میرے مطلب کوئی برا اثر نہیں بلکہ اچھا اور مفید اس کا مطلب یہ نہیں ہو سکتا کہ روم کے لوگ اعلیٰ تہذیب کا نمونہ صرف اس واسطے کہ ان کا اثر دور دور پھیلا ہوا تھا۔ اگر یہی معیار ہے تو جرمنوں کو جنہوں نے اپنے ظلم اور غارتگری سے تمام یورپ پر قبضہ کئے ہوئے ہیں مہذب تسلیم کرنے سے انکار نہیں کیا جا سکتا لیکن یہ غلط ہے۔ یہ وہ زمانہ ہے جس کو تمام دنیا کی مہذب قومیں مہذب ماننے کے لئے متفق ہیں گو کہ بہت سے لوگوں نے اس زمانے کے سیاسی تمدن سے اتفاق نہیں کیا۔ مگر اگر غور سے دیکھا جائے تو سیاسی اخلاق تہذیب کا کوئی جزو نہیں ہے۔ ان لوگوں کی ذہانت نے اس بات کو ثابت کیا کہ دخیلانہ زور جبر اور قوت کو نکال دینا چاہئے۔ اس زمانے میں کلچر اعلیٰ پیمانے پر تھی تعلیم کے معجزات کا کتابوں کی صورت میں اظہار ہوتا تھا۔ یورپ کے لوگ نہایت آزادی سے علم حیوانات علم نباتات اور طب و علم طبیعات پڑھتے تھے اور ان علوم سے مستفید ہوتے تھے یہ احیائے علوم و فنون کا زمانہ تھا۔ فلسفیانہ روح پھیلی ہوئی تھی۔ وہ ہر چیز کی ماہیت کو کھوجتے تھے اور ان کا میلانِ طبع خصوصاً ان چیزوں کی جانب تھا جو کہ خیالات کی دنیا میں حقیقی معنوں میں اپنا وجود رکھتی ہیں۔ بعض حضرات اعتراض فرمائیں گے کہ اس زمانے میں لوگ توہم پرست تھے اور علم نجوم پر اعتقاد رکھتے تھے لیکن اس بات کی تردید اصلاح کی جا سکتی ہے کہ اس زمانے کے با اثر لوگ ان باتوں پر کبھی اعتبار نہیں کرتے تھے اور اس قسم کے بیانات سے کہ کوئی ستارہ انسان کے آزاد خیال کو قابو میں نہیں کر سکتا ظاہر ہے کہ اس کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ اس احیائے علوم و فنون کا نتیجہ یہ ہوا کہ لامذہبیت کی ابتدا ہوئی جس کو لوگوں نے الحاد کے نام سے موسوم کیا مگر ایک طریقے سے لوگوں کو آزاد خیالی کے اظہار اور دلائل پیش کرنے کا موقع ملا جو کہ تہذیب کا ایک ضروری جزو ہے۔

دوسرا زمانہ فرانس کا (۱۶۰۰–۱۷۸۹) ہے جو کہ بڑا شاندار اور اعلیٰ تہذیب اور تمدن والا ہے۔ اس زمانے میں فرانس کی ذہنی فتوحات اور ادبی ترقی کا ستارہ عروج پر تھا۔ وہ آس پاس کے ممالک میں ایک ممتاز حیثیت رکھتا تھا اور یہ ہر فرد آزاد خیالی اور حب الوطنی کا نمونہ تھا۔

اب اگر غور کریں تو ہم کو معلوم ہو جائے گا کہ بیداریٔ نفس، حق، استدلال اور جوہر شناسی ہی ایسی چیزیں ہیں جو آخری دو مثالوں میں نمایاں حیثیت رکھتی ہیں اور جن سے کوئی مہذب قوم خالی نہیں ہے جس شخص میں مادہ یعنی جوہر شناسی موجود ہے وہ ہمیشہ صنعت و حرفت، علم اور خیالات کی قدر کرے گا۔ اور ہر چیز کی اصلیت کے کا

نہیں کہ علم صنعت اور حرفت سے اس کو کیا کیا فوائد پہونچ سکتے ہیں بلکہ یہ کہ وہ محسوس کرتے تھے کہ یونان کے لوگ امیرانہ طرز سے رہنا پسند کرتے تھے لیکن امیرانہ تعلیم پسند کرتے تھے اس سے آزاد تعلیم حاصل کرنے کی خواہش پیدا ہوئی جس سے انسان اپنے خیالات اور جذبات کو زیادہ پاک اور روشن بنا سکتا ہے اور اپنے خیالات کا اظہار کر سکتا ہے کیونکہ بغیر تعلیم کے عقل و دماغ تعصب اور اوہام پرستی کے غلام رہتے ہیں۔ اس تعلیم سے یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ کس طرح سے زندگی کو کامیاب اور شگفتہ بنایا جا سکتا ہے۔ یونانیوں نے سب سے زیادہ اپنے لڑکوں کی تعلیم پر زور دیا یہ بات سب سے پہلے یونانیوں کے دماغ میں آئی کہ انسان فطرت کو اپنے قابو میں کر سکتا ہے اور عقل کے چراغ سے تمام کائنات کے اسرار پر روشنی ڈال سکتا ہے۔

دوسری چیز شعور نظیمہ ہے جو ہم کو آزادی دیتا ہے اور دوسرے لوگوں کے خیالات اور رائے سے ایک علیحدہ انفرادی خیال ظاہر کرنے کا موقع دیتا ہے۔ کسی کو کسی کی شخصیت سے متاثر نہیں ہونا چاہئے بلکہ اپنا ایک نظریہ قائم کرنا چاہئے۔ اور عقل کو رہنما بنانا چاہئے اس سے وہم پرستی اور تعصب جو ہماری آنکھوں پر جہالت کا پردہ ڈالے ہوئے ہیں دور ہو جائیں گے۔ اور حقیقت ہماری نظروں کے سامنے جلوہ گر ہوگی۔ وہم پرستی سے زندگی کا تمام مزہ جاتا رہتا ہے۔ جو لوگ اس کے معتقد نہیں ہیں ان میں ہمیشہ رواداری کی شان پائی جاتی ہے۔ اور ظلم اور زبردستی کا خیال ان کے دماغ میں نہیں آتا بلکہ ممکن ہے کہ عقل کو راہنما بنانے کے بعد دشوار گذار راہوں کا سامنا کرنا پڑے۔ اور انسان شروع میں کچھ لذات سے محروم رہے لیکن وہ ہمیشہ وہم پرستی ظلم گناہ اور دیگر برائیوں سے محفوظ رہے گا اس سے اسکی ایک معیار کا اندازہ ہو جائیگا جس سے وہ ہر چیز کی حقیقت معلوم کر سکے گا۔ اٹھارھویں صدی نے روشیاد زندگی سیاسی مباحث اور حکومت کے اصولوں میں اس کا استعمال کیا اسے اپنا رہنما بنایا جس نے بلحاظ زندگی میں ایک نئی روح پھونک دی اور انسانی خوش بختی میں اضافہ کیا۔

تہذیب سوسائٹی کی ایک خصوصیت ہے۔ تہذیب کی طرف بڑھنے کا پہلا زینہ یہ ہے کہ انسان اپنی قوت حسیہ کو عقل سے درست کرے اور دوسرے یہ کہ اپنے نفس مطمئنہ کو زیادہ باریک اور اعلیٰ بنائے۔ مندرجہ بالا خصوصیات سے بہت سی باتیں اخذ کی جا سکتی ہیں جو تہذیب کا اصلی جزو ہیں یہ حسن اور راستی کا مذاق، رواداری، ذہنی ایمانداری، غرور سے نفرت، زندگی کی اچھی چیزوں کا بغیر کسی خوف کے استعمال اور استقلال اور خیالات کا آزادانہ اظہار ہیں۔ اگر ایک انسان میں یہ سب اوصاف جمع کر دئے جائیں تو اس کو صحیح معنوں میں مہذب کہہ سکتے ہیں لیکن ایک انسان سے ایک تہذیب نہیں بنا کرتی۔ ایسے لوگوں کی تعداد اتنی ہونا چاہیے کہ عام لوگوں پر اپنا اثر ڈال سکے اور انہیں اپنے ہی رنگ میں رنگ لے۔ جس وقت یہ کام ہو جائے گا۔ ایک قوم مہذب کہلائے جانے کی مستحق ہوگی۔

ٹیگور کے دو نغمے

(مترجمہ جناب ایم۔ اے۔ میکش ارمانی)

(۱)

چھوڑ دے یہ گیت گانا حمد کرنا اور تسبیح پڑھنا۔ تو تمام دروازے بند کر کے اس سنسان تاریک شوالے کے گوشہ میں کس کی عبادت کرتا ہے؟ اپنی بند آنکھیں کھول اور دیکھ تیرا خدا تیرے روبرو نہیں ہے۔

وہ وہاں ہے جہاں کاشتکار سخت زمین کو جوت رہا ہے۔ اور جہاں راستہ بنانے والا مزدور پتھروں کو توڑ رہا ہے۔ وہ دھوپ اور بارش میں اُن کے ہمراہ ہے اور اس کا لباس خاک آلودہ ہے۔ اتار دے اپنا مقدس لبادہ اور فوراً اسی کے مانند ریتیلی زمین پر آجا!

آزادی! یہ آزادی کہاں پائی جاتی ہے؟ کائنات کے مالک نے خود نہایت خوشی سے کائنات کی زنجیریں اپنے پیروں میں ڈال لی ہیں اُس نے اپنے آپ کو ہمیشہ کے لئے ہمارے ساتھ باندھ دیا ہے۔

آجا اپنے مراقبہ سے باہر اور چھوڑ دے ایک طرف پھولوں اور دیگر خوشبودار مذہبی اشیاء کو اگر تیری پوشاک بوسیدہ اور میلی ہے تو کیا حرج ہے! اُس سے مل اور اُس کے

(۲)

اے میری زندگی کی زندگی! میں اپنے جسم کو ہمیشہ پاک رکھنے کی کوشش کرونگا یہ جانتے ہوئے کہ تو میرے تمام اعضاء میں موجود ہے۔

میں اُن تمام باتوں کو جو صداقت کے خلاف ہیں۔ اپنے خیالات سے ہمیشہ دور رکھنے کی کوشش کروں گا۔ یہ جانتے ہوئے کہ تو ہی ہے وہ راست بازی جس نے میرے دماغ کو عقل کے نور سے روشن کیا ہے۔

میں اپنے دل سے تمام برائیاں نکال کر اپنی محبت کو اُس پھول کی طرح رکھنے کی کوشش کروں گا جو داغوں سے پاک ہوتا ہے۔ یہ جانتے ہوئے کہ میرے قلب کی اندرونی مقدس جگہ میں تیری نشست ہے۔

اور میری ہمیشہ یہ کوشش رہے گی کہ میں اپنے افعال سے تجھے ظاہر کروں یہ جانتے ہوئے کہ یہ تیری ہی قدرت ہے جو مجھ کو کام کرنے کی قوت دیتی ہے۔

ہمکو شریک مشقت کی وجہ سے اپنی پیشانی پر پسینہ لئے ہوئے کھڑا ہو۔

پیش کش

ظفر تاباں

اے سکونِ دلِ بے تاب و توان تیرے لئے
رونقِ جلوہ گہ کون و مکان لایا ہوں

لے کے آیا ہوں تجلائے رخِ شمس و قمر
جلوۂ دلکشیٔ کاہکشاں لایا ہوں

مسکراتے ہوئے پھولوں سے بھرا ہے دامن
نالۂ بلبلِ آشفتہ بیاں لایا ہوں

لے کے آیا ہوں دلاویزیٔ رخسارِ چمن
شیوۂ سرو لبِ آبِ رواں لایا ہوں

مستیٔ دیدۂ نرگس ہے مری آنکھوں میں
خندۂ سوسنِ آزادہ زباں لایا ہوں

نشۂ بادۂ راحت ہے مرے ساغر میں
مستیٔ میکدۂ پیرِ مغاں لایا ہوں

جس کی مستی دلِ انساں میں اتر جاتی ہے
آ کہ تیرے لئے وہ رطلِ گراں لایا ہوں

لے کے آیا ہوں غمِ عشق کے شعلے دل میں
خلشِ سینہ و بے تابیٔ جاں لایا ہوں

مجھ کو خود بھی نہیں معلوم تڑپنے کا سبب
ہائے اک حسرتِ بے نام و نشاں لایا ہوں

تجھ سے اک قصۂ بے صوت و صدا کہنا ہے
میں چھپائے ہوئے آنکھوں میں زباں لایا ہوں

معاشرتی افسانہ

بھکارن

از جناب انتظار احمد صاحب [illegible]

گرمی کا موسم تھا۔ شام ہوتی جارہی تھی اور سورج دیوتا انسانی نظام کی ناانصافی پر خون کے آنسو بہاتا ہوا مغرب کی طرف جارہا تھا فضا رنگین اور دلکش تھی وہ لوگ زندگی کے مصائب سے نا آشنا۔ لوگ وہ لوگ جنہیں امیر کہا جاتا ہے۔ شام کے کھانے سے فارغ ہو کر ہوٹلوں، سیرگاہوں، پارکوں اور سینما گھروں میں فرصت کی گھڑیاں آرام سے گذار رہے تھے۔ ناقوس اور اذان کی سریلی آوازوں میں نہات کو پوشیدہ بجھنے والے چوٹیوں اور ڈاڑھیوں پر ہاتھ پھیرتے اور معرفت کے نشے میں جھومتے ہوئے عبادت گاہوں کی طرف چلے جارہے تھے۔ چاند نے دنیا کو مساوات کا درس دینے کے لئے ابھی ابھی پہاڑوں سے سر نکالا تھا اور آہستہ آہستہ اپنی نورانی شعاعیں زمین پر بکھیرتا جارہا تھا۔ آج پورن ماشی تھی اور جو لوگ برت رکھتے تھے انہوں نے چندرما کو دیکھتے ہی بھوجن کرنا شروع کردیا تھا۔

اس خوشگوار شام کو وہ بازار میں چلی جارہی تھی نقاہت کی وجہ سے اس کے پیر جواب دے رہے تھے لیکن ابھی اسے اور چلنا تھا اس کی منزل کہاں ہے؟ اس سے وہ بالکل بے خبر تھی۔ وہ بھٹکے ہوئے مسافر کی طرح ادھر ادھر دیکھتی ہوئی چلی جارہی تھی اسے سارے دن مارے مارے پھرنے کے بعد بھی کہیں مزدوری نہ ملی تھی۔ اس کے ساتھ ایک پانچ چھ سال کا بچہ تھا جو روٹی روٹی کی رٹ لگا رہا تھا پاس ہی ایک بس آکر رکی تھی، فقیر، میوے والے، اخبار فروش سب اس کی طرف دوڑے۔

"لڑائی کی تازہ خبریں۔ روس پر جرمنی کا حملہ۔ کانپور میں ہندو مسلم جھگڑا۔ خاکساروں کی خبریں!"

"ایک پیسہ ایشور کے نام پر!"

"مسجد کے لئے چندہ!"

یہ مختصر سا مجمع ایک دوسرے کو دھکیل رہا تھا۔ کیوں؟ پیسے ملنے کی امید پر یہ امید تھی جو لوگوں کو آپس میں لڑا رہی تھی۔ اور وہ بھی پیسہ حاصل کرنے کی کوشش میں لگی ہوئی تھی۔ بچہ نے پھر روٹی کا تقاضہ کیا۔ لیکن اس کی نحیف اور ناتواں آواز اس شور و غل میں ڈوب کر رہ گئی۔

ماں کی مامتا بچے کی پوشیدہ سے پوشیدہ تکلیف کو بھی محسوس کرلیتی ہے بچے نے سبک سبک کر رونا شروع کیا۔ پھلوں اور مٹھائیوں سے پر دکانیں، ماں کی حسرت بھری نظریں، بچہ کی بھوک اور ضد، یہ سب باتیں انسانی زندگی کا ایک ایسا منظر پیش کررہی تھیں جسے دیکھ کر ایک حساس انسان ہر چیز سے بغاوت کرنے پر تیار ہوجاتا ہے یہ سماج کا نقشہ تھا۔ مکروہ اور نفرت انگیز نقشہ بچہ پھر روٹی کے لئے مچلنے لگا۔

"بچے کھالے" ماں نے ذرا غصہ سے کہا۔

بچہ معصوم اور بھوکا بچہ رونے لگا۔ ماں کی نگاہیں ایک حلوائی کی دوکان پر جاکر رک گئیں۔ وہاں چار پانچ سفید پوش تلک دھاری بیٹھے ہوئے۔ تازہ تازہ پوریاں اور کئی قسم کی رسیلی مٹھائیاں چٹخارے لے لے کر کھا رہے تھے۔ اور ساتھ ہی ساتھ ملکی سیاست اور واقعات جنگ پر دل بہلانے کیلئے ایک سرسری تنقید بھی کرتے جاتے تھے۔

"اجی ناستک (ملحد) ہیں جو کہتے ہیں سب برابر ہوجائیں یہ تو کرموں کے انوسار آدمی کا جنم ہوتا ہے۔ بھلا کہیں مزدور اور امیر بھی برابر ہوسکتے ہیں! ایشور کے قانون کے خلاف نہیں ہوا جو جیسا کرنگا ویسا ہی پھل بھوگے گا" ایک پنڈت صورت مہاشے نے فاضلانہ انداز سے کہا۔ پاس بیٹھے ہوئے دوسرے مہاشہ کچھ بولنے والے ہی تھے۔ کہ کونہ والی دوسری میز پر بیٹھے ہوئے ایک دراز ریش مولوی صورت حضرت نے جو برقی پنکھے کی ہوا سے لطف حاصل کررہے تھے۔ داڑھی پر سے مٹھائی کے ریزوں کو جھاڑتے ہوئے ارشاد فرمایا

"اجی صاحب یہ تو نہ ہندو ہیں نہ مسلمان خدا کو تو بالکل ہی بھول گئے جس قدر تقدیر میں ہے اسی قدر تو ملے گا۔ رزاق مطلق تو وہی ہے!"

"جی ہاں صاحب" پنڈت جی بولے۔

بھوکی فقیرنی کی سمجھ میں ان کی ایک بات بھی نہ آئی۔ وہ دیر تک دنیا سے بے نیاز اس محفل کی طرف بھوکی اور للچائی ہوئی نظروں سے تکتی رہی۔ کھانے کی خوشبو سے بھوک اور بھی تیز ہوگئی تھی۔ اس نے حسرت بھری نظروں سے پوریوں اور طرح طرح کی مٹھائیوں سے بھرے ہوئے تھالوں کی طرف دیکھا اسکو ان کے نام بھی نہ آتے تھے۔ وہ چھن چھن کی آواز میں ایک خاص قسم کی موسیقیت محسوس کررہی تھی۔ اس آواز میں ایک کشش تھی اور اسی کشش کے ماتحت ماں اور بچہ دونوں دوکان کی جانب کھنچے چلے جارہے تھے حلوائی نے گردن اٹھا کر دیکھا اور دھتکار دیا اس کے اپنے پیچھے یہ الفاظ فضا میں گونجتے ہوئے سنے۔

"کتوں کی طرح سر پر چڑھے آتے ہیں۔ دنیا میں ایسے بھوکوں کی تعداد کتنی بڑھ گئی ہے! کام کاج تو ان سے کچھ ہوتا ہی نہیں"

وہ آگے بڑھ گئی۔

اس نے ایک دراز ریش مولوی صاحب سے جو تسبیح گھماتے ہوئے جارہے تھے

کچھ ایک منگل گا رہا تھا۔ لوگ اس قدر مشغول تھے کہ انہوں نے صرف پُر جلال نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور سست لہر آگے چل دئے۔ پاس ہی سے چند دیویاں سُندر سُندر ساڑھیاں اور چمکیلے چپل پہنے ہاتھوں میں تھی پیکٹ لئے چلی جا رہی تھی۔ برقی قمقموں کی نورانی روشنی سے اُن کی ساڑھیوں کے آنچل تاروں کی طرح جگمگا رہے تھے۔

"کیسے گندے ہیں یہ لوگ!" ایک دیوی نے ناک چڑھا کر کہا۔

"ابھی یہی گندگی تو ان کو رنگا رہے۔ بنتے ہیں۔ صاف رہیں تو بھیک لیسے لے کا نی پیسے کماتے ہیں یہ لوگ" دوسری دیوی بولی۔

بچے نے پھر مندر کی ماں کی ممتا سے نہ رہا گیا وہ پاس ہی ایک مندر کی طرف دوڑی جہاں سے ہیں۔ ایشور کے ایک عقیدت مند لڑکی کی کھڑاؤں پہنے۔ گلے میں موٹا سا جنیو ڈالے ماتھے پر چندن لگائے ہاتھ میں لوٹا تھالی لئے گھنٹے کی سریلی آواز کے ساتھ ساتھ قدم اٹھاتے ہوئے پجاری کو پتھری اس مورتی کو جسے نہ بھوک لگتی ہے نہ پیاس۔ بھوگ لگا کر واپس آ رہے تھے۔ اس بھوکی عورت، اس زندہ دیوی نے کپکپاتی ہوئی آواز سے کہا۔

"مہاراج بھوکی ہوں کچھ دان کرو"

"شرم نہیں آتی جوان استریوں کو بھیک مانگتے۔ پُرشوں کو رجھاتی پھرتی ہیں"

مہاراج غرور سے ماتھے پر چار بل ڈال کر بولے۔

شرم، بھوک اور انسانیت کی ٹھٹی ہوئی یہ توہین دیکھ کر بھوکی فقیرنی کی آنکھوں میں اندھیرا آ گیا۔ اسکا سر چکرانے لگا۔ آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور اس کی ہچکی بندھ گئی دوکاندار نے کہا۔ "مانگنے کے ڈھنگ نکال رکھے ہیں!"

"آوارہ ہے۔ آوارہ!" پنڈت جی بولے۔

لوگ اپنے اپنے کاموں میں لگ گئے۔ لیکن وہ وہیں کھڑی ہوئی آنسو پونچھتی رہی یکایک اس کا بچہ پتھر کی مورتی کے سامنے پرشاد اور چڑھاوے کا ڈھیر لگا ہوا دیکھ کر وہ ادھر دیکھ کر دیوانہ وار دیوتا کے پاس روٹی مانگنے کے لئے پہونچا اور کھانے کے اس بڑے ڈھیر میں سے دونوں ہاتھوں میں جو کچھ آیا اٹھا لیا۔

پجاری اس کی طرف گھنٹہ بجانے کا ہتھوڑا لیکر دوڑا۔ اس خیال سے کہ اب پکڑی گئی۔ اس نے بھوکے کتے کی طرح جو کچھ منہ میں آیا بھر لیا۔ پھر بچہ کی طرف دوڑی اور ہاتھ بڑھا کر دیوتا کا پرشاد اس کی طرف پھینک دیا۔ پجاری نے آتے ہی اس کے منہ پر ایک گھونسہ مارا۔ ایک دبی ہوئی چیخ نکلی اور اس کے منہ میں جو کچھ تھا باہر آ گیا۔ اب اس کے منہ سے خون بہہ رہا تھا اور لوگوں نے اسے چاروں طرف سے گھیر لیا تھا۔ مندر میں بھیڑ لگ گئی اس نے زور سے کہا "میرا بچہ"!

اسے اس وقت بہت سی آوازیں سنائی دیں۔

"فقیر کیا ہیں ڈاکو ہیں!"

"ایشور کے گھر میں بھی تو چوری کرنے سے نہیں چوکتے"

"پولیس انتظام بھی تو نہیں کرتی"

لیکن بچہ ان تمام باتوں سے بے نیاز پتھر کے فرش پر بکھرے ہوئے پرشاد کے ریزوں کو چن چن کر کھا رہا تھا۔ اور پتھر کا دیوتا؟ وہ اپنے سامنے لگے ہوئے چڑھاوے کے ڈھیر اور اپنے بھگتوں کے اس گروہ کو ٹکٹکی باندھے دیکھ رہا تھا۔

نمازِ محبت

(از جناب قاضی سید شوکت حسین صاحب علوی۔ بہار۔ بلگرامی)

کہاں تک کریں امتیازِ محبت — حقیقت میں بھی ہے مجازِ محبت
نگاہِ کرم جس پہ ڈالی ہے تو نے — وہ ہے بزم میں سرفرازِ محبت
جو ڈر ہے تو بس مجھ کو اتنا ہی ڈر ہے — کہ افشا نہ ہو جائے رازِ محبت
مری زندگی کی نہیں خیر شاید — کہ غم ہے ترا جاں نوازِ محبت
جو تیری خوشی ہے تو لا جام دیدے — مرا دل تو ہے پاک بازِ محبت
دلِ مضطرب میں تڑپتے ہیں نغمے — مغنی ذرا چھیڑ سازِ محبت
تری مست نظریں غضب ڈھا رہی ہیں — نہ کھل جائے دنیا پہ رازِ محبت

بہارؔ اب درِ ساقیٔ میکدہ پر
ادا ہو رہی ہے "نمازِ محبت"

بابل کے آثارِ عتیقہ میں چند گھنٹے

ایک سیاح کے روزنامچہ کے چند ورق

عراق کا ایک ایک ذرّہ ایک مستقل تاریخ کی حیثیت رکھتا ہے، دنیا کی بہت سی تہذیبیں اور تمدن اس سرزمین کے آغوش میں محوِ خواب ہیں اور زمین کے اس چھوٹے سے خطہ پر انقلاب و تغیر کے وہ وہ واقعات پیش آئے ہیں جن کا تصور ہی انسان کو مضطرب کر دینے کیلئے کافی ہے۔

عراق کے ایک گوشہ میں اگر نمرود کی جھوٹی خدائی کے نقوش نظر آتے ہیں تو دوسرا گوشہ آج بھی حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی حق شناسی اور ثبات و استقلال کی شہادت دے رہا ہے کسی طرف کلدانیوں کی تہذیب اپنے علمبرداروں کی جاہ و حشمت کی داستان سنا رہی ہے تو کہیں اہلِ نینوا و بابل کی نزاکتِ خیال اور پروازِ فکر کے افسانے کندہ نظر آتے ہیں۔

عراق ہی وہ قدیم سرزمین ہے جہاں شاہانِ بنو عباس نے نہایت تزک و احتشام اور جاہ و جلال کے ساتھ صدیوں تک حکومت کی اور عقلی، علمی اور انتظامی معاملات کے سلسلہ میں قرطاس و جریدہ پر تابناک نقوش ثبت کر گئے جو کسی زمانہ میں بھی محو نہ ہو سکیں گے

عراق کی تاریخ اور اس سرزمین کی سیاحت کی داستان بہت طویل ہے۔ اس میں صرف بابل کے آثارِ عتیقہ کی سیر کے حالات بیان کرنے ہی پر اکتفا کرتا ہوں۔ لیکن اس سے قبل کہ میں اپنے سفر کے حالات بیان کروں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شہر بابل کی تاریخ کا خلاصہ بھی پیش کر دوں تاکہ آپ بھی اس تاریخ کی روشنی میں میری سیاحت کے حالات مطالعہ فرما کر لطف اندوز ہو سکیں۔

بابل کی تاریخ

بابل کے متعلق جو حالات اب تک روشنی میں آچکے ہیں اُن سے اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کے اولین حکمران کا نام نمرود تھا اور مشرق کے تمام حکمران یا تو اس کے باج گزار تھے یا اس کے فرمانبرداروں کی صف میں شامل۔ جو حکمران باج گزاری سے مستثنیٰ تھے وہ ہر سال جشنِ نوروز کی تقریب پر نمرود کی خدمت میں بیش قیمت تحائف و ہدایا پیش کر کے اپنی اطاعت شعاری اور عقیدتمندی کا ثبوت بہم پہونچایا کرتے تھے۔ اسی نمرود نے خدائی کا دعویٰ کر کے لوگوں کو اپنے روبرو سجدہ ریزی اور جبیں سائی کے لئے مجبور کیا تھا۔ اس عہد میں کواکب پرستی عام ہو گئی تھی اور خدا کے بندے معبودِ حقیقی سے منقطع ہو کر چاند، سورج اور ستاروں کی پرستش کو اپنا شعار بنا بیٹھے تھے اس لئے جب نمرود نے خدائی کا دعویٰ کیا تو عام طور پر بابل اور گرد و نواح کے باشندوں نے اسے تسلیم کر لیا لیکن پھر بھی کچھ لوگ ایسے تھے جن کی سعید فطرت غیر اللہ کے روبرو سر جھکانے پر آمادہ نہ ہوئی اور عام قاعدہ کے مطابق انہیں نہایت دردناک مصائب میں مبتلا ہونا پڑا بعض لوگ ترکِ وطن پر مجبور ہو گئے اور بعض کو اعلائے حق کی پاداش میں موت سے ہم آغوش ہو جانا پڑا۔

ان معدودے چند توحید پرستوں سے قطع نظر کرتے ہوئے یہ کہنا بالکل درست ہوگا کہ عراق اور گرد و نواح کے تمام باشندے نمرود کی خدائی پر ایمان لے آئے تھے وہ نمرود کی پرستش کرتے تھے اور جب صبح کے وقت نمرود اپنے محل کے بالاخانہ پر آکر بیٹھتا تھا تو ہزاروں پیشانیوں کو اپنے روبرو سجدہ ریز پاتا تھا لیکن کچھ عرصہ کے بعد غیرت آلٰہی جوش میں آئی اور اس جھوٹی خدائی کے ساتھ ساتھ نمرود کی شمع حیات بھی گل ہو گئی۔

نمرود کے جانشین

نمرود کے بعد اس کے جانشینوں نے اسکی قائم کردہ حکومت و ریاست کی ذمہ داریوں کو سنبھالا لیکن کوئی نمایاں شہرت حاصل نہیں کی رفتہ رفتہ خراج گزاروں کا جوشِ عقیدت و اطاعت بھی کم ہوتا گیا اور بابل کی حکومت انحطاط و زوال کی راہ پر گامزن ہو گئی۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود "شہنشاہ بابل" کے احکام و فرامین کو پڑھتے وقت بڑے بڑے بادشاہوں کے ہاتھوں میں رعشہ پیدا ہو جاتا تھا۔

نمرود کے جانشینوں میں سب سے زیادہ مدت تک حکمران "اورخامس" گذرا ہے ماہرینِ آثارِ عتیقہ کو شہر بابل کی کھدائی کے دوران میں جو اینٹیں دستیاب ہوئی ہیں ان پر مسماری خط میں اس حکمران کا نام اور بعض حالات کندہ ہیں، مسماری خط سے ناواقفیت اور ہزاروں سال تک زمین میں مدفون رہنے کی وجہ سے نقوش کے دھندلے ہو جانے کے باعث اگرچہ ان تحریروں سے کچھ زیادہ حال معلوم نہیں ہو سکا پھر بھی ماہرین نے ان کے مطالعہ کے بعد جو معلومات فراہم کی ہیں ان سے اس عہد کی بہت سی باتوں پر روشنی پڑتی ہے۔

اورخامس کے بعد نمرودی سلطنت کا شیرازہ منتشر ہو گیا۔ پہلے باج گزار حکمرانوں نے قطع تعلق کیا، پھر عراقی امراء نے اپنی جداگانہ ریاستیں قائم کر لیں اور سب کے بعد ایرانیوں نے عراق پر حملہ کر کے اسے ایرانی سلطنت کے ساتھ وابستہ کر لیا۔

ایرانی ابتداہی سے نسلی برتری کے نشہ میں سرشار رہے، ایرانیوں کی ایک مستقل تہذیب تھی، انہوں نے اپنے تمدن کو ترقی دی۔ اور وہ کسی قوم کو اپنی ہمسری کا دعویٰ کرتے ہوئے نہیں دیکھ سکتے تھے۔ وہ ابتداہی سے اہلِ بابل کو حقیر سمجھ کر انہیں نفرت کی

فارس سمجھتے تھے۔ بابل اگرچہ دو صدیوں سے کچھ زیادہ عرصہ تک ایرانیوں کا ماتحت رہا لیکن ان دونوں اقوام کے درمیان ایک لمحہ کے لئے بھی ہمدردی، رفاداری اور آشتی کے جذبات پیدا نہ ہو سکے اور اہل بابل بھی روز بروز ان سے متنفر ہوتے گئے۔ انجام کار ایرانیوں کو اس سے دست کش ہو جانا پڑا اور ۲۲۳ ق م میں یہاں ایک اور سلطنت قائم ہو گئی جس کا نام "ایلامی" تھا۔ اسی سلطنت کے ایک حکمران "کودر لاؤمر" نے سیدنا ابراہیم سے مقابلہ کیا تھا لیکن چونکہ اس نئی سلطنت کی بنیاد بھی نمرود کی سلطنت کی بنیاد پر قائم ہوئی تھی اور یہ حکمران بھی نمرود ہی کے نقش قدم پر چلتا تھا اس لئے اسے بھی نمرود ہی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

انقلاب کی کارفرمائیاں

بابل کے عبرتناک انقلابات کی تاریخ یہیں پر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ اب انقلاب و تغیر کا وہ دور شروع ہوتا ہے جس نے اس خطہ کو عبرت و بصیرت کا ایک مستقل صحیفہ بنا دیا ہے۔ تقریباً [illegible] ق م میں بابل پر کلدانیوں نے قبضہ کیا اور کم و بیش ساڑھے چار سو سال تک حکومت کرتے رہے۔ لیکن ۵۳۹ ق م میں ایرانیوں نے پھر اس ملک پر حملہ کیا اور شوری حکومت کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔

محکمۂ آثار قدیمہ نے بابل کے مسمار شدہ محلات کی کھدائی کے دوران میں شوری حکمرانوں کے جو قیمتی اسلحہ اور دوسرا سامان برآمد کیا ہے ان سے شوری عہد کی بہت سی دلچسپ باتوں پر روشنی پڑتی ہے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شوری بادشاہوں کو مصوری کا بہت شوق تھا اور ان کی بیگمات سونے کے زیورات سے مزین رہتی تھیں۔

بابل و نینوا کی رقابت

بابل اور نینوا میں ہمیشہ سے رقابت چلی آتی تھی۔ اور وہ ہمیشہ ایک دوسرے کی بربادی کے خواہشمند رہتے تھے۔ حتیٰ کہ جس زمانہ میں بابل کا آفتاب اقبال نصف النہار پر چمک رہا تھا اس وقت بھی نینوا کے حکمران محض رسمی طور پر نیازمندی کا اظہار کر دیا کرتے تھے ورنہ حقیقتاً نینوا بابل کی ہمسری کا مدعی تھا۔ نمرود کے جانشین نینوا والوں کی اس شوخ چشمی کو کب گوارا کر سکتے تھے نتیجہ یہ ہوا کہ بابل والے وقتاً فوقتاً نینوا پر لشکر کشی کرتے رہے۔ مگر ایک طرف تو انہیں کبھی کوئی نمایاں کامیابی حاصل نہ ہو سکی اور دوسری طرف اہل نینوا نے ہمیشہ دفاعی لڑائیاں لڑیں لیکن جب بابل کی حکومت کمزور ہو گئی تو [illegible] ق م میں اہل نینوا نے حملہ کیا اور بابل پر قبضہ کر لیا مگر اہل بابل کے لئے اپنے قدیم حریف سیاست کے اقتدار کو تسلیم کر لینا ناممکن تھا اس لئے انہوں نے ایرانیوں سے سازش کر کے ان کی مدد سے اپنے حریف کو شکست دی۔ نہ صرف اسی قدر بلکہ انہوں نے نینوا پر حملہ بھی کر دیا۔ اہل نینوا چونکہ پہلی شکست کی وجہ سے خستہ حال ہو رہے تھے اس لئے اس تازہ مصیبت کی تاب نہ لا سکے۔ اس لڑائی میں ان کی تہذیب کا چراغ گل ہو گیا اور ان کا نام قرطاس حکمرانی سے خارج ہو گیا۔

شدادِ ثانی

اس خونچکاں اور حسرتناک واقعہ کے بعد بخت نصر کا عہد حکومت شروع ہوتا ہے جسے اگر شداد ثانی کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ اہل بابل نینوا کو تاراج کرنے کے بعد اس کی تمام دولت پر متصرف ہو چکے تھے اور ایرانیوں کے ساتھ ان کی جو چشمک چلی آتی تھی اہل نینوا کی مخالفت میں وہ بھی ختم ہو چکی تھی اور بخت نصر کو امن و سکون کا دور حکومت نصیب ہو گیا تھا۔

بخت نصر نے اس امن و سکون کے زمانہ سے فائدہ اٹھا کر شہر بابل کی تعمیر کا فیصلہ کیا اور اس بات کا اعلان کر دیا کہ اس کی تعمیر اس انداز پر کی جائے کہ دنیا نینوا کی عظمت و شوکت کو بھول جائے چنانچہ نینوا ہی کے قیدی معماروں، دوسرے کاریگروں اور لوگوں سے اس کی تعمیر کا کام لیا گیا اور جب اس شہر کی تعمیر کا کام ختم ہو گیا تو بلاشبہ اس کے سامنے نینوا کی شان و شوکت گرد ہو کر رہ گئی۔

اس عہد میں جن لوگوں نے اس شہر کو دیکھا ہے ان میں سے سیاح ہیروڈوٹس کا بیان سب سے زیادہ مستند اور قابل اعتبار سمجھا گیا ہے اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ:

> شہر کے وسط میں دریا بہتا تھا اور شہر بیس میل کے رقبہ میں پھیلا ہوا تھا شہر پناہ جو شہر کے چاروں طرف تعمیر کی گئی تھی ۳۰۵ فٹ بلند اور ۸۵ فٹ چوڑی تھی اس میں پیتل کے ایک سو پھاٹک لگے ہوئے تھے اور ان پھاٹکوں کے ستون اور چوکھٹیں بھی پیتل ہی کی تھیں۔

غرضیکہ بخت نصر نے عراق میں ایک ایسا شہر تعمیر کرا دیا جو اس عہد میں بے مثل سمجھا جاتا تھا۔ ہر قسم کے پیشہ ور لوگوں کے لئے علیحدہ علیحدہ محلے قائم کئے گئے۔ مختلف قسم کے مسقف بازار بنائے گئے اور دریا کے کنارے پر تفریح گاہیں تعمیر کی گئیں جہاں حسین لڑکیاں پھولوں کے ہار اور گجرے فروخت کرتی تھیں عام شہریوں کی مذکورہ بالا سہولتوں کے پیش نظر اس بات کا اندازہ لگانا کچھ دشوار نہیں کہ شاہی محلات کا کیا رنگ ہوگا۔ اسی بخت نصر نے اپنے عہد حکومت میں بیت المقدس کو تاراج کر کے یہودیوں کو قید کیا تھا۔

سیاحت کے حالات

ہم نجف اشرف کی زیارت سے مشرف ہو کر کوفہ آئے اور کوفہ سے حضرت ذوالکفل کے مزار پر حاضری دیتے ہوئے حلہ پہنچے۔ حلہ ایک چھوٹا سا مگر بارونق شہر ہے اور یہاں متصرف یعنی کلکٹر رہتا ہے اس لئے یہاں گرد و نواح کے لوگ آتے رہتے ہیں۔ حلہ سے تقریباً پانچ میل کے فاصلہ پر بابل کے آثار قدیمہ واقع ہیں۔

جب ہماری موٹر بابل کے قریب پہنچی تو ایک کمسن عراقی لڑکے نے جو عربی اور انگریزی کے علاوہ جس پر اسے عبور حاصل تھا اردو بھی جانتا تھا خود کو بطور راہبر متعارف کرایا اور ہم اس کی معیت میں اس عظیم الشان شہر کے مٹے ہوئے نقوش کو دیکھنے کے لئے گئے

وہ بابل جس کے متعلق سہل ہیروڈوٹس کے بیان کا ایک حصہ مذکورہ بالا سطور میں پیش کیا جا چکا ہے اب خاک کے تودوں میں تبدیل ہو چکا ہے میلوں تک خاک کے تودوں کا ایک سلسلہ نظر آتا ہے جو آج بھی اپنی عظمت و شوکت کی شہادت دے رہا ہے شہر کے بازاروں، تفریح گاہوں اور کاروان سراؤں کا اب کوئی نشان موجود نہیں۔ بابل کے وسط میں بھی دریا بہتا تھا مگر اب اس کی جگہ ریل کی پٹڑی نے لی ہے اور ریل کا انجن صبح و شام شاہی محلات کے پاس سے گزرتا ہے جہاں اڑتا ہوا گرد جاتا ہے۔ حکومت عراق نے محکمہ آثار قدیمہ کی سعی و توجہ سے بیشتر تمام آثار جو ریت میں دب چکے تھے جنہیں نہایت محنت و جانفشانی کے ساتھ برآمد کیا گیا ہے۔

چاہِ بابل

قرآن کریم میں ہاروت و ماروت کا ذکر آیا ہے اور بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یہ دونوں فرشتے چاہ بابل میں مقید کر دیئے گئے تھے۔ میں نے حسینانِ عراق کی زاہد فریب معصومیت اور توبہ شکن حسن و جمال کو دیکھا اور اس نتیجہ پر پہونچا کہ اگر ان غارت گرانِ ہوش و خرد اور دشمنانِ صبر و شکیب کا جادو اگر فرشتوں پر بھی چل گیا ہو تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔

یہ کنواں اب بند ہو گیا ہے۔ اور زیادہ سے زیادہ دو تین گز کی گہرائی باقی ہوگی بعض لوگ کہتے تھے کہ اسے مصلحتاً بند کر دیا گیا ہے لیکن خدا ہی کو علم ہے کہ یہ کنواں گردشِ ایام کی بدولت بند ہو گیا یا اسے ارادۃً بند کر دیا گیا اور اس کنوئیں کے ساتھ کوئی راز وابستہ ہے یا نہیں۔

حمام

چاہِ بابل سے کچھ فاصلہ پر عہد بخت نصر کا ایک حمام ہے، معلوم نہیں اس وقت اس کی ہئیت کیا ہوگی اس وقت تو صرف ایک زینہ باقی ہے جو نیچے زمین میں پانی تک چلا گیا ہے پانی ابتک موجود ہے لیکن استعمال نہ ہونے کی وجہ سے بہت گدلا نظر آتا ہے زینہ کے پہلو میں چند شکستہ دیواریں بھی ہیں جو حمام کی عمارت ہی سے متعلق معلوم ہوتی ہیں۔ میرا خیال ہے کہ حمام کے کمروں کی دیواریں ہیں۔ عہد قدیم کی جو اشیاء برآمد ہوئی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد کی خواتین کو زیب و زینت کا بہت شوق تھا ممکن ہے کہ یہ کمرے تبدیلِ لباس کے لئے بنائے گئے ہوں یا ان میں شاہی بیگمات کی تزئین و آرائش کا سامان موجود رہتا ہو۔

ایوانِ خاص

حمام سے چند قدم کے فاصلہ پر قصر خاص ہے لیکن اب دو چبوترے اور ایک دو شکستہ دیواریں باقی رہ گئی ہیں۔ ان چبوتروں پر بیش بہا قالین بچھا کر ان سے تخت شاہی کا کام لیا جاتا تھا یہاں عیش و نشاط کی محفلیں برپا ہوتی تھیں۔ خوبصورت دلنوازی اور لڑکیاں ساقی کے فرائض انجام دیتی تھیں، نازک اندام و خوش گلو دوشیزائیں رقص و سرود سے حاضرین کو محو حیرت بنا دیتی تھیں اور حسین و خوش اطوار لڑکے چنگ و رباب پر دلکش نغمے چھیڑ کر سامعین کی دلچسپی کا سامان مہیا کرتے تھے۔

ایوان کی دیواریں بکثرت سرخ یاقوت سے مزین و مرصع کی گئی تھیں ستون عود و عنبر سلگا کر قصر کو معطر بنا دیا جاتا تھا اور لاتعداد کافوری شمعیں اسے بقعۂ نور بنائے رکھتی تھیں۔ یہ قصر بادشاہ کا ایوانِ خاص تھا۔ اور وزیر اعظم کو بھی بعض خاص حالات میں یہاں آنے کی اجازت دی جاتی تھی۔

اس شکستہ قصر کی وسعت کو دیکھ کر اس کی وسعت و عظمت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اسے حمام سے زیادہ مضبوط و مستحکم بنایا گیا ہوگا مگر تعجب کی بات ہے کہ حمام تو شکستہ حالت میں آج تک موجود ہے مگر اس قصر کی اینٹ سے اینٹ بج گئی۔ لیکن نہیں! اس میں حیرت کی کوئی بات نہیں۔ اگر انسان کے قیاسات اور اندازے باطل ثابت نہ ہوا کریں تو یہ حضرت خدا اور اس کی قوتوں کے بالکل ہی منکر ہو جائیں۔

معلّق باغات

قصر خاص سے کوئی سو گز کے فاصلہ پر "معلّق باغات" ہیں جن کے شکستہ ستون ہی باقی رہ گئے ہیں۔ مورخین کا بیان ہے کہ بخت نصر نے اپنی بیوی کی تفریح طبع کے لئے یہ باغات لگائے تھے۔ مگر میرا خیال ہے کہ ان باغات کو لگانے کا یہی واحد سبب نہیں ہو سکتا۔ اسمیں عراق کی شدید گرمی کو بھی دخل ہے بہرحال یہ باغات اس عہد کے عجائبات میں شمار کئے جا سکتے ہیں۔

اس عہد کے انجنیروں نے چھتے بنا کر ان پر کچھ اس طرح بہت سے ستون قائم کئے تھے۔ جن کی چھتوں پر لگے ہوئے درخت معلّق نظر آتے تھے۔ ان میں بعض تناور اور سایہ دار درخت بھی تھے۔ پانی کا انتظام بہت معقول تھا اور تھوڑی ہی دیر میں تمام باغ سیراب ہو جاتا تھا۔ روشوں کے وسط میں فوارے چھوٹتے تھے۔ بعض دیواروں سے آبشار کا کام لیا گیا تھا اور انہیں دیواروں کے قریب شاہی نشست ہوتی تھی۔

ان باغات کے لئے نہایت خوبصورت اور خوش الحان پرند فراہم کئے گئے تھے۔ آبشاروں اور فواروں، پھولوں کی کیاریوں اور سرسبز و شاداب جھاڑیوں کی اوٹ میں بربط نوازی ہوتی تھی۔ شراب کے جام گردش میں آتے تھے اور نشۂ شباب سے مخمور بربط نواز لڑکیاں ان کیفیات سے بیخود ہو کر باہم خوش فعلیوں میں مصروف رہتی تھیں۔ ان باغوں میں بعض ایسے پودے بھی تھے جنہیں شراب سے سیراب کیا جاتا تھا اور ان کے پھولوں اور پتیوں کی رونق دوبالا ہو جاتی تھی۔ ان باغوں کے ستون اینٹوں کے بنے ہوئے ہیں۔

- - - - - - - - - - - - - - - - - - - -

عبادت گاہ

یہاں ایک عبادت گاہ کے نشانات بھی نظر آتے ہیں لیکن چند شکستہ دیواروں کی شکل میں۔ ان دیواروں پر بعض نقش و نگار، جانوروں کی تصویریں بنی ہوئی ہیں جو [illegible] بڑی [illegible] سے ترتیب دی گئی ہیں۔ اگرچہ اب بعض نقش و نگار رنگ اڑ جانے سے [illegible] ہیں پھر بھی وہ اچھی طرح نظر آتی ہیں۔ [illegible] داستان میں آتا ہے [illegible] پرستش کی جاتی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ کے لوگ وحشی اور خون آشام درندوں کی پرستش کیا کرتے تھے۔

یہ معبد شاہی خاندان کی عبادت کے لئے مخصوص تھا اور عوام اس کی زیارت بھی نہ کر سکتے تھے۔ اس معبد کو قوم کو بہت زیادہ مقدس سمجھا جاتا تھا اور جب کبھی یہ شہر بابل کے راستوں سے گزرتا تھا تو اہل شہر ذوق عقیدت کے باعث اس کے لئے راستہ چلنا مشکل کر دیتے تھے۔ یہ عبادت گاہ ایک غار معلوم ہوتا ہے لیکن اس کی شکستہ دیواریں گواہ ہیں کہ کبھی اس کا احاطہ بہت بڑا اور شاندار تھا۔

شیر کا مجسمہ

معبد کے بعد عمارتوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے جو شاہی محلات کی تباہ شدہ صورت میں ہیں۔ ان میں سے بعض عمارتیں بہت گہری ہیں اور انہیں میں سے ایک عمارت کے اندر سیاہ پتھر کا بنا ہوا شیر کا ایک مجسمہ رکھا ہوا ہے اور اس کے نیچے ایک عورت کا مجسمہ چت لیٹی ہوئی ہے۔ معلوم نہیں شیر کے مجسمہ کے ساتھ عورت کے مجسمہ کو رکھنے کا کیا منشا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں شیر کو بھی قابل پرستش سمجھا جاتا تھا۔ لیکن عورت کے مجسمہ کو شیر کے ساتھ دیکھ کر میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ غالباً خاص طور پر شیر کی پرستش کی جاتی ہوگی۔

شاہی راستہ

معبد اور قصر کے قریب ہی ایک فراخ اور وسیع راستہ کے نشانات پائے جاتے ہیں جو بخت نصر کی سواری کے لئے مخصوص تھا۔ یہ راستہ اس قدر فراخ ہے کہ اس پر بیک وقت ایک درجن گھوڑے شانہ بشانہ چل سکتے ہیں۔ اس راستہ کو دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ تمام شاہی محلات کے سامنے سے ہو کر گزرتا ہے۔

واپسی

اس عبرت کدہ کو دیکھنے کے بعد ہم نے اپنے نو عمر راہبر کو چند فلس (عراقی سکہ) دیے۔ وہ شکریہ ادا کرنے کے بعد خدا حافظ کہہ کر دوسری طرف چل دیا اور ہم بغداد کے لئے روانہ ہو گئے۔

آہ! بابل کے بانی بخت نصر کو کیا خبر تھی کہ وہ جس شہر کی تعمیر پر بے اندازہ دولت صرف کر رہا ہے کل اس کی حیثیت صرف اس قدر رہ جائے گی۔ کہ ایک عراقی لڑکا سیاحوں کو اس کے شکستہ آثار دکھا کر چند پیسے پیدا کر لیا کرے گا۔ (ماخوذ)

نظم

بھکارن کی دنیا

از حضرت نہال سیوہاروی

دور اہلِ زر کے ہر کاشانۂ عشرت سے دور   ایک بھکارن راہ میں بیٹھی تھی بارِ غم سے چور
جس کے غم آلودہ چہرہ سے عیاں تھی مفلسی   کچھ نہ کہنے پر بھی گرم داستاں تھی مفلسی
مفلسی وہ جس کو کہئے دشمنِ عزّ و وقار   جس کے سایہ سے لرزتا ہے شکوہِ تاجدار
مفلسی وہ جو مکمل نقش ہے ادبار کا   ظلمتیں جس کی مٹائیں طنطنہ انوار کا
مفلسی وہ جو بھلا دیتی ہے حق ناموس کا   جس کے ہاتھوں چاک ہوتا ہے ورق ناموس کا
مفلسی وہ جو غمِ بے مائیگی کا راگ ہے   فقر کا دوزخ فلاکت کا دہکتی آگ ہے
مفلسی وہ جو مٹا دیتی ہے شانِ زندگی   آدمیت کو ترستا ہے جہانِ زندگی
وہ بھکارن درطۂ افلاس کی ماری ہوئی   رنج میں ڈوبی ہجوم یاس کی ماری ہوئی
گود میں اپنے لئے بیٹھی تھی ایک ننھا سا لال   مفلسی کا اور اس ننھی سی ہستی پر وبال
دوپہر وہ موسم گرما کی آتش ریز دھوپ   ہر طرف لُو کے تھپیڑے ہر طرف تھی تیز دھوپ
وہ ہوائے شعلہ ساماں ہر طرف چلتی ہوئی   گرم سورج کی شعاعوں سے سڑک جلتی ہوئی
خاک کے تپتے ہوئے ذرّوں پہ ہوتا تھا گماں   خاک کے دامن میں تھا اک آگ کا دریا رواں
جوشِ آزادی سے وہ بڑھتے ہوئے گرد و غبار   سوئے گردوں دم بدم چڑھتے ہوئے گرد و غبار
جس کے تیور دیکھ کر آتے ہوئے اوسان جائیں   گرم رو آندھی کی وہ لحظہ بہ لحظہ سائیں سائیں
الغرض قہرِ مجسم تھا وہ گرما کا شباب   التہاب محض کیا بلکہ جہانِ التہاب

چھتریوں کے سائے میں کچھ آرہے تھے راہ رو — چھتریوں کے سایہ میں کچھ جا رہے تھے راہ رو
اور وہ بے کس زمانے کے مصائب کی شکار — ایک ردا رکھتی تھی سر پہ جا بجا سے تار تار
بخت برگشتہ سے راحت آفریں سایہ نہ تھا — آرزو سایہ کی تھی لیکن کہیں سایہ نہ تھا
وہ بھکارن کہہ رہی تھی آلٰہ العالمین — اے کہ تیرے قبضہ و قدرت میں ہے روئے زمین
ہے جہاں تیرا جہنم ہم غریبوں کے لئے — کوئی راحت ہی نہیں ہے بدنصیبوں کے لئے؟
دھوپ سے اس ننھی منی جان کو کیونکر بچاؤں — جاؤں اے دنیا کے مالک ہاں بتا کس سمت جاؤں؟
اس تپش سے امن پائیگا میرا دلبند کیا — مختصر سی اک جگہ دیدیں گے دولت مند کیا؟
ان کو میری خستہ حالی پر ترس آئے گا کیا — کوئی ان اہلِ دول سے رحم فرمائے گا کیا؟
میرے بیکس لال پر ہوگی عنایت کی نظر — کیا اسے انسان سمجھیں گے خداوندانِ زر؟
مفلسوں پر یہ خداوندانِ زر روتے ہیں کیا — عیش کوشانِ ارم دردآشنا ہوتے ہیں کیا؟
اور اگر ایسا نہیں دستور اے بارِ آلٰہ — کیا غریبوں کے لئے یہ زندگانی ہے گناہ
کیا امیروں پر ہی تیرے لطف کے انبار ہیں — کیا یہی خسخانہ و برف و آب کے حق دار ہیں
کیا امیروں کے لئے ہی جگمگاتے قصر ہیں — اہلِ زر ہی کیا فقط راحت کشانِ عصر ہیں
باد کش کی ہیں انہی کے واسطے ٹھنڈی ہوائیں — کہ یہ جب چاہیں جہنم کو بھی جنت کر دکھائیں
عیش کے شایاں امیروں ہی کے ہیں نورِ نظر — اور طوفانِ فلاکت کو مرا لختِ جگر
ختم کر یارب یہ اندازِ زمانہ ختم کر — دہر سے سرمایہ داری کا فسانہ ختم کر

تا کجا عہدِ فلاکت بدنصیبوں کے لئے
یہ جہاں جنت بنا دے ہم غریبوں کیلئے

۱۸ اگست [illegible]

نہال [illegible]

افسانہ

تکمیلِ محبّت

از جناب عبدالعلیم صاحب نجیب سرونجی

(۱)

غروب ہوتے ہوئے آفتاب کی شعاعیں زنام کی پیشانی کو الوداعی بوسہ دے رہی تھیں۔ وہ آبشار کے اچھلتے ہوئے پانی پر نظریں جمائے خاموش کھڑا تھا آج اس کے سنجیدہ چہرے پر مسرت کے نشان پائے جاتے تھے۔ یکایک اس کے قہقہہ کی آواز فضائے بسیط میں بلند ہوئی، دو چٹانوں سے ٹکرا کر سینکڑوں قہقہوں میں منتشر ہوگئی۔ کوہستان کھنیر کی اس پُرفضا وادی نے نہ معلوم کتنے عرصہ کے بعد یہ آواز سنی تھی

"متبرک رابشی!" یکایک اس نے سامنے کھڑے ہوئے ایک چھوٹے مگر بہت پرانے درخت کی طرف مخاطب ہو کر کہا "میں نے تیری عجیب و غریب قوتوں کے حصول کیلئے بڑی سے بڑی قربانی پیش کرنے سے بھی احتراز نہیں کیا۔ اپنے فانی جسم کو تیرے غصہ اور جلال کا شکار بن جانے کیلئے وقف کر دیا۔ میرا جسم اکثر چلچلاتی دھوپ میں سورج کی شعاعوں کا مرکز رہا ہے۔ تو شاہد ہے کہ اکثر سرما کے آخری حصۂ شب میں پتھریلی زمین پر گر کر ٹکڑے ٹکڑے ہو جانے والے پانی نے میرے جسم پر گہر افشانیاں کی ہیں۔ کیا تجھے یاد نہیں رہا کہ جب ان موتیوں میں مہتابی شعاعوں کے انعکاس سے تیری آنکھیں خیرہ ہو گئیں تو تو نے اس طلسم زار کو میرے سامنے توڑ دیا۔ اور آج دنیا کو تعجب ہے کہ زنام، شہرۂ آفاق تمثیل نگار، عجیب و غریب روحانی قوتوں کا بادشاہ ہے ....."

رابشی کے پتوں کو حرکت ہوئی اور ایک عجیب سناٹے کی آواز آئی گویا درخت پر سینکڑوں پرندے بیٹھے ہوئے تھے جو یکایک اڑ گئے۔

"روحانی قوتوں کے مرکز! کیا تجھے معلوم ہے کہ یہ سب کچھ کیوں ہوا؟ تو جانتا ہے کہ میں ایک معمولی تمثیل نگار کی حیثیت سے کمپنی میں داخل ہوا۔ وہاں مجھے حسین اداکار ارنشی سے محبت ہو گئی۔ اس وقت میری حیثیت بہت معمولی تھی۔ اس نے میری طرف التفات نہ کیا۔ میں نے اپنے فن میں یہاں تک ترقی کی کہ میرا شمار دنیا کے بہترین تمثیل نگاروں میں ہونے لگا۔ مگر ارنشی کے دل میں پھر بھی جگہ حاصل نہ کر سکا۔ آتشِ محبت مجھے بھونکے ڈالتی تھی۔ مگر اظہارِ تعشق کا جواب ہنوز نہیں ہی تھا۔ آخر میں اس کو حاصل کرنے کے لئے روحانیت کی طرف متوجہ ہوا اب تیری مدد کی ضرورت ہے۔ میری تمثیل کو کمپنی کے تمام اداکاروں نے مشکل کرنے سے انکار کر دیا۔ وہ اسے مشکل کر ہی نہیں سکتے تھے۔ کیونکہ اس کی تمام عمارت روحانیت کی بنیادوں پر قائم ہے۔ اس تمثیل کو جو شاید میرا آخری قلمی کارنامہ ہے اگر دنیا کا کوئی شخص مشکل کر سکتا ہے تو وہ زنام ہے۔ صرف زنام ..... کمپنی نے میری خدمات بحیثیت اداکار خصوصی کے قبول کر لی ہیں۔ ارنشی میرے ساتھ کام کرے گی۔ بتاؤ کیا تم میری مدد کرو گے؟ صرف ایک مرتبہ میری روح کو مادیت کی طرف رجوع کر دینا اور بس"

درخت سے سناٹے کی آواز بلند ہوئی۔ اور زنام کا چہرہ وفورِ مسرت سے تمتما اٹھا اس نے اپنی جگہ سے حرکت کی اور رات کی تاریکی میں غائب ہو گیا۔

(۲)

کمپنی کا بڈھا مالک زنام کے کمرے میں داخل ہوا۔ زنام وارفتگی کے عالم میں آرام کرسی پر بیٹھا گنگنا رہا تھا۔ وہ قدموں کی آواز سن کر چونکا "وقت ہو گیا؟" اس نے کہا "اچھا اسٹیج کے مغربی گوشہ کو بالکل خالی کرا دو۔ میں ابھی آتا ہوں" مالک واپس چلا گیا۔

ہال آدمیوں سے بھر گیا۔ مالک آج بہت خوش نظر آ رہا تھا۔ کمپنی کو اس قدر آمدنی پہلے کبھی نہ ہوئی تھی۔

کھیل شروع ہوا۔ پردہ اٹھتے ہی ارنشی ملکہ کے لباس میں مرصع تخت پر بیٹھی نظر آئی۔ اس کا دلفریب حسن آنکھوں کو دعوتِ نظارہ دے رہا تھا۔ اسٹیج کے بائیں گوشہ سے وارفتۂ محبت زنام گدا کے لباس میں نمودار ہوا اس کی متوحش [illegible] ارنشی کے آنکھیں رخساروں میں جذب ہو کر رہ گئیں۔ وہ رندِ بدمست کی طرح بڑھا۔ لوازمِ تمثیل کی تکمیل کے لئے نہیں، جذبِ محبت کے ماتحت!

"ملکۂ حسن"! اس نے کانپتی ہوئی آواز میں کہا "بارگاہِ حسن میں ایک گداگر کی حقیر قربانی قبول کر" اور تیورا کر ارنشی کے قدموں پر گر پڑا۔ ارنشی بھی چیخ مار کر اس کے اوپر گری۔ لیکن جیسے ہی اس نے زنام کے سینے پر ہاتھ رکھا۔ وہ گھبرا گئی۔ زنام کا طائرِ روح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکا تھا۔ وہ جلالی موت! موت!!

کمپنی کا مالک گھبرا کر اٹھا "یہ بات تو ڈرامہ میں شامل نہ تھی!" وہ بڑبڑایا۔ اور دوڑ کر اسٹیج پر جانا چاہتا تھا کہ غیر اختیاری طور پر اس کے قدم رک گئے۔ اسٹیج کے مغربی گوشہ سے ایک نہایت زور کے سناٹے کی آواز پیدا ہوئی۔ جیسا کبھی کبھی طوفان آنے سے پہلے ہوتا ہے ایک شبیہ نمودار ہوئی۔ ارنشی نے گھبرا کر زنام کو دیکھا۔ پھر شبیہ کو۔ بالکل وہی "زنام کی روح؟" اس کے منہ سے بیساختہ نکل گیا۔

"یہ ڈرامہ کی تکمیل ہو رہی ہے!" کمپنی کا مالک چلایا "عجیب!" وہ تابِ نظارہ نہ لا سکا۔ اور بے ہوش ہو کر گر پڑا۔ ارنشی اسٹیج سے بھاگ جانا چاہتی تھی۔ مگر اس کے پیروں کی طاقت سلب ہو گئی۔ روح قریب تر آتی گئی۔ اور آخر ارنشی کو اپنی آغوش

میں لے لیا۔ پھر سلنے کی آواز پیدا ہوئی۔ اور روح فضا میں تحلیل ہوتی محسوس ہونے لگی یہ دو ... محسوس کر لیا۔

حال سے ... کی حقیقت ... پر غش غش کر رہے تھے۔ دو ... لیکن ان کے تعجب کی کوئی انتہا نہ رہی جب دوسرے دن انہوں نے اخبار میں پڑھا۔

گزشتہ شب کے ڈرامہ کے بعد سے مشہور تمثیل نگار زاہم اور شہرۂ آفاق ممثلہ ارتمیش غائب ہیں۔ حضرت مالک کمپنی کی نعش اسٹیج پر پڑی ہوئی پائی گئی۔"

دوشیزہ

(از جناب قاضی سید شوکت حسین صاحب علوی۔ بہار۔ بلگرامی)

منزلِ غم کی رہنما ہے تو
کشتیٔ دل کی ناخدا ہے تو
حسنِ فطرت کی انتہا ہے تو
مظہرِ شانِ کبریا ہے تو
جان لیوا بھی دلربا بھی ہے
درد دل بھی ہے اور دوا بھی ہے
مرنے جینے کا آسرا ہے تو — منزلِ غم کی رہنما ہے تو

تو نے صورت کچھ ایسی پائی ہے
جس پہ قربان پارسائی ہے
وہ پیامِ حسین لائی ہے
جس کی گرویدہ کل خدائی ہے
تیری رنگینیاں گلستاں ہیں
تیری موجوں میں بحر ارماں ہیں
نکہتِ گل ہے تو صبا ہے تو — کشتیٔ دل کی ناخدا ہے تو

تو نہیں ہے تو زندگی بے سود
باعثِ کائنات تیرا وجود
آدمیت ہے صرف تیری نمود
تیری جانب زمانہ سر بسجود
نغمہ تجھ میں ہے ساز تجھ میں ہے
دونوں عالم کا راز تجھ میں ہے
عاملِ عصمت و حیا ہے تو — حسنِ فطرت کی انتہا ہے تو

تری انگڑائی پہ بہار نثار
سادگی میں بھی ہیں ہزار سنگھار
پُر نظر پُر جلال پُر اسرار
چشمِ بد دور بے پئے سرشار
رونقِ بزمِ عالمِ امکاں
جلوۂ طور پر تو یزداں
بہر انداز ارتقا ہے تو — مظہرِ شانِ کبریا ہے تو

اشتراکی روس کا عظیم الشان قصر

روس کی اشتراکی حکومت نے ۱۹۳۱ء میں اشتراکی حکومت کی عدیم المثال یادگار کے طور پر جس عظیم الشان قصر کی تعمیر کی تکمیل کا فیصلہ کیا تھا موجودہ جنگ کے باعث اگرچہ اس قصر کی تعمیر کچھ عرصہ کے لئے ملتوی ہو جائے گی لیکن اختتام جنگ کے بعد جب یہ پیش نظر تجویز کے مطابق بن کر تیار ہو گا تو یہ نہ صرف اشتراکی حکومت کا ایک تاریخی کارنامہ ہی ہو گا۔ بلکہ اپنی وسعت، بلندی، استحکام اور خوبصورتی کے اعتبار سے بھی بے نظیر اور موجودہ عجائبات عالم میں ایک قابل قدر اضافہ ہو گا۔

روس کی اشتراکی حکومت نے دنیا کی اولین اشتراکی حکومت کے بانی لینن کا ایک مجسمہ تیار کرنے کا فیصلہ کیا تھا جسے ۱۹۴۲ء کے اختتام کے ساتھ ہی پایۂ تکمیل تک پہونچا دینا چاہتی تھی۔ لینن کے اس مجسمہ کا وزن ۶۵۰۰ ٹن ہو گا اور قد و قامت انگلستان کی مشہور عمارت سینٹ پال کے گرجا کی برابر۔ اس مجسمہ کی جسامت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس کی انگشت شہادت بیس فٹ لمبی ہو گی اور اس کے شانے ایک سو پانچ فٹ چوڑے۔ اگر یہ مجسمہ جس قصر پر نصب کیا جائیگا اس کی وسعت و بلندی کا اندازہ لگانا کچھ دشوار امر نہیں۔ یہ قصر ۱۳۶۵ فٹ بلند ہو گا اور اس میں اشتراکی روس کی پارلیمنٹ کے اجلاس منعقد ہوا کریں گے۔

یہ قصر لینن کی یادگار کے طور پر تعمیر کیا جا رہا ہے جس میں حصہ لینے کے لئے۔۔۔ اشتراکی روس کی تمام جمہوری حکومتوں نے بیش قیمت سنگ مرمر، گرانیٹ اور ایک طرح کا پتھر جو تعمیر کے کام آتا ہے، نیز تعمیر و تزئین کے متعدد نمونوں اور سامان کیساتھ اپنے اپنے نمائندوں کو دارالحکومت میں بھیج رکھا تھا۔ اور اشتراکی روس کی وسیع حدود میں جو ملک کے چھٹے حصے پر پھیلی ہوئی ہیں بے شمار انسان اس قصر کی تعمیر میں عقیدتمندانہ شرکت کے لئے اپنی عزیز ترین اشیا بطور ہدیہ پیش کرنے کی تیاریوں میں مشغول تھے۔

اشتراکی روس کے قائدین ۱۹۲۲ء سے اس قصر کی تعمیر کا ارادہ کر رہے تھے چنانچہ ۱۹۲۲ء میں ماسکو کے مقام پر جب اشتراکی روس کی کانگریس کا اولین اجلاس منعقد ہوا اور اس نے مختلف اقوام کی ایک اشتراکی دولت متحدہ کے قیام کا اعلان کیا تو اس مسرت افزا موقع پر لینن اور اسٹالن کے عزیز ترین دوست کروینے، ورائے قفقاز کی اشتراکی جمہوریت کی جانب سے تقریر کرتے ہوئے ماسکو میں ایک عدیم المثال قصر کی تعمیر کا مطالبہ کیا تھا۔ موسیو کروینے نے اپنی تقریر میں کہا تھا۔

"تمہارے متعلق بہت سی باتیں کہی گئی ہیں۔ اور ہمیں ساہوکاروں زمینداروں اور زراعت پسندوں کے محلوں اور بڑی بڑی عمارتوں کو تباہ و برباد کر دینے کا مجرم قرار دیا گیا ہے اس الزام پر ہمیں بحث و نزاع کی ضرورت نہیں۔ یہ سب کچھ درست ہے لیکن ہمیں ان الزامات کو آئندہ کے لئے مسدود کر دینا چاہیئے۔

ہمیں ایک قصر تعمیر کرنا چاہیئے۔ مزدوروں اور کسانوں کے لئے ایک عظیم الشان قصر ان مزدوروں اور کسانوں کے لئے جو محنت و مشقت کرتے ہیں اور جن کے وجود کے ساتھ اشتراکی روس کی فلاح و ترقی اور اس کے تمام ذرائع کی وسعت و کامیابی وابستہ ہے۔ ہمیں اپنے مزدوروں اور کسانوں کی تعمیری صلاحیتوں اور قابلیتوں کو ایک یادگار کی شکل میں محفوظ کر لینا چاہیئے۔

ہمیں اپنے دوستوں پر ثابت کر دینا چاہیئے کہ ہم جو ایشائی ہیں ان تمام باتوں کے باوجود جو ہمارے مغرور و متکبر مخالفین ہمارے متعلق کہتے ہیں اس زمین کو جو ظلم و جبر اور شر و فساد کے باعث جہنم بنی ہوئی ہے ایسی عمارتوں سے مزین کر سکتے ہیں جو ہمارے دشمنوں کو خواب میں بھی نظر نہیں آ سکتیں۔۔۔۔۔۔۔۔"

موسیو کروینے کی اس خواہش کی بنیاد پر جب اس قصر کی تعمیر کا فیصلہ کیا گیا۔ تو عمارت کے نقشہ کا فیصلہ کرنے والی مجلس کے روبرو ۱۶۲ نقشے پیش کئے گئے جن میں بعض نقشے غیر ملکی ماہرین تعمیرات نے بھی ارسال کئے تھے لیکن اس سلسلہ میں جو انعامات مقرر کئے گئے تھے ان میں دو انعامات تو روس ہی کے دو ماہرین نے حاصل کئے اور ایک انعام امریکہ کے ایک شخص نے۔

۱۰ مئی ۱۹۳۳ء کو ایم مولوٹوف کی صدارت میں "مجلس تعمیر قصر" کا جو اجلاس منعقد ہوا اس میں کامریڈ اسٹالن نے یہ تجویز کی کہ اس قصر کی چھت پر لینن کا مجسمہ نصب کرنا چاہیئے یہ تجویز باتفاق رائے منظور کر لی گئی اور کئی ماہ تک ماہرین تعمیرات، سنگ تراش اور مجسمہ ساز اس بات پر بحث کرتے رہے کہ مجلس تعمیرات قصر کی اس نئی تجویز کو کس طرح جامۂ عمل پہنایا جائے۔ بہرحال فیصلہ ہو گیا اور یہ بات طے کی گئی کہ لینن کے مجسمہ کو زمین ہی پر مکمل کر کے جرِ ثقیل (CRANES) کے ذریعہ قصر کی چھت پر نصب کیا جائے گا۔ اس عظیم الجثہ مجسمہ کو قائم رکھنے کے لئے ایک سخت قسم کا فولاد تیار کیا گیا ہے جسے "قصر اشتراکیت کا فولاد" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ ماسکو

یہاں برف باری بڑی شدت کے ساتھ ہوتی ہے جس کی وجہ سے سنگ مرمر کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا اس وجہ سے اس عمارت کی ساخت میں سنگ مرمر کی بجائے دوسرے رنگ کا گرانٹ استعمال کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

قصر اشتراکیت کی تعمیر کی ابتدائی تیاریوں کا حال اور لینن کے مجسمہ کی تفصیلات بیان کر دینے کے بعد قصر کے سلسلہ میں بعض دلچسپ باتوں کو بیان کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔

اس قصر کی وسعت کا اندازہ آسانی کے ساتھ نہیں لگایا جا سکتا لیکن مجھے یقین ہے کہ اس سلسلہ کے بعض اعداد و شمار قصر کی رفعت و وسعت کا اندازہ کرنے میں کچھ نہ کچھ ضرور مدد دے سکیں گے۔ نیویارک میں ایمپائر اسٹیٹ بلڈنگ کے آہنی ڈھانچہ میں ۵۸ ہزار ٹن فولاد صرف ہوا ہے۔ اور دنیا کے سب سے بڑے پل میں جو سان فرانسسکو اور اوک لینڈ کو ایک دوسرے سے ملاتا ہے۔ ایک لاکھ تین ہزار ٹن لیکن ماسکو میں جو قصر زیر تعمیر ہے اس میں تین لاکھ ساٹھ ہزار ٹن فولاد خرچ ہوگا۔

روس کے اشتراکی ماہرین تعمیرات نے اس قصر کا جو نقشہ تیار کیا ہے اس کے مطابق یہ قصر بیضوی شکل کی ایک وسیع عمارت ہوگی اور اس کا تمام ڈھانچہ فولاد سے بنایا جائے گا۔ اس قصر کے ہال کا قطر ۴۶۰ فٹ ہوگا۔ اور اونچائی ۳۲۸ فٹ۔ اس میں ۱۵ قطاریں بنا کر اکیس ہزار افراد بیٹھ سکیں گے۔ اور سب سے پچھلی قطار سے اسٹیج ۴۹۰ فٹ کے فاصلہ پر ہوگا۔

اس قصر کی چھت نہایت ہلکی اور دلکش دھات کی بنی ہوئی ہوگی، یہ چھت خود بخود روشن ہو جایا کرے گی اور گفت و شنید اور بحث و مباحثہ کا شور اسی میں جذب ہو کر رہ جایا کرے گا۔ ہر نشست کے ساتھ کلام و سماعت کے آلات بھی نصب ہوں گے اس ہال کا اسٹیج جس کا قطر ۹۰ فٹ ہوگا۔ بوقت ضرورت ۱۳۸ فٹ تک وسیع بھی کیا جا سکے گا۔ اور حسب ضرورت اور اسٹیج بھی فرش سے برآمد ہو سکیں گے اس قصر میں تیرنے کے لئے ایک تالاب، سرکس، سینما اور برف پر رقص کرنے کے لئے ایک مخصوص جگہ بھی تعمیر کی جائے گی۔ اس کے علاوہ ایک چھوٹا ہال بھی ہوگا جس میں چھ ہزار آدمی بیک وقت بیٹھ سکیں گے۔

دل کا پیام

(از حضرت موج رفیقی علیگ)

آمدِ صبح کچھ نہیں رخصتِ شام کچھ نہیں
محرمِ رازِ عشق کو حسنِ نظام کچھ نہیں

کلیوں کی مسکراہٹیں دب نہ سکیں حجاب سے
فطرتِ حسنِ شوخ پر اس میں کلام کچھ نہیں

ساقیٔ بیخودی فروش چھین نہ مجھ سے عقل و ہوش
تیری نظر کے سامنے گردشِ جام کچھ نہیں

نظریں بتا رہی ہیں لاکھ جذبۂ شوق کی طلب
پھر بھی حضورِ حسن میں دل کا پیام کچھ نہیں

حسن نے عشق کو دیا جامِ گناہِ زندگی
ذوقِ گناہ المدد، عیشِ دوام کچھ نہیں

ہاں اے جنونِ شوق اب آیا ہوں ہوش میں ذرا
یہ تو صدائیں دل کی تھیں انکا پیام کچھ نہیں

شاعرِ محوِ انفعال کچھ تو بتا جنوں کا حال
حسن کی بارگاہ میں عرضِ سلام کچھ نہیں

عشق میں نا امیدیاں اتنی بڑھیں کہ موج اب
دل کی پکار کچھ نہیں دل کا پیام کچھ نہیں

تندرستی و آزادی

از جناب مشرف مظاہری سہارنپوری

بلکہ یوں کہیے کہ انسان کو دنیا میں خدا ذوالجلال والاکرام کی جانب سے انواع و اقسام کی نعمتیں عطا کی گئی ہیں۔ مگر بہت سی اشیاء ایسی بھی ہیں جو بنا بر خواص و اہمیت امتیازی خصوصیات رکھتی ہیں یا ان میں مابہ الامتیاز ایسی نسبت و عمدگی مخفی ہوتی ہے جس کی وجہ سے ہم اس کو ممتاز الوجود ماننے پر مجبور ہو جاتے ہیں نیز اس قسم کی نادرات بھی اکثر و بیشتر پائی جاتی ہیں جو بحیثیت مجموعی نمایاں اوصاف سے متصف ہوتی ہیں اور دوسری اشیاء تابع ہو کر یا ضمناً اس کے ساتھ شامل رہتی ہیں اور اس کے افعال و خواص کے انتظام پذیر ہونے میں مدد و معاون کا کام دیتی ہیں۔

جامعیت کے لحاظ سے ممتاز الوجود ہونا معمولی شے نہیں ہے انسان کو اشرف المخلوقات کا لقب اسی لئے بخشا گیا ہے کہ وہ سائر حیوانات سے افضل و اشرف ہے اور ممتاز حیثیت و ارفع مرتبہ کا حامل ہے۔ قرآن مجید فرقان حمید میں بھی اس طرف اشارہ نہایت لطیف پیرایہ میں فرمایا گیا ہے کہ

ولقد کرمنا بنی آدم وحملناهم في البر والبحر ورزقناهم من الطيبات وفضلناهم على كثير من العالمين"

خداوند قدوس و لم یزل کا ہم پر کتنا وسیع انعام ہے کہ اشرف المخلوقات کے اعلیٰ لقب سے مشرف فرما کر "کرمنا بنی آدم" کا حسین تاج پہنایا۔ چرند و پرند، وحش و طیور غرض تمام ساکنان عالم پر حاکم و متصرف فرمایا اور لاتعد و لاتحصیٰ نعمتیں عطا فرمائیں جن پر ہم بجا طور پر فخر کر سکتے ہیں۔ صرف تندرستی ہی کو لے لیجیے، دیکھئے یہ قدرت کا کتنا عظیم المرتبت اور بیش بہا فیضان و عطیہ ہے کہ اگر اس میں ذرہ سے نقص واقع ہو جائے تو ہم اکثر فرائض کی ادائیگی کما حقہ نہیں کر سکتے اور اگر خدا نخواستہ یہ معدوم ہو جائے تو ہمارا وجود صرف اپنی ہی نظر میں نہیں بلکہ اپنی جنس لطیف کے افراد کے لئے ہڈیوں کے بیکار ڈھانچے سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا اور وہ وجود جو عالم کے لئے باعث احسان بنا تھا پر کاہ سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ قوم و ملک کی خدمت ہمارے لئے بے معنی ثابت ہوتی ہے کیونکہ ہم ایسی حد میں پہنچ جاتے ہیں، جہاں پر احساسات و جذبات اول تو معدوم ہو جاتے ہیں اور اگر پائے بھی جاتے ہیں تو قوت عمل مفقود اور دماغ شکست ہو جاتی ہے۔

حصول مقاصد حیات کی شاہراہ میں صحت کا نہ ہونا ایک گراں سنگ حائل ہو جاتا ہے۔ تمنائیں نگاہوں میں ہیں حوصلے نصیب ہم کے لئے ہیولیٰ بنکر سوہان روح کا کام کرتی ہیں اور یہ وجود جو مظہر خلاق ہے موت کی بھیانک شکل اور اسپر ہر وقت لبیک کہنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔

تندرستی انسان کے لئے خالق کا گرانقدر انعام ہے اور اہم بالشان ہونے کے معنی یہی ہیں کہ اس عطیہ کی ہر طرح قدر و منزلت اور حفاظت کی جائے اس کا استعمال جائز طور پر کیا جائے یہ ایک ایسا فرض ہے جو اسے خود اپنے لئے اور خاندان، قوم و سوسائٹی و ملک کے لئے لازم ہے اور ان سب سے بڑھکر ایک اور فرض ہے وہ یہ کہ اس کو خالق کے سامنے اس کا جواب دینا ہے۔

کائنات عالم کا نظام ہی صرف تندرستی پر منحصر ہے اگر اس کا عدم مان لیا جائے تو نظام کائنات عالم کا بھی نقصان ماننا پڑیگا مگر صد افسوس کہ ہم اتنی عجیب اور بلند مرتبہ نعمت کو ایک حقیر شے تصور کئے ہوئے ہیں اور بادی النظر میں اس کی کوئی وقعت ہمارے قلوب میں موجود نہیں جس کی بنا پر ہم اتنی بے اعتنائی سے کام لیتے ہیں کہ وہ عمر طبعی جو ہمارے اسلاف کو میسر ہوتی تھی حیرت و استعجاب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور ان کی درازی عمر پر انگشت بدنداں رہ جاتے ہیں۔

اب سے کچھ عرصہ قبل ساٹھ سال کا شخص (جو اس زمانے میں عمر کے آخری ایام جانے جاتے ہیں) نوجوان مانا جاتا تھا بدنصیبی آج تک اس زمانے کی "ساٹھا پاٹھا" مثل مشہور ہے۔

درازی عمر کا اسباب محض تندرستی کے اندر مضمر ہیں تندرستی کی بقا فطرت و قانون کے اصول و ضوابط پر کاربند اور عمل پیرا ہونے پر منحصر ہے تندرستی کے لئے صفائی اور دوسری اشیاء ایسی ہی ضروری ہیں جیسا کہ جسم کے لئے روح۔

چار سو برس قبل یورپ کے لوگ صفائی و صحت کے اصول پر بہت کم غور کرتے تھے اور نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ وہاں کے لوگوں کی عمر اوسطاً بیس برس ہوا کرتی تھی۔ لیکن فی زمانہ یورپ کے بہت سے ملکوں میں عمر کا اوسط چالیس برس سے زیادہ ہے یہ ترقی صرف صفائی اور صحت کے اصول و ضوابط پر کاربند ہونے کی بدولت نصیب ہوتی ہے۔

ایشیا کے بہت سے حصوں میں ان اصول کا بہت کم لحاظ کیا جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایسے ملکوں میں (مثلاً چین و ہندوستان وغیرہ) عمر کا اوسط پچیس سال سے زیادہ نہیں۔

ہندوستان کی طرح جاپان بھی ایک مشرقی ملک ہے اور اس کی آب و ہوا بھی ہندوستان سے ملتی جلتی ہے۔ مگر یہاں کے لوگ آزاد ہیں اور صفائی نیز صحت کے اصولوں پر پوری طرح عمل پیرا ہیں۔

غریب سے غریب شخص بھی حفظان صحت کے اصول کے مطابق زندگی بسر کرتا

تو وہ رفتہ رفتہ اپنی عزیز ترین نعمت سے مالا مال ہو سکتا ہے۔

صحت کے متعلق آرا ء

حقیقی مسرت حاصل کرنا چاہتے ہو تو تندرستی کی حفاظت کرو (سینیکا)

قوموں کی کامیابی کا راز تندرستی میں مضمر ہے۔ (جارج برنارڈ شا)

صحت سب سے بڑی نعمت اور موت سب سے بڑی عبرت ہے (لارڈ ادبیری)

پرماتما نے انسان کو بیک وقت ارمونی دیا ہے اور وہ موتی تندرستی ہے موتی کی آب اسی وقت تک ہے جب تک اس کو محفوظ رکھا جائے لیکن بہت سے بیوقوف اپنی ازلی نادانی کی وجہ سے اس کی آب کھو دیتے ہیں یہ یاد رکھو کہ موتی کی بربادی زندگی کا ناش ہے۔ (گوسائیں تلسی داس)

بقائے صحت و درازئ عمر کے لئے سب سے قبل منشیات نیز ایسی ہی رذائل سے اجتناب لازمی ہے یہ یاد رکھنا چاہئے کہ منشیات اور تندرستی دو متضاد اشیاء ہیں جو ہرگز ہرگز کسی وقت اور کسی حالت میں بھی جمع نہیں ہو سکتیں مگر آج کس درجہ حسرت کا مقام ہے کہ علاوہ معدودے چند افراد کے ہر ہندوستانی اس ہلاکت آفریں مصیبت عظمیٰ کا شکار ہے۔ افسوس ہمارے نوجوان طلباء کے ذہن میں غلطی سے یہ خیال جاگزیں ہو گیا ہے کہ تمباکو کا استعمال تعیش اور ایٹی کیٹ (الکاحز و النظم) ہے اور اسی غلطی کی بناء پر وہ اپنی عزیز ترین نعمت (صحت) کی غیر معلوم طریق پر بیخ کنی کے درپے ہیں سہ

اس سراب رنگ و بو کو گلستاں سمجھے ہیں وہ وائے بربادی قفس کو آشیاں سمجھے ہیں وہ

"شراب" اور "تمباکو" انسان کے لئے زہر قاتل ہے۔ شراب صدہا مذموم عادتیں اور بہت سی مہلک بیماریاں پیدا کرتی ہے۔ مثلاً لقوہ۔ شکم و طحال و گردوں میں ورم تپ دق نمونیا۔ سرسام جنون۔ ہیجش۔ ہیضہ۔ خون کی خرابی وغیرہ نیز اگر شرابی مذکورہ بالا بیماریوں میں سے کسی ایک میں مبتلا ہو جائے تو برخلاف شراب نہ پینے والوں کے اس کے بچنے کی بہت کم امید رہتی ہے۔ اگر انڈے کی سفیدی "وسکی" یا اور دوسری تیز شراب میں ڈال دی جائے۔ تو وہ فوراً اس طرح منجمد ہو جائے گی جیسے گرم پانی میں ڈالنے سے جم جاتی ہے پس جب ہمارا معدہ و دل۔ طحال۔ گردے۔ پٹھے اسی مادے سے بنے ہیں جس سے کہ انڈے کی سفیدی بنتی ہے تو ضروری ہے کہ اعضائے مذکورہ پر بھی شراب کا استعمال ویسا ہی اثر انداز ہوگا جس طرح کہ انڈے کی سفیدی پر ہوتا ہے یہ خون میں مل کر بھی خراب ہی رہتی ہے ——— شراب کا اثر دماغ پر بھی بُرا پڑتا ہے۔ اس سے قوت ہاضمہ بہت کمزور ہو جاتی ہے۔

"تمباکو" ہر تین اونس یعنی ۱/۴ سیر تمباکو کے خشک پتوں میں دو اونس (دس تولہ) نکوٹین (یہ ایک زہر قاتل ہے جو سنکھیا سے بھی زیادہ مہلک ہے) ہوتا ہے۔ یہ اس قدر مہلک ہے کہ اگر اس کا ایک قطرہ خرگوش کے جسم میں بذریعہ پچکاری داخل کیا جائے تو وہ فوراً مر جائے گا۔ کتے یا بلی کی زبان پر اگر دو قطرہ اس زہر (نکوٹین) کے ڈال دئے جائیں تو وہ فوراً مر جائیں گے۔ نکوٹین کی معمولی مقدار بھی عصبی عملیات میں خلل پیدا کر دیتی ہے۔ عصبی عملیات میں خلل ہونے سے بیشتر ایک قسم کا ہیجان پیدا ہوتا ہے جس سے شرائین صغیرہ میں انقباض پیدا ہوتا ہے اور قلب [illegible] بڑھ جاتا ہے۔

صد افسوس کہ جو لوگ شراب و تمباکو کے استعمال سے اجتناب کرتے ہیں وہ ایک اور عادت خبیثہ میں گرفتار ہیں اور وہ مضرت رساں عادت چائے نوشی و پان کا کثرت استعمال ہے فی زمانہ ان ہر دو اشیاء قبیحہ کے استعمال سے شاید ہی کوئی فرد واحد مستثنیٰ ہو ورنہ یہ عالمگیر وبا ہر کس و ناکس کے جسم و روح میں سرایت کئے ہوئے ہے چائے میں بھی قدرے مسکر (نشہ) پایا جاتا ہے اس میں ایک قسم کا جو ہر پایا جاتا ہے جو تندرستی کے لئے نہایت مضر ہے۔ اکثر طلباء امتحان کے موقعہ پر شب بیداری کے لئے چائے کا استعمال کثرت سے کرتے ہیں۔ بہتر ہے کہ اس سے پرہیز کیا جائے۔ چائے نوشی حفظان صحت کے نقطۂ نظر سے قاطع صحت ہے اس سے نظام عصبی کمزور ہو کر ذکاوت حس اور بالخصوص اختلاج القلب کی شکایات پیدا ہو جاتی ہیں، نیز اس سے معدہ پر بھی برا اثر پڑتا ہے۔ بھوک مر جاتی ہے اور بدہضمی پیدا ہو کر مزمن ہو جاتا ہے۔

جدید تحقیقات شاہد ہیں کہ جب سے پان کا استعمال عام ہوا ہے اس وقت سے مرض سرطان کا وقوع اکثر ہونے لگا ہے۔ اور خصوصاً اُن لوگوں میں جو اس کے عادی ہیں اور اس کو بہ رضا و رغبت استعمال کرتے ہیں جب تک اس کا استعمال عام نہیں ہوا تھا۔ سرطان کا وقوع مخصوص وجوہات کی بناء پر کسی خاص جگہ یا کسی خاص وقت میں شاذونادر ہوتا تھا لیکن اب کثرت سے پایا جاتا ہے۔ ضروری ہے کہ خصوصاً اُن ہر چہار رذائل سے کلی طور پر تا حد ممکن اجتناب کیا جائے اور منشیات کا استعمال تو کسی مذہب میں بھی روا نہیں رکھا گیا کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ کسی مذہب کے (قطع نظر اس سے کہ وہ مسلم ہوں یا ہندو، سکھ ہوں یا عیسائی) اوتار، رہنما یا پیغمبر نبی نے منشیات کا استعمال خود کیا ہے یا جائز قرار دیا ہے اس کے استعمال سے سب سے بڑا نقصان یہ ہے کہ یہ (منشیات کا استعمال) اخلاق پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ جس سے خود اپنے آپ سوسائٹی ملک قوم اور مذہب کو نقصان اور ٹھیس لگتی ہے۔

بقائے صحت و حصول تندرستی کے لئے جہاں مذکورہ بالا رذائل و مضرات سے کنارہ کشی ضروری ہے، وہاں پر پرہیز (یہاں پر میری مراد اعتدال پسندی و میانہ روی ہے) بھی ایک حد تک بہت ہی لابدی شے ہے۔ دنیا میں کوئی چیز بھی جس کا استعمال جائز بتلایا گیا ہے۔ نقصان دہ نہیں ہو سکتی بشرطیکہ اس کا استعمال صحیح طور پر کیا جائے تجاوز حد نقصان کا باعث ہوتا ہے۔ مثلاً کھانا انسان کے نظام کو باقی رکھتا ہے مگر صرف اسی وقت تک جب کہ جائز طریقہ پر ہو۔ ورنہ یہی کھانا بجائے صحت کو برقرار رکھنے کے فتور پیدا کر دے گا۔ ؟

[illegible] دل کو گر دن [illegible]
[illegible] اور اعتدال کو قائم رکھنا [illegible] زیادہ
[illegible] اسی طرح زیادہ [illegible] صحت پر بہت
[illegible] اس سے بھی اجتناب ضروری ہے ـــ
[illegible] گرچہ [illegible]
اقوام و ملل کی ترقی و آزادی کا راز بھی صحت کے اندر [illegible]

سربلندی کے لئے ۔ علم ۔ تجارت ۔ صنعت و حرفت ۔ اتحاد ۔ ضروری اشیاء ہیں بالفرض
جس حیثیت اور جس نوعیت سے [illegible] صحت [illegible] انسان کے [illegible]
قدس کا ہے یا عطیہ ہے جو [illegible] اور ہمارے لئے لازم ہے
کہ اس کی ہر ممکن حفاظت کریں ۔ ہندوستان سے [illegible]
دور نہیں ہو سکتی جب تک کہ دیگر ضروریات کے ساتھ بقائے صحت و حصول صحت کے لئے
مساعی نہ کریں اور اس کے حصول کو فرض اولین نہ سمجھیں ۔

"پی کہاں"

(از جناب [illegible] خاں صاحب [illegible] سکریٹری بزم ادب امریا)

اے پپیہے مضطرب، اے پیکرِ سوز و گداز — اس قدر بے چین و مضطر کیوں ہے میرے جاں نواز
تو صدا دیتا ہے کس کو کس کی ہے تجھ کو تلاش — کس کے سنگِ غم نے دل کو کر دیا ہے پاش پاش
رات آدھی جا چکی سب سو رہے ہیں بے خبر — ہو کا عالم چھا رہا ہے عالمِ پر شور پر
جاگتا ہے ایک تو یا ایک میں بیدار ہوں — حیف اپنی زندگی سے آپ ہی بیزار ہوں
ہاں تری حالت سے سمجھی تو بھی ہے فرقت نصیب — ہائے شاید چھٹ گیا ہے تجھ سے بھی تیرا حبیب
آ مرے پاس آ! کہ اب دل کھول کر باتیں کروں — تو مرا ہمراز ہے اور میں تری ہمراز ہوں
تیرے ہی مانند ہوں مدت سے میں بھی بیقرار — دل سے ٹیسیں اٹھتی ہیں آنکھیں ہیں غم سے اشکبار
یاد میں ہر دم کسی کی صورتِ سیماب ہوں — اللہ اللہ! کیا بتاؤں کس قدر بے تاب ہوں
سن کے تیری "پی کہاں" اٹھتی ہے دل میں ہوک سی — تھام لیتی ہوں کلیجہ بڑھتی ہے جب بیکلی
آسماں پر آتی ہیں جس دم گھٹائیں جھوم کر — بس خدا ہی مجھ کو تنہائی میں آتا ہے نظر
کھو گیا جانے کہاں! کوئی نصیبِ دشمناں — آہ! یوں کب تک رہوں جاؤں تو میں جاؤں کہاں؟

ہجر میں تو بھی ہے مضطر اور میں بھی نیم جاں
آ مرے پیارے پکاریں مل کے دونوں "پی کہاں"

اُبلتے جُرم

افرادِ تمثیل

مسز مین ——————— ساس
ایڈا مین ——————— فریڈ مین کی بیوی
فریڈ مین ——————— مسز مین کا بیٹا
جیفرڈ ونکلس ——————— پادری
مسز نیوسن ——————— مقتولہ کی ماں
مقتولہ ——————— لڑکی
شام ——————— قاتل

منظر

سردی کا موسم صبح ساڑھے سات بجے کا وقت جیل کے نزدیک کرایہ کے مکان میں ایک کمرہ جس میں ایک معمولی درجے کے آدمی کی ضروریات کا سامان موجود ہے گلی کی طرف ایک کھڑکی ہے گلی کے نکڑ اور سیڑھیوں کے درمیان ایک تنگ و تاریک راستہ کی جانب دروازہ کھلا ہوا ہے۔ باہر اگرچہ بالکل اندھیرا ہے تاہم اس وقت سورج کی شعاعیں کھڑکی میں سے کچھ کچھ گزر رہی ہیں۔ ایک مدھم سا گیس لیمپ بھی روشن ہے جس سے کرہ میں قدرے اجالا ہو گیا ہے۔

مسز مین اور ایڈا دو عورتیں دکھائی دیتی ہیں۔ مسز مین (ساس) ستر برس کی بڑھیا عورت باورچی خانہ میں آرام کرسی پر بیٹھی ہوئی ہے اور اس کی بہو ایڈا مین جو پچیس سالہ جوان عورت ہے آگ جلانے میں مشغول ہے۔ بہت دیر تک تو یہ دونوں خاموش بیٹھی رہتی ہیں پھر مسز مین گفتگو شروع کرتی ہے

ذرا کھڑکی کھول دو ہوا کی ضرورت ہے۔

(ایڈا کھڑکی کا نچلا نصف حصہ کھول دیتی ہے۔ گلی میں سے لوگوں کی کچھ آوازیں آتی ہیں اور ایڈا اُس تاریکی میں غور سے دیکھنے کے لئے کھڑکی کے پاس ہی کھڑی ہو جاتی ہے)

مسز مین۔ کیا وقت ہے ...... بہو؟

ایڈا۔ ہاں! کیا ہے؟

مسز مین۔ اب کیا بجا ہے؟

ایڈا۔ مجھے خبر نہیں کیا بجا ہے۔ گھڑی تو بند ہے۔

مسز مین۔ یہ برن کی ہائیں سنی ہیں؟

ایڈا۔ نہیں۔

مسز مین۔ تو پھر ابھی تو پاؤ گھنٹہ بھی نہیں گذرا۔ آؤ کھڑکی سے ادھر آ جاؤ۔ کوئی دیکھ لے گا۔

ایڈا۔ کوئی مضائقہ نہیں دیکھ لیتا تو دیکھ لے۔

مسز مین (ذرا سوچ کر) آج صبح سے بہت سردی ہے۔ فریڈ کو گئے ہوئے کتنی دیر ہوئی؟

ایڈا۔ آدھا یا پون گھنٹہ ہوا ہوگا۔

مسز مین۔ میرے خیال میں کسی کو جانا چاہئے تھا۔

ایڈا۔ میں نہیں سمجھتی کیوں یہ تو اُسے کرنا ہی تھا۔

مسز مین۔ کرنا تو تھا لیکن اب تو غریب بچہ پر سختی اور بے رحمی ہو رہی ہے۔ وہ اور شام ایک دوسرے کے بے حد مشتاق تھے۔ جب وہ بچے تھے۔ تو ایک دوسرے کی راہ تکا کرتے تھے کیا وہ ناشتہ کئے بغیر ہی چلا گیا۔

ایڈا۔ (الماری میں سے چائے کے برتن نکالتے ہوئے) ہاں یونہی چلے گئے۔ آپ کیا کھائیں گی؟ مکھن اور روٹی کا ایک ٹکڑا؟

مسز مین۔ مجھے ابھی کچھ نہیں چاہئے۔ چائے کی ایک پیالی بنا لو۔ آؤ بہو تم بھی میرے ساتھ آؤ۔ خدا جانتا ہے میرے لئے تنہا چائے پینا تکلیف کا باعث ہوگا۔ بیچارے شام کی تو اب کوئی مدد کرنے والا بھی نہیں بڑی بری بات ہے۔ کیوں ہے نا بہو؟

ایڈا۔ یہ تو اچانک ہی سب کچھ ہو گیا۔ اب ایک منٹ کی بھی دیر باقی نہیں

مسز مین۔ انتظار بھی بری بلا ہے۔ کیوں ہے نا! لیکن اب بج گیا ہے تقریباً اب تک تو سب لوگ کام پر چلے گئے ہوں گے سو بہو تو ذرا اس دوسرے گھر کی کھڑکی میں کچھ روشنی ہے؟

ایڈا۔ (کھڑکی سے باہر دیکھ کر) ہاں ہے تو سہی!

مسز مین۔ تو پھر وہ ابھی نہیں گیا۔ وہ ٹھیک آٹھ بجے جایا کرتا ہے بہو کھڑکی بند ہی کر دو تو اچھا ہے، ورنہ پردہ ڈال دو۔

ایڈا۔ کس لئے؟ اس سے تو کچھ فائدہ نہ ہوگا!

مسز مین۔ اچھا اگر تم بیوہ نہیں ہو تو اس سے کوئی بھی فرق نہیں پڑتا۔ اور اس وقت تمہارے لئے کچھ نفع بھی نہیں۔

ایڈا۔ آپ چائے پی لیں۔ ابھی گرم ہے۔

مسز مین۔ دو پیالہ اٹھا لیتی ہے۔ گر اور دو چار گھونٹ بھر کر) میں چاہتی تھی...... بچپن کے متعلق میں...... جب...... جب......

ارے ٹام! ٹام تم نے ایسا کیوں کیا؟

ایڈا۔ اس قسم کے اظہار جذبات سے اب کیا فائدہ؟ اُسے اب نہ آپ کچھ فائدہ پہنچا سکتی ہیں۔ اور نہ ہم میں سے کوئی اور شخص۔

مسز مین۔ یہ تو میں بھی جانتی ہوں لیکن معاملہ سخت مشکل اور ٹیڑھا آ پڑا ہے۔ اس سے پہلے وہ برا لڑکا نہ تھا اپنے عہد طفلی میں تو بہت ہی محبت کرنے والا بچہ تھا!

ایڈا۔ اپنے اپنے بچپن میں تو ہم سب ہی محبت کرنے والے تھے۔

مسز مین۔ اُن کے مرنے سے پیشتر وہ ان کا ہی محبوب تھا شکر ہے کہ وہ یہ حال دیکھنے کے لئے زندہ نہیں رہے......... میرے خیال میں وہ شریر ہی لڑکی تھی ورنہ ٹام اس کو کبھی قتل نہ کرتا!

ایڈا۔ ہوگی مجھے معلوم نہیں۔!

مسز مین۔ اُن میں سے اصل سبب کوئی بھی نہیں جانتا۔ نہ جج ہی جانتا ہے نہ وکیل ہی جانتے ہیں۔ اور نہ ہی کسی کو یہ معلوم ہے کہ اس نے کیوں ایسا کیا۔ اور وہ خود کچھ کہتا نہیں پھر اس کو پھانسی دینے سے کیا فائدہ؟

ایڈا۔ اس نے کیوں ایسا کیا؟ یہ اُن کے لئے کوئی اہم بات نہیں ہے!

مسز مین۔ میں بھی سمجھتی ہوں کہ نہیں ہے۔ مگر یہ قانون تو غریبوں کے لئے ہی بے رحم اور سخت ہے۔ کیونکہ میں نے کئی بار آزمایا ہے کہ اگر تم غریب ہو تو ہر شخص تمہارے خلاف ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ ٹام نے مدافعت تک نہیں کی اُس نے کئی دفعہ اپنے باپ کو یہ کہتے ہوئے سنا تھا کہ اگر تم غریب ہو تو قانون تمہاری نہیں سنے گا۔

ایڈا۔ اُس نے اُسے قتل کیا ہے۔ اس بات سے تو آپ انکار نہیں کر سکتیں؟

مسز مین۔ ہاں اُسے قتل تو کر دیا۔ اس سے تو انکار نہیں۔ لیکن آخر کوئی وجہ بھی تو ہوگی۔ فریڈ کا بیان ہے کہ اُس نے اُس کو اس لئے قتل کیا کہ وہ اُس سے محبت کرتا تھا اور میرے خیال میں یہی بات درست بھی ہے۔

ایڈا۔ وہ تو بیوقوف ہیں۔ وہ اس کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔ ان دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔

مسز مین۔ یہ بات کسی حد تک درست ہے۔ فریڈ ہمیشہ کا باتونی اور ٹام خاموشی پسند مانا تو چپڑا تھا۔ مگر وہ نہایت خلیق ہے۔ اور اگر اس کے والد زندہ رہتے اور اس کی تعلیم کا سلسلہ جاری رہتا تو ٹام ایک شریف آدمی

بن سکتا تھا۔ دہ پھر بتا پڑے۔ اشارا بہت اسی وقت کارخانہ کی سیٹی بجتی ہے!

وہ سیٹی بجا رہی ہے۔ اب پونے آٹھ بجے ہیں۔ ابھی تو پندرہ منٹ باقی ہیں ایک ایک لمحہ کس قدر قیمتی ہے......... سنو!

ایڈا۔ یہ کیا ہے؟

مسز مین۔ دروازہ کھول دو۔

ایڈا۔ (تعمیل کرتے ہوئے) وہاں تو کوئی نہیں ہے!

مسز مین۔ (کرسی کا سہارا لے کر) نہیں! واقعی وہاں کوئی نہیں ہے! خیر اچھا تم اُسے پھر بند کر سکتی ہو۔ یہ محض میرا خیال تھا روزانہ صبح کو جب سیٹی بجتی ہی وہ سیڑھیوں پر آ کر کھڑی ہو جاتی تھی اور ٹام دروازہ پر پہلے ہی سے اس کا منتظر رہا کرتا تھا گویا وہ ایک دوسرے کی جان تھے۔)

ایڈا۔ کارخانہ کے منیجر نے شہادت دی ہے کہ وہ ایک اچھی لڑکی تھی اور اپنے کام میں بڑی باقاعدہ تھی۔

مسز مین۔ جو کچھ اُس کے متعلق کہا گیا ہے۔ جھوٹ ہے اس کی ماں بہت بری تھی جیسے اُس عورت نے کہا۔ اُسی کے مطابق تم نے اُس لڑکی کو ایک آسمانی فرشتہ خیال کر لیا۔ لیکن وہ اس کی ماں ہی تھی تمہیں کبھی اُس کی باتوں کا یقین نہ کرنا چاہیے۔ وہ اپنی لڑکی کے متعلق کوئی بری بات نہیں کہہ سکتی تھی۔ مجھے بھی ایسا ہی ہونا چاہیے۔

(بڑی دیر تک خاموشی رہتی ہے۔ ایڈا اس دوران میں کھڑکی تک جاتی ہے جس میں سے صبح کی مدہم روشنی اور گلی کی مانوس آوازیں کانوں میں آ رہی ہیں۔)

ایڈا۔ کوئی آ رہا ہے۔!

مسز مین۔ کیا! یہاں؟

ایڈا۔ ہاں۔

(دروازہ پر دستک کی آواز آتی ہے۔ لیکن وہ دونوں خاموش رہتی ہیں۔ دروازہ کھلتا ہے۔ اور پادری صاحب جن کی عمر تقریباً چالیس برس ہے اندر داخل ہوتے ہیں)

ڈگلس۔ مسز مین مجھے خیال تھا کہ تم اکیلی ہو گی!

مسز مین۔ مسٹر ڈگلس میری بہو میرے پاس ہے آپ دیکھ سکتے ہیں یہ میرا کتنا خیال رکھتی ہے۔ آپ کی کمال مہربانی ہے تشریف رکھئے۔ بیٹھئے نا۔ فریڈ تو نیچے چلا گیا ہے۔

ڈگلس۔ (کرسی پر بیٹھے ہوئے جو ایڈا اُس کے لئے لائی ہے) شکریہ!

مسز مین۔ کیا تم نے کہیں ٹام کو بھی دیکھا ہے۔؟

ڈگلس۔ مجھے اُسے دیکھنے کی اجازت نہیں۔ غالباً سرکاری پادری ہی اس کے ساتھ ہی موجود ہوگا!

مسز مین۔ انسان کے آخری وقت میں کسی اجنبی کا پاس ہونا تو کوئی سود مند نہیں۔ میں اس کے ساتھ آپ کا رہنا پسند کرتی تھی۔ مسٹر ڈوگلس ٹام کو بھی آپ کا بہت خیال تھا۔

ڈوگلس۔ اور مجھے بھی تو اس کا بہت خیال ہے مسز مین مجھے تو اس بات کا وہم تک بھی نہ تھا۔

مسز مین۔ ہوش بھی کسی کو نہیں سکتا تھا۔ یہ کس قدر خوفناک بات ہے کہ وہ چند منٹ میں ہی اُس کو تختہ دار پر کھڑا کر دیں گے۔

ڈوگلس۔ مسز مین آپ کی قوتِ برداشت تو ہمیشہ اچھی رہی ہے آپ کو اس وقت بھی صبر اور استقامت سے کام لینا چاہئے۔ ٹام موت سے ڈرنے والا نہیں۔

مسز مین۔ نہیں وہ ہمیشہ سے بہادر اور دلیر لڑکا تھا۔ وہ اپنی سپاہیانہ زندگی میں اس قدر اطمینان سے فرانس گیا تھا جیسے وہ کہیں نہر کے کنارے سیر کو جا رہا ہو۔ میں اس عرصہ میں خدا سے اُس کے لئے دعائیں کرتی رہی —— ایڈا کھڑکی سے ادھر آ جاؤ۔ میں تمہیں اس طرح باہر جھکتے ہوئے دیکھنا نہیں چاہتی۔

ڈوگلس۔ (ایڈا سے) تمہارا خاوند دروازہ سے چلا گیا ہے؟ کیوں یونہی ہے نا۔ تم میرا یہاں ٹھیرنا پسند کرو گی یا اکیلا رہنا؟

ایڈا۔ مجھے کسی طرح بھی عذر نہیں۔ ہم میں سے کوئی بھی سوائے انتظار کے کچھ نہیں کر سکتا۔ اب کیا وقت ہے۔ وہ گھڑی تو بند ہے؟

ڈوگلس۔ (اپنی گھڑی دیکھتے ہوئے) ابھی تقریباً گیارہ منٹ باقی ہیں۔

مسز مین۔ اگر آپ ٹھہر سکیں تو ہمارے پاس ٹھیریں ...... میرے دل میں جو خیال ہے وہ یہ ہے کہ جب وہ لڑکی واپس نہیں آ سکتی تو ٹام کو پھانسی دینے سے کیا حاصل؟

ڈوگلس۔ یہ سچ ہے۔ میں نہیں جانتا کہ کیا کروں بعض اوقات میں ——!

مسز مین۔ کیا آپ کو خدائے رحیم پر اعتقاد ہے؟

ڈوگلس۔ ضرور۔

مسز مین۔ وہ میرے ٹام کو کبھی پھانسی نہیں دیگا۔ کیا ایسا نہیں ہو گا؟

ڈوگلس۔ نہیں مسز مین میرے خیال میں وہ ایسا نہیں کرے گا۔

مسز مین۔ تو پھر وہ کیوں پھانسی دے رہے ہیں؟

ڈوگلس۔ انسان کا قانون خدا کے قانون سے بالکل مختلف ہے۔

مسز مین۔ جی ہم کہہ رہے تھے۔ کہ قانون کا تمام ظلم اور تشدد صرف ہم جیسوں ہی کے لئے ہے۔

ڈوگلس۔ نہیں ایسا تو نہیں۔ لیکن ہاں انسان کے لئے اپنے خطرناک مقدمات کا فیصلہ کرنا بہت مشکل ہے۔ یہ حق و صداقت کے خلاف ہے صرف وہ ہی انسان کے قلبی تاثرات اور دلی تحریکات کو جانتا ہے۔ اور ہماری نسبت ٹام کے متعلق بہتر اور اچھا جانتا ہے۔

مسز مین۔ میرا خیال ہے کہ میں بھی اس سے اسی طرح واقف ہوں جس طرح کہ خدا واقف ہے۔ میں اُس کی ماں ہوں۔ وہ ایک بدمعاش لڑکی تھی۔ ورنہ ٹام اس کو کبھی نہ مارتا!

ڈوگلس۔ بدقسمتی سے لڑکی کی ماں کی شہادت ٹام کے سخت خلاف ہے!

مسز مین۔ اُس کی شہادت اسی قسم کا ایک جھوٹ ہے جو ایک ماں اپنے بچے کے لئے بول سکتی ہے۔ وہ لڑکی ٹام سے پہلے بھی دوسرے لوگوں سے تعلقات رکھتی تھی۔

ڈوگلس۔ یہ کہنا تو بہت مشکل ہے۔

مسز مین۔ نہیں یہ بات نہیں۔ مسٹر ڈوگلس میں قطع کلامی اور اس تردید کی معافی چاہتی ہوں۔ لیکن سب لوگ جانتے ہیں کہ معاملہ واقعی اسی طرح تھا جس وقت سے کہ کوئی اُس کی ماں کے گھر گیا ہے۔ اور وہ خود ہفتہ بھر سے اپنی سیڑھیوں سے نیچے اُتری ہے!

ڈوگلس۔ تم دونوں کے لئے ایک گھر میں رہنا بہت تکلیف دہ ہو گا؟

مسز مین۔ یہ اُس کے لئے زیادہ بُرا تھا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ قصور سارا صرف اُسکی لڑکی کا ہی تھا۔

ڈوگلس۔ اب اس ذکر کو جانے دو۔ ٹام کو بھی اس سے کچھ فائدہ نہیں۔ اور شاید وہ بھی اس بات کو پسند نہ کرے گا کہ اس موقع پر اس کا ذکر کیا جائے۔

مسز مین۔ ہاں اب اس میں کوئی دیر نہیں ہے۔ کیا آپ خیال کرتے ہیں کہ وہ پورا اُترے گا!

ڈوگلس۔ ضرور!

مسز مین۔ میں نے سنا ہے کہ پھانسی کے تختہ تک لوگ اٹھا کر لے جائے جاتے ہیں۔ لیکن مجھے اُمید ہے کہ ٹام ایسا بزدل ثابت نہ ہو گا۔

ڈوگلس۔ نہیں وہ ایسا بزدل نہیں۔

(باہر کے دروازہ پر کسی کے آنے کی آواز آتی ہے۔ دروازہ کھلتا ہے اور فریڈ مین۔ داخل ہوتا ہے۔ وہ تقریباً پینتیس برس کی عمر کا آدمی ہے۔ اور میلے کچیلے کپڑوں میں ملبوس ہے۔ اس کا چہرہ زرد ہے اور بہت زیادہ پریشان نظر آتا ہے۔ وہ میز کے پاس پڑی ہوئی کرسی پر دراز ہو جاتا ہے۔)

ایڈا۔ تم کیوں واپس آ گئے ہو؟ وقت تو ختم نہیں ہوا۔ ابھی تو دیر ہے۔

فریڈ۔ بکواس۔ تمہیں اس سے کیا؟

مسز مین۔ فریڈ کیا ہوا ہمیں تو بتاؤ!

فریڈ۔ میں وہاں ٹھیر نہیں سکا۔ وہ جگہ تو دوزخ سے بھی بدتر ہے۔ وہاں سینکڑوں انسان۔ وحشی جانوروں کی طرح بند ہیں۔ ان میں سے بعض نے مجھے دیکھا اور چڑانے لگے۔ میں ٹام تک پہونچنا چاہتا تھا۔ میں اپنے ہاتھوں سے دروازہ

در ڈوگلس میں اُس تک پہونچ نہ سکا۔

مسز تھیس ۔ ایڈا! اسے چائے تو دو۔ فریڈ تمہیں جانا نہیں چاہئے تھا۔

ڈوگلس ۔ ہاں میں نے بھی کہا تھا مگر میرے کہنے کی پرواہ کس کو ہے؟

فریڈ ۔ تمہاری بات سننا کون چاہتا ہے۔ ٹام کا تم سے رشتہ ہی کیا تھا؟ تم سے زیادہ دشمن اور ہے جس شاید ہی کوئی ہو۔

ڈوگلس ۔ میرے اچھے فریڈ دنیا بھر میں ہمارے لئے کیا مصیبتیں ہی کیا کم ہیں جو تم اُس کے لئے اور مصائب کا پہاڑ توڑتے ہو۔

فریڈ ۔ میں یہاں بیٹھ کر آپ کی باتیں سنوں اور وہ اُس غریب کو پھانسی کے تختہ پر کھڑا کر دیں۔ (ایڈا اچھل پڑتی ہے) شیطان کہیں کا۔ میں تمہیں ————
(ایڈا چائے کی پیالی دیتی ہے لیکن وہ جھڑک دیتا ہے) لے جاؤ یہ کوئی چائے کی دعوت نہیں ہے۔ تم میں نہ کبھی عقل تھی اور نہ اب ہے۔

ڈوگلس ۔ سنو فریڈ کیا تم پسند کرتے ہو کہ ٹام تمہیں اس حال میں دیکھے۔

فریڈ (کچھ سوچ کر مان جاتا ہے) نہیں میں واقعی آپے سے باہر ہو گیا ہوں اب میں واپس جاتا ہوں۔ جس طرح بھی ہوگا اس دکھ کو برداشت کروں گا!
(وہ دروازہ کی طرف جاتا ہے اور آہستہ آہستہ کھسکتا ہے۔ ڈوگلس اُس کے پاس جاتا ہے اور اسے کرسی پر لا کر بٹھا دیتا ہے۔

ڈوگلس ۔ فریڈ بہتر ہے کہ تم جہاں ہو وہیں رہو۔ تم کچھ نہیں کر سکتے۔
(وہ چائے کی ایک تازہ پیالی لیتا ہے اور فریڈ کے منہ کو لگا دیتا ہے)
یہ ٹھیک ہے اسے پی جاؤ تم بہت سرد ہو رہے ہو۔

فریڈ ۔ (ڈوگلس کو دیکھتے ہوئے) تم یہاں کیوں اور کس لئے آئے ہو؟

ڈوگلس ۔ میں سمجھتا تھا کہ تمہاری ماں اکیلی ہوگی۔

فریڈ ۔ کیا تم ———— کیا تم ہمارے طرفدار ہو؟

ڈوگلس ۔ ہاں میں تمہارا ہی طرفدار ہوں۔

فریڈ ۔ اور ہمارے ٹام کے بھی؟

ڈوگلس ۔ ہاں اور تمہارے ٹام کا بھی۔

فریڈ ۔ پھر تو تم اُس کو پھانسی دلوانے کے حامی نہیں ہو۔

ڈوگلس ۔ میں تو اس بارہ میں خدا پر بھروسہ کرنے کا حامی ہوں۔

فریڈ ۔ اس کا کیا مطلب؟ خدا ہم جیسے غریبوں کے لئے کچھ نہیں کرتا۔ خدا قانون کا حامی ہے۔ اور قانون پھانسی کا۔
(دروازہ آہستہ سے کھلتا ہے اور مسز لیوس دہلیز پر کھڑی ہوتی نظر آتی ہے۔ یہ ایک پتلی دبلی پچاس سالہ عورت ہے۔ اس کا رنگ زرد ہے۔ گو اس کو کسی نے دیکھا نہیں مگر اُس کی موجودگی کا احساس سب کو ہو گیا۔ اس لئے سب نہایت تحیرانہ خاموشی سے دیکھ رہے ہیں)

مسز لیوس ۔ مسز مین کیا میں اندر آسکتی ہوں؟

فریڈ ۔ تم! تم یہاں کیا کر رہی ہو؟

مسز لیوس ۔ اُس کا وقت اب بہت قریب ہے۔

فریڈ ۔ ہم جانتے ہیں۔ بڈھی کھوسٹ!

مسز لیوس ۔ میں تمہارے یہاں ٹھہرنے کی تاب نہیں لا سکتی۔

فریڈ ۔ اور میرے خیال میں تم یہ سوچتی ہو کہ ہم تمہیں دیکھنا بھی پسند کریں گے یہ تمہارا خیال ہے ورنہ تم اس قابل نہیں ہو۔ تم نے کیوں نہ اپنی خرسریچی کو اُس سے دور رکھنے کی کوشش کی۔ نکل جاؤ۔ ورنہ میں بھی تمہارے ساتھ وہی کچھ کروں گا جو اس نے اس لڑکے کے ساتھ کیا ہے۔

ایڈا ۔ اس کی باتوں کا خیال نہ کرو۔ مسز لیوس۔ بیٹھ جاؤ میں تمہیں چائے کی پیالی دوں؟

مسز لیوس ۔ (بیٹھتے ہوئے) میرے خیال میں مجھے آنا نہیں چاہئے تھا لیکن اس نے مجھے پاگل کر دیا۔ یہ اُس وقت کی بات ہے۔ جب کارخانہ کی سیٹی بجی مجھے ایسا محسوس ہوا گویا کہ میں صاف سن رہی ہوں کسی پکارنے والے نے پکارا میں اب جا رہی ہوں۔

فریڈ ۔ احمق بڑھیا تم پاگل ہو۔ وہ تو مر چکی۔

مسز لیوس ۔ میں جانتی ہوں جب میں نے اُسے کمرہ میں دیکھا تو وہ وہاں نہیں تھی۔ لیکن میں نے اس آواز کو اچھی طرح سُنا مسز مین میرے خیال میں وہ بہت اچھی لڑکی تھی۔

فریڈ ۔ بکواس بند کرو ہم اُس کے متعلق سب کچھ جانتے ہیں تم اب خود ہی بچے اور خود ہی جیوری بھی بننا چاہتی ہو!

مسز لیوس ۔ فریڈ یہ بالکل سچ ہے۔ شاید اُس نے ٹام کے ساتھ کوئی برائی کی ہو۔ مگر میرے ساتھ تو وہ ہمیشہ اچھی رہی۔

فریڈ ۔ کیا تم اُس کی دوسری کرتوتوں سے واقف نہیں ہو؟

مسز لیوس ۔ سوائے تمہارے ٹام کے اور کسی کے کرتوت سے نہیں۔ اور میں اس بات کی قسم کھاتی ہوں۔ کہ میں نے بچپن سے اس وقت تک کبھی اسے کسی برے آدمی کے پاس بیٹھتے یا کسی بری بات میں حصہ لیتے ہوئے نہیں دیکھا۔ میں اسکی ماں ضرور ہوں لیکن اس وقت جھوٹ بول کر میں اُسکی روح کو شرمندہ نہیں کرنا چاہتی۔

فریڈ ۔ مکار بڑھیا!

مسز مین ۔ فریڈ!

مسز لیوس ۔ مجھے اس بچہ کے جذبات و احساسات کا علم ہے۔ وہ شدت رنج کا شکار ہے۔ اب ٹام کے لئے میرے دل میں کوئی بغض نہیں ہے۔ محض ———— محض ————
(وہ شدت احساس سے خاموش ہو جاتی ہے)
میں فقط اُس کے لئے زندہ تھی۔ جب میرا خاوند مر گیا تو میری ساری ہمت

فقط اس کے لئے تھی جب وہ کمانے کے قابل ہوئی تو اُس نے اپنی پہلی آمد نی لاکر میرے ہاتھ پر رکھدی۔ یہ صرف شلنگ ہی تھے، لیکن اس کی نیکی اس سے ہی عیاں تھی۔

فریڈ۔ خدا کے لئے اپنی اس بکواس کو بند کرو۔ ورنہ میں ———!

ڈوگلس۔ انسان بنو۔ اپنے آپ کو سنبھالو۔ اس فریب کے احساس کی غنیمت کیا تم سے کہے؟ جب کسی سے اس قسم کا گناہ سرزد ہو جاتا ہے۔ تو پھر اُس کو بھی اس کا معاوضہ ادا کرنا پڑتا ہے۔

فریڈ۔ تم اسے گناہ کہتے ہو لیکن جو کچھ ٹام نے کیا۔ لیکن اُس لڑکی کے متعلق کیا خیال ہے۔ تم ابھی تو خدا اور اس کے رحم کا ذکر کر رہے تھے۔ سچ تو یہ ہے کہ تم بھی دوسروں سے کچھ مختلف نہیں!

ایڈا۔ چُپ رہو یا چلے جاؤ۔ جاؤ اپنے قاتل بھائی کے پاس واپس چلے جاؤ

فریڈ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم سب ہمارے خلاف ہو۔ میں بھی یہی خیال کرتا تھا میں اسے پہلے ہی جانتا ہوں۔ ٹام نے مجھے کئی دفعہ تمہارے خلاف متنبہ کیا تھا۔

ایڈا۔ (چیخ کے) ٹام نے میرے خلاف تمہیں متنبہ کیا۔ کیا اُس نے ایسا ہی کیا؟

فریڈ۔ ہاں اور وہ درست کہتا تھا۔

ڈوگلس۔ (ایڈا سے) تم اس کے متعلق مت فکر۔ حالات ناقابل برداشت ہیں وہاں تو صرف چند منٹ اور باقی ہیں یہ تو اچھی طرح گذر جائیں۔

مسز میتین۔ یہ ٹھیک ہے۔ ہمیں اب ٹام کا خیال کرنا چاہئے نہ کہ اپنی تکالیف کا مسٹر ڈوگلس آؤ اب ہم دعا تو مانگ لیں۔!

ڈوگلس۔ فریڈ کیا خیال ہے۔ کیا ہم خدا سے دعا کریں کہ وہ ٹام پر رحم کرے؟

فریڈ۔ (سوچ کر) اگر تم ایسا کر سکتے ہو تو کرو۔

(ڈوگلس میز کے قریب دوزانو ہوتا ہے ——— دونوں بڑھیا عورتیں اپنی کرسیوں پر دوزانو ہو جاتی ہیں۔ فریڈ پاس کھڑا ہو کر خاموشی سے دیکھتا رہتا ہے۔ ایڈا کھڑکی کے پاس کھڑی ہو جاتی ہے اور کافی دیر تک خاموشی چھائی رہتی ہے جب ڈوگلس دعا مانگنے کے لئے اپنا سر اٹھاتا ہے تو ایڈا قہقہہ مار کر ہنس پڑتی ہے۔)

مسز میتین۔ ایڈا! ارلی! تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ آؤ یہاں میرے پاس آ جاؤ۔ آپ مہربانی کر کے ہمارے لئے دعا کریں۔ اب زیادہ برداشت نہیں ہو سکتا۔ ایڈا میرے پاس آ جاؤ!

ایڈا۔ (پھر ہنستے ہوئے) مجھے تو معاف رکھو۔ البتہ تم اپنی دعائیں مانگو۔ اب دعاؤں سے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتیں۔

مسز میتین۔ (اپنا پاؤں زمین پر مار کر) ایڈا۔ ایسی باتیں مت کرو ٹام اس سے پہلے بہت اچھا آدمی تھا۔

ایڈا۔ وہ ایک اچھا آدمی تھا۔ واقعی؟ (فریڈ سے) اُس نے تمہیں میرے خلاف متنبہ کیا ہے نا یہی بات؟

(وہ قہقہہ مار کر ہنستی ہے۔ فریڈ اس کی طرف بڑھتا ہے لیکن وہ آگے بڑھ کر میز پر سے چاقو اٹھا لیتی ہے)

بس وہیں رہو۔ جہاں ہو میرے پاس مت آؤ۔ یاد رکھو صرف تمہارا ٹام ہی اکیلا چاقو استعمال کرنا نہیں جانتا۔

(سب خاموشی سے اُس کو تکتے ہیں۔ وہ چاقو میز پر رکھ دیتی ہے۔)

اپنی دعائیں جاری رکھو اب زیادہ وقت باقی نہیں رہا۔ اس کو دوسری دنیا میں تمہاری ان دعاؤں کی بہت ضرورت ہوگی۔

ڈوگلس۔ آؤ ہم سب مل کر دعا کریں۔

ایڈا۔ ایک بیرحم وحشی کے لئے دعا کریں؟ جو پھانسی کے سوا کسی دوسری سزا کے بھی قابل نہیں کیا تم یہ جاننا چاہتے ہو کہ اُس نے یہ قتل کیوں کیا میں تمہیں بتاتی اس نے اس کو اس لئے قتل کر دیا کہ یہ لڑکی اُس کے ہاتھوں اپنی عصمت فروخت کرنے کے لئے تیار نہیں تھی اور اُس سلوک کی روادار نہیں ہوئی جو اُس وحشی نے خود میرے ساتھ روا رکھا تھا ہاں۔ تمہارے اُس حقیقی بھائی نے! تمہیں اُس کی خبر تک نہیں ہوئی۔ موت کے منہ میں جانے وقت بھی میرے خلاف کہنے میں اُس کے ضمیر کو کوئی ندامت محسوس نہیں ہوئی۔ کیوں؟ محض اس لئے کہ اسے اب دوسرے شکار کی تلاش تھی یہ ہے تمہارا بیٹا ٹام اور تمہارا حقیقی بھائی!

فریڈ۔ (آتشدان کے ساتھ والی کرسی پر گرتے ہوئے) یا خدا ——— ٹام! ———

ایڈا۔ (کمرہ کے درمیان آتے ہوئے) شرمندگی اور ندامت کی وجہ سے میرا منہ بند رہا لیکن اب خدائی انتقام کا وقت آ گیا ہے۔ انتقام ——— اس کا اور میرا ——— اب میں کہتی ہوں کہ تم اپنی دعائیں مانگتے رہو۔ مجھے اس طرح گھورنے سے اب کیا حاصل؟ تمہاری نگاہیں مجھے پاگل کر کے چھوڑیں گی۔

(وہ میز کے پاس کرسی پر بیٹھ جاتی ہے اور سسکی بھری اپنا سر خود اپنے ہاتھوں میں چھپا لیتی ہے)

ڈوگلس۔ (ایڈا کے پاس جا کر اپنا ہاتھ اُس کے سر پر رکھتا ہے) میری بھولی بھالی بچی!

ایڈا۔ (اچھل کر) مجھے مت چھوؤ۔ میرا دم گھٹ رہا ہے۔ وہ خود میرا گلا گھونٹ رہا ہے۔ ...... ہائے میں مری ......!

(وہ بے تحاشا کھڑکی کی طرف دوڑتی ہے۔ جنون کی حالت میں کھڑکی کا شیشہ بھی توڑ دیتی ہے) ٹام ٹام! اب خدائی انتقام کا وقت آ گیا ہے۔ یہ ہے خدائی انتقام ——— دیکھو۔

(وہ فرش پر بے ہوش ہو کر گر پڑتی ہے۔ سب بے حس و حرکت بیٹھے رہتے ہیں لیکن فریڈ اٹھ کر اس کے پاس جاتا ہے۔ عین اسی وقت وہ جیل خانہ کے گرجا گھر سے موت کا گھنٹہ بجتے ہوئے سنتا ہے۔ اور وہیں فرش پر دوزانو ہو جاتا ہے۔ گرجا گھر کا گھنٹہ بجتا رہتا ہے۔

پجارن

اِک پجارن قصدِ مندر کرکے ہے گھر سے چلی — رات کی آغوش میں جب صبح نے انگڑائی لی
ہاتھ میں پوجا کی تھالی دیوتا کا من میں دھیان — بن سنور کر جارہی ہے سوئے مندر وہ بہ شان
اک شگفتہ پھول کی مانند ہے اس کا شباب — دیوتا پر نذر کے قابل ہے یہ نکھرا گلاب
جارہی ہے روٹھے پیتم کو منانے کیلئے — اپنے سوئے بھاگ کو شاید جگانے کے لئے
اُف شبابِ نو میں دل پر چوٹ ہے کھائی ہوئی — موہ کے پھندے میں اک معصوم ہے آئی ہوئی
دیوتا پر کرتی جاتی کچھ نچھاور پھول ہے — ناگہاں کچھ سوچ کر بولی یہ میری بھول ہے
میں سمجھتی تھی کہ تُو پھولوں سے خوش ہو جائیگا — میرے من مندر میں اس مندر سے اٹھکر آئے گا
پھول کیا ہیں نذر کی خاطر ہے حاضر میری جاں — کر قبول اک عاشقِ دل گیر کی نذرِ گراں
دیوتا اسی بن کے میں پوجوں گی تجھ کو ہر گھڑی — پار کر جاؤں گی منزل عشق و الفت کی کڑی
اشک کی مالا گلے میں تیرے پہناؤں گی میں — اپنے خونِ دل سے تجھ کو روز نہلاؤں گی میں
کس لئے خاموش ہے کچھ مُنھ سے تو ارشاد کر — قیدِ رنج و غم سے پیتم مجھ کو تو آزاد کر
میری آنکھوں میں تو آنکھیں ڈال کر دیکھ ایکبار — تیری نظروں میں نہاں ہے اُف! مرے دل کا قرار
مسکرا اور مسکرا کر دے مجھے درسِ حیات — بھینٹ کر دونگی ترے چرنوں میں اپنی کائنات
موہنی صورت پہ تیری ہے مری قربان جاں — تجھ میں پنہاں دیکھتی ہوں میں حقیقت کا نشاں

دیوتا کی نظروں میں ذرہ مہِ کامل ہوا
تھا جو ارمانِ پجارن ہاں وہ اب حاصل ہوا

آوارہ — بمبئی

جواہر ریزے

از عزیزہ صفیہ سلطانہ بیگم صاحبہ

کبھی اپنی عمر کو اپنے ضمیر کے آئینہ میں دیکھو۔

محبت ہر شے کو جو وجود کو اپنے رنگ دیتا ہے۔

محبت ایسا دل ڈھونڈتی ہے۔ جو ذرا سی ٹھیس سے ٹوٹ جانے والا ہو

اور وہ ایسی آنکھوں میں رہنا چاہتی ہے جو ذرا سی بات میں پرنم ہو جانے والی ہوں

وہ عورت خوش نصیب ہے جو دنیا میں رہ کر جنت کے مزوں کی امید میں پڑی جائے

جس طرح ممکن ہے کہ کران مشرق کی طرف کھینچی جائے اور تیر سے

مغرب کی طرف۔

زندگی کا راز عشق ہے اور ہستی کا اصل اصول محبت ہے۔

محبت دنیا میں سب سے قیمتی چیز ہے۔ جو تمہارے چراغ زندگی کے

گل ہو جانے پر خاک کے ڈھیر میں دب جاتی ہے۔

محبت ہی عالم میں سب سے۔

عورت کے گھر کی جو کنجی ہے۔

اپنے نفس کو خواہشات سے آزاد اور اپنی ہر خواہش کو بے لگام نہ ہونے دو۔

تم اگر جوان ہو تو تمہاری زندگی حیات حسین ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو

کہ تمہاری زندگی کے غنچہ نوشگفتہ کے پژمردہ ہو جانے پر بلبل زار کی آہ و فغاں

سے تم اس کا سینہ چاک نہ ہو جائے گا۔

یہ عالم اب ہے جیسن راتیں محبت کی ہمدم ہیں۔

بزم نشاط میں جگمگ جام و سبو کے رنگین دور میں تم سرور حاصل کرتے ہو

لیکن تمہارے اسلاف رزمگاہ میں شمشیر بکف ہو کر صف اعداء کو درہم برہم کرنے

میں ہی مسرت محسوس کرتے تھے۔

محبت دانشمندی سے بہتر ہے۔

پھول جب پژمردہ ہو جاتا ہے تو ہم اس سے کوئی حظ حاصل نہیں کرتے۔

موجودہ تعلیم بی۔ اے، ایم۔ اے، ڈاکٹر اور علامہ تو پیدا کرتی ہے۔ مگر انسان

پیدا نہیں کرتی۔

جوانی کے گرم خون کو اور بھی زیادہ گرم ہو کر دوڑنے کی اجازت مت

دو۔

ہر غم کے ساتھ اقبال کی سکون آمیز راحت اور ہر مصیبت کے بعد

آرام و اطمینان کی مسرت بخش توقع شامل رکھو۔

محبت دولت سے زیادہ قیمتی ہے۔

جوانی نے تمہارے کان میں جنون کا خاموش پیام پھونک دیا ہے لیکن

کیا تم اپنے آپ کو اس سحر سے آزاد نہ کرو گے۔؟

جب طبیب فتویٰ دیدیں۔ کہ تم بچ نہیں سکتے۔ اور تندرست آدمیوں

کو تمہارے سانس سے علیحدہ رہنا چاہیئے اس وقت بھی تمہاری بیوی چوبیس

گھنٹے تمہاری پٹی سے لگی بیٹھی رہے گی۔

سادگی اور شرم و حجاب کی وہ کشمکش جو مشرقی عورت کے چہرہ سے

جھلک کر چمکتی ہے۔ بازار میں دستیاب نہیں ہو سکتی وہ گھر میں ملتی ہے۔

دوسروں کی ناواقفیت سے فائدہ اٹھانے کا نام جن لوگوں نے تجارت

رکھ لیا ہے۔ وہ غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔

جو خطرہ بار بار پیش آتا ہے۔ انسان اس کا خوگر ہو جاتا ہے۔

بے نتیجہ چیز کی مثال اس کے وصف اور قیمت کو کم کر دیتی ہے۔

باکمال اسلاف کے اخلاف کو بھی ان کی امانت علم و فن کا حامل ہونا چاہیئے۔

نئی دولت کے نشہ سے چھٹکارا پانے کے لئے پچھلے افلاس کی ہئیت اپنے

حافظہ میں اس طرح محفوظ رکھو جیسے کوئی ہوشیار مصور آئینے میں تصویر

بنا دے۔

ہمیشہ اس زریں اصول کو یاد رکھو کہ کوشش کرنا ہی کلید کامیابی ہے۔

اس لئے ہر کام کرتے وقت —— کوشش کرو کوشش کرو اور پھر

کوشش کرو جب تک کہ کامیاب نہ ہو جاؤ۔

اگر تم محنت کرتی رہو گی تو کبھی مایوسی سے دوچار نہ ہو گی۔ ہر کام میں کامیابی

کا یہی گر ہے کہ محنت اور کوشش کئے جاؤ۔ اگر تم یہ سمجھتی ہو کہ تمہارا کام مشکل

ہے۔ تو کوشش کرو۔ وقت تمہیں تمہارا صلہ ضرور دیگا۔ جلد یا بدیر۔ جو کام اور

لوگ کر سکتے ہیں اسے اپنے لئے مشکل اور ناممکن مت سمجھو۔ تم مشکل سے مشکل اور

محنت سے محنت کام کر سکتی ہو بشرطیکہ صبر و استقلال سے کام کرو۔

حیدر نامہ

مترجمہ جناب افتخار احمد صاحب دہرہ دون

ہندوستان کے قوم پرور رہنماؤں میں پنڈت سندر لال صاحب کو ممتاز حیثیت حاصل ہے۔ آپ ہندو ہیں اور ہندو ہونے پر آپ کو فخر ہے لیکن آپ کا شمار ان معدودے چند ہندو رہنماؤں میں ہوتا ہے جو حق و صداقت کے مقابلہ میں بڑی سے بڑی قوت اور طاقت سے دلخراش لعن و تشنیع کی بھی پرواہ نہیں کرتے۔ اور جن پر ہندوستان کا ہر فرقہ آنکھیں بند کرکے اعتماد کا اظہار کرسکتا ہے۔ موصوف نے چند سال قبل ہندی زبان میں ایک کتاب لکھی تھی جس کا نام تھا "بھارت میں انگریزی راج" لیکن حکومت نے اس کی اشاعت کو ممنوع قرار دیدیا۔ ہندوستان میں جب کانگریسی وزارتیں قائم ہوئیں تو موصوف کو اس کتاب کی اشاعت کی اجازت مل گئی۔ اور آپ نے اسے اردو اور ہندی میں شائع کرنے کی جدوجہد شروع کردی۔ لیکن یہ کتاب ہندی زبان میں تو شائع ہوگئی۔ اردو میں شائع نہ ہوسکی "بھارت میں انگریزی راج" ایک ایسی دستاویز ہے جس کے کسی ایک جملہ کی بھی تردید نہیں کی جاسکتی۔ اور جس کے مطالعہ سے ہندوستان میں انگریزی سلطنت کے قیام سے زمانہ حال تک تمام حالات بے نقاب ہوجاتے ہیں مندرجہ ذیل مضمون اسی کتاب کا ایک باب ہے جسے عزیزی افتخار احمد نے ہندی سے ترجمہ کرکے محشر خیال میں اشاعت کے لئے بھیجا ہے۔ یہ باب متعدد قسطوں میں شائع ہوگا۔ اور اگر قارئین محشر خیال نے اس سلسلہ کو پسند فرمایا تو اس کتاب کے بعض دیگر ابواب بھی وقتاً فوقتاً پیش کئے جائینگے۔ آزاد

خاندان اور پیدائش

گزشتہ باب میں ہم اشارتاً حیدر علی اور انگریزوں کی لڑائیوں کا حال بیان کرچکے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان میں انگریزوں کو حیدر علی سے بڑھ کر ہوشیار اور خوفناک دشمن دوسرا نہیں ملا جس طرح نانا فرنویس نے اپنی حکمت عملی سے انگریزوں کا مقابلہ کیا تھا اسی طرح حیدر علی بھی تمام عمر انہیں بزور شمشیر ہندوستان سے نکال دینے کی کوشش کرتا رہا۔ اس لئے انگریزوں اور حیدر علی کے معرکوں کو وضاحت کے ساتھ بیان کرنے سے قبل حیدر علی کی زندگی اور عجیب و غریب کردار کو مختصر طور پر بیان کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

حیدر علی کی پیدائش کسی شاہی خاندان میں نہیں ہوئی تھی۔ اس کے پردادا ولی محمد ایک معمولی مسلمان فقیر تھے اور گلبرگہ کے مشہور درویش بندہ نواز گیسودراز کی درگاہ میں رہتے تھے اور وہیں سے ان کے مصارف کے لئے ماہانہ وظیفہ مقرر تھا قدیم ہندوستان کے رشیوں کی طرح اس وقت کے بیشتر مسلمان فقرا بھی بہت سادہ مگر گھریلو زندگی بسر کرتے تھے۔ ولی محمد کا ایک فرزند تھا جس کا نام شیخ محمد علی تھا۔ اور عام طور پر شیخ علی کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ شیخ علی بھی اپنے والد کے مانند ہی خدا رسیدہ درویش خیال کیا جاتا تھا۔ شیخ علی کچھ عرصہ بیجاپور میں مقیم رہا پھر کرناٹک کے علاقہ میں کولار نامی مقام پر رہائش اختیار کرلی۔ کولار کا حاکم شیخ محمد دکھنی شیخ علی کا معتقد تھا۔

شیخ علی کے چار فرزند تھے۔ افلاس و تنگ دستی سے پریشان ہوکر ایک مرتبہ ان چاروں لڑکوں نے شیخ علی سے درخواست کی کہ ہمیں کسی اور مقام پر جاکر ملازمت کرنے اور دولت و عزت حاصل کرنے کے لئے رخصت دی جائے لیکن شیخ علی نے ان کی درخواست کو رد کرتے ہوئے انہیں کہا کہ:-

"ہمارے آباؤ اجداد خدا رسیدہ بزرگ تھے۔ اگر وہ چاہتے تو دنیا میں نام و شہرت اور دولت و عزت حاصل کرسکتے تھے لیکن وہ ہمیشہ دنیاوی عیش و آرام اور اس کی تحریصات و ترغیبات الگ رہنے کی کوشش کرتے رہے کیونکہ دنیا کی طمع سے روحانی اطمینان جاتا رہتا ہے۔ اور حقیقی اطمینان و سکون کی تلاش کا شوق دل سے زائل ہوجاتا ہے۔ تم اس چند روزہ زندگی کے فریب میں نہ آؤ۔ اس کے علاوہ خدا پر بھروسہ کرنے والے اور آزاد منش انسان اپنی دنیاوی حالت کے خراب ہونے پر دل برداشتہ نہیں ہوتے اور دنیا والوں کے ساتھ ان کے جو تعلقات ہوتے ہیں وہ انہیں بھی منقطع کردیتے ہیں اور اسے فخر کی بات خیال کرتے ہیں۔

حیدر علی کے جد امجد دراصل سچے درویش تھے۔ چنانچہ جب تک شیخ علی زندہ رہے ان کے چاروں فرزند انہیں کے ساتھ رہے۔ بعد ۱۶۹۷ء میں جب شیخ علی کی وفات ہوگئی تو بڑا لڑکا شیخ الیاس باپ کا جانشین ہوا۔ سب سے چھوٹے بھائی کا نام فتح محمد تھا۔ فتح محمد اپنے بڑے بھائی کی مرضی کے خلاف نواب ارکاٹ کی فوج میں جمعدار کی حیثیت سے ملازم ہوگیا اور تنجور کے ایک دوسرے درویش پیرزادہ برہان الدین کی لڑکی کے ساتھ شادی کرلی۔ جس کے بطن سے دو لڑکے

پیدا ہوئے۔ بڑے لڑکے کا نام شہباز رکھا گیا اور چھوٹے کا حیدر علی۔ مورخین کا خیال ہے کہ حیدر علی کی پیدائش سنہ ۱۷۲۲ء کے قریب ہوئی تھی۔

بچپن اور فوجی زندگی کا آغاز

آج سے دو سو سال پہلے کے ہندوؤں اور مسلمانوں کی سماجی زندگی ایک عجیب انداز سے حیدر علی کی شخصیت میں شامل ہو گئی تھی۔ حیدر علی کی ایک فارسی سوانح عمری سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کی پیدائش کے وقت ہندو جوتشیوں نے اس کا زائچہ تیار کیا تھا۔ حیدر علی کی پیدائش کے وقت چونکہ آفتاب برج اسد میں تھا اس لئے جوتشیوں نے اس کا نام بھی حیدر ہی تجویز کیا اور اس لفظ کے ساتھ "علی" کا اضافہ کر کے اس کا نام حیدر علی رکھ دیا گیا۔ ان جوتشیوں نے پیشینگوئی بھی کی تھی کہ یہ بچہ ایک دن تخت شاہی پر جلوہ افروز ہوگا لیکن ساتھ ساتھ یہ کہہ دیا تھا کہ اس کی پیدائش کے کچھ عرصہ کے بعد اس کے والد کی موت واقع ہو جائے گی۔ امیر فتح محمد کے کچھ رشتہ داروں نے حیدر علی کو جان سے مار ڈالنے کا ارادہ کیا لیکن جب فتح محمد کو معلوم ہوا تو اس نے بچے کی حمایت کی اور اسے بچا لیا۔ اس طرح حیدر علی کی جان بچ گئی اور والدین اسے نہایت محبت اور توجہ کے ساتھ پرورش کرنے لگے۔

شہباز اور حیدر علی کی پیدائش سے پہلے فتح محمد نے دربار کرناٹک کی ملازمت ترک کر کے پہلے میسور اور پھر سیرا کے نواب درگاہ قلی خاں کے یہاں ملازمت اختیار کر لی تھی۔ سیرا میں اسے بالاپور کلاں کا قلعدار بنا دیا گیا لیکن کچھ عرصہ کے بعد دکن کے امیروں کی باہمی خانہ جنگیوں میں فتح محمد ہی کام آ گیا۔ اس حادثہ کے وقت شہباز کی عمر آٹھ سال کی تھی اور حیدر علی کی تین سال۔ فاتح فریق نواب عباس قلی خاں نے فتح محمد کی بیوہ اور اس کے یتیم بچوں کا تمام مال و اسباب ضبط کر لیا اور ان کے رشتہ داروں سے مزید دولت حاصل کرنے کے لئے ان معصوم بچوں کو ایک نقارہ میں بند کر کے اس پر چوب لگانے کا حکم دیا۔

حیدر علی کے بھائی شیخ عنایت کا فرزند حیدر شاہ میسور کے راجہ کے یہاں نائک کے عہدہ پر مامور تھا۔ حیدر علی کی والدہ نے اس مصیبت کی اطلاع حیدر شاہ کو دی۔ اس نے معقول رقم بھیج کر ان لوگوں کو اس مصیبت سے نجات دلائی اور انہیں سرنگاپٹم میں بلوا کر نہایت عزت و احترام کے ساتھ اپنے ہی پاس رکھ لیا یہاں ابتدا ہی سے شہباز اور حیدر علی کو شہسواری، نیزہ بازی، تیراندازی اور دیگر فنون جنگ کی تعلیم دلائی گئی اور بالغ ہونے پر دونوں بھائی میسور کی فوج میں بھرتی ہو گئے۔

میسور کی ریاست

شہنشاہ دہلی کے فرمان کے مطابق میسور کی ہندو ریاست مرہٹوں کو چوتھ ادا کرتی تھی لیکن اور تمام معاملات میں بالکل آزاد اور خودمختار تھی۔ ......

اور دکن کے صوبہ دار نظام الملک کو اس ریاست پر کسی قسم کا حاکمانہ اقتدار حاصل نہ تھا۔ ۱۷۴۸ء میں نظام حیدرآباد کا انتقال ہو گیا۔ نظام نے اپنی زندگی ہی میں مظفر جنگ کو اپنا جانشین نامزد کر دیا تھا۔ انگریزوں نے ایک دوسرے شخص ناصر جنگ کو حقدار بنا کر مظفر جنگ کے مقابلہ میں کھڑا کر دیا۔ اور اس کی مدد کرنے لگے۔ میسور کے دربار اور فرانسیسیوں نے مظفر جنگ کا ساتھ دیا اور کئی خونریز مقابلوں کے بعد مظفر جنگ کو فتح حاصل ہوئی۔ ان لڑائیوں میں حیدر علی کا بڑا بھائی شہباز میسور کی جانب سے لڑ رہا تھا۔ اس کے ماتحت دو سو سوار اور دو ہزار پیدل سپاہی تھے۔ حیدر علی بھی اس وقت ایک معمولی سوار کی حیثیت سے اپنے بھائی کے ماتحت اس لڑائی میں شریک تھا۔

میسور کے مہاراج عرصہ دراز سے برائے نام میسور کے حکمراں تھے ان کا بیشتر وقت محل ہی میں رہ کر پوجا پاٹ کرنے اور دوسرے مذہبی فرائض کے انجام دینے میں بسر ہوتا تھا اور وہ سال بھر میں صرف دو مرتبہ اپنی رعایا کے سامنے آتے تھے حکومت کے معاملات سے انہیں کسی طرح کا سروکار نہیں تھا اور دربار و ریاست کے تمام کام وزیر اعظم جسے دیو یا دیوان بھی کہتے تھے۔ انجام دیتا تھا اور وہی راجہ کے تمام فرائض کی ادائیگی کا ذمہ دار تھا۔

گزشتہ لڑائیوں میں حیدر علی کی بہادری اور قابلیت کو دیکھ کر دیو نندراج اتنا خوش ہوا کہ ۱۷۵۵ء میں اس نے اسے ڈنڈی گل کا فوجدار مقرر کر دیا۔ یہاں اسے فرانسیسیوں کے طرز جنگ کو دیکھنے اور ان کی فوجی تربیت کو سمجھنے کا موقع ملا چنانچہ ڈنڈی گل میں فوج کو قواعد سکھانے اور توپ خانہ میں کام کرنے کے لئے اس نے بہت سے فرانسیسی افسروں اور کاریگروں کو ملازم رکھ لیا۔

سپہ سالار اعظم اور دیو کے عہدے

رفتہ رفتہ حیدر علی کی طاقت بڑھ گئی اور اسے میسور کی فوج کا سپہ سالار اعظم بنا دیا گیا۔ کچھ عرصہ کے بعد میسور کے وزیروں کے درمیان جھگڑے شروع ہو گئے اور کھانڈے راؤ نے جو ایک مرہٹہ برہمن اور حیدر علی کا پروردہ تھا۔ سازش کر کے دیو نندراج کو معزول کرا دیا اور خود دیو کی گدی حاصل کر لی۔ مورخین لکھتے ہیں کہ دارالحکومت سرنگاپٹم کے تمام لوگ کھانڈے راؤ سے ناراض تھے۔ دیو کی گدی پر فائز ہونے کے بعد کھانڈے راؤ نے مرہٹوں سے سازش کر کے انہیں میسور پر حملہ کرنے کی دعوت دی اور اس طرح حیدر علی جو اس وقت ریاست کا سپہ سالار اعظم تھا نیز ریاست میسور دونوں کے خلاف غداری کی۔ حیدر علی نے کھانڈے راؤ اور مرہٹوں کا نہایت ہمت اور شدت کے ساتھ مقابلہ کیا تھا۔ یہاں ہم ان لڑائیوں کی تفصیل میں پڑنا نہیں چاہتے مختصر یہ کہ شاہی خاندان کے تمام افراد اور بالخصوص نندراج سے پہلے دیو کی بیوہ نے جس کا سرنگاپٹم میں بہت زیادہ اثر تھا حیدر علی کی پوری پوری مدد کی جس کا نتیجہ حیدر علی کی فتح کی شکل میں برآمد ہوا۔ اور نیا

کی مرضی کے مطابق میسور کے مہاراجہ نے کھانڈے راؤ کو الگ کر کے حیدر علی کو دیو کے اعلیٰ عہدہ پر مامور کر دیا۔

سطور بالا میں بتایا جا چکا ہے کہ ایک عرصے سے دیو ہی ریاست میسور کی حکومت کے تمام اندرونی اور بیرونی امور کا ذمہ دار ہوا کرتا تھا۔ میسور کے دیو اور راجہ میں قریب قریب ویسا ہی تعلق تھا جیسا کہ پونا کے پیشوا اور شیوا جی کے خاندان کے لوگوں میں۔ میسور کے راجہ محض نام ہی کے لئے اپنے محل کے اندر تخت پر بیٹھے رہتے تھے۔ حیدر علی دیو کے عہدہ پر فائز ہوا تو ریاست کے نظم و نسق کی تمام ذمہ داریاں بھی اسی پر عائد ہو گئیں اور دیو کی گدی اس کے جانشینوں کے لئے مخصوص ہو گئی۔ کچھ عرصہ کے بعد دہلی کے شہنشاہ نے حیدر علی کی قابلیت اور لیاقت کی خبر پا کر اسے میسور سے متصل صوبہ سیرا کا صوبہ دار مقرر کر دیا۔

ریاست کی اصلاح و ترقی کی کوشش

گذشتہ اختلافات اور خانہ جنگیوں کی وجہ سے ریاست کی حالت ابتر ہو گئی تھی۔ حیدر علی سب سے پہلے مالی حالت کی اصلاح پر متوجہ ہوا۔ ریاست کے بیشتر زیورات اور جواہرات سرنگاپٹم کے ایک ساہوکار کے یہاں رہن رکھے ہوئے تھے۔ اس ساہوکار نے وقتاً فوقتاً ریاست کو بڑی بڑی رقمیں بطور قرض دی تھیں اور سود کی شکل میں ریاست سے بے شمار روپیہ حاصل کر چکا تھا کہا جاتا ہے کہ اس کے بچوں کے پلنے خالص سونے کے ٹھوس بنے ہوئے تھے اور سونے ہی کی زنجیروں میں لٹکے رہتے تھے۔

حیدر علی نے حکم دیا کہ اس کا تمام قرض ادا کر دیا جائے اور ریاست کا جو سامان رہن رکھا ہے اسے واپس لے لیا جائے۔ حسابات کی جانچ پڑتال کے لئے پنچ مقرر کئے گئے۔ ان پنچوں نے جو یادداشت پیش کی اس سے معلوم ہوا کہ حسابات میں بے ایمانی اور حیل سازی سے کام لیا گیا ہے اور ان پنچوں ہی نے یہ فیصلہ کیا کہ اس ساہوکار کا تمام مال و اسباب ضبط کر کے اسے تمام عمر کے لئے قید کر دیا جائے۔ حیدر علی نے اس فیصلے کے مطابق اس ساہوکار کا مال و اسباب تو ضبط کر لیا لیکن اسے قید نہیں کیا بلکہ اس کے گذارے کے لئے کچھ وظیفہ مقرر کر دیا اور اس کے لڑکوں کو ریاست میں اچھے اچھے عہدے دئے اسی طرح حیدر علی نے ریاست کے مصارف اور مالگذاری کی تحصیل کا بھی نہایت اچھا انتظام کر دیا۔

جس طرح میسور کی ریاست دلی کے شہنشاہ کے ماتحت تھی اسی طرح آس پاس کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں جنہیں ادہیکار یا پلیگار کہا جاتا تھا میسور کی ماتحت سمجھی جاتی تھیں۔ ان میں سے بعض ریاستوں نے میسور کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا تھا اور بعض ایک دوسرے کے خلاف سازشوں لڑائیوں اور جھگڑوں میں مبتلا تھیں۔ حیدر علی نے اپنی فوجیں بھیج کر ان سب کو زیر کر لیا اور چاروں طرف امن کا دور دورہ ہو گیا۔

بیدنور کی ریاست

ان چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستوں میں بیدنور کی ریاست کو خاص حیثیت حاصل تھی۔ شہر بیدنور کی جو دارالحکومت بھی تھا، نصف آبادی عیسائیوں پر مشتمل تھی۔ بیدنور کے راجہ اور اس کی بیوہ ماں کے درمیان کسی بات پر جھگڑا ہو گیا۔ راجہ نے حیدر علی سے امداد طلب کی، بیدنور کی رعایا بھی راجہ ہی کی حامی تھی۔ حیدر علی نے راجہ کی مدد کی اور بیدنور پر حملہ کر دیا۔ رانی نے نہایت بہادری کے ساتھ قلعہ کی حفاظت کی لیکن آخرکار اسے شکست ہو گئی۔ حیدر علی نے رانی اور اس کے فرزند کے درمیان صلح کرا دی اور راجہ کی تخت نشینی کا انتظام کر دیا۔

حیدر علی کے اس شریفانہ طرز عمل کے باوجود رانی اپنے بیٹے سے سازش کر کے حیدر علی کو قتل کرا دینے کی تدبیریں کرنے لگی۔ حیدر علی کو اس سازش کا علم ہوا تو اس نے بہت زیادہ تحقیق و تفتیش کے بعد رانی اور اس کے لڑکے کو قید کر لیا اور اپنے ایک قابل اطمینان شخص راجہ لال کو بیدنور کا حکمراں مقرر کر دیا۔

بیدنور کی ریاست اس قدر مالدار تھی کہ حیدر علی کو قلعہ کے اندر سے کم و بیش بارہ کروڑ روپیہ۔ ہیرے جواہرات۔ چاندی اور سونا ملا اور اس نے اس روپیہ سے اپنے تمام سپہ سالاروں اور سپاہیوں کو چھ چھ ماہ کی تنخواہ بطور انعام دی غریبوں اور فقیروں کو کھانا، کپڑے اور نقد روپیہ تقسیم کیا۔ اور بیدنور کا نام بدل کر حیدر نگر رکھ دیا۔

اس کے بعد حیدر علی نے دوسری ریاستوں کی طرف رخ کیا اور انہیں مطیع بنا کر میسور راج کی حدود کو وسعت دی اور ریاست کو مضبوط و مستحکم بنانے کی مسلسل کوشش کرتا رہا۔

مرہٹے بھی چاروں طرف اپنی حدود ریاست کو وسعت دینے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔ انہوں نے چار مرتبہ میسور پر حملہ کیا۔ لیکن ان حملوں سے ان کو کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا۔ حیدر علی کی طاقت بھی کچھ کم نہ تھی۔ وہ کبھی لڑ کر اور کبھی کچھ علاقہ دے کر ان سے چھٹکارا پاتا رہا۔ مگر جو تھوڑا بہت علاقہ اس طرح مرہٹوں نے لے لیا تھا۔ آخرکار اس کو بھی انہیں حیدر علی کو واپس دینا پڑا۔ اور دونوں کو اپنے اپنے فائدہ کے لئے ایک دوسرے سے صلح اور عہد نامے کرنے پڑے۔

انگریزوں کے ساتھ پہلی لڑائی

انگریز کسی ہندوستانی آزاد حکمراں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو گوارا نہ کر سکتے تھے۔ وہ طرح طرح سے حیدر علی کو کچلنے کی کوشش کرنے لگے۔ حیدر علی سے انکی پہلی لڑائی ۱۷۶۷ء میں ہوئی۔ ابتداً چھیڑ چھاڑ انگریزوں کی طرف سے

چھوٹی اور انگریزوں نے بلاوجہ اس سال حیدر علی کے بارہ محل کے علاقہ پر حملہ کر دیا۔ کرناٹک کے نواب محمد علی کے ساتھ اس جنگ سے پہلے حیدر علی کے دوستانہ تعلقات تھے۔ انگریزوں نے اسے یہ لکھ کر حیدر علی کے خلاف کر لیا کہ بارہ محل کا علاقہ فتح کر کے انگریز اسے دے دیں گے۔

انگریزوں کا مقابلہ کرنے کے لئے حیدر علی نے اب نظام کے ساتھ عہدنامہ کیا اور یہ طے ہو گیا کہ حیدر علی اور نظام کی فوجیں متفقہ طور پر انگریزوں اور کرناٹک کے علاقوں پر حملہ کریں۔ اور محمد علی کو سزا دینے کے لئے اسے کرناٹک کی مسند حکومت سے علیحدہ کر کے حیدر علی کے بیٹے ٹیپو کو اس کی جگہ بٹھا دیں تقریباً پچاس ہزار فوج نظام کی طرف سے رکن الدولہ کی ماتحتی میں حیدر علی کی مدد کو آئی۔ اتنی ہی فوج جنرل اسمتھ کے ماتحت مدراس سے بڑی لیکن اس عرصہ میں جب کہ ابھی حیدر علی اور انگریزوں کے درمیان خط و کتابت ہی ہو رہی تھی۔ جنرل اسمتھ نے ولمواڑی اور کاویری پٹم وغیرہ کے سرحدی قلعے اپنے قبضے میں کر لئے۔ حیدر علی کے پاس اس وقت کل فوج دو لاکھ کے قریب تھی۔ اس میں سے پچاس ہزار فوج لے کر وہ جنرل اسمتھ کے مقابلہ کے لئے بڑھا۔ رکن الدولہ کی فوج بھی حیدر علی ہی کی فوج کے ساتھ ساتھ تھی۔ اس وقت انگریزوں نے رکن الدولہ اور نظام کے ساتھ پوشیدہ طور سے خط و کتابت شروع کی چنانچہ عین موقعہ پر کئی جگہ رکن الدولہ کے طرز عمل سے دغا بازی کا شبہ ہونے لگا۔ حیدر علی کے ساتھ انگریزوں کی کئی چھوٹی چھوٹی لڑائیاں ہوئیں۔ جن میں کبھی انگریزوں کو فتح حاصل ہوئی اور کبھی حیدر علی کو۔ حیدر علی کے مضبوط قلعوں کو سر کرنے کے معاملہ میں انگریز کوئی خاص کامیابی حاصل نہ کر سکے۔ پھر بھی حیدر علی کا بہت سا علاقہ انگریزوں کے ہاتھ آ گیا ارکاٹ کا نواب انگریزوں سے مل چکا تھا۔ اور نظام کا طرز عمل بھی غیر اطمینان بخش تھا دوسرے حیدر علی کو مرہٹوں کے حملہ کا بھی بڑا خطرہ رہتا تھا۔ تیسرے میسور میں اس کی حکومت ابھی حال ہی میں قائم ہوئی تھی۔ اور وہ زیادہ عرصہ تک دار الخلافہ سے دور نہ رہ سکتا تھا ان سب باتوں سے مجبور ہو کر حیدر علی نے انگریزوں سے ۱۷۶۸ء میں صلح کی بات چیت شروع کی۔

انگریزوں کو اس بات کا یقین ہو گیا کہ اس وقت حیدر علی کی حالت کمزور ہے اور ہم آسانی کے ساتھ اس کے سارے علاقہ کو فتح کر لیں گے۔ انہوں نے حیدر علی کے سفیر کو بے عزتی کے ساتھ اپنے یہاں سے واپس کر دیا۔ لیکن حیدر علی بزدل نہ تھا۔ اس نے اب پوری قوت کے ساتھ جنگ کی تیاریاں شروع کیں۔ نومبر ۱۷۶۸ء میں انگریزوں کو ریاست میسور سے باہر نکالنے کے لئے اس نے اپنے ایک سپہ سالار فضل اللہ خاں کو فوج دے کر روانہ کیا اور اس کے بعد خود فوج لے کر آگے بڑھا۔

حیدر علی کی پیش قدمی

سب سے پہلے اس نے ایک ایک کر کے اپنے قلعوں کو واپس لینا شروع کیا جن پر انگریزی فوج نے قبضہ کر لیا تھا۔ ان میں کاویری پٹم کا قلعہ ایک خاص حیثیت رکھتا تھا۔ حیدر علی نے اس کا محاصرہ کیا۔ انگریزوں نے اپنی توپوں سے قلعہ کی حفاظت کا پورا انتظام کر رکھا تھا۔ حیدر علی کی توپوں نے باہر سے قلعہ پر گولا باری شروع کی۔ تقریباً تین گھنٹے گولا باری کے بعد انگریزی فوجوں کو فصیل چھوڑ کر پیچھے ہٹ جانا پڑا۔ انگریز سپہ سالار نے بے بس ہو کر صلح کا سفید جھنڈا دکھایا۔ حیدر علی نے لڑائی بند کر دی۔ اور قلعے پر قبضہ کر لیا۔ قلعے کے اندر کے تمام سپاہیوں کی جان بخشی کر دی۔ اور ان کو اس بات کی اجازت دی کہ اپنے ہتھیار رکھ کر مدراس واپس چلے جائیں یا میسور کی فوج میں بھرتی ہو جائیں اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تقریباً تمام ہندوستانی سپاہی حیدر علی کی فوج میں آ کر بھرتی ہو گئے حیدر علی نے یہ بھی حکم دیا کہ کمپنی کا ہر افسر اور سپاہی ہتھیار دیں۔ گولا بارود گھوڑوں اور اس تمام سامان اور مال و اسباب کے علاوہ جو انگلستان کے بادشاہ یا انگریزی کمپنی یا محمد علی کا ہے۔ اپنے ذاتی مال و اسباب میں سے جو کچھ چاہیں اور جتنا چاہیں اپنے ہمراہ لے جا سکتے ہیں۔ اس سلسلہ میں جب قلعہ کے انگریز افسر نے حیدر علی سے عرض کیا کہ رسد وغیرہ کا بہت سا سامان میں نے اپنے ذاتی روپیہ سے خریدا ہے۔ تو رحمدل حیدر علی نے اسے اپنے خزانے اس سامان کی قیمت دلوا دی۔

ایک طرف تو حیدر علی کا برتاؤ اپنے جانی دشمنوں کے ساتھ اتنا اچھا ہمدردانہ اور شریفانہ تھا اور دوسری طرف اسی لڑائی میں انگریزوں نے حیدر علی کے ایک چھوٹے سے قلعہ دھرم پوری پر قبضہ کرتے ہوئے اس وقت جب کہ صلح کا سفید جھنڈا فصیل پر لہرا رہا تھا۔ قلعہ میں گھس کر وہاں کے قلعہ دار اس کے معصوم بچوں اور تمام سپاہیوں کو جو ہتھیار رکھ چکے تھے۔ قتل کر دیا۔ اور یہ سب انگریز سپہ سالار کی اجازت سے کیا گیا۔

کاویری پٹم کے بعد حیدر علی نے اپنے باقی قلعے بھی ایک ایک کر کے انگریزوں سے واپس لے لئے۔ ان لڑائیوں اور محاصروں کا حال بیان کرنا یہاں پر غیر ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ان تمام لڑائیوں میں جنرل اسمتھ کی فوج کو ہر جگہ ذلت کے ساتھ پسپا ہونا پڑا۔ جگہ جگہ اسے اپنا مال و اسباب چھوڑ دینا پڑا۔ اپنی توپوں اور گولا بارود کو تالابوں اور ندیوں کی نذر کر دینا پڑا۔ اور کہیں کہیں تو اپنے مردوں کو بلا دفن کئے بھاگ جانا پڑا۔ لیکن ان تمام لڑائیوں میں حیدر علی کا یہ طرز عمل رہا کہ آگے بڑھنے سے پہلے وہ دشمن کے تمام مردوں کو جمع کر کے دفن کر دیا کرتا تھا۔ (باقی آئندہ)

چنی ہوئی کلیاں

رباعیات ——— زیبؔ بریلوی ——— حجابؔ ترمذی

کیا کوئی نہیں چمن طرازِ ہستی؟
خودساز، تو یہ نہیں ہے سازِ ہستی
خمِ بادۂ ہوش سے ہیں ہنگامے زیبؔ
کچھ راز نہیں ہے ورنہ رازِ ہستی

ساقی نے بھرا تھا جب ایاغِ ہستی
ہر مست تھا طالبِ سراغِ ہستی
بے کیف نہ تھا نظر فروزِ لالہ
مے خانہ اولیں تھا باغِ ہستی

(زیبؔ بریلوی)

میں اور یہ لطف کی نگاہیں؟ صد شکر!
گردن میں مری کسی کی باہیں صد شکر!
کچھ جوشِ کرم ہے کچھ خدا کی رحمت
صیاد اثر ہیں میری آہیں صد شکر!

اے رند خدا کا خوف کرتا کیوں ہے؟
پینا ہے تو پی شوق سے مرتا کیوں ہو؟
پی جام پہ جام مست و بےخود ہو کر
ستار و کریم ہے وہ ڈرتا کیوں ہے؟

ممنونِ نوازشات کردے ساقی!
ساغرِ زر نگار اِدھر دے ساقی!
میں رندِ بلانوش ہوں مستی کی قسم!
پیمانہ میں میخانہ ہی بھر دے ساقی!

(حجابؔ ترمذی)

قطعات ——— سرورؔ مظفر

میں سمجھتا تھا جوانی آئے گی!
اور طبیعت میں روانی آئے گی!
آہ! اے سرورؔ کیا معلوم تھا
اک بلائے ناگہانی آئے گی

جب کوئی میرے شعر گاتا ہے
میرا دل بیٹھ، بیٹھ، جاتا ہے!
حشر ہوتا ہے حافظہ میں بپا
کوئی، رہ، رہ، کے یاد آتا ہے

تشنۂ بادہ و سبو ہوں میں
آہ! مایوسِ جستجو ہوں میں
زندگی مجھ پہ بار ہے سرورؔ
ایک ناکامِ آرزو ہوں میں

میرے سازِ دل کے ہر اک تار کو
اِک نوائے غیر فانی بخش دی
گویا جب بخشی محبت آپ نے
مجھ کو عمرِ جاودانی بخش دی

مطربہ جب ادائے ناز کے ساتھ
کسی نغمے کی تان بھرتی ہے
آہ! سرورؔ کیا بتاؤں میں
اُس گھڑی مجھ پہ کیا گزرتی ہے

(سرورؔ مظفر)

میرے پسندیدہ اشعار

مرتبہ محترمہ رضیہ سلطانہ بیگم صاحبہ چمن دہلوی

ذہن پاتا ہے مآلِ زندگانی کا سراغ　　جھلملا اٹھتے ہیں جب تازہ مزاروں کے چراغ
بادہ نوشی، ہلالِ گردشِ پیمانہ کیا؟　　داستانِ تازہ سن بھولا ہوا افسانہ کیا؟

تری دنیا کے ذرے منزلِ ہستی میں ہوں تو ہوں　　یہاں خورشید خود ذروں میں شامل ہوتا جاتا ہے
اس طرح سے پھر نقوشِ ہمتِ مردہ ابھار　　آخری سانسوں میں بھی ہو سرفروشی کا خمار
لطفِ الم اٹھائے جا، حسرتِ غم بڑھائے جا　　اصلِ حیات موت ہے، موت میں زندگی نہ دیکھ
روشنی اب تک وہی ہے عرش کے تاروں میں دیکھ　　ہیں وہی آثارِ عظمت سخت کہساروں میں دیکھ
کشاکش ہی میں حاصل جس کو لطفِ زندگانی ہو — وہ کیوں رہنے لگا وابستۂ سود و زیاں ہوکر

اے دوست نہ کہنا اب مجھ سے مجبور ہیں ہم ناچار ہیں ہم　　دنیا پہ یہ ثابت کرنا ہے آزاد ہیں ہم مختار ہیں ہم
مجبوری سے مختاری کی راہیں بھی نکالی جائیں گی　　زنجیروں کے ٹکڑے سے کر تلواریں ڈھالی جائیں گی

سوز و ساز

(از جناب قاضی سید شوکت حسین صاحب علوی بہار)

سوز کا حال ساز کیا جانے　　غزنوی کو ایاز کیا جانے
ناز کو بے نیاز کیا جانے　　لطفِ سوز و گداز کیا جانے
مری کوتاہیٔ مقدر کو　　تری زلفِ دراز کیا جانے
شمع سے بے خبر ہے پروانہ　　دردِ دل چارہ ساز کیا جانے
تیرے پند و نصائح کو واعظ　　فکر سے بے نیاز کیا جانے

حسن سرگوشیاں کرے تو کرے　　عشق راز و نیاز کیا جانے
تو نے پی ہی نہیں کبھی زاہد — مے کی مستی کا راز کیا جانے
مجھ کو تلقینِ حق نہ کر واعظ　　ایک کافر نماز کیا جانے
"حسنِ عریاں" کی معصیت کوشی — اک دلِ پاکباز کیا جانے
میں الگ ہوں بہار محفل میں — مجھ کو بندہ نواز کیا جانے

حاصلِ مطالعہ

قوتِ متخیلہ

از جناب انیس سیفی ۔ بی۔ اے

قوتِ ارادی کی اہمیت سے کون واقف نہیں۔ ؟ ہر شخص جانتا ہے کہ کسی کام کی احسن طریق پر تکمیل کے لئے قوت ارادی کا ہونا ازبس ضروری ہے۔ یا یوں کہئے کہ کامیابی کی کلید قوت ارادی ہے جس قدر یہ قوت مضبوط ہوگی اسقدر کامیابی قریب تر ہوگی۔ تمام وہ ہستیاں جن کا ہمارے نمایاں تواریخ کے صفحے چمک رہے ہیں جنکی زندگی کا ایک ایک لمحہ مشعلِ راہ بنکر ہزارہا انسانوں کو کامیابی کی راہ پر گامزن کر چکا ہے قوتِ ارادی ہی کے بل بوتے پر کارزار زندگی کرتے کرتے رہے ہیں۔ حوادث کے سیلاب اور مصائب کے موجزن طوفان ان کے ارادے میں ایک ذرہ بھر لغزش نہ پیدا کر سکے جس بات پر وہ جم گئے آخیر وقت تک اُن کے قدم اس پر مضبوطی سے قائم رہے۔

لیکن ایک ایسی طاقت جو قوت ارادی کے ساتھ ساتھ برابر کام کرتی ہے بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ قوتِ ارادی کا سنگ بنیاد ہے اسے محض نام کی غلط ترجمانی کے باعث ٹھکرا دیا جاتا ہے۔ وہ طاقت ہے قوت متخیلہ عام طور پر کہہ دیا جاتا ہے کہ قوت متخیلہ کا عملی زندگی میں کیا کام یہاں تو ضرورت ہے ارادہ کی۔ اور قوت متخیلہ تو زیادہ سے زیادہ ہوائی قلعے تعمیر کرنے کے کام آتی ہے۔ لیکن حقیقت اس کے خلاف ہے۔ قوت متخیلہ جس قدر بلند ہوگی ارادہ اسی قدر مضبوط تر ہوگا۔

اگر آپ ایک دیوار پھاندنا چاہتے ہیں تو جب تک آپ کے دل میں یہ خیال راسخ نہ ہو جائے گا کہ آپ اسے پھلانگ سکتے ہیں اس وقت تک آپ کی قوتِ ارادی مضبوط نہیں ہو سکتی۔ آپکی قوتِ متخیلہ جب تک دیوار کی بلندی کو دیکھ کر یہ اندازہ نہ کریگی کہ آپ اسے کود جانے کے اہل ہیں اس وقت تک آپ کا ارادہ متزلزل رہیگا۔ دل میں بار بار یہ بات پیدا ہوگی "کہیں گر نہ جاؤں کہیں چوٹ نہ لگ جائے"

بے شک آپ کہتے جایئے کہ میں اسے ضرور پھلانگوں گا لیکن کامیابی اس وقت ہوگی جب قوتِ ارادی اور قوت متخیلہ ایک دوسرے کے دوش بدوش ہو کر آپ کو اس بات کا یقین دلا دیں کہ "آپ کود سکتے ہیں اور آپ ضرور کود سکیں گے"

آپ نے بارہا دیکھا ہوگا کہ اگر آپ سائیکل پر سوار ہیں اور بھیڑ میں سے گذرتے ہوئے آپ کو ایک نالی کے پاس سے ہو کر جانا ہے تو قوت ارادی قوت متخیلہ کے ماتحت ہو کر اپنا کام عمل میں لاتی ہے۔ جونہی یہ خیال پیدا ہوا کہ سائیکل پھسل نہ جائے آپ کے ہاتھ کانپنے لگیں گے۔ اس موقعہ پر اگر آپ کی قوت متخیلہ آپ کا ساتھ دیتی ہے اور آپ کو یقین دلا دیتی ہے کہ آپ یہاں سے بخیریت گذر سکتے ہیں تو بے شک آپ اپنے ارادے کے بل پر ایسا کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ لیکن اگر معاملہ اس کے برعکس رہا تو کچھ عجب نہیں کہ ہاتھوں کی لرزش آپ کو گرائے بغیر وہاں سے نہ جانے دے گویا تخیلی طاقت کی گود میں ارادہ پلتا ہے۔

یہ امر محض انفرادیت ہی سے تعلق نہیں رکھتا۔ بلکہ قومی صفات اور قومی ارادوں پر بھی بعینہٖ حاوی ہے۔ جس قوم کے متعلق ایک عرصہ تک یہ بات کہی جائے کہ وہ ڈرپوک ہے۔ اور اس کے افراد بزدل ہیں تو یقین رکھنا چاہئے کہ آج نہیں تو کل اس کے سارے افراد اپنی زبان سے اس بات کا اقرار کرنے لگیں گے۔ اور اُن کے افعال اسکی گواہی دینے پر مجبور ہو جائیں گے۔ کسی بہادری کے موقعہ پر انہیں آگے بڑھانے کی کوشش بھی کی جائے تو وہ اپنی اس مشہور صفت سے مرعوب ہو کر اس کام کو ہاتھ ڈالتے ہوئے گھبرائیں گے۔ اور اگر کسی قوم کو بہادر مان لیا جائے اور ایک طویل عرصہ تک اس کی بہادری کی صفت کا اظہار کیا جائے تو اس قوم کے ایسے افراد جو [illegible] طور پر کمزور بھی ہوں اپنے آپ کو اس صفت کے اہل ثابت کرنے کی کوشش میں وہ کچھ کر گذریں گے جو بزدل قوم کے قوی الجثہ سے بھی ممکن نہیں ہو سکتا۔

قوتِ متخیلہ کی قوتِ ارادی پر برتری کا ایک اور ثبوت اس مثال سے بھی مہیا ہو سکتا ہے کہ اگر ہم کسی وقت کوئی نام یا کوئی بات بھول جائیں تو ہم اس کے یاد کرنے کے لئے جس قدر قوت ارادی کو کام میں لائیں گے اتنی ہی وہ بات ہمارے ذہن سے اور دور ہوتی جائے گی۔ ہم ارادے کا جتنا دباؤ ڈالیں گے اتنا ہی جو ہے پہلے جانیگی جیسی تو غیر ارادی طور پر ہم قوت متخیلہ سے کام لیتے ہوئے کہا کرتے ہیں "بس ابھی یاد آجائے گی" اور اگر ہم اپنے اس ارادہ کو بالکل ترک کر کے بات کا تسلسل جاری کریں تو کچھ ہی دیر بعد وہ بات یک لخت ہمارے ذہن میں آجائے گی۔ یوں کہئے کہ جس قدر قوت ارادی کو عمل میں لانے کے ارادے کو اپنے ذہن سے زائل کر دیں گے بھولی ہوئی بات اسی قدر ہماری یادداشت کے قریب تر ہوتی جائے گی۔

قوتِ ارادی کی اس اہمیت کے مدنظر ہم اس سے نہ صرف اپنی عادات وخصائل ہی میں بلکہ ہم اپنی جسمانی نشوونما میں بھی ایک حد تک مدد لے سکتے ہیں۔ چنانچہ یورپ میں تو متعدد امراض کے علاج اب اسی طاقت کو عمل میں لانے سے کئے جاتے ہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ حکیم مریض کے سامنے اس کے مرض کے خطرہ کو بہت کم بیان کرتے ہیں اور تیمارداروں سے بھی توقع رکھتے ہیں کہ وہ اس کے سامنے مایوس کن باتیں نہ کریں۔ بلکہ کوشش کی جاتی ہے کہ مریض کو بار بار بتایا جائے کہ اب تم پہلے سے بہتر ہو۔ درحقیقت یہ اس کی قوت متخیلہ پر اس کی صحت کا اثر ڈالا جاتا ہے۔ اگر مریض بار بار خیال کرے

کہ وہ زیادہ کمزور ہوتا چلا جا رہا ہے تو مرض سے بڑھ کر اس کا یہ خیال اس کے لئے مضر ثابت ہوگا۔

اگر آپ کسی وقت مایوس ہیں اور بار بار یہ دل میں یہ خیال کرتے ہیں کہ میں آج مایوس ہوں۔ تو یقیناً آپ کی مایوسی بڑھے گی۔ اس کے برخلاف اگر آپ اپنی طبیعت پر زور دے کر زبان سے یہ فقرے کہیں کہ نہیں میں مایوس نہیں ہوں۔ تو اگرچہ یہ بات عجیب سی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن آپ کی مایوسی بہت جلد رفع ہو جائیگی۔ یہ محض قوت متخیلہ کی اعجاز نمائی ہے۔

جسمانی صحت پر اس کا اثر دیکھنے کے لئے رات کو سونے سے پہلے دس مرتبہ زبان سے یہ فقرہ بلند آواز سے کہنا چاہیے "میری صحت خدا کے فضل سے روز بروز ترقی پر ہے۔ کل سے آج میں زیادہ طاقتور ہوں" لیکن یہ خیال رہے کہ یہ فقرہ ایسی حالت میں نہ کہا جائے، جب کہ آپ کا دماغ کسی اور خیال میں مشغول ہو۔

بلکہ اس وقت اپنے دماغ کو اپنی زبان کے ماتحت کر دینا چاہیئے۔ اور یہ فقرہ کہتے ہوئے ذرا لمبے لمبے سانس لے کر فخر محسوس کرنا چاہیئے۔

یورپ کے بعض ماہرین قوت متخیلہ نے تو اس کے ذریعے ہکلاپن کا بھی علاج کیا ہے اور لکھا ہے کہ اگر ہکلانے والا شخص ہر روز چند مرتبہ یہ فقرہ زبان سے کہے کہ اب میں کم ہکلاتا ہوں تو اس کا ہکلاپن اول تو رفع ہو جائے گا ورنہ بہت حد تک کم تو ضرور ہو جائے گا۔

بہر کیف قوت متخیلہ جسے عام طور پر ٹھکرا دیا جاتا ہے۔ ہماری عملی زندگی میں بہت حد تک کار فرما ہے۔ اور قوت ارادی کے دوش بدوش ہر لمحہ اور ہر لحظہ اپنا کام کئے جا رہی ہے۔

جوانی کی باتیں

(از جناب سید عزت علی صاحب فہمی)

کیوں نہ اس زندگی سے عار آئے　　جس میں جی کو نہ کچھ قرار آئے
نیم شب بادلوں کے سائے میں　　تم مجھے یاد بار بار آئے!!
دل میں احساسِ عیش و غم نہ رہا۔　　اب خزاں آئے یا بہار آئے
رات تو انتظار میں گزری　　صبح شاید پیامِ یار آئے
اُن کے آنے کی آس ہی نہ رہی　　خاک اب لطفِ انتظار آئے
میں نہ اک بار جن کو یاد آیا۔　　یاد مجھ کو وہ لاکھ بار آئے
رنج و غم، یاس و فکر ہیں موُنس　　ایک دل کیا گیا کہ چار آئے
جو کہا تم نے سچ، درست، بجا! ۔　　کاش دل کو بھی اعتبار آئے

ہم تو فہمی وفا کے عادی ہیں
اُن کو آئے نہ اعتبار آئے

رابندر ناتھ ٹیگور

[illegible]

پیدائش اور بچپن

ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور جو ہندوستان ہی میں نہیں بلکہ ہندوستان کے باہر بھی ایک زبردست شاعر، فلسفی اور محب انسانیت ہندوستانی کی حیثیت سے متعارف تھے ۶ مئی ۱۸۶۱ء کو کلکتہ میں پیدا ہوئے تھے۔ آپ بنگال کے ایک معزز اور متمول خاندان سے تعلق رکھتے تھے آپ کے والد کا نام مہارشی دیبندر ناتھ ٹیگور تھا اور آپ اپنے والدین کی چودھویں اولاد تھے۔

تقریباً نو سال کی عمر میں آپ کو تعلیم حاصل کرنے کے لئے "اورینٹل سمنری" میں داخل کر دیا گیا لیکن چند ہی ماہ کے بعد آپ اس تعلیم گاہ سے ترک تعلق کر کے "کلکتہ نارمل اسکول" میں داخل ہو گئے جہاں آپ کشتی اور جمناسٹک میں بہت زیادہ دلچسپی کا اظہار کرتے رہے اور آپ نے اپنی اولین نظم بھی اسی زمانہ میں موزوں کی۔

دس سال کی عمر میں آپ کو کلکتہ کے اینگلو انڈین اسکول "بنگال اکاڈمی" میں داخل کرا دیا گیا لیکن آپ ابتدا ہی سے اس مدرسہ کو ناپسند کرتے رہے۔ اسی لئے آپ کے ہم جماعت طلبا آپ کو کام چور اور کاہل لڑکے کے نام سے یاد کرتے تھے۔

بارہ سال کی عمر میں رابندر ناتھ ٹیگور نے اولین مرتبہ زمین کے اس حصہ پر قدم رکھا جہاں آج "شانتی نکیتن" واقع ہے۔ زمین کا یہ چھ ایکڑ۔ ٹکڑا کچھ عرصہ پیشتر آپ کے والد نے اس نیت سے خرید ا تھا کہ یہاں ایک آشرم تعمیر کیا جائے اسی سال آپ نے اپنی پہلی کتاب "پرتھوی راج پراجیا" مرتب کی تھی۔ لیکن اب اس کا مسودہ ضائع ہو چکا ہے۔

چند روز کے بعد آپ اپنے والد کی معیت میں شمالی ہند کی سیر کے لئے تشریف لے گئے۔ اور اسی سفر کے دوران میں آپ کے والد نے سنسکرت اور انگریزی کے علاوہ آپ کو علم النجوم کی تعلیم بھی دی ۱۸۷۳ء میں جب آپ شمالی ہند کے سفر سے کلکتہ واپس آئے تو آپ کو "سینٹ اکسویر اسکول" میں داخل کرا دیا گیا اور گھر پر بھی تعلیم کا سلسلہ جاری رہا اسی زمانہ میں آپ نے "میکبیتھ" کو بنگالی زبان میں منتقل کیا۔

۱۸۷۵ء میں آپ کی والدہ کا انتقال ہو گیا اور اسی زمانہ سے آپ نے بنگالی رسالوں کے لئے باقاعدہ نظمیں لکھنی شروع کر دیں ۱۸۷۷ء میں آپ نے ہندو میلہ کی تقریب پر اپنی ایک نظم پڑھی تھی جس میں لارڈ لٹن کے منعقدہ دہلی دربار کی اس بنا پر مذمت کی تھی کہ اس وقت ملک ایک خوفناک قحط میں مبتلا تھا۔ اس زمانہ میں آپ کی تحریرات "بہنو سمہا ٹھاکر" کے فرضی نام سے شائع ہوتی تھیں۔ لیکن جن لوگوں کی نظر سے آپ کے اس زمانہ کے لکھے ہوئے مقالات یا منظومات گزر چکی ہیں وہ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ابتدا ہی سے ٹیگور کی ذہنی اور دماغی قابلیتیں کس طرح مستقبل کو بے نقاب کر رہی تھیں۔

یورپ کا سفر

سترہ سال کی عمر میں رابندر ناتھ ٹیگور اپنے بڑے بھائی ستیندر ناتھ ٹیگور آئی۔ سی۔ ایس کے پاس احمد آباد چلے گئے۔ بابو ستیندر ناتھ پہلے ہندوستانی تھے جنہیں آئی۔ سی۔ ایس میں شمولیت کا موقع ملا تھا۔ احمد آباد ہی سے آپ کے بھائی آپ کو یورپ لے گئے اور آپ کو برائیٹن کے ایک مدرسہ میں داخل کرا دیا گیا برائیٹن میں مسز ستیندر ناتھ ٹیگور کی رفیقۂ حیات اور ان کے دو بچے بھی مقیم تھے آپ انہیں کے ساتھ رہنے لگے۔ کچھ عرصہ کے بعد آپ کو "یونیورسٹی کالج لندن" میں داخل کرا دیا گیا اور اسی زمانہ میں آپ نے پروفیسر مارلے کی زیر ہدایت انگریزی ادب کا مطالعہ شروع کیا لندن کے زمانۂ قیام میں آپ نے دارالعوام میں جان برائٹ ایسے مقررین کی تقریریں بھی سنیں آپ اکثر برٹش میوزیم کی سیر کے لئے جایا کرتے تھے اور اپنا بیشتر وقت بنگالی رسائل کے لئے مضامین لکھنے میں صرف کیا کرتے تھے۔

۱۸۸۰ء میں رابندر ناتھ ٹیگور کسی نصاب تعلیم کی تکمیل کے بغیر ہی ہندوستان واپس چلے آئے۔ بلاشبہ آپ کسی نصاب تعلیم کی تکمیل سے قاصر رہے تھے لیکن۔ انگلستان میں مقیم رہتے ہوئے آپ کے ذہن و دماغ پر جو نقوش ثبت ہو گئے تھے وہ آپ کی آئندہ زندگی پر اثر انداز ہوئے اور انہیں تجربات و مشاہدات نے آپ کو قدامت اور رسم پرستی کا بہت بڑا دشمن بنا دیا۔

۱۸۸۱ء میں جب کہ آپ کی عمر بیس سال تھی آپ نے اپنا مشہور ڈراما "والمیکی پرتبھا" کی تکمیل کی اور جب اس کی نمائش کی گئی تو آپ نے خود "والمیکی" کی حیثیت سے اس میں اداکارانہ فرائض انجام دئے۔ اسی وقت سے بنگالی ادب کے ساتھ [illegible] حضرات کو آپ کی ذات سے روز افزوں دلچسپی

پیدا ہوئی شروع ہوئی اور وہ محسوس کرنے لگے کہ بنگالی ادب کی دنیا میں ایک نئے اور ترقی پسند ادیب کا اضافہ ہو گیا ہے۔

آپ نے تمثیل نگاری ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ تحریر و تقریر کے ذریعہ مختلف عنوانات و مسائل پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے رہے۔ آپ نے ان مغربی ممالک کے خلاف شدید نکتہ چینی کی جو چین میں افیون کی فروخت سے تجارت کرتے تھے۔ اور موسیقی اور احساسات کے موضوع پر ایک فاضلانہ تقریر کر کے "کلکتہ میڈیکل کالج" کے اساتذہ اور طلباء میں ایک ہیجان برپا کر دیا۔

ٹیگور کے عزیزوں کو تکمیل تعلیم کے بغیر یورپ سے ان کی واپسی ناپسند تھی۔ اس تمام عرصہ میں انہیں دوبارہ انگلستان چلے جانے کے لئے مجبور کیا جاتا رہا اور اپنے عزیزوں کے اصرار سے مجبور ہو کر وہ ایک مرتبہ پھر اپنے دو بھتیجوں ستیہ پرشاد گنگولی اور اشوتوش چودھری کی معیت میں کلکتہ سے یورپ جانے کے لئے روانہ ہوئے لیکن انہوں نے فیصلہ کر لیا تھا کہ اب وہ انگلستان نہیں جائیں گے۔ اس لئے وہ اپنے بزرگوں کی ناراضگی کے باوجود مدراس ہی سے واپس آگئے اور اپنا وقت علمی مشاغل میں صرف کرنے لگے۔ اسی زمانہ میں آپ نے اپنا پہلا افسانہ "رود رچنڈا" اور متعدد مشہور نظمیں لکھیں۔

اسی زمانہ میں آپ کو وہ پر اسرار روشنی نظر آئی جس کی جھلک آپ کی اس عہد کے بعد کی تمام تحریرات میں موجود ہے۔ ایک مرتبہ آپ اپنے مکان کے برآمدہ میں کھڑے ہوئے تھے کہ دفعۃً آپ کو کشف ہوا۔ اور خود آپ ہی کے الفاظ میں۔

کائنات عالم ایک نئے رنگ میں میرے سامنے بے نقاب ہو گئی

چنانچہ اسی کشف کے نتیجے کے طور پر آپ نے اپنی وہ مشہور نظم لکھی جس کا عنوان "چشمہ کی بیداری" (AWAKENIN GO F THE FOUNTAIN) ہے

دوسرے سال آپ نے کاروار کا دورہ کیا۔ اور متعدد ڈرامائی نظمیں لکھیں اسی سال کے آخر میں آپ نے میری نلینی دیوی کے ساتھ شادی کر لی اور انہیں ایام میں آپ کو اپنی بھاوج کے انتقال سے وہ دلخراش صدمہ پہونچا جس کے باعث آپ کی تمام تر توجہ ادب کو ترقی دینے پر مرکوز ہو گئی۔ چنانچہ مستند و بلند پایہ منظومات اور تصانیف کے علاوہ اسی زمانہ میں آپ نے انگریزی زبان کے مشہور شعرا شیلے، السز میتھو، ہیرٹ، اور براؤننگ وغیرہ کی نظموں کو بنگالی زبان میں منتقل کیا۔

بنکم چٹرجی اس وقت بنگال میں ہندوؤں کی فرقہ وارانہ تحریک کے علمبردار تھے آپ نے ان کی اس تحریک پر بھی شدید نکتہ چینی کی اور آپ کے قلم سے افسانوں ڈراموں نظموں، مضمون، اور علمی مقالات کا ایک زبردست دریا امنڈ آیا۔

کانگریس کا اجلاس

۱۸۸۶ء میں جب آپ علمی اور ادبی ماحول میں اپنی زندگی بسر کر رہے تھے آپ کا ذہن سیاسیات کی جانب منتقل ہوا۔ اور آپ نے کانگریس کے دوسرے سالانہ اجلاس میں جو دادا بھائی نارو جی کی زیر صدارت کلکتہ میں منعقد ہوا شریک ہو کر اپنی وہ افتتاحی نظم پڑھی جو اسی موقعہ کے لئے موزوں کی تھی۔ اس نظم کا ابتدائی مصرعہ کا ترجمہ حسب ذیل ہے۔

ہم! آج یہاں مادر وطن کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے جمع ہوئے ہیں

دوسرے سال آپ کے سب سے بڑے صاحبزادہ رتھندر ناتھ پیدا ہوئے آپ کے والد نے وہ قطعہ زمین جس پر شانتی نکتین واقع ہے آپ کو دیدیا۔ اسی سال آپ نے اپنا مشہور ڈراما "قربانی" (SACRIFICE) مکمل کیا اور جب آپ ہی کے خاندان میں اسے اسٹیج کیا گیا تو آپ نے ایک اداکار کی حیثیت سے اس میں حصہ لیا۔

آئندہ سال آپ کو "ٹیگور اسٹیٹ" کا منیجر بنا دیا گیا۔ اسی زمانہ میں آپ نے کالی داس کے اتباع میں "قاصد بادل" کے نام سے ایک زبردست نظم لکھی۔

یورپ کا دوسرا سفر

اسی سال آپ اپنے بھائی ستیندر ناتھ اور لوکن پالت کی معیت میں یورپ تشریف لے گئے اور اس سفر میں اطالیہ، فرانس اور انگلستان کی سیاحت کی ہندوستان واپس آنے کے بعد آپ نے شیلدہ میں جو ٹیگور اسٹیٹ کا صدر مقام تھا اقامت اختیار کر لی۔ شیلدہ میں قیام کے دوران ہی میں آپ کو کسانوں اور مزدوروں کی زندگی کے مطالعہ کا موقعہ ملا۔ دوسرے سال آپ نے اپنے مذکورہ بالا سفر کے حالات اور چند نظمیں شائع کیں۔ اب چونکہ آپ بنگالی زبان کے مسلمہ شاعر تسلیم کر لئے گئے تھے اس لئے آپ کو مشورہ دیا گیا کہ آپ اپنے خیالات اور تحریروں کی اشاعت کے لئے "سادھنا" کے نام سے ایک رسالہ جاری کریں چنانچہ آپ نے اس مشورہ کو قبول کیا اور وہ بہت تھوڑے عرصہ میں یہ رسالہ بنگالی زبان و ادب میں معاشرتی اصلاح کا ممتاز رسالہ سمجھا جانے لگا۔ اسی زمانہ میں آپ نے اپنا مشہور ڈرامہ "چترانگدا" لکھا۔ جو انگریزی زبان میں ترجمہ ہو جانے کے بعد بہت زیادہ مقبول ہوا۔ اور اسی ڈرامہ کو مصور کرنے کے سلسلہ میں پہلی مرتبہ آپ کی مصورانہ قابلیت کا اظہار ہوا۔

۱۸۹۴ء سے ۱۸۹۷ء تک آپ بہت زیادہ مصروف رہے اس عرصہ میں "ٹیگور اسٹیٹ" کی تقسیم عمل میں آئی لیکن ان تمام مشاغل کے باوجود آپ نے تحریر کے سلسلہ کو نہ صرف قائم ہی رکھا بلکہ تقریباً اسی کام میں منہمک رہے ۱۸۹۷ء میں آپ نے بمقام نٹور بنگال پراونشل کانفرنس میں شریک ہو کر اس بات کی کوشش کی کہ کانفرنس کی تمام کارروائی بنگالی زبان میں انجام پائے لیکن آپ کو اس مقصد میں کامیابی حاصل نہ ہو سکی۔ پھر بھی آپ اپنی جد و جہد میں مصروف رہے۔

سیاسی زندگی

۱۸۹۸ء میں آپ شملہ تشریف لے لئے اور وہاں سے واپسی پر آپ نے قانون بغاوت مجریہ ۱۸۹۸ء کے خلاف وہ زبردست مقالہ پڑھا جس سے آپ کی سیاسی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ اس مقالہ کے بعد آپ نے سیاسی مباحث کے سلسلہ میں اور بھی بہت سے مضامین لکھے۔ اسی زمانہ میں حکومت ہند نے مسٹر تلک آنجہانی کو گرفتار کر لیا تھا آپ نے حکومت کی رجعت پسندانہ حکمت عملی اور اس واقعہ پر شدید احتجاج کیا اور مسٹر تلک کی مقدمہ کی پیروی کے لئے جو عام چندہ کیا جا رہا تھا آپ نے اس کی فراہمی کے خود کو وقف کر دیا۔

دوسرے سال بھی آپ سیاسی تحریکات میں حصہ لیتے رہے۔ کلکتہ میں طاعون پھیلا تو آپ نے صفائی کے سلسلہ میں حکومت کی بے توجہی پر سخت نکتہ چینی کی اور سسٹر نویدیتا کو جو اس وقت لوگوں کو اس مہلک وبا سے محفوظ رکھنے کے لئے کام کر رہی تھیں ہر ممکن امداد دیتے رہے۔ ڈھاکہ میں بنگال پراونشل کانفرنس منعقد ہوئی تو آپ نے اس میں شریک ہو کر ان بدسلوکیوں کے خلاف جو زمیندار۔ مزارعین کے ساتھ روا رکھتے ہیں بنگال کے زمینداروں پر شدید نکتہ چینی کی اور ۱۹۰۵ء تک آپ نے جو مضامین اور نظمیں لکھیں ان سب میں موجودہ۔ سیاسی، اقتصادی اور معاشرتی نظام سے شدید بیزاری اور بے اطمینانی کا رنگ جھلکتا ہے۔

شانتی نکتاں

۱۹۰۱ء میں آپ نے اپنے اہل و عیال کے ساتھ شانتی نکتان میں قیام کا فیصلہ کیا۔ آپ نے "شانتی نکتان اسکول" کے نام سے ایک مدرسہ قائم کرکے خود بچوں کو تعلیم دینی شروع کی لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں چند ایسے افراد بھی آپ کے پاس پہونچ گئے جو اس نئے مدرسہ کو کامیاب بنانے کے لئے ہر قسم کی قربانیاں کرنے پر آمادہ تھے اور آپ کا کام ایک بڑی حد تک آسان اور منظم ہو گیا لیکن ۱۹۰۱ء میں شدید مالی مشکلات کے باعث آپ کو اپنا وہ مکان جو پوری میں تھا فروخت کر دینا پڑا۔ اسی قدر نہیں۔ بلکہ یہ مشکلات اتنی زیادہ ثابت ہوئیں کہ ان کی رفیقۂ حیات نے اپنے زیورات بھی فروخت کر دئے دراصل ایک ایسی تعلیم گاہ کے مصارف جہاں بچوں کو مفت تعلیم دی جاتی تھی ٹیگور کے لئے سخت ہمت شکن اور جرأت آزما تھے لیکن آپ نے ہمت نہ ہاری اور استقلال کے ساتھ اپنے کام میں لگے رہے۔

لارڈ کرزن نے جو اس زمانہ میں ہندوستان کے وائسرائے تھے۔ اہل مشرق کے خلاف جو شرمناک غلط بیانیاں کی تھیں۔ یہاں انہیں بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔ ٹیگور نے ان کا دندان شکن جواب دیا۔ اور لارڈ کرزن کو خاموش ہو جانا پڑا۔ اسی سال آپ کی رفیقۂ حیات کچھ عرصہ تک بیمار رہنے کے بعد دنیا سے چل بسیں۔

بنگال کی تقسیم

بنگال کی تقسیم کے واقعہ نے ٹیگور کے سیاسی مشاغل میں نمایاں اضافہ کر دیا اس وقت جب کہ اس تقسیم کے باعث تمام بنگال میں اضطراب و کبیدگی کا ایک طوفان برپا تھا آپ نے تیری عدم تعاون کی تحریک شروع کی اور تحریر و تقریر کے ذریعہ سے لوگوں کو مشورہ دیا کہ وہ اس سلسلہ میں تمام سرکاری کارروائیوں سے علیحدہ رہیں۔

ایک جلسہ میں آپ نے سرمایہ کی فراہمی کی اپیل کی تو فوراً پچاس ہزار روپیہ کی گرانقدر رقم جمع ہو گئی۔ اس زمانہ میں بنگال کی حکومت نے طلباء کو "بندے ماترم" گانے اور سیاسیات میں حصہ لینے سے منع کر دیا تھا۔ آپ نے طلباء کو اس حکم کے خلاف جلسے کرنے کا مشورہ دیا اور طلباء نے اس مشورہ پر عمل کیا۔

دوسرے سال کچھ تو اپنے ہمعصر سیاسی کارکنوں کی نکتہ چینیوں سے متاثر ہو کر اور کچھ بنگال کی سیاست کے رخ کو اپنے خیالات سے مختلف پاکر آپ سیاسیات سے دست کش ہو گئے۔ اور آپ نے فیصلہ کر لیا کہ آئندہ کبھی سیاسی تحریکات میں حصہ نہ لیں گے۔

سیاسیات سے دست کشی ایک رحمت ثابت ہوئی آپ نے اپنا مشہور ناظم "گورا" گیتانجلی کے نام سے مشہور گیت اور پرائشچت نامی ڈرامہ لکھنا شروع کیا اور ساتھ ساتھ قرب و جوار کے دیہات میں ہندو مسلمانوں کے مابین اتحاد قائم کرنے کا کام بھی شروع کر دیا۔

اسی زمانہ میں لوکن پالٹ نے آپ کی ایک نظم کا "صدائے بے سود" کے عنوان سے انگریزی میں ترجمہ کیا اور ماڈرن ریویو میں بھی آپ کی ایک مختصر کہانی کا ترجمہ شائع ہوا۔

۱۹۱۱ء میں آپ کی پچاسویں سالگرہ کے موقع پر آپ کو "ہندوستانی تہذیب کا مجدد" کا خطاب دیا گیا۔ اور جب آپ کلکتہ آئے تو آپ کا استقبال بھی نہایت پرتپاک اور شاندار طریقہ پر کیا گیا۔ اس تمام عرصہ میں ایک طرف تو شانتی نکتان کو ایک قومی درسگاہ کی حیثیت حاصل ہوتی گئی اور دوسری طرف حکومت اس درسگاہ اور اس کے کارکنان کی مخالف۔ حتیٰ کہ ۱۹۱۲ء میں بنگال کی حکومت نے ایک سرکلر جاری کیا جس میں سرکاری ملازمین کو مطلع کیا گیا تھا کہ

"شانتی نکتان اسکول" ایسی جگہ نہیں جہاں آپ کے بچے
تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھیجے جائیں۔

۱۹۱۲ء کے آخری ایام میں آپ بیمار ہو گئے اور اسی سے اپنے فیصلہ کے برعکس یورپ کے سفر پر روانہ ہو سکے بہرحال آپ نے اس وقت ستائیس نہیں

کیا گیا۔ اپنی نظموں کا انگریزی ترجمہ کرنے میں مصروف رہے۔ یہ نظمیں بعد میں گیتانجلی کے نام سے انگریزی زبان میں شائع ہوکر بہت زیادہ مقبول ہوئیں۔

یورپ کا تیسرا سفر

سنہ ۱۹۱۲ء میں آپ اپنے بیٹے اور لڑکی کے ہمراہ یورپ کے تیسرے سفر کے لئے روانہ ہوئے۔ اسی سفر میں لندن کے مقام پر آپ کی ملاقات ایک برطانوی مصور روتھین اسٹین سے ہوئی آپ ایک مرتبہ ہندوستان میں بھی روتھین اسٹین سے مل چکے تھے۔ گفتگو کے دوران میں آپ نے اپنی نظموں کے انگریزی ترجمہ کا ذکر کیا اور یہ بات طے ہوگئی کہ مسٹر روتھین ان ترجموں کو آپ کی قیامگاہ پر آکر مطالعہ کریں گے۔ چنانچہ اس فیصلہ کے مطابق مسٹر روتھین اور ان کے چند دیگر صاحب علم احباب آئے اور ٹیگور کی نظموں اور ترجمہ کو دیکھ کر اس درجہ متاثر ہوئے کہ ان کے اعزاز میں ایک دعوت دی گئی اور بہت سے انگریز ادیبوں نے اس دعوت میں شریک ہوکر ٹیگور کی قابلیت کا اعتراف کیا۔

اس تعارفی اجتماع کے بعد "انڈیا سوسائٹی" کے نام سے ایک جماعت قائم کی گئی اور یہ فیصلہ ہوگیا کہ ٹیگور کی نظموں کا مجموعہ "گیتانجلی" کے نام سے نہایت محدود تعداد میں طبع و شائع کیا جائے۔ انگریزی کے نامور ادیب۔ بی۔ ڈبلیو یاٹس اس پر مقدمہ لکھیں اور روتھین اسٹین پنسل کی مصوری سے اس کی خوبیوں میں اضافہ کریں۔ چنانچہ جب اس تجویز کے ماتحت کتاب شائع ہوئی تو صوری و معنوی محاسن کا ایک دلکش مرقع تھی۔

انگلستان سے آپ امریکہ تشریف لے گئے اور "ہندوستان کی قدیم تہذیب کے نصب العین" پر شکاگو یونیورسٹی میں متعدد تقریریں کیں امریکہ کے دوران قیام میں آپ نے امتیاز نسل کے مسئلہ پر منعقدہ عالمگیر کانگریس میں شرکت کی اور اپنا وہ مشہور خطبہ پڑھا جو "نسلی تصادم" کی بحث پر مبنی ہے۔ آپ نے ہارورڈ یونیورسٹی میں بھی متعدد تقاریر کیں، جو شائع بھی ہوچکی ہیں۔ امریکہ سے آپ پھر انگلستان گئے اور وہاں سے ستمبر سنہ ۱۹۱۳ء میں ہندوستان چلے آئے۔

اسی سال نومبر میں آپ کو نوبل پرائز ملنے کی اطلاع موصول ہوئی اس اطلاع کے موصول ہونے کے بعد ایسے بہت سے حضرات جو اب تک ٹیگور اور اس کی شاعری سے بے توجہی کا اظہار کرتے رہے تھے ایک اسپیشل ٹرین کے ذریعہ شانتی نکیتن جاکر ٹیگور سے ملے لیکن ٹیگور نے یہ کہہ کر ان کے جوش عقیدت کو ٹھنڈا کر دیا کہ

> کیا آپ حضرات کی اکثریت اس لئے اظہار عقیدت کررہی ہے کہ میری شاعری کو غیر ملکی ادیبوں نے پسند کیا؟

اعترافِ کمال

سنہ ۱۹۱۲ء میں بنگال کے گورنر نے گورنمنٹ ہاؤس میں آپ کا استقبال کرکے سرکاری طور پر آپ کی باکمال شخصیت کا اعتراف کیا۔ لیکن آپ کے لئے اس سرکاری اعتراف کے مقابلہ میں وہ اعترافِ کمال کہیں زیادہ فخر و مسرت کا باعث تھا جو کچھ عرصہ پہلے گاندھی جی کرچکے تھے۔

شرافسوال میں گاندھی جی نے ایک اسکول قائم کیا تھا اور اب آپ نے اس مدرسہ کے معلمین اور متعلمین کو شانتی نکیتن میں مستقل طور پر قیام کرنے کے لئے بھیج دیا تھا۔ اسی سال رابندرناتھ ٹیگور کو سر کا خطاب ملا اور اسی سال گاندھی جی اور ان کی اہلیہ نے شانتی نکیتن کا معائنہ کیا۔ دوسرے سال آپ جاپان یونیورسٹی میں "نیشنلزم" پر تقریریں کرنے کے لئے امریکہ تشریف لے گئے۔

قومیت اور شہنشاہیت

ٹیگور کا یہ سفر اس اعتبار سے ہمیشہ یادگار رہے گا کہ اس دوران میں آپ نے امریکہ اور جاپان میں جن خیالات کا اظہار کیا ان کی وجہ سے بعض طبقے آپ کے مخالف ہوگئے۔ امریکہ میں موافق برطانیہ طبقات ان کے مخالف سے شہنشاہیت خیالات کے باعث ان سے بیزار رہے اور جاپان میں سرکاری حلقے اس لئے انہیں ناپسند کرنے لگے کہ وہ چین کے سلسلہ میں جاپان کی حکمت عملی کے شدید مخالف تھے۔ ان باتوں کے باوجود آپ کا یہ سفر بہت زیادہ کامیاب رہا۔ اور امریکہ کے ہر علمی اور معاشرتی ادارہ نے اس خیال کے پیش نظر آپ کی خدمت میں اظہار عقیدت کیا۔ کہ آپ بین الاقوامی خیالات اور ایشیا کی قدیم تہذیب و دانش کے علمبردار ہیں۔

سنہ ۱۹۱۷ء میں آپ نے کانگریس کے اجلاس منعقدہ کلکتہ میں شرکت کی اور اپنی مشہور نظم "ہندوستان کی دعا" پڑھی۔ اسی اجلاس کے موقعہ پر آپ کے ڈرامہ "پوسٹ آفس" کی نمائش بھی کی گئی۔ اور گاندھی جی، مسٹر تلک اور پنڈت مالویہ اسے دیکھ کر بہت زیادہ محظوظ ہوئے۔ سنہ ۱۹۱۸ء میں آپ کے متعدد افسانوں اور ڈراموں کے انگریزی تراجم شائع ہوئے اور بہت پسند کئے گئے۔ اسی سال آپ نے ایک انٹرنیشنل یونیورسٹی "وسوا بھارتی" کا سنگ بنیاد رکھا۔ اور اس واقعہ کی وجہ سے آپ ہمیشہ اس سال کو "ایک عظیم الشان سال" کے الفاظ سے یاد کرتے رہے۔

جلیانوالہ باغ

سنہ ۱۹۱۹ء میں جب جلیانوالہ باغ کا حادثہ پیش آیا تو آپ علالت سے صحت یاب ہونے کے بعد کچھ روز کے لئے آرام کررہے تھے۔ آپ کو جب

اس حادثہ کی اطلاع ملی تو آپ نے کلکتہ آکر متعدد دوستوں کو ایک مظاہرہ کرنے کا مشورہ دیا اور وعدہ کیا کہ میں خود اس جلسہ کی صدارت کروں گا لیکن آپ کو اس مقصد میں کامیابی حاصل نہ ہوسکی اور آپ نے تنہا کچھ نہ کچھ کرنے کا ارادہ کرلیا۔ چنانچہ آپ نے وائسرائے کو ایک مکتوب لکھ کر اس انسانیت سوز ظلم کی شدید مذمت کی اور سر کا خطاب واپس کردیا۔

ڈاکٹر رابندرناتھ ٹیگور کے انہیں خیالات و اعمال کی بدولت ان کے بہت سے انگریز احباب بھی ان سے ناراض ہوگئے اور ۱۹۲۰ء میں جب آپ انگلستان تشریف لے گئے تو لوگ ان سے علیحدہ رہے لیکن اسی سفر میں جب آپ فرانس، بلجیم، ہالینڈ اور دوسرے یورپی ملکوں میں پہونچے تو نہایت گرمجوشی کے ساتھ آپ کا استقبال کیا گیا۔

ہندوستان کا دورہ

۱۹۲۱ء میں جب گاندھی جی نے پہلی مرتبہ ستیہ گرہ کی تحریک شروع کی تو آپ نے شانتی نکتان آکر ڈاکٹر ٹیگور سے بھی تبادلۂ خیالات کیا۔ اس کے بعد ڈاکٹر ٹیگور نے ہندوستان کا دورہ شروع کیا۔ اور ۱۹۲۱ء اور ۱۹۲۲ء میں آپ نے ملک کے طول و عرض میں جو تقریریں کیں وہ سب آزادی کے حصول اور شہنشاہیت سے نفرت کی تعلیم سے لبریز ہیں۔

اس زمانہ میں بھی آپ کی متعدد نظمیں اور ڈرامے شائع ہوئے اور ان کی آمدنی "وسوا بھارتی" کے لئے وقف رہی۔ ۱۹۲۴ء میں آپ چین اور جاپان کی سیاحت کے لئے تشریف لے گئے۔ اور اس سفر سے واپسی پر آپ نے بنگال کے گورنر لارڈ لٹن کے ان خیالات پر شدید نکتہ چینی کی جو آپ نے بنگالی خواتین کے متعلق ظاہر کئے تھے۔

اسی سال آپ کو جنوبی امریکہ کی جمہوری ریاست پیرو کی جانب سے ریاست کی صد سالہ یوم آزادی کی تقریب میں شرکت کے لئے دعوت دی لیکن اثنائے سفر میں آپ بیمار ہوگئے۔ اور آپ کو راستہ ہی میں ٹھہر جانا پڑا۔ جنوبی امریکہ سے واپسی میں آپ نے اطالیہ کی سیاحت کی۔ دوسرے سال آپ تیسری مرتبہ اطالیہ تشریف لے گئے اور مسولینی نے آپ سے ملاقات کی۔ روم کے گورنر نے آپ کا استقبال کیا اور آپ کو فسطائیت کی حمایت کے لئے آمادہ کرنے کی بے حد سعی کی لیکن آپ نے انکار کردیا۔ اطالیہ سے واپسی پر آپ کا بیشتر وقت اپنے تعلیمی اداروں کے لئے روپیہ فراہم کرنے، تحریر اور تقریر کے ذریعہ اپنے خیالات کی اشاعت اور دوسرے ملکوں مثلاً ملایا، کناڈا، جاپان اور انڈو چائنا وغیرہ کی سیاحت میں بسر ہوا۔

مصور ٹیگور

۱۹۳۰ء میں آپ نے اپنی تمام تر توجہ کو مصوری کی جانب مبذول کردیا اور سب سے پہلے فرانس میں آپ کی مصورانہ قابلیت کا اعتراف کیا گیا۔

اسی سال آپ فرانس اور فرانس سے انگلستان تشریف لے گئے۔ انگلستان کے قیام ہی کے زمانہ میں آپ کو گاندھی جی کی گرفتاری کی اطلاع ملی اور آپ نے مانچسٹر گارجین کو ایک مکتوب لکھا جس میں اس واقعہ اور حکومت ہند کی دوسری سخت گیریوں کی مذمت کی۔

روس کا سفر

انگلستان سے آپ جرمنی تشریف لے گئے۔ وہاں آپ نے مختلف مسائل پر متعدد تقریریں کیں اور اسی سفر میں آپ کی ملاقات دنیا کے مشہور حساب داں البرٹ آئنسٹین کے ساتھ ہوئی۔ جرمنی سے آپ روس گئے۔ جہاں آپ کا استقبال نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ کیا گیا۔

روس میں آپ نے صنعتی مدارس اور عوام کی زندگی کے دوسرے شعبوں کا معائنہ اور مطالعہ کیا اور روسی عوام نے اشتراکیت کے آغوش میں جو نمایاں ترقی کی ہے آپ اس سے بے حد متاثر اور مسرور ہوئے۔ روس سے آپ امریکہ تشریف لے گئے اور دوسرے سال ہندوستان واپس آگئے۔

۱۹۳۲ء میں آپ ایران تشریف لے گئے اور رضا شاہ پہلوی نے نہایت گرمجوشی کے ساتھ آپ کا خیر مقدم کیا۔

عزلت نشینی

۱۹۳۲ء کے بعد آپ تقریباً عزلت نشین ہوگئے اور آپ کا تمام وقت شانتی نکتان ہی میں گذرنے لگا۔ اس عرصہ میں آپ گاہے گاہے ملک کے بعض ممتاز رسائل کے لئے کوئی مضمون لکھ دیتے تھے اور آپ کی تمام تر توجہ ملک کی معاشرتی اور تمدنی زندگی کی اصلاح پر مبذول رہتی تھی ہندوستان کے تمام رہنما ہمیشہ آپ سے مشورہ لیتے تھے۔ اور جب کبھی آپ ضرورت محسوس کرتے تھے تو ایک بیان کی شکل میں اپنے خیالات کا اظہار فرما کر اہل ملک کی رہنمائی کرتے تھے۔

۱۹۴۰ء میں جب آپ کی بیماری کی اطلاع موصول ہوئی تو تمام ملک میں تشویش کا اظہار کیا گیا۔ اور گاندھی جی نے اپنے سکریٹری مسٹر مہادیو ڈیسائی کو شانتی نکتان بھیجکر انہیں شاعر اعظم کے قریب رہنے کی ہدایت کی۔ لیکن آپ صحت یاب ہوگئے۔

گذشتہ سال کی علالت کے بعد اگرچہ آپ صحت یاب ہوگئے تھے لیکن وقتاً فوقتاً آپ کی ناسازی طبیعت کی خبریں آتی رہتی تھیں۔ اس کے باوجود آپ نے

مسٹر راقبورن کے ان خیالات کا جو انہوں نے موجودہ جنگ کے سلسلہ میں قوم پرست ہندوستان کی تحریک ستیہ گرہ کے متعلق ظاہر کئے تھے۔ نہایت مدلل اور دنداں شکن جواب دیا۔

مسٹر سیتا رمیا کی انسٹی سالہ سالگرہ منائی گئی تھی اس تقریب پر کچھ عرصہ پیشتر آکسفورڈ یونیورسٹی نے آپ کو ڈاکٹری کی اعزازی ڈگری دی تھی۔ اور اس تقریب پر یونیورسٹی کی نمائندگی کرنے کے لئے فیڈرل کورٹ کے چیف جسٹس سر ماریس گوئر شانتی نکیتن تشریف لے گئے تھے۔

ڈاکٹر ٹیگور کے انتقال نے ہندوستان کو ایک جلیل القدر فرزند مخلص اور محب وطن رہنما اور بین الاقوامی محبت کے داعی انسان سے محروم کر دیا لیکن ان کا نیک کارنامے آج بھی زندہ ہیں اور ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

دیہاتی غزل

(از جناب حاجی اے۔ ایچ۔ شستون این۔ ڈبلیو۔ آر۔ پی ڈبلیو ڈی وی۔ ٹی او لنڈن)

شبِ فرقت میں حال ہوتا ہے کیامت پوچھ لے فتو ۔۔۔ کیا کرتا ہوں نالے ڈس گیا ہو جس طرح بچھو

بھلے لگتے ہیں مکھڑے میں اُنٹے دلدار کے گیسو ۔۔۔ اندھیری رات میں جیسے چمکتے ہیں کبھی جگنو

مثالِ رہٹ رہتی ہے تمہاری یاد سینے میں ۔۔۔ کئی لوٹے بہا کرتے ہیں آنکھوں سے مری آنسو

تمہیں جانِ جہاں یہ بے رُخی ہم سے نہیں اچھی ۔۔۔ دیلے ہے ساغر لسّی ہمیں، اغیار کو ستّو

لبِ بام ایکبار آؤ فلک پر ابر چھایا ہے ۔۔۔ نہ اپنے بھیگ جائیں یہ گھٹائیں شوخ ہیں ہر سُو

اٹھانے کو وہ گٹھا باجرے کا مجھ کو کہتے ہیں ۔۔۔ میں ہوں تو آدمی۔ شاید مجھے سمجھے ہیں وہ ٹٹو

میں حُقّہ پی کے تیرا وقتِ رخصت یاد کرتا ہوں ۔۔۔ وہ دودِ آہ۔ دھڑکن دل کی اور روکے ہوئے آنسو

نگاہوں کے کلہاڑے مار کر زخمی نہ کر مجھ کو ۔۔۔ مرے دل کیلئے کافی ہے تیرے ہجر کا چاقو

لبِ جوہڑ تمہارا منتظر بیٹھا رہا پہروں ۔۔۔ غلط وعدوں سے کیا حاصل؟ بنا رکھا ہے کیا اُلّو

گلا کرتے ہیں میرا کوئی کہہ دے یہ رقیبوں سے

لگے جب ہاتھ شیخوں کے رکھو گے یاد ہی بچّو

یورپ کی لڑائیاں

از اسرار احمد آزاد

یورپ پر اقتدار حاصل کرنے کے لئے جس طرح چھوٹی بڑی لڑائیاں تنازعات اور بغاوتیں برپا ہوتی رہی ہیں ان کی فہرست بہت طویل ہے۔ اور اگر ہم ان سب کے متعلق کچھ نہ کچھ لکھنے کی کوشش کریں تو یہ مختصر مضمون ایک طویل مقالہ بن جائے گا۔

یورپ کی سرزمین پر اشتراکی روس اور یورپ کی نازیت پسند حکومتوں کے موجودہ تصادم سے قطع نظر کرتے ہوئے۔ اگر اس لڑائی پر غور کیا جائے جو ستمبر ۱۹۳۹ء میں شروع ہوئی تھی اور جسے تمام دنیا کے سامنے نازیت کے استیصال اور جمہوریت کے بقاو تحفظ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اور پھر اس براعظم کی پرانی تاریخ کو دیکھا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ یہ جنگ کوئی نئی جنگ نہیں بلکہ اسی قدیم خواہش کی تکمیل کا ایک نیا طریقہ ہے جسے پورا کرنے کے لئے اس سرزمین کی مختلف قومیں ہمیشہ آپس میں لڑتی رہی ہیں یورپ کی لڑنے والی قوموں کی تاریخ کا مطالعہ ہمیں بتلاتا ہے کہ ہسپانیہ جو نہ صرف گزشتہ جنگ عظیم ہی میں غیر جانبدار نہیں رہا تھا بلکہ موجودہ لڑائی میں بھی کم از کم اس وقت تک غیر جانبدار ہے گزشتہ لڑائیوں میں سب سے زیادہ شریک رہا ہے۔ انگلستان اس معاملہ میں دوسرے درجہ پر ہے اور فرانس تیسرے پر روس کو چوتھا درجہ حاصل ہے اور آسٹریا جو اب صفحۂ ہستی سے معدوم ہو چکا ہے نیز اطالیہ ان کے بعد لڑنے والے ملکوں کی صف میں آتے ہیں اور جرمنی جس کی حربی طاقت ہمیشہ مسلمہ سمجھی جاتی رہی ہے۔ ہمیشہ اس معاملے میں سب سے پیچھے رہا ہے۔ دنیا نے جرمنی کو یا دگار شدت و قوت کے ساتھ لڑتے ہوئے یا تو جنگ عظیم میں دیکھا تھا یا اب دیکھ رہی ہے۔ ذیل میں ہم یورپ کی لڑائیوں کا ایک نقشہ پیش کرتے ہیں جسے اگرچہ مکمل نقشہ نہیں کہا جا سکتا لیکن اس کے مطالعہ سے ناظرین کو اس امر کا اندازہ ضرور ہو جائے گا کہ یورپ کی حکومتیں اپنا وقت اور روپیہ کس طرح لڑائیوں پر ضائع کرتی رہی ہیں ہم اس خونچکاں داستان کو ۱۶۴۸ء سے شروع کرتے ہیں جب یورپ کی تیس سالہ جنگ ختم ہونے کے بعد وہاں کی بڑی بڑی قوموں کو اس بات کا یقین تھا کہ اب انہیں جنگ و جدل سے نجات حاصل ہو چکی ہے۔ لیکن اسی سال فرانس اور ہسپانیہ کے درمیان لڑائی کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اور اگرچہ ۱۶۵۳ء میں یہ لڑائی بھی ختم ہو گئی لیکن ۱۶۵۶ء میں اس کا سلسلہ پھر شروع ہو گیا اور ۱۶۵۹ء تک جاری رہا۔

اس دوران میں یورپ کی سرزمین پر جو دوسری لڑائیاں ہوئیں ان کی فہرست حسب ذیل ہے۔

سنہ آغاز	سنہ اختتام	فریق اوّل	فریق دوم	تفصیل
سنہ ۱۶۵۱ء	سنہ ۱۶۵۵ء	روس	پولینڈ	پہلی جنگ
سنہ ۱۶۵۲ء	سنہ ۱۶۵۹ء	انگلستان	نشیبی ممالک	
سنہ ۱۶۶۱ء	سنہ ۱۶۶۳ء	انگلستان	ٹرانسلوانیا	
سنہ ۱۶۶۳ء	سنہ ۱۶۶۴ء	آسٹریا۔ ہنگری	ترکی	
سنہ ۱۶۶۵ء	سنہ ۱۶۶۷ء	انگلستان	فرانس	
سنہ ۱۶۷۲ء	سنہ ۱۶۷۸ء	انگلستان و فرانس	نشیبی ممالک	
سنہ ۱۶۷۳ء	سنہ ۱۶۷۹ء	آسٹریا ہنگری	فرانس	
سنہ ۱۶۸۹ء	سنہ ۱۶۹۷ء	فرانس	انگلستان	
سنہ ۱۷۰۱ء	سنہ ۱۷۱۳ء	ہسپانیہ	ہسپانیہ	لڑائی جو دو دعویداران تخت و تاج کے درمیان ہوئی۔
سنہ ۱۷۰۲ء	سنہ ۱۷۲۱ء	روس	سویڈن	

سنہ آغاز	سنہ اختتام	فریق اوّل	فریق دوم	تفصیل
۱۶۱۹ء	۱۶۱۸ء	آسٹریا۔ ہنگری	ترکی	
[illegible]	[illegible]	پولینڈ	پولینڈ	خانہ جنگی جو دو دعویداران تاج و تخت کے درمیان ہوئی۔
۱۶۳۳ء	۱۶۳۸ء	پولینڈ	پولینڈ	خانہ جنگی جو دو دعویداران تاج و تخت کے درمیان ہوئی
۱۶۳۶ء	۱۶۳۹ء	روس و آسٹریا	ترکی	
۱۷۴۰ء	۱۷۴۹ء	فرانس	انگلستان	یہ لڑائی ہندوستان میں ہوئی تھی اور اسے جنگ ہفت سالہ کہتے ہیں۔
۱۷۵۶ء	[illegible]	فرانس	انگلستان	یہ لڑائی امریکہ میں ہوئی تھی۔
۱۶۵۵ء	۱۶۹۹ء	فرانس	آسٹریا	
۱۶۵۶ء	۱۶۶۲ء	پروشیا	روس	
۱۶۶۶ء	۱۶۰۴ء	روس	ترکی	
۱۶۶۶ء	۱۸۰۰ء	بوسنیا	بوسنیا	خانہ جنگی جو دو دعویداران تخت و تاج کے درمیان ہوئی۔
۱۶۶۲ء	۱۶۸۳ء	امریکہ	انگلستان	
۱۶۶۸ء	۱۶۹۱ء	روس۔ آسٹریا	ترکی	
۱۶۸۱ء	۱۶۸۵ء	آسٹریا ہنگری	ہالینڈ	
۱۶۸۹ء	۱۶۹۰ء	آسٹریا ہنگری	ترکی	
۱۶۸۹ء	۱۶۹۵ء	فرانس	فرانس	انقلاب فرانس
۱۶۹۲ء	۱۸۱۵ء	فرانس	باقی یورپ	
۱۸۱۰ء	۱۸۲۲ء	اسپین	امریکہ	
۱۸۱۲ء	۱۸۱۵ء	انگلستان	اضلاع متحدہ امریکہ	
۱۸۲۱ء	۱۸۲۹ء	بلقان	بلقان	بلقان کی جنگ آزادی
۱۸۲۴ء	۱۸۲۶ء	انگلستان	برما	
۱۸۲۶ء	۱۸۲۹ء	روس	ترکی	
۱۸۳۰ء	۱۸۳۹ء	پرتگال	اسپین	
۱۸۳۲ء	۱۸۳۴ء	روس	پولینڈ	
۱۸۳۱ء	۱۸۶۶ء	اٹلی	اٹلی	اٹلی کی جنگ آزادی
۱۸۳۴ء	۱۸۴۱ء	ترکی	مصر	
۱۸۳۹ء	۱۸۴۲ء	انگلستان	افغانستان	
۱۸۴۰ء	۱۸۴۲ء	انگلستان	چین	
۱۸۴۴ء	۱۸۴۹ء	فرانس	مراکو	
۱۸۴۸ء	۱۸۴۹ء	آسٹریا	سارڈینیا	
۱۸۵۴ء	۱۸۵۶ء	انگلستان	روس	
۱۸۵۶ء	۱۸۶۰ء	انگلستان و فرانس	چین	
۱۸۵۷ء	۱۸۵۸ء	انگلستان	ہندوستان	ہندوستان کا پہلا معرکہ حریت خواہی۔
۱۸۶۴ء	۱۸۶۶ء	ایران و آسٹریا	ڈنمارک	

سنہ آغاز	سنہ اختتام	فریق اول	فریق دوم	تفصیل
سنہ ۱۸۶۶ء	سنہ ۱۸۶۶ء	پروشیا	آسٹریا	
سنہ ۱۸۶۷ء	سنہ ۱۸۶۸ء	انگلستان	حبشہ	انگلستان نے حبشہ پر چڑھائی کی
سنہ ۱۸۷۰ء	سنہ ۱۸۷۱ء	فرانس	پروشیا	
سنہ ۱۸۷۸ء	سنہ ۱۸۸۰ء	انگلستان	افغانستان	
سنہ ۱۸۷۹ء	سنہ ۱۸۷۹ء	انگلستان	زولو	زولو افریقہ کی ایک قوم ہے انگلستان نے اس پر حملہ کیا۔
سنہ ۱۸۹۹ء	سنہ ۱۹۰۲ء	انگلستان	بویر	بویر افریقہ کی وہ قوم ہے جس کے آباؤ اجداد یورپ سے آکر افریقہ میں آباد ہوگئے *
سنہ ۱۸۸۵ء	سنہ ۱۸۸۵ء	سرویا	بلغاریہ	جنگ عظیم کے بعد سرویا اور مانٹی نیگرو اور بلغاریہ نیز آسٹریا وغیرہ کی متعدد **
سنہ ۱۸۸۷ء	سنہ ۱۸۸۹ء	اطالیہ	حبشہ	اطالیہ نے افریقہ میں اپنی سلطنت کی توسیع کیلئے حبشہ پر حملہ کیا۔
سنہ ۱۸۸۹ء	سنہ ۱۸۹۳ء	جرمنی	افریقہ کی جنوبی و مغربی ریاستیں	جرمنی نے مختلف طریقوں سے ان ریاستوں کو اپنی نوآبادیات کی فہرست میں شامل کر لیا
سنہ ۱۸۹۵ء	سنہ ۱۸۹۶ء	فرانس	مڈغاسکر	فرانس نے جنوبی امریکہ کے جزیرے مڈغاسکر کیخلاف اعلان جنگ کیا۔
سنہ ۱۸۹۵ء	سنہ ۱۸۹۷ء	ترکی	یونان	

انیسویں صدی کے اختتام اور بیسویں صدی کے آغاز کے بعد یورپی حکومتوں کی ہوس ملک گیری نے انہیں مشرق کی طرف متوجہ کردیا۔ انیسویں صدی کے شروع میں یہ مذموم خواہشات بالکل بے نقاب ہوکر سامنے آگئیں سنہ ۱۹۰۴ء میں انگلستان نے تبت پر حملہ کیا اور زاریت پسند روس نے جاپان سے مقابلہ شروع کر دیا سنہ ۱۹۰۷ء میں فرانس نے مراکش کے ساتھ جنگ کا اعلان کیا اور اطالیہ نے حبشہ اور ترکی کے خلاف علم جنگ بلند کردیا، اور اس کے بعد سنہ ۱۹۱۲ء میں جب کہ بلقانی جنگوں کا سلسلہ بمشکل ہی ختم ہوسکا تھا دنیا کی وہ مہیب و خوفناک جنگ شروع ہوگئی جسے جنگ عظیم کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اور ابھی اس جنگ کو ختم ہوئے پچیس سال کا عرصہ بھی نہیں گذرا تھا کہ دنیا کے سامنے آج پہلے سے بھی زیادہ تباہ کن ہیبت ناک اور خوفناک جنگ کا محاذ موجود ہے۔

گذشتہ بیس سال کا زمانہ بھی امن و سکون سے نہ گذر سکا بلکہ مہذب دنیا کی خواہش ملک گیری اور اقتدار پسندی نے اس زمانے میں بھی کئی مرتبہ جنگ وجدل کے جہنم کو بھڑکا دیا سنہ ۱۹۲۰ء میں پولینڈ کے غاصبانہ اقدامات کی وجہ سے اشتراکی روس کو اس کا مقابلہ کرنا پڑا سنہ ۱۹۲۲ء میں یونان اور ترکی کے درمیان لڑائی ہوئی اور کم وبیش پانچ سال تک ہسپانیہ مراکش کے حریت پسند فرزندوں کو غلام بنائے رکھنے کے مذموم مقاصد کے پیش نظر ان کے ساتھ برسر جنگ رہا سنہ ۱۹۲۶ء میں انگریزوں نے افغانستان پر حملہ کیا سنہ ۱۹۳۶ء میں اطالیہ نے پھر حبشہ کے خلاف فوج کشی کی اور سب سے آخر میں ہسپانیہ کی خانہ جنگی نے جسے مغرب کی تمام منطقی اور غیر منطقی طاقتیں ہوا دے رہی تھیں اس سلسلے کو موجودہ لڑائی سے ملا دیا۔

* اور اب یہ قوم افریقہ ہی کو اپنا وطن سمجھتی ہے۔ اس لڑائی میں گاندھی جی نے بھی انگریزوں کی مدد کی تھی۔ جنوبی افریقہ پر اسی لڑائی کے بعد انگریزوں کا قبضہ ہوا ہے

** علاقوں کو ملاکر یوگوسلاویہ کے نام سے ایک نئی ریاست قائم کی گئی تھی۔ اب اس ریاست پر جرمنی کا قبضہ ہوگیا ہے۔

شباب ہستی

(از جناب قاضی سید شوکت حسین صاحب علوی۔ بہار)

کچھ خبر بھی ہے تجھے مست شباب ہستی ... اتری جاتی ہے تغافل سے شراب ہستی

کردے مخمور پھر آنکھوں سے نظر کا صدقہ ... بہکا جاتا ہے ترا خانہ خراب ہستی

افسانہ

جہالت

(از جناب ایم۔ اے اختر صاحب انصاری اکبرآبادی جرنلسٹ)

(۱)

شہری ہنگاموں سے بہت دور گل پوش پہاڑیوں کے روماں انگیز دامن میں ایک چھوٹا سا گاؤں آباد تھا۔ وہ پیکر سرو و چنار کے جھنڈوں میں چھوٹے چھوٹے جھونپڑے بنے ہوئے تھے جن میں گندمی رنگ کے لوگ آباد تھے۔ ہر جھونپڑے کے ساتھ کنال دو کنال زمین ملحق تھی جس میں پھولوں کے پودے لگائے جاتے۔ یہی پھول ان لوگوں کی زندگی کے کفیل ہوتے پو پھٹتے ہی گاؤں کی ننھی سی دنیا بھولے بھالے پہاڑی گیتوں سے یکسر شعر و نغمہ کی دنیا میں تبدیل ہو جاتی۔ عورتیں اپنے اپنے جھونپڑوں سے نکل آتیں اور پھول چننے میں مشغول ہو جاتیں سورج بلند ہونے کے ساتھ ہی مرد انہیں چھوٹی چھوٹی ٹوکریوں میں جا کر قریب کے شہر میں بیچ آتے۔

اس گاؤں میں شیوجی کا مندر تھا جو گاؤں سے چند قدم کے فاصلہ پر ایک بڑی پُرفضا جگہ پر بنا ہوا تھا۔ شاہ بلوط اور چنار کے جھومتے ہوئے درخت ہری ہری گھاس کے درمیان خودرو پھولوں کا نکھار اور پھر مندر کے قدموں میں لوٹتی ہوئی سہانی ندی اس جگہ کو ایسی نزہت زا بنائے ہوئے تھی کہ ہر حساس شخص خود بخود اس مورتی کے سامنے جھک جاتا جو اس حسن و مستی پر حکمرانی کرتی ہوئی معلوم ہوتی تھی۔

موسم بہار کے آغاز میں یہاں ایک میلہ لگا کرتا تھا۔ اسے گاؤں کے لوگ پھولوں کا میلہ کہا کرتے تھے۔ اس روز شیوجی کی مورتی کو لکڑی کے تخت پر بٹھا کر تمام گاؤں میں پھرایا جاتا اور دوپہر کے قریب پھر مندر میں رکھ دیا جاتا۔ دوپہر سے شام تک مندر میں بھجن گائے جاتے۔ ناچ ہوتا۔ سوانگ بھرے جاتے اور مختلف طریقوں سے لوگ خوشیاں مناتے۔ شام کے وقت جب سورج کی آخری شعاعیں دیوتا کے قدموں میں مچلتی ہوئی ندی پر سونا بکھیرا کرنے لگتیں سب لوگ اپنے اپنے باغ سے پھولوں کی ایک ایک ٹوکری دیوتا کے قدموں پر بھینٹ چڑھاتے۔

موسم بہار ہر سال اپنی رنگینیوں کو لے کر آتا اور گاؤں پر رنگ و بو کی بارش سی کر دیتا ہے۔ ہر جھونپڑے کے سامنے خوبصورت پھول اپنے نرم و نازک سر ہلاتے ہوئے نظر آتے پھولوں والے رات رات بھر پھولوں کی حفاظت کے لئے جاگتے اور عجیب و غریب آوازوں سے پکار پکار کر جانوروں کو ڈراتے رہتے۔ لیکن کاہل الوجود نندی سال کے اس حصہ میں بھی اپنے جھونپڑے میں پڑا خواب رنگین دیکھنے لوٹا کرتا۔ لوگ اس کے اس طرز عمل سے سخت متحیر ہوتے اور بعض اسے ازراہ ہمدردی رَت جگے کاٹنے کی ہدایت بھی کرتے لیکن نندی لاپرواہ انداز میں مسکرا دیتا۔

سب سے بڑی حیرت کی بات یہ تھی کہ باوجود کاہل الوجود ہونے کے ہمیشہ نندی ہی کے پھول زیادہ پیدا ہوتے۔ وہ ایک ٹوکری کے بجائے دو ٹوکریاں بھینٹ چڑھاتا اور بچا بھی کاتی۔

اس سے گاؤں والے نندی غریب سے خواہ مخواہ الجھنے لگے اور بعض تو اسے ایک اچھا سبق دینے پر بھی تل گئے۔

اس سال بھی موسم بہار اپنی پوری تابانیوں سے آیا۔ گاؤں کی فضا رنگین نظر آنے لگی اور ہوا کا ہر جھونکا خلد بدوش محسوس ہونے لگا۔ نندی کے باغ میں اس سال بھی پھول ہی پھول نظر آ رہے تھے اور نندی حسب دستور جب دیکھو ٹانگ پر ٹانگ رکھے جھونپڑے میں پڑا اونگھتا رہتا۔

شیوجی کا میلہ بھی قریب آ چلا تھا اور لوگ میلے کو پورے جوش و خروش سے منانے کی تیاریاں کر رہے تھے لیکن نندی معمول کے مطابق دن بھر لاپرواہ انداز میں پیٹھ پر ہاتھ باندھے جھکا جھکا پھولوں کی کیاریوں میں پھرا کرتا اور رات کو لمبی تان کر سو جاتا۔

اس کے ہمسایہ نے ایک دن کہا۔

"نندی! میلہ آ رہا ہے"

"ہاں! آ تو رہا ہے!" نندی نے جواب دیا۔

"کیا بھینٹ چڑھاؤ گے"

"جو شیوجی نے دے رکھا ہے" نندی نے مسکرا کر کہا۔

"اور اگر پھولوں کی فصل خراب ہو گئی"

نندی نے ہمسایہ کو دیکھا اس کی آنکھوں میں استہزا کانپ رہا تھا۔

"تو شیوجی کی مرضی" اس نے کہا "جو میسر آئیگا وہی سہی"

"آخر کچھ تو معلوم ہو"

"جو کچھ بھی ہے سب انہیں کا تو ہے۔ رکھ دوں گا چرنوں میں"

ہمسایہ پہلے ہی نندی کو دیوانہ سمجھتا تھا۔ اب اسے یقین ہو گیا کہ نندی کے دماغ میں ضرور کوئی خرابی ہے۔

(۲)

آج پہلا دن تھا۔ نندی جب صبح جھونپڑے سے باہر نکلا تو اس نے دیکھا کہ تمام باغ ویران پڑا ہوا ہے۔ اور باغ کے فرش پر بکریوں کے پاؤں کے نشان بنے ہوئے ہیں نندی سمجھ گیا کہ کسی ہمسایہ نے اس کے باغ میں اپنا ریوڑ چھوڑ دیا ہے لیکن غصہ کے بجائے اس کے ہونٹوں پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ چھا گئی۔

"پاگل ہیں" اس نے آہستہ سے کہا اور مندر کی طرف ہو لیا۔

راستہ میں اس کا ہمسایہ اسکو ملا۔

"ارے نندی" ہمسایہ نے پکار کر کہا "وہ بیلا کے ریوڑ تمہارا باغ ویران کر گئے"

"ہاں کمبختوں نے نام کو بھی تو پھول نہیں چھوڑے"

"کچھ اس سے کہا سنا بھی!"

"کیا کہتا سنتا"

"ارے" ہمسایہ نے حیران ہو کر پوچھا "یہ تو پوچھا ہوتا کہ اس نے یہ حرکت کی کیوں؟"

"پھول اچھے نہیں لگتے ہوں گے"

"عجیب الٹی کھوپڑی کے آدمی ہو۔ اب بھینٹ کیا چڑھاؤ گے"

"جو کچھ شیو جی نے دے رکھا ہے ان کی چیز ہے انہیں کے چرنوں میں رکھ دوں گا"

"ارے نندی! یہ پاگلوں کی سی باتیں کیوں کرتے ہو۔ ہم کہتے ہیں کہ اس بیلا کے بچہ کی اچھی طرح سے خبر لو۔

"تو پھول واپس آ جائیں گے کیا؟"

"کم از کم ٹوکری دو ٹوکری پھول اسی سے لے لینا بھینٹ چڑھانے کے لئے یہ تو بہت بری بات ہوگی۔ اگر تم نے بھینٹ نہ چڑھائی تو"

"مانگے تانگے کی بھینٹ کیا دوست۔ اس دفعہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ شیو جی پھول کے بجائے کسی اور چیز کی بھینٹ چاہتے ہیں۔

"تو کیا چیز دو گے بھینٹ"

"جو چیز بھی شیو جی چاہیں"

"تمہاری باتیں تو ہماری سمجھ میں نہ کبھی آئیں اور نہ آئیں گی"

نندی مسکرا دیا۔

آخر یہ دونوں شیو جی کے مندر میں پہنچ گئے۔

مورتی کو لکڑی کے تختوں پر جما دیا جا چکا تھا۔ اور لوگ اسے اٹھانے کی تیاریاں کر رہے تھے۔ نندی نے تختے کو ایک طرف سے پکڑ لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد جے جے کار کے نعروں کے درمیان مورتی کو اٹھا لیا گیا۔ نندی ایک طرف سے سہارا دئے ہوئے تھا۔ چاروں طرف سے بھجنوں کی روح پرور صدائیں گونجنے لگیں اور یہ جلوس آہستہ آہستہ گاؤں کی طرف چل دیا۔

ہر دس بارہ قدموں کے بعد دوسرے لوگ مورتی کو اٹھا لیتے۔ لیکن نندی بدستور اپنی جگہ پر ڈٹا رہا۔ وہ کسی کو اپنے قریب نہیں آنے دیتا تھا۔

گاؤں تک پہنچتے پہنچتے نندی کا چہرہ زرد پڑ گیا۔ اس کی پیشانی پر پسینے کے قطرے پھوٹ آئے۔ اور اس کے دائیں ہاتھ کی رگیں ابھر آئیں۔

"اب تم ہٹ جاؤ نندی تم بہت تھک گئے ہو دیکھو تو مورتی کس قدر جھکی پڑتی ہے"

نندی نے مورتی کی طرف دیکھا۔ یہ سچ تھا تختہ اس کی طرف سے بہت کافی ٹیڑھا ہو رہا تھا۔ اس نے زور دیکر اپنے ہاتھوں کو اونچا کیا اور ذرا مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔

"اب ٹھیک ہے" اس نے ہانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

چند قدم چلنے کے بعد اس کے پاؤں لڑکھڑانے لگے۔ اس کا سر چکرانے لگا اور اسے ایسا معلوم ہونے لگا کہ کہیں دور سے آواز آ رہی ہے۔

"نندی اب ہٹ جاؤ۔ تم تھک گئے ہو۔ مورتی کہیں گر نہ جائے"

"نہیں" نندی گرج کر بولا لیکن اسے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ کنوئیں میں سے بول رہا ہے۔

دفعتاً زمین و آسمان گھومنے لگے۔ وہ لڑکھڑایا۔

"نندی" نندی نے پھر چلا کر کہا۔

اس کے بعد اسے ایسا معلوم ہوا کہ دنیا کا ذرہ ذرہ چکرا گیا ہے وہ ایک دفعہ پھر لڑکھڑایا۔ ایک ناقابل فہم غلغلہ بلند ہوا نندی منہ کے بل گرا۔ اور پتھر کی بھاری مورتی اس کے بائیں ہاتھ پر گری۔ اسے ایک ناقابل برداشت درد کا احساس ہوا جس نے اس کے ریشے ریشے کو لرزا دیا اور پھر ...... پھر وہ بے ہوش ہو گیا۔

(۳)

شام کے قریب نندی کو ہوش آیا وہ اپنے جھونپڑے میں پڑا تھا اور اس کے چند دوست اس کے اردگرد بیٹھے تھے نندی نے دیکھا۔ اس کا دایاں ہاتھ کچلا گیا تھا۔ گاؤں کا جراح اس پر ٹھنڈا پانی ٹپکا رہا تھا۔

نندی نے محسوس کیا کہ اس کا رواں رواں درد سے ٹوٹ رہا ہے اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کی آنکھیں شعلے اگل رہی ہیں۔

"نندی تم بے حد ضدی ہو" ایک نے کہا۔

"اسی ضد نے تو اس حالت پر پہنچایا ہے اسے دیکھو اب اس ہاتھ کا کیا حشر ہوتا ہے؟"

نندی نے پھر اپنے ہاتھ کی طرف دیکھا۔ ہاتھ نیلا پڑ چکا تھا۔

"کیا درد تکلیف تو نہیں؟" ایک نے پوچھا۔

"مندر کو مندر میں لے گئے؟" نندی نے اس کی بات کو سنی ان سنی کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں! سب لوگ بھینٹ چڑھانے جا رہے ہیں۔"

"بھینٹ" نندی نے حیران ہو کر پوچھا۔

"تو اور کیا شام تو ہوا چاہتی ہے تم نے ہمارا لطف بھی کرکرا کر دیا ہم کہہ رہے تھے ہٹ جاؤ۔ ہٹ جاؤ۔ لیکن تم تو اپنی طاقت دکھا رہے تھے۔ ہاں!"

نندی نے گویا ایک لفظ نہیں سنا تھا وہ چارپائی پر سے اٹھا اور لڑکھڑاتا ہوا جھونپڑے کے کونے کی طرف گیا۔

"کیا کر رہے ہو۔ لیٹ جاؤ۔ تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔" جراح نے کہا نندی نے خاموشی سے کونے میں سے چھوٹی کلہاڑی اٹھائی اور دروازہ کی طرف لپکا۔

"ارے دیوانے تو نہیں ہو گئے ہو تم؟" اسی دوست نے کہا اور بڑھ کر نندی کو شانے سے پکڑ لیا۔ نندی نے ایک دم پلٹ کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ بالکل پاگل معلوم ہو رہا تھا۔ اس کی پھٹی پھٹی آنکھوں۔ سوجے ہوئے گالوں اور پھولے ہوئے نتھنوں سے وحشت ٹپک رہی تھی۔

"لیکن تم جا کہاں رہے ہو؟" دوست نے پوچھا۔

"بھینٹ چڑھانے" نندی نے گرج کر کہا۔

"کیا؟"

"جو چیز شیوجی نے مانگی ہے تم نہیں دیکھتے؟"

یہ کہہ کر وہ جھونپڑی سے نکلا اور دیوانوں کی طرح بھاگنے لگا۔ لوگ شیوجی کے چرنوں پر پھول بھینٹ چڑھا رہے تھے اور ہاتھ باندھ کر آنکھیں بند کرکے اپنی سلامتی کی دعائیں مانگ رہے تھے نندی ہانپتا ہوا مندر میں داخل ہوا۔ اس کے چہرے پر وحشت مرتسم تھی وہ قاتل معلوم ہوتا تھا لوگ اسے دیکھ کر سہم گئے اور بھجن گانے والی لڑکیاں سمٹ کر ایک جگہ اکٹھی ہو گئیں اور دہشت زدہ نظروں سے نندی کو دیکھنے لگیں۔

لیکن نندی اپنے خیال میں مست تھا۔ اس کا تمام بدن سر و پسینے میں غرق ہو رہا تھا اور رواں رواں کانپ رہا تھا۔ مندر کے مہنت نے ہمت کی اور اس کا خیر مقدم کرنے کے لئے اس کی طرف بڑھا لیکن نندی نے اس کی طرف دیکھا بھی نہیں کلہاڑی والے ہاتھ سے مہنت کو پرے ہٹا دیا اور سیدھا مورتی کے قریب جا پہنچا اس نے اپنا کچلا ہوا ہاتھ مورتی کے قدموں پر رکھ دیا اور بولا—

"پربھو! یہ تیری دین تھی! تیرے قدموں پر بھینٹ کرتا ہوں۔"

یہ کہہ کر اس نے کلہاڑی کا ایسا بھرپور ہاتھ مارا کہ زخمی ہاتھ کلائی سے علیحدہ ہو گیا۔ نندی کا خون اچھل کر مورتی کے قدموں سے لپٹ گیا اس نے پھر مورتی کی طرف دیکھا۔ اسے ایسا محسوس ہوتا تھا کہ شیوجی کی مورتی مسکرا رہی ہے اس نے اپنا سر مورتی کے قدموں پر رکھ دیا اور بے ہوش ہو گیا۔ مندر کے مہنت نے ہاتھ کے اشارے سے لڑکیوں کو گانے کا حکم دیا اور ڈرتی ہوئی لڑکیوں نے سہمی ہوئی آواز میں بھجن گانا شروع کر دیا۔

ٹیگور کا ایک نغمہ

(از جناب ریاض الدین صاحب قاضی سہارنپوری (ترجمہ از مرہٹی))

میں اس سرزمین میں پیدا ہوا۔

میں کس قدر خوش نصیب ہوں کہ مجھے اس سرزمین سے محبت کا موقعہ ملا۔

اس عشک سرزمین کا دامن دولت اور سیم و زر کے انبار سے خالی ہی کیوں نہ ہو

اس کی محبت کا جاندار مجسمہ بے دولت ہی میرے لئے کافی ہے۔

مجھے مسرت بخشنے والی وہ خوشگوار اور عطر بیز ہوا

اگر کہیں ہے تو اس سرزمین کے شگفتہ پھولوں میں پوشیدہ ہے۔

میری زندگی کو اپنی نازک شعاعوں سے منور کرنے والا۔

ایسا خوشنما چاند میری آنکھوں کی ٹھنڈک کیلئے کہاں میسر آسکے گا؟

میں نے پیدا ہوکر جس وقت اپنی آنکھیں کھولیں۔

اسی وقت اس سرزمین کی روشنی نے میرا خیر مقدم کرکے مجھے بیدار کیا۔

میری تمنا ہے کہ موت کے باعث میری آنکھیں بند ہونے کے وقت تک

میری آنکھیں اس روشنی سے منور رہیں۔ اور میں اس سرزمین سے محبت کرتا رہوں

مرزا عظیم بیگ چغتائی

مرزا عظیم بیگ چغتائی کا نام میں نے سنا ضرور تھا، اُن کی مشہور اور مقبول تصنیف "خانم بیوی" کا بھی سرسری نظر سے مطالعہ کیا تھا۔ ماہنامہ ساقی دہلی ماہنامہ حریم لکھنؤ، ہفت روزہ "مریخ" لکھنؤ اور نیرنگ خیال لاہور وغیرہ وغیرہ رسائل و جرائد میں مرزا صاحب کے بے حد دلچسپ مضامین بھی میری نظر سے گذر چکے تھے۔ مگر میرا مرزا صاحب سے کوئی خاص تعلق نہ تھا۔ نہ تو ان کی ملاقات ہی ہوئی تھی اور نہ خط و کتابت کا موقعہ ملا تھا۔ یہ مجھے ضرور معلوم تھا کہ مرزا صاحب ایک وکیل ہیں اور جودھپور میں جو میرا مولد ہے وکالت کرتے ہیں اور اپنے عزیزوں سے جو محلہ سردار پورہ میں جہاں مرزا صاحب رہتے تھے) مقیم ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا تھا کہ مرزا صاحب کی اہلیہ محترمہ رامپور کی رہنے والی اور نہ صرف خاندان کی پٹھان بلکہ مزاج کی بھی پٹھان ہیں۔

ماہ دسمبر ۱۹۳۳ء میں مجھے بسلسلۂ ملازمت کلکتہ جانا پڑا۔ جہاں میں نے گنگا دھر بالولین دہرم بازار میں ایک کمرہ کرایہ پر لے لیا۔ اسی گلی میں ان دنوں ہفت روزہ اخبار "خادم" کا بھی دفتر تھا۔ چونکہ مجھے مضمون نگاری اور افسانہ نویسی کا شوق ہے اس لئے بہت جلد میرا تعلق اس اخبار سے بھی ہو گیا۔ رات کا وقت تو روزنامہ "اسٹار آف انڈیا" میں قلم گھستے اور خبروں کی تصحیح کرنے اور سنسنی خیز؟ عنوانات قائم کرنے گذرتا تھا اور دن کا وقت "خادم" کے نوجوان ایڈیٹر میر حشمت علی افضلی کی دلچسپ صحبت میں۔ انہی ایام میں چغتائی صاحب نے ماہنامہ "حریم" لکھنؤ میں ایک مضمون بہ عنوان "رقص و سرود اور مسلمان خواتین" شائع کرایا تھا۔ اس مضمون کے دوران میں چغتائی صاحب نے مسلمان عورتوں کو ناچنے اور گانے کی تعلیم دینے کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے یہ بھی لکھ دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی ناچ دیکھا اور گانا سنا تھا۔ چغتائی صاحب کا یہ مضمون شائع ہوتے ہی چاروں طرف سے اعتراضات کی "بارش" ہونے لگی۔ یہاں تک کہ ماہنامہ "حریم" کے مالک مسٹر محمد نسیم انہونوی کو بھی اظہار معذرت کرنا پڑا۔ چغتائی صاحب کے اس مضمون کی مخالفت میں ہفت روزہ "خادم" نے نمایاں حصہ لیا۔ اور میر حشمت علی کی تحریک پر میں نے بھی ایک مختصر سا مضمون چغتائی صاحب کے زیر بحث مضمون کے خلاف لکھا جو "خادم" میں شائع ہوا اور چیلنج دیا کہ "وہ مستند احادیث اور قرآن شریف کی آیات سے اگر ناچ گانا سنت رسول اللہ صلعم جائز ثابت کر دیں گے تو میں ہر وہ رقم بطور ہرجانہ دینے کے لئے تیار ہوں جو چغتائی صاحب مقرر کریں۔"

یہ تو مجھے معلوم نہیں کہ چغتائی صاحب نے اپنے مضمون کے خلاف اعتراضات کا کیا اثر لیا۔ لیکن ان کے رویے سے یہ ظاہر ہی تھا کہ وہ پورے وکیل ہیں صرف ہٹ دھرمی کے لحاظ سے ہی نہیں بلکہ فضول اور لایعنی باتوں سے اپنے مخالف کو چاروں شانے چت گرانا چاہتے ہیں۔ میرے چیلنج کے جواب میں جو خط چغتائی صاحب نے مدیر "خادم" کو لکھا اس میں میرے متعلق تحریر تھا کہ:۔

"حضرت مورخ نے اخبار "تاج" میں ایک مضمون دیا ہے، اس میں لکھا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بیک وقت چار سے زائد بیویاں نہیں تھیں، براہ کرم اسکی تردید کر دیں۔ کیونکہ ایک وقت میں بارہ کے قریب ازواج مطہرات تھیں، وقت انتقال گیارہ تھیں نام یہ ہیں (۱) عائشہ رض (۲) اُم سلمہ رض (۳) صفیہ رض (۴) زینب رض (۵) سودہ رض وغیرہ وغیرہ۔ خود قرآن پاک میں اس کی خاص وجہ موجود ہے۔ لوگ غلط فہمی میں مبتلا ہو جائیں گے۔ لہٰذا تاج میں خود اس غلط فہمی کو دور کر دیں۔"

چغتائی صاحب کا یہ پرچہ الزام سراسر ایک بہتان تھا۔ اور شکست کی ایک حد درجہ ادنیٰ شکل۔ اس کے جواب میں میں نے حسب ذیل خط چغتائی صاحب کو لکھا اور اس کی نقل "خادم" میں بھی شائع کرا دی۔

کھلی چٹھی بنام چغتائی صاحب

محترمی! آپ کا خط بنام مدیر "خادم" بغور پڑھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو جھوٹ بولنے میں خاص ملکہ حاصل ہے مجھ غریب پر ایک بہتان جوڑ دیا۔ کہ اخبار "تاج" میں میں نے مضمون لکھا اور اس میں لکھا کہ رسول مقبول ﷺ کی چار سے زیادہ بیویاں نہ تھیں۔ محترمی! اس کا جواب یہ ہے کہ میں نے آج تک اس قسم کا کوئی مضمون کبھی نہیں لکھا۔ یقیناً آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ گو میں نے افسانے اور مضمون بہت سے لکھے ہیں۔ لیکن کبھی مذہبی معاملات پر قلم نہیں اٹھایا۔ مجھے اس بات کا سخت رنج ہے کہ آپ نے بغیر تحقیق کئے ہی مجھے مجرم بنانے کی کوشش کی۔ غالباً اس سے آپ کا یہ مطلب ہوگا کہ میں ڈر کر آپ کی مخالفت کرنی چھوڑ دوں گا۔ محترمی! اس کا جواب یہ ہے کہ مجھے آپ کو

کوئی بغض نہیں لیکن جس معاملہ میں میں نے آواز اٹھائی ہے۔ وہ معاملہ ہی ایسا ہے کہ کوئی مسلمان خواہ وہ مذہب سے کس قدر بیزار کیوں نہ ہو، ہرگز خاموش نہیں رہ سکتا ہے، میں آپ کو چیلنج دیتا ہوں کہ جو الزام آپ نے مجھ پر عائد کیا ہے یا تو اسے ثابت کریں یا معافی مانگیں۔ آپ کے جواب کا بے صبری سے انتظار رہے گا۔"

سید محمد و مورخ "زعادم" کلکتہ مورخہ ۲۲ جنوری ۱۹۳۳ء)

چغتائی صاحب میرا چیلنج تو کیا قبول کرتا تھا۔ میرے اس خط کے جواب میں جو خط انہوں نے "زعادم" کو لکھا اس میں اپنے وکیل ہونے کا مزید ثبوت دیا۔ ایک وکیل کی خصوصیات کیا ہیں؟ ہٹ دھرمی ! نہ ماننا، بولتے ہی چلے جانا۔ الزام تراشی اور دور از کار باتوں سے اپنے حریف کو زک دینا۔ چنانچہ چغتائی صاحب کے خط کی بھی یہی خصوصیات تھیں۔ اس کا عنوان تھا "زمین گول ہے"۔ اس میں بے حد عجیب و غریب طریقہ سے اپنی بات کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ آخر میں میرے متعلق لکھا تھا "مورخ صاحب کے بھائی جمیل صاحب (سید جمیل احمد طاہر، میرے دور کے رشتہ دار) نے میری بات مان لی ہے۔ مورخ صاحب بھی مان لیں گے"۔ اس کے جواب میں میں نے سید جمیل احمد صاحب طاہر سے دریافت کیا لیکن انہوں نے جواب دیا کہ یہ سراسر بہتان ہے۔ خیر اس سے ظاہر ہے کہ چغتائی صاحب پورے وکیل تھے۔

اس دلچسپ طریقہ سے میرا چغتائی صاحب سے تعارف ہوا۔ اس کے پورے ایک سال بعد فروری ۱۹۳۴ء میں جب کہ میں لکھنؤ میں بتلاش ملازمت مقیم تھا۔ ایک دن شام کے وقت دفتر ہفت روزہ "سرپنچ" میں بیٹھا ہوا تھا کہ ناگہاں مسٹر شوکت تھانوی کے ساتھ ایک نوجوان تشریف لائے۔ سر پر سیاہ بالوں والی ٹوپی سرخ رنگ کا سوٹ پہنے ہوئے تھے۔ درمیانہ جسم مضبوط اور تندرست، خوبصورت تو نہیں لیکن بدصورت بھی نہ تھے۔ چہرہ پر کافی رعب و داب تھا چال ڈھال سے پورے مارواڑی معلوم ہوتے تھے۔ مسٹر شوکت تھانوی نے یہ کہہ کر اُن سے میرا تعارف کرایا "حضرت مرزا عظیم بیگ چغتائی" مرزا صاحب اس وقت الہ آباد جا رہے تھے شاید جانے کی جلدی میں یا گذشتہ سال کی قلمی جنگ کے اثر کے باعث چغتائی صاحب نے میری طرف کوئی توجہ نہیں کی۔ اور شوکت تھانوی صاحب کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے باہر چلے گئے۔ یہ تھی میری اولین ملاقات مرزا عظیم بیگ چغتائی سے۔

۱۵ اپریل ۱۹۳۴ء کو میں روزنامہ "نیشنل کال" میں ملازم ہو کر دہلی آیا اور ۲۰ مئی سنہ کو جناب شاہد احمد صاحب مدیر ساقی دہلی سے میری ملاقات ہوئی۔ اور شاہد صاحب سے بہت جلد دوستانہ تعلقات پیدا ہو گئے چونکہ مرزا عظیم بیگ چغتائی شاہد صاحب کے خاص دوست اور ساقی کے مخصوص قلمی معاون تھے۔ اس لئے میرے دہلی آنے سے پہلے ہی ساقی بکڈپو دہلی چغتائی صاحب کی متعدد کتابیں شائع کر چکا تھا۔ کولتار، خانم، روحِ ظرافت، خطوط کی تم ظریفی "

کھرپا بہادر" وغیرہ کتابیں میں نے شاہد صاحب سے لیکر بغور پڑھیں اور اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ مصنفین اردو میں مرزا عظیم بیگ چغتائی کا مرتبہ کس قدر بلند و ارفع ہے۔ اور انہوں نے اپنے مخصوص طریقہ سے زبان و ادب کی کس قدر ٹھوس اور مفید خدمت کی ہے۔ اسی سال ماہ جولائی میں چغتائی صاحب سے تو نہیں لیکن اُن کے چھوٹے بھائی مرزا وسیم بیگ چغتائی سے ملاقات ہوئی جو ان دنوں دہلی کی سیر کرنے کے لئے آئے ہوئے تھے اور دفتر ساقی میں مقیم تھے۔

اپریل ۱۹۳۵ء میں ساقی کا جو ظریف نمبر شائع ہوا۔ اس میں میرا مضمون "ہمارے مزاح نگار" بھی چھپا۔ اس مضمون میں میں نے اردو کے مشہور مزاح نگاروں پر ایک طائرانہ نظر ڈالی تھی۔ اور اس سلسلہ میں مرزا عظیم بیگ چغتائی پر بھی چند سطور لکھی تھیں۔ یہ مضمون چغتائی صاحب نے بہت پسند کیا ۱۹۳۶ء کے ماہ مئی یا جون میں جناب شاہد صاحب کو چغتائی صاحب سے ملاقات کرنے کے لئے جودھپور جانے کا اتفاق ہوا۔ اور ان کے یہاں کے آٹھ روزہ قیام سے مجلّہ ساقی کے "چغتائی نمبر" کی بنیاد رکھی گئی جو اکتوبر ۱۹۳۶ء میں دہلی نمبر کی جگہ شائع ہوا۔ اس زمانہ میں چغتائی صاحب ریاست جاورہ میں چیف جج ہو گئے تھے۔

۱۹۳۶ء میں میں نے روزنامہ "نیشنل کال" دہلی کی ملازمت سے مستعفی ہو کر اپنا ذاتی ہفت روزہ اخبار "گلفروش" جاری کیا۔ اخبار کے سلسلہ میں مجھے وسط ہند کا بھی دورہ کرنا پڑا۔ ماہ جولائی ۱۹۳۶ء میں بھوپال سے اندور اور وہاں سے جاورہ چغتائی صاحب سے ملاقات کرنے گیا۔ مرزا عظیم بیگ چغتائی ۱۹۳۵ء کے اواخر سے ہی تپ دق میں مبتلا تھے۔ آپ کے معالجین نے مشورہ دیا تھا کہ دماغی محنت نہ کریں۔ مگر چغتائی صاحب کو افسانہ نویسی اور مضمون نگاری کا شوق ہی نہیں بلکہ عشق تھا۔ یہ نہیں کہ اس سے مالی فوائد مدنظر تھے نہیں، ہرگز نہیں جب تک کہ وہ بالکل مجبور نہ ہو گئے۔ انہوں نے نہ صرف اپنے افسانے اور مضامین بلکہ اپنی کتابیں بھی بغیر کسی معاوضہ اور شرط کے اپنے دوست و احباب کو بغرض اشاعت دیدیں۔ جاورہ میں ملازمت کے دوران میں چغتائی صاحب کی علالت نے اس قدر خطرناک صورت اختیار کر لی کہ آپ کو ملازمت سے مستعفی ہو کر جودھپور واپس آجانا پڑا۔ جاورہ میں مجھے چغتائی صاحب کی علالت کا حال معلوم ہوا۔ اس لئے میں نے فیصلہ کیا کہ پھلیرہ سے گاڑی بدل کر جودھپور جاؤں گا۔ اور چغتائی صاحب سے ملاقات کرنے کے بعد ہی دہلی جاؤں گا۔

جودھپور شہر میرا مولد ہے۔ میرے خاندان کے بہت سے لوگ آج بھی جودھپور میں ملازم ہیں۔ اُن میں سے دو بھائی مرزا صاحب کے مکان کے قریب ہی محلہ سردار پورہ میں رہتے ہیں۔ چنانچہ میں جودھپور میں مرزا صاحب کے مکان کے قریب ہی اترا۔ اور سامان اپنے میزبان کے

پاس رکھ کر چغتائی صاحب سے ملنے گیا، وہ بڑے خلوص اور محبت سے پیش آئے۔ ریاست بھاولپور کے متعلق بہت دیر تک باتیں ہوتی رہیں، چغتائی صاحب کی حالت اس وقت بھی خطرناک ضرور تھی لیکن امید تھی کہ اگر علاج کیا گیا تو ضرور تندرست ہو جائیں گے۔ میں نے اس مرتبہ تین دن جودھپور میں قیام کیا۔ اور کوئی چھ دفعہ چغتائی صاحب سے ملاقات کی۔

ماہ جولائی ۱۹۵۳ء میں ایک مرتبہ پھر مجھے ایک خاص کام سے جودھپور جانا پڑا۔ اس عرصہ میں ان کی حالت پہلے سے زیادہ خراب ہو چکی تھی۔ وہ نہ صرف علالت جسمانی میں بلکہ مالی پریشانیوں میں بھی مبتلا تھے۔ ان کا یہ کہنا مجھے کبھی نہ بھولے گا کہ "موزنج صاحب آپ نے تحریر فرمایا کہ میں بذریعہ تار مطلع کردوں کہ وزیر اعظم صاحب جودھپور میں ہیں یا باہر گئے ہوئے ہیں؟ مگر مجھے افسوس ہے کہ تلمذ یہاں تو بہت بڑی بات ہے۔ میرے پاس تو پوسٹ کارڈ لکھنے کے لئے بھی دام نہیں ہیں۔"

آہ! فطرت کا ظلم اور جفا کاری دیکھنے کے قابل ہے، ایک وقت تھا کہ چغتائی صاحب چار سو روپے ماہانہ کے ملازم تھے۔ بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے استاد اور آتائیں تھیں۔ گھر پر ایک چھوڑ چار ملازم موجود تھے۔ مگر اب وہ پیسے پیسے کو محتاج تھے۔ اسی وجہ سے وہ اپنا علاج بھی نہ کرا سکتے تھے۔ چغتائی صاحب کے دو بھائی موجود تھے۔ اور بفضل خدا یہ دونوں کافی آمدنی رکھتے ہیں۔ مگر اس زمانہ میں خون سفید ہو چکا ہے۔ مصیبت کے وقت باپ۔ بھائی بہن کوئی بھی کام نہیں آتا۔ مرزا صاحب کو زمانہ کی ناسازگاری کا شکوہ ضرور تھا اور اردو داں پبلک کی ناقدر شناسی اور اپنے مشاہیر سے لاپرواہی کی شکایت ضرور کیا کرتے تھے۔ لیکن انہوں نے اپنے بہن بھائیوں کے خلاف کبھی ایک لفظ بھی اپنی زبان سے نہیں کہا۔ اس وقت ان کی حالت حد درجہ قابل رحم تھی۔ جسم ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا تھا۔ گوشت و پوست گھل چکا تھا۔ ڈاڑھی خوب بڑھی ہوئی تھی مگر چہرہ پر اب بھی رعب و جلال برستا تھا۔

میں نے دہلی واپس آکر شاہد احمد صاحب مدیر مجلہ ساقی سے چغتائی صاحب کی ابتر حالت کا ذکر کیا۔ اور شاہد صاحب نے اس سے متاثر ہو کر چغتائی صاحب کی معقول مدد بھی کی۔ اس کے بعد جنوری ۱۹۵۴ء میں میں تیسری مرتبہ چغتائی صاحب سے ملاقات کرنے جودھپور گیا۔ اب ان کی حالت قدرے سنبھل گئی تھی۔ انہوں نے مجھے بتایا کہ قوت لایموت نے انہیں ایک مرتبہ پھر قلم چلانے پر مجبور کر دیا ہے۔ اور اب وہ زیادہ تر ہندی رسائل و جرائد میں لکھتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ ہندی داں پبلک نے ان کی قرار واقعی مدد کی ہے۔ نہ صرف ان کے افسانوں اور مضامین کا معقول معاوضہ ادا کیا بلکہ تحفہ تحائف وغیرہ سے بھی ان کی مدد کی ہے۔ ان کو اس بات کا بہت رنج تھا کہ اردو داں پبلک نے ان کی بات تک نہ پوچھی۔ انہی دنوں چغتائی صاحب کی ایک کت ب

"آدم خور" شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب کی جلد بندی کا کام چغتائی صاحب نے خود اپنے ہاتھ سے کیا تھا۔ اس کی ایک کاپی مجھے بھی عنایت فرمائی تھی۔

ستمبر ۱۹۵۴ء میں ایک مقامی رسالہ کے ایڈیٹر صاحب کے ساتھ چوتھی مرتبہ چغتائی صاحب سے ملاقات کرنے جودھپور گیا۔ میرا ارادہ جودھپور میں صرف ایک دن قیام کرنے کا تھا۔ شام کو ہم دونوں چغتائی صاحب سے ملنے گئے۔ ایڈیٹر صاحب نے مضمون کی فرمائش کی۔ اس کے جواب میں چغتائی صاحب نے افسانہ لکھوانا شروع کر دیا۔ چغتائی صاحب بولتے جاتے تھے اور ایڈیٹر صاحب لکھتے جاتے تھے، مگر اس روز افسانہ نامکمل رہ گیا۔ لہٰذا چغتائی صاحب نے ہم سے کہا کہ ایک دن اور ٹھیرو۔ کل شام کو میرے یہاں چائے بھی پینا اور افسانہ بھی مکمل کر لینا۔ اس لئے ہمیں مجبوراً ایک دن اور جودھپور ٹھیرنا پڑا۔ دوسرے دن ہم شام کو چار بجے چغتائی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ چائے تیار تھی۔ اور ہمارے وہاں پہنچتے ہی غالباً ان کی اہلیہ محترمہ نے کڑھائی بھی چڑھا دی تھی۔ حلوہ پوری اور شامی کباب سے بھی ہماری خاطر تواضع کی گئی اور اسی وقت مرزا صاحب نے افسانہ لکھوانا شروع کر دیا۔ ایڈیٹر صاحب تو افسانہ لکھتے رہے اور میں چائے کی پیالیاں اپنے پیٹ میں انڈیلنے لگا۔ افسانہ ایسے وقت ختم ہوا کہ گاڑی کے روانہ ہونے میں صرف ایک گھنٹہ باقی رہ گیا تھا۔ مجھے بازار میں بھی ضروری کام تھا۔ اس لئے مجھے واپسی کی جلدی تھی مگر چغتائی صاحب کی خواہش تھی کہ ہم ایک دن اور جودھپور میں قیام کریں۔ یہ بات مجھے پسند تھی۔ میں تو رضامند نہ ہوا لیکن چغتائی صاحب نے ایڈیٹر صاحب کو روک ہی لیا۔ اور مجھے جودھپور سے تنہا واپس آنا پڑا۔ ستمبر ۱۹۵۴ء میں ہی چغتائی صاحب کی مشہور و معروف ہمشیرہ عصمت چغتائی بی۔ اے۔ بی۔ ٹی سے بھی ملاقات ہوئی۔

چغتائی صاحب کے دوست و احباب نے مشورہ دیا تھا کہ ایک علمی و ادبی ماہنامہ جاری کریں۔ چنانچہ مرزا صاحب نے "مچا رچی" کے نام سے ایک ماہنامہ جاری کرنے کا فیصلہ بھی کیا تھا۔ چونکہ جودھپور میں کتابت و طباعت کا کوئی انتظام نہیں ہے۔ اس لئے ان کی خواہش تھی کہ "مچارچی" علی گڈھ سے شائع ہو۔ اور میں اس کا انتظام کردوں۔ اسی مقصد کے لئے انہوں نے اپنے چچازاد بھائی مرزا نعیم بیگ چغتائی کو بھی جودھپور بلایا تھا مگر افسوس ایک طرف تو ناسازگاری حالات اور دوسری طرف موت نے چغتائی صاحب کی اس تمنا کو پورا نہ ہونے دیا۔

مارچ ۱۹۵۵ء میں پانچویں مرتبہ چغتائی صاحب سے ملاقات کرنے جودھپور گیا۔ ان کی حالت بدستور سابق تھی۔ بڑی حسرت و یاس کے ساتھ کہتے تھے کہ چار برس ہوئے پلنگ سے پیر نہیں اتارا ہے۔ یہ بھی یاد نہیں کہ کھڑے کس طرح ہوتے ہیں۔" یہ میری چغتائی صاحب سے آخری ملاقات تھی۔ انہیں اپنے مضامین کے مجموعے شائع کرانے کے لئے بہفت روزہ "سرونج" کی جلد اول کی ضرورت تھی مجھ سے کہا تھا کہ اگر میں اس کام میں ان کی مدد کر سکوں تو وہ بھی میری زندگی

سے خدمت کریں گے۔ مگر افسوس میرے پاس "سرنج" کی کاپیاں نہ تھیں اس لئے میں اپنے عزیز دوست کی یہ خدمت نہ کر سکا۔

شاہد احمد صاحب جون سنہ ۱۹۴۱ء میں حیدرآباد دکن گئے تھے۔ ان کی غیر حاضری میں ایک خط جودھپور سے اس مطلب کا آیا کہ چغتائی صاحب کا سارا جسم سوج گیا ہے اور ان کی حالت بہت نازک ہے۔ شاہد صاحب سے ملاقات کرنے کی خواہش کی تھی۔ چنانچہ ماہ اگست میں شاہد صاحب جودھپور گئے اور وہاں سے واپسی پر انہوں نے بتایا کہ چغتائی صاحب کی حالت بہت خطرناک ہے۔ میرا ارادہ فوراً جودھپور جانے اور اپنے عزیز دوست سے ملاقات کرنے کا تھا مگر افسوس میں ابھی روانگی کی تیاریاں ہی کر رہا تھا کہ ناگہاں شاہد صاحب کو تار ملا کہ یہ آفتاب علم و ادب ۲۰ اگست کو غروب ہو گیا۔ چغتائی صاحب نے صرف ۳۴ سال کی عمر یا سنہ ۱۹۲۹ء میں اپنا پہلا افسانہ "شریر بیوی" لکھا اور اس کے بعد اس سرعت سے مضمون اور افسانے لکھے کہ بہت جلد کامیاب افسانہ نویسوں میں شمار ہونے لگے۔ ۱۹۳۲ء تک ایک طوفان سا تھا کہ سینکڑوں افسانے لکھ ڈالے۔ اس کے بعد دمہ کی بیماری نے رفتار سست کر دی۔

چغتائی صاحب کا آبائی وطن آگرہ ہے۔ ان کے والد خان بہادر مرزا قسیم بیگ چغتائی بی۔ اے (علیگ) علی گڑھ کے مشہور اولڈ بوائے اور مسلم یونیورسٹی کورٹ کے ممبر تھے۔ یو۔ پی میں ڈپٹی کلکٹر رہے اور پنشن کے بعد جودھپور میں جوڈیشل سپرنٹنڈنٹ ہوئے۔ چغتائی صاحب کے نانا منشی امراؤ علی مصنف "رزم و بزم" اپنے زمانہ کے مشہور ادیب اور ناول نویس تھے۔ چغتائی صاحب کے چچا مرزا ابراہیم بیگ چغتائی اب سے نصف صدی پہلے کی ادبی سوسائٹی کے روح رواں اور آگرہ کے مشہور ادیب تھے۔

مرزا عظیم بیگ چغتائی ایک شریر لیکن ذہین طالب علم تھے۔ انہوں نے ۱۹۲۲ء میں علی گڑھ سے بی۔ اے پاس کیا۔ یونیورسٹی بھر میں اقتصادیات میں اول آنے کی وجہ سے آپ کو طلائی تمغہ ملا تھا۔ کالج کی پوری تعلیم حاتم قوم آنریبل ڈاکٹر حاجی نواب بہادر سر مزمل اللہ خاں صاحب نواب بھیکم پور کی رہین منت تھی۔ جنہوں نے پوری سرپرستی کی اور بجائے باپ کے تعلیم کی تکمیل کرائی۔ چغتائی صاحب نے اپنے افسانوں اور مضامین میں نہایت فراخدلی کے ساتھ اس کا اعتراف کیا ہے۔ ۱۹۲۴ء میں علی گڑھ سے ایل۔ ایل۔ بی پاس کیا اور سنہ ۱۹۳۰ء میں وکالت شروع کی۔ چند ماہ اپنی سسرال رامپور میں کام کیا پھر جودھپور میں وکالت شروع کی سنہ ۱۹۳۶ء کے اوائل میں عدالت عالیہ جودھپور میں چیف جج ہو گئے۔ جہاں سے دو سال کے اندر ہی سخت بیمار ہو کر ملازمت چھوڑ دینی پڑی۔ اس کے بعد اپنی زندگی کے آخری چار سال جودھپور میں بحالت علالت گذارے اور ۲۰ اگست سنہ ۱۹۴۱ء کو داعی اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

مرزا عظیم بیگ چغتائی کی شادی رامپور میں ہوئی تھی۔ چغتائی صاحب کے چھ بچے (تین لڑکے اور تین لڑکیاں) دو بھائی اور ایک بہن (عصمت چغتائی) بقید حیات ہیں۔ مرزا صاحب کے بھائیوں میں سے ایک تو ریاست جودھپور میں ملازم ہیں اور دوسرے بھائی جعلی دستاویز پڑھنے کے ماہر ہیں اور ریاست جودھپور کی عدالتوں میں کام کرتے ہیں۔

مرزا عظیم بیگ چغتائی کا حلقۂ احباب بہت وسیع تھا ہندو اور مسلمان سب ہی اس میں شامل تھے۔ لیکن جناب شاہد احمد صاحب مدیر مجلہ ساقی دہلی سے بہت مخلصانہ اور گہرے تعلقات تھے چغتائی صاحب ایک مہمان نواز مخلص اور خودار انسان تھے۔ افسوس تو یہ ہے کہ طویل علالت نے ان کو اس قدر برباد کیا کہ وہ دوسروں کی امداد کے محتاج ہو گئے تھے۔ مگر دیکھنے اور غور کرنے کی بات ہے کہ اردو داں حضرات نے ان کی کوئی مدد نہ کی اور ہندی داں پبلک نے دل کھول کر ان کی مدد کی۔

مرزا صاحب کی افسانہ نویسی، مزاح نگاری اور ادبی کارناموں پر میں کسی آئندہ صحبت میں بحث کروں گا۔

نقد و نظر

ادارہ

ریویو کے لئے کتابوں کی دو دو جلدیں آنی ضروری ہیں۔ ایک جلد موصول ہونے پر ریویو نہیں کیا جائے گا۔ (ادارہ)

کتابیں

زہریلی مکھی اور دوسرے افسانے۔ از سید محمود مورخ بی۔ اے۔ ضخامت ۱۴۴ صفحات سائز ۲۰×۳۰/۱۶ قیمت ایک روپیہ۔ ناشر گلفروش پبلشنگ ہاؤس دہلی۔

گلفروش پبلشنگ ہاؤس دہلی نے سید محمود مورخ بی۔ اے کے افسانوں کی اشاعت کا جو سلسلہ شروع کیا ہے یہ کتاب اس سلسلہ کی تیسری قسط ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ پہلی دو کتابوں کے مقابلہ میں اسے ہر حیثیت سے بہتر بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کتاب میں دس افسانے ہیں اور ہر افسانہ دلچسپ ہونے کے علاوہ فنی اعتبار سے بھی مکمل ہے۔ افسانوں کی زبان پاکیزہ سلیس اور ثقیل و ناقابل فہم الفاظ و تراکیب کی آمیزش سے قطعاً پاک ہے اور ہر شخص اسے نہایت آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے ٹائٹیل بھی خوبصورت ہے لیکن ہم اردو زبان کی ترقی اور توسیع کے لئے مطبوعات کی قیمتوں کو کم سے کم مقرر کرنے کے حامی ہیں۔ شاید کاغذ کی موجودہ ہمت شکن گرانی کی وجہ سے گلفروش پبلشنگ ہاؤس اپنی مطبوعات کی قیمتیں زیادہ مقرر کرنے پر مجبور ہو لیکن ہمیں یقین ہے کہ گرانی کا یہ دور ختم ہو جانے کے بعد یہ صورت قائم نہ رکھی جائے گی۔

رسالے

بیسویں صدی لاہور (افسانہ نمبر) ایڈیٹر خوشتر گرامی۔ چندہ سالانہ تین روپیہ قیمت فی پرچہ ۶/ ملنے کا پتہ۔ منیجر رسالہ بیسویں صدی لاہور

رسالہ بیسویں صدی جناب خوشتر گرامی کی زیر ادارت لاہور سے شائع ہوتا ہے۔ اور پر وقت اشاعت اس رسالہ کی خصوصیت ہے۔ زیر تبصرہ نمبر اس رسالہ کا افسانہ نمبر ہے جسے حقیقی معنی میں افسانہ نمبر بنانے کی سعی کی گئی ہے۔ اور اسی اعتبار سے اس میں اردو زبان کے اچھے افسانہ نگاروں کے بعض بے حد دلچسپ اور بلند معیار افسانے شائع کئے گئے ہیں بعض افسانے انگریزی، ہندی اور بنگالی زبانوں سے ماخوذ اور مترجم بھی ہیں اور زبان کے علاوہ انتخاب کے نقطۂ نظر سے بھی دلچسپ اور دلکش ہیں۔ اس نمبر میں نظموں کا انتخاب بھی عمدہ ہے اور متعدد علمی مضامین کی شمولیت نے اس نمبر کو اور بھی مفید بنا دیا ہے۔ ٹائٹیل نہایت خوبصورت ہے اور ضخامت ۲۰۴ صفحات۔ ہم اس نمبر کی اشاعت پر ادارہ کو مبارکباد کہتے ہیں اردو زبان کی توسیع و اشاعت کے خواہشمند حضرات کو ایسے رسالوں کی سرپرستی کرنی چاہیئے۔

آواز نسواں (سالنامہ) مدیرہ منور جہاں بیگم بریلوی۔ چندہ سالانہ قسم اول چار روپیہ۔ قسم دوم تین روپیہ عام پرچوں کی ایک اشاعت کی قیمت درج نہیں۔ سالنامہ قسم اول کے ایک پرچہ کی قیمت دس آنے۔

ملنے کا پتہ:۔ منیجر آواز نسواں دہلی۔

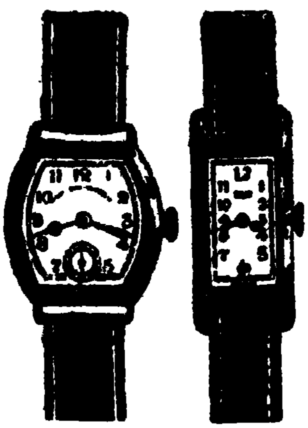
آواز نسواں ہندوستانی خواتین کا ایک اچھا ماہنامہ ہے زیر تبصرہ نمبر میں متعدد افسانوں کے علاوہ اصلاحی، علمی اور خانہ داری سے متعلق مضامین کے علاوہ نہایت عمدہ۔ نظمیں اور کشیدہ کاری کے نمونے بھی شائع ہوئے ہیں اور یہ نمبر ہر اعتبار سے قابل مطالعہ ہے۔ ٹائٹیل نہایت سادہ ہے مگر کاغذ مضبوط لگایا گیا ہے۔ اس نمبر میں جس قدر مضامین شائع ہوئے ہیں وہ اسی رسالہ کے لئے لکھے گئے ہیں اور تقریباً تمام مضامین خواتین کے لئے بیحد مفید اور دلچسپ ہیں۔ ہندوستانی خواتین کو اس رسالہ کی سرپرستی کرکے اسے زیادہ سے زیادہ مفید بنانے میں کارکنان کا ہاتھ بٹانا چاہیئے۔

اضطراب (سالنامہ) مدیر اعلیٰ مسعود اختر جمال چندہ سالانہ تین روپیہ قیمت سالنامہ ۸/ ملنے کا پتہ:۔ دارالاشاعت دفتر اضطراب بنارس۔

ماہنامہ اضطراب حضرت جگر مراد آبادی کی نگرانی اور مسعود اختر جمال اور ان کے معاونین کی ادارت میں شائع ہوتا ہے۔ اس وقت اضطراب کا سالنامہ ہمارے پیش نظر ہے اور اسمیں شبہ نہیں کہ سالنامہ ہر اعتبار سے قابل قدر ہے مضامین کی بوقلمونی ترتیب کی عمدگی اور حسن تقسیم نے رسالہ میں ایک دلکشی پیدا کر دی ہے۔ جس کے لئے اراکین ادارہ قابل مبارکباد ہیں۔ رسالہ کی کتابت طباعت اور کاغذ عمدہ ہے۔ ہمیں توقع ہے کہ اضطراب بہت جلد اردو رسائل کی صف اول میں ممتاز جگہ حاصل کریگا۔

محشر خیال کے قلمی معاونین تمام مضامین کاغذ کی ایک جانب صاف اور خوشخط تحریر فرمایا کریں۔ تاکہ کتابت میں سہولت ہو سطروں کے درمیان ایک سطر کے برابر فاصلہ چھوڑیں تاکہ ترمیم آسانی سے ہو سکے۔ (ادارہ)

10,000 دس ہزار روپیہ کی گھڑیاں مفت



ہماری کمپنی نے اپنی تین مشہور فائدہ مند دوائیوں کی مشہوری کیلئے ہر شیشی کے خریدار کو ایک فینسی میوٹ رسٹ واچ اور ایک تولہ سونا پیرس نیو گولڈ مفت دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ جلدی کریں اور فائدہ حاصل کریں۔

بال عمر بھر نہیں اُگتے

ہماری مشہور دوائی امی جوہر حسن کے لگانے سے ہر جگہ کے بال بغیر کسی تکلیف کے ہمیشہ کیلئے دُور ہو جاتے ہیں۔ اور پھر زندگی بھر دوبارہ اس جگہ بال کبھی پیدا نہیں ہوتے جگہ ریشم کی طرح ملائم نرم اور خوبصورت نکل آتی ہے۔ قیمت ایک روپیہ پندرہ آنے۔ اس اا تین شیشی کی رعایتی قیمت صرف پانچ روپیہ۔ ا۔ اکے اس دوائی کو مشہور کرنے کیلئے ہر شیشی کے ہمراہ ایک فینسی میوٹ رسٹ واچ اور ایک تولہ سونا پیرس نیو گولڈ بالکل مفت بھیجا جاتا ہے۔ یہ سونا دیکھنے میں بالکل اصلی سونے کی مانند ہے اور کسوٹی پر اصلی سونے کا رنگ دیتا ہے۔ اس سے ہر قسم کے زیورات تیار ہو سکتے ہیں۔ ضروری نوٹ۔ مال ناپسند ہونے پر قیمت فوراً واپس کر دی جاتی ہے۔ تین شیشی دوائی کے خریدار کو محصول ڈاک معاف اور تین تولہ سونا اور تین گھڑیاں مفت انعام بھیجی جاتی ہیں۔

بال کالا تیل

اس بال کالا تیل کے استعمال سے بال ہمیشہ کے لئے سیاہ ہو جاتے ہیں اور تمام عمر کالے ہی پیدا ہوتے ہیں بے نظیر سنیاسی تحفہ ہے۔ فائدہ نہ ہونے پر قیمت فوراً واپس ہوگی۔ قیمت فی شیشی ایک روپیہ پندرہ آنہ۔ اسی اا تین شیشی کی رعایتی قیمت صرف پانچ روپے۔ ا۔ اکے اس دوائی کو مشہور کرنے کے لئے ہر شیشی کے ہمراہ ایک فینسی میوٹ رسٹ واچ اور ایک تولہ سونا پیرس نیو گولڈ بالکل مفت بھیجا جاتا ہے۔ یہ سونا دیکھنے میں بالکل اصلی سونے کی مانند ہے۔ اور کسوٹی پر اصلی سونے کا رنگ دیتا ہے۔ اس سے ہر قسم کے زیورات تیار ہو سکتے ہیں (ضروری نوٹ) مال ناپسند ہونے پر قیمت فوراً واپس کر دی جاتی ہے۔ تین شیشی دوائی کے خریدار کو محصول ڈاک معاف اور تین تولہ سونا اور تین گھڑیاں مفت انعام۔

کالے گورے ہو گئے

اگر آپ اپنے چہرہ کا رنگ کالے سے گورا تبدیل کرنا چاہتے ہیں یا اپنے مرجھائے ہوئے چہرہ پر بدنما کالے داغ۔ کیل۔ جھائیاں۔ چیچک کے داغ اور جھائیاں دور کرنے کی خواہش رکھتے ہیں تو ہمارا سائنس کے اصولوں سے تیار کردہ لنڈن بیوٹی لوشن استعمال کریں۔ جس سے آپکے جسم یا چہرہ کا رنگ شرطیہ طور پر کالے سے گورا ہو جائیگا۔ قیمت فی شیشی ایک روپیہ پندرہ آنہ۔ اسی اا علاوہ محصول ڈاک تین شیشی کی رعایتی قیمت صرف پانچ روپیہ۔ ا۔ اکی اس دوائی کو مشہور کرنے کے لئے ہر شیشی کے ہمراہ ایک فینسی میوٹ رسٹ واچ اور ایک تولہ سونا پیرس نیو گولڈ بالکل مفت بھیجا جاتا ہے۔ یہ سونا دیکھنے میں بالکل اصلی سونے کے مانند معلوم ہوتا ہے۔ اور کسوٹی پر اصلی سونے کا رنگ دیتا ہے۔ اس سے ہر قسم کے زیورات تیار ہو سکتے ہیں (ضروری نوٹ) مال ناپسند ہونے پر قیمت فوراً واپس کر دی جاتی ہے۔ تین شیشی دوائی کے خریدار کو محصول ڈاک معاف اور تین گھڑیاں مفت انعام بھیجی جاتی ہیں۔

ملنے کا پتہ۔ لنڈن کمرشل کمپنی۔ پوسٹ بکس نمبر 165 ایم۔ کے۔ ڈی۔ لاہور۔ شہر

علم قیافہ

تقدیر — نمبر ۱۳

مخروطی ہاتھ

مخروطی ہاتھ متوسط ہوتا ہے۔ اس کی ہتھیلی کسی قدر مخروطی، بھرواں، نرم اور ابھری ہوئی ہوتی ہے۔ انگلیاں بھی مخروطی اور کسی قدر نکیلی اور تیسری پورین گدے دار ہوتی ہیں۔

ایسے ہاتھ والے ذہین، طباع، بات کی تہ کو جلدی پہنچنے والے، نہایت باتونی چاپلوس اور نستان ہوتے ہیں۔ منھ سے بات کرنے سے پیشتر مطلب کو سمجھ جاتے ہیں پھر ہر ایک سے بہت جلد گھلا ملا اور بے تکلفی پیدا کر لیتے ہیں۔ آرام طلب، عیش پسند، مد جی تہیے اور زود رنج ہوتے ہیں۔ کسی بات کو سوچتے نہیں۔ جو دل میں آئے کر گزرتے ہیں۔ استقلال اور عزم نہیں ہوتا، جلد باز ہوتے ہیں۔ اُن کی محبت اور دوستی میں قیام نہیں ہوتا۔ غصہ میں جو منھ میں آتا ہے کہہ گزرتے ہیں۔ مگر غصہ دودھ کا ابال ہوتا ہے کستر کینہ نہیں ہوتے۔ ہمدرد اور فیاض مگر جہاں ان کے آرام میں خلل پڑے تو خود غرض ہوتے ہیں۔ حسن پرستی ان کی جبلت میں داخل ہوتی ہے۔ رنج، تکلیف، دکھ درد، المحلاح، بدزاری اور موسیقی سے بہت متاثر ہوتے ہیں۔ جو شخص ان کے دکھ کا شریک ہو اس کے احسان کو بہت مانتے ہیں۔ دلی جذبات، جوش اور ولولے کے آگے کچھ نہیں سوجھتا اسی طرح ذرا سی بات اس قدر مایوس کر دیتی ہے کہ جان تک پر بنا لیتے ہیں۔ (نقشہ نمبر ۱۲)



مخروطی ہاتھ



مخروطی ہاتھ

تخیلی ہاتھ

یہ ہاتھ دیکھنے میں ہی خوبصورت اور نازک ہوتا ہے۔ مگر جہاں تک دنیاوی فوائد کا تعلق ہے۔ بہت بدنصیب ہوتا ہے۔ بناوٹ میں لمبا، پتلا، نازک اور خشک ہوتا ہے۔ انگلیاں نہایت گاؤدم، لمبی اور ناخن بادام نما ہوتے ہیں۔

خیالی دنیا ان کا مسکن اور امید موہوم ان کی پشت و پناہ ہوتی ہے۔ یہ لوگ جتنا منکسر المزاج اور حلیم الطبع ہوتے ہیں اسی قدر تنک مزاج، جلا تن اور غصیل بھی ہوتے ہیں مزاج کے بہت سیدھے اور بھولے بھالے، جہاں کسی نے مہربانی اور محبت سے بات کی اور پسیجے، دوستی اور محبت میں تن من دھن سب قربان کر دیتے ہیں۔ لیکن جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس پردہ میں انہیں بیوقوف بنایا گیا ہے۔ یا تجربہ سے ثابت ہو جاتا ہے کہ دوستی یا محبت دھوکہ کی ٹٹی تھی۔ تو بہت برا مانتے اور لال پیلے ہوتے ہیں۔ خیالی امداد یا فائدہ کی توقع میں ہمیشہ نقصان اور تکلیف اٹھاتے ہیں۔

دوسروں پر مزوحت سے زیادہ بھروسہ کر لیتے ہیں اور ناممکن توقعات باندھ لیتے ہیں۔ عموماً مذہبی ہوتے ہیں اور ان پر روحانیت کا رنگ فلسفی ہاتھ والے سے بہت زیادہ چڑھا رہتا ہے۔ اتفاقی قوت ان میں موجود ہوتی ہے اور کشاف ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ موسیقی، رنگ، حسن اور قدرتی مناظر کا دل و دماغ پر بہت اثر ہوتا ہے۔ خیالی امیدوں اور سستی کی وجہ سے کسی شعبہ میں کامیابی و تکمیل نہیں ہوتی۔ لیکن فنون لطیفہ یعنی موسیقی مصوری، شاعری، مضمون نویسی وغیرہ کی صلاحیت ضرور ہوتی ہے۔ دنیاوی جد و جہد میں ناکامی اور مایوسی انہیں مغموم اور بیدل بنا کر زندگی کو بیکار بنا دیتی ہے۔ جہاں تک دنیاوی معاملات کا تعلق ہے یہ لوگ عزت اور دولت کی دوڑ میں پیچھے رہتے ہیں، عاقبت اور زندگی کے راز نہاں کا خوف انہیں اکثر ستاتا رہتا ہے۔ فال نجوم، جادو ٹونے اور ٹوٹکے پر بہت اعتقاد ہوتا ہے۔

(نقشہ ۱و۲)



ہتھیلی ہاتھ ۱



ہتھیلی ہاتھ ۲

رباعی

مزاج میں جبر ہو نہیں سب آزادی
سمجھے پہ زبر بھی نہیں آزادی
ساون کی دھواں دھار گھٹاؤں سے بھی
ہاں خوب برس برس برس اے آزادی

نہال سیوہاروی

جھوٹ بولنا حرام ہے

خدا کے کلام کی برکت سے فائدہ اٹھایئے

یہ کوئی پوشیدہ بات نہیں ہے۔ خدا کے کلام کی عظمت اور اس کے محیر العقول معجزے کون بشر ہے جو نہیں جانتا۔ اور کون ایسا دیندار ہے جو کلام آلہی کے فیضان سے انکار کرے میں ایسے ہی پکے عقید تمندوں سے مخاطب ہوں۔ جن کو خدا کے کلام کے ایک ایک حروف اور ایک ایک سطر میں جمال دین و دنیا نظر آتا ہے۔ آج میں ایسے ہی نلورات آپکے سامنے پیش کر رہا ہوں جن کے لئے میں نے محنت خوشامد اور روپیہ سے دریغ نہیں کیا۔ اور انکو حاصل کرنے کیلئے گدائی مول لی۔ مگر آج ان گوہر بے بہا یعنی سینہ کے رازوں کو آشکارا کر رہا ہوں اور چاہتا ہوں کہ ہر ضرورتمند بہن اور بھائی ان سے فائدہ حاصل کر کے مجھکو دعائے خیر سے یاد کرے۔ میرے پاس حسب ذیل نقش و تعویذ ہیں جن کو قلیل ہدیہ میں پیش کر رہا ہوں جن کو میری قسم کا اعتبار ہو گا وہ منگا کر اپنی دلی مرادوں کو پالیں۔ انشاء اللہ ہر کام میں کامیابی ہوگی۔ تمام نقش و تعویذ دی پی کے ذریعہ لفافہ میں بھیجے جاتے ہیں۔

نقش بشارت اس نقش کو رات کو سوتے وقت سرہانے رکھ دینے سے ہر اچھے بُرے کام کی بشارت دیتا ہے۔ اور خواب میں یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کام کو کرنے میں فائدہ ہوگا یا نقصان صحیح بشارت سوتے میں ہوتی ہے۔ بڑا عجیب نقش ہے۔ ہدیہ ایک روپیہ دس آنے۔

تعویذ دولت مفلسی ایسی بُری بلا ہے کہ جس پر گھیرا ڈال دیتی ہے بس ساری تدبیریں ناکام ہوتی چلی جاتی ہیں۔ بزرگوں کی محنت کا ثمر اس تعویذ متبرک میں بند ہے۔ جو شخص بھی اسکو اپنے روپیہ پیسے میں رکھ لیتا ہے اس کی دولت میں ترقی اور مفلس اپنے پاس رکھ لے تو تونگری مل جاتی ہے۔ غیب سے روزی کے سامان ہوتے ہیں تجارت میں کامیابی بے معلوم طریقے سے ہوتی ہے۔ ہدیہ ایک روپیہ چار آنے۔

محبت کا تعویذ کتنے دل ہیں جو محبت کرنے کے لئے بے تاب ہیں۔ اور کتنے گھر ہیں جو محبت کیلئے ترستے ہیں۔ محبت خواہ کسی سے ہو۔ مرد، عورت، میاں بیوی بہن بھائی، دوست رشتہ دار یا جس کسی سے محبت ہو اس کو اپنا بنا لو۔ اس تعویذ معظم کو اپنے بازو پر چند روز باندھ لو اور شان کریمی دیکھ لو۔ بس ایسا معلوم ہوگا کہ کچے دھاگے میں چلے آئیں گے سرکار بندہ ہے۔ ہدیہ ڈھائی روپے (دعہ)

ملنے کا پتہ:۔ **نواب میاں شاہ صاحب عامل چھتہ حکیم آغا جان م۔ ح۔ دہلی**

بزم شعرا

سمجھے!

(از جناب حباب ترمذی)

حسینوں میں تجھے ہم زینت بزم جہاں سمجھے
کہ جیسے چاند کو تاروں میں شاہ آسماں سمجھے

کبھی تجھ کو یہاں سمجھے کبھی تجھ کو وہاں سمجھے
نشاں ملتے رہے پھر بھی تجھے ہم بے نشاں سمجھے

فلک کو ہم زمیں سمجھے زمیں کو آسماں سمجھے
تجھے کب ہم نے پہچانا تری قدرت کہاں سمجھے

یہاں اٹکھیلیاں کرتے ہوئے بادل نظر آئے
تو اُن کو ہم کسی بیکس کے نالوں کا دھواں سمجھے

جبیں کی اک شکن میں سیکڑوں اوصاف پنہاں تھے
کبھی شمشیر سمجھے اور کبھی ہم کہکشاں سمجھے

کسی بے درد نے جب جان پر ظلم و ستم توڑے
ہم اُن کو بےخودیٔ شوق میں نازِ بتاں سمجھے

جسے دیکھو یہاں آکر جبیں پر خاک ملتا ہے
ترے کوچے کو ہم تو سجدہ گاہِ دو جہاں سمجھے

گزرنے کر زبر کے تاروں نے کچھ کچھ اشکباری کی
فلک پر ہم کسی غمگیں کو سرگرمِ فغاں سمجھے

گیا لیکر جو نامہ بر تو نامہ چاک کر ڈالا
وہ عنواں دیکھتے ہی دردِ دل کی داستاں سمجھے

نیازِ عشق پہ جو کچھ ہے سب تیری کرامت ہے
جفاؤں کو ہم اُن کی التفاتِ بیکراں سمجھے

کہیں پر ناگہاں اُن کے گلے کا ہار گر ٹوٹا
جہاں پر پھول بکھرے اسکو صحنِ گلستاں سمجھے

کمائی عمر بھر کی چار تنکے اور سب دشمن
کوئی ایسا نہیں جو آشیاں کو آشیاں سمجھے

حباب پر جوش کالی گھٹا نے اشارہ جب کیا ہم نے — تو تیری ذات کو ہم بلبلِ ہندوستاں سمجھے

میرا افسانہ

(از جناب ناز نگرامی)

ایک اونیٰ سا یہ اعجازِ دلِ دیوانہ ہے
آج تک سب کی زباں پر قیس کا افسانہ ہے

تیرے دیوانہ کا ہر انداز اب رندانہ ہے
ہر قدم پر چال میں اک لغزشِ مستانہ ہے

دیکھنا ہو جس کو بربادی کا نقشہ دیکھ لے
آشیاں کا ایک اک تنکا میرا افسانہ ہے

یوں تو کہنے کے لئے میں عمر کہتا رہوں
جس قدر وہ سن سکیں، اتنا میرا افسانہ ہے

بے حجابانہ ہوئے ہیں جلوہ فرما بام پر
عرصۂ محشر کا نقشہ کوچۂ جانانہ ہے

کشمکش میں جان ہے ربِ زندگی یارب خیر ہو
چشمِ ساقی کے مقابل گردشِ پیمانہ ہے

شعر کہنا بھی جنوں سے کم نہیں میرے لئے
سننے والے سب کہیں گے نازؔ اک دیوانہ ہے

جوانی کی لغزشیں

(از حضرت مولانا ذاکر حسین صاحب عابد - بجنوری)

اب اُن سے ملنے کا پہلو نظر نہیں آتا — کوئی اُدھر نہیں جاتا اِدھر نہیں آتا
بہارِ خرمنِ ہستی میں آگ لگ جائے — میری طرف کوئی ایسا شرر نہیں آتا
زمانہ ہے کہ تغافل میں ٹال دیتا ہے — وہ ایک وقت جو پھر عمر بھر نہیں آتا
مریضِ ہجر کی حالت سنی نہیں جاتی — سنا ہے ہوش بھی دو دو پہر نہیں آتا

فریبِ دل ہیں جوانی کی لغزشیں عابدؔ
یہ وقت وہ ہے کہ جو عمر بھر نہیں آتا

کھلنا کم کم کلی نے سیکھا ہے — اسکی آنکھوں کی نیم خوابی سے

ہائے کیا کیا!

(از جناب ایس معین الحسن صاحب بی۔ اے)

توڑ کے تجھ سے عہد کیا ہائے کیا کیا — نشترِ سادلی کے پار کیا ہائے کیا کیا
دل وقفِ انتظار کیا ہائے کیا کیا — وعدے پہ اعتبار کیا ہائے کیا کیا
نقشِ وفا کو پھول سمجھ کر اٹھا لیا — ناوک سے دل پہ وار کیا ہائے کیا کیا
اب کیا رہا جو پہلے سے التفات تجھ پہ ہوں — جاں نذر، دل نثار کیا ہائے کیا کیا
اک بیوفا کی یاد میں ہائے گریۂ فراق — آنکھوں کو سوگوار کیا ہائے کیا کیا
انجامِ کارِ عشق سے واقف تھا اے صنم — اس پر بھی تم کو پیار کیا ہائے کیا کیا
وہ پھول جن میں بوئے وفا نام کو نہیں — اُن کو گلے کا ہار کیا ہائے کیا کیا
دل کی لگی کا دیکھ چکے بارہا مآل — یہ جرم بار بار کیا ہائے کیا کیا
ہے جانفزا روشوں نے کسی گلعذار کی — نظروں میں سب کی خوار کیا ہائے کیا کیا
اپنا تھا اک شفیق شریکِ غمِ فراق — وہ دل بھی نذرِ یار کیا ہائے کیا کیا

صدائے بیدل

(از حضرت بیدل)

زینتِ آغوش ہے وہ اور پھر روپوش ہے — بے نیاز ہوش ہوکر بھی آشنا ہوش ہے
بے خبر اپنے سے ہوں دنیا مری مدہوش ہے — آپکو بھولا نہیں باقی بس اتنا ہوش ہے
گذشتہ بیداد کوان کی جفائیں یاد ہیں — بات کہنے کی نہیں بس اسلئے خاموش ہے
آج دل کچھ اسطرح تڑپا کہ وہ بھی رو دئے — دیکھنے میں ہے تو دیوانہ مگر ذی ہوش ہے
تیرے جلوے منتشر ہیں ساری دنیا میں مگر — بھید یہ کھلتا نہیں تو کس لئے روپوش ہے
بات کیا ہے جو ترے کوچے میں ہر مشتاق دید — سر ہتھیلی پر لئے ہے اور کفن بردوش ہے
طاقتِ فریاد ہے شکوہ بھی سارے یاد ہیں — پر وفا کمبخت جو ہر لب پر خاموش ہے
سنبھل سکتی نہیں اک تیری نظر میں ساقیا — بے پئے متوالہ تیرا ہر گھڑی مدہوش ہے
ہر نفس کو پیامِ عشق تھے بیدل اک صدا — اب نہیں معلوم کیوں دنیائے دل خاموش ہے

"گلبانگِ رعنا"

(از جناب عبد العلیم صاحب رعنا اسسٹنٹ سکریٹری بزم ادب امریا)

ہے پیشِ نظر جلوۂ زیبا کئی دن سے — میں دیکھ رہا ہوں یہ تماشا کئی دن سے
مہمان ہے وہ جانِ تمنا کئی دن سے — ہے گھر کا عجب اور ہی نقشا کئی دن سے
اللہ رے! یہ شورشِ جذبات کا عالم — ہے دل میں مرے حشر سا برپا کئی دن سے
وحشت آہ! یہ دیوانگیِ شوق کا شاید — میں دیکھتا ہوں خواب میں صحرا کئی دن سے

دنیا کی خبر ہے نہ اسے دین کی خبر ہے
جیرت زدہ ہے کھویا ہوا رعنا کئی دن سے

راز کی باتیں

برباد ہوئے دو دلوں حسن ستم آرا سے — دل اسکی تمنا سے ہیں دل کی تمنا سے
مٹ جائے خلشِ دل کی اب فکرِ تمنا سے — ہو جائے سکوں مجھکو اٹھ جاؤں جو دنیا کو
محروم کیا مجھ کو توفیقِ تماشا سے — اتنا ہے مجھے شکوہ حسنِ چمن آرا سے
مجبور ہوئے ملامت ہے اور شوق کے سجدہ میں — مجبور ہوں الفت میں اتنا دلِ شیدا سے
ذرّوں کو تصوّر سے آئینہ بنا ڈالوں — سو حسن کروں پیدا ایک ایک تمنا سے
امید وفا کیسی دنیا سے محبت میں — بیکار نتیجہ کیا پھرتے ہو جو رسوا سے
پھر شکوۂ اثر ہیں شاید زاہد تری توبہ کے — ظاہر یہی ہوتا ہے جوشِ مئے مینا سے
دل میرا پریشاں ہے آنکھیں مری حیراں ہیں — اندازِ تغافل سے اندازِ تماشا سے
دل ان کے تغافل سے معمور ہے شکووں سے — میں مجرمِ الفت ہوں اس دل کی تمنا سے
پھوٹے چلے جاتے ہیں لمحات محبت کے — بگڑی ہوئی تقدیروں کے ہر پردۂ ایما سے
خاموش ہیں دیوانے یوں زیبِ لبِ گویا ہوں — یہ راز کی باتیں ہیں کہتے نہیں دنیا سے

عکسِ کوکب

(از جناب کوکب)

وحشت نے مشکلات کو آساں بنا دیا — صحرا کا ذرّہ ذرّہ گلستاں بنا دیا
مژداں کبھی، کبھی سبب مجھے گریاں بنا دیا — جو کچھ بھی تو نے چاہا مری جاں بنا دیا
کوئی جہاں میں اب مجھے پہچانتا نہیں — کیا حال تو نے ایک غمِ جاناں بنا دیا
جب چھائیں ہجر میں شب یلدا کی ظلمتیں — داغوں کو دل کے شمعِ شبستاں بنا دیا
تیری نگاہِ لطف نے اے جانِ آرزو — انسان بنا دیا مجھے انساں بنا دیا
میری وفا شعار طبیعت کے ذوق نے — تجھ کو جفا پسند مری جاں بنا دیا
اف شوقِ دید تیری تلوّن مزاجیاں — ارماں کو یاس، یاس کو ارماں بنا دیا
کیا حسیں فریب ہے دیکر پیامِ شوق — تم نے تو میری موت کا ساماں بنا دیا
کوکب یہ اُن کے حسنِ تبسم کا فیض ہے — اُن کی عنایتوں نے غزلخواں بنا دیا

ذوقِ ناکام

(محترمہ خاتون سعیدالنسا بیگم صاحبہ)

ادھر تھا فہم کا پردہ ادھر حجاب نہ تھا — یہاں نقاب تھا، لیکن وہاں نقاب نہ تھا
جمالِ رخ میں کشش جس نے آنکھ پیدا کی — وہ حسنِ عشق تھا میرا، ترا شباب نہ تھا
پہنچ سکا سرِ منزل نہ خواب میں بھی کبھی — سبب یہ ہے کہ مرا ذوق کامیاب نہ تھا
فلک دہر کی ہر چیز مسکرا اٹھی تھی!! — ہمارے ضبطِ تبسم میں انقلاب نہ تھا

میرے تغیر حال پر مت جا — اتفاقات ہیں زمانے کے

آپ کا گھر چمن بن جائیگا

اختر بہن! تمہارے گھر میں اب کے سے یہ بہار کہاں سے پھوٹ پڑی۔ جدھر دیکھو گل گلزار کھلا رکھا ہے۔ تکیوں پہ خوبصورت پھول، پلنگ کی چادر پہ دلکش بوٹے، ننھے کی فراک پر رنگین گلدستے اور خود تمہارے اپنے کرتے دوپٹے پہ دیدہ زیب بیلیں۔ آخر یہ گھر اس طرح باغ و بہار کیسے بن گیا۔ اب تو دولہا بھائی کا دل بھی گھر میں خوب لگتا ہوگا۔ ایسے چمنستان میں سے جانے کو کس کا دل چاہے۔ بہن ذرا مجھے بھی تو بتاؤ تم ایسی سگھڑ دلہن کب سے بنیں۔

اختر اپنی چنچل سہیلی جمیلہ کی باتیں سنکر ہنس پڑی۔ اور کہنے لگی کیا تمہیں نہیں معلوم دفتر رسالہ خاتون مشرق نے ایک بڑی اچھی

کتاب مشرقی کشیدہ کاری

چھاپی ہے۔ اسے ادیبہ ہند رضیہ سلطانہ بیگم چمن دہلوی نے مرتب کیا ہے اور اپنے نام کی مناسبت سے واقعی اس میں چمن کھلا دیا ہے۔ اور ماہر فن گل کاروں نے اسمیں پھول بوٹے اور گلدستے بنانے اور اشعار اور آیاتِ قرآنی لکھے ہیں تو غضب ہی ڈھا دیا گھرداری میں استعمال ہونے والے ہر کپڑے پر کاڑھنے کیلئے اسمیں سینکڑوں قسم کی حسین و جمیل چیزیں ہیں۔ اسی رسالے کے برابر سائز اور سفید چکنے کاغذ پر ڈیڑھ سو صفحے کی موٹی کتاب ہے۔ اردو میں کشیدہ کاری کے متعلق اس شان کی کتاب اب تک نہیں چھپی تھی۔ لیکن جو بہنیں ۲۰ ستمبر سے پہلے اس کی قیمت کا منی آرڈر کردیں گی یا ایک کارڈ کے ذریعہ وی۔ پی منگالینگی ان کو ایک جلد ایک روپیہ چھ آنہ میں، دو جلدیں دو روپے نو آنے میں تین جلدیں تین روپے بارہ آنے میں دیجائیگی۔ ورنہ اُس کے بعد ایک جلد کی پوری قیمت معہ محصول ڈاک ایک روپیہ چودہ آنہ لیجائیگی۔

تو بہن" جمیلہ بولی "اب تو میں بھی وہ کتاب منگا کر اپنے گھر کو چمن بناؤں گی۔ دمشرقی کشیدہ کاری کی فہرست سامنے کے صفحہ پر ملاحظہ کرو

منیجر رسالہ خاتون مشرق اردو بازار دہلی سے منگائیے

ادارہ تحریر
اسرار احمد آزاد
عبدالحق فاروقی

رسالہ محشر خیال دہلی

مدیر
مولانا عبداللہ فاروقی
دہلوی

جلد ۱۴ | بابت ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۴۱ء | نمبر ۳

چندہ سالانہ
ہندوستان، عدن، سیلون سے بذریعہ منی آرڈر دو روپے — برما سے
بذریعہ منی آرڈر دو روپے چار آنے — غیر ممالک سے چھ شلنگ بذریعہ پوسٹل آرڈ

مولانا عبداللہ فاروقی رہا ہوگئے

رسالہ محشر خیال اور خالق اشعر سے نگراں مولانا حافظ عبداللہ فاروقی میعاد سزا پوری ہونے پر اسپیشل جیل گجرات سے دس اکتوبر کو رہا ہوکر گیارہ اکتوبر کی صبح کو دہلی پہونچ گئے ہیں۔

دہلی اسٹیشن پر مجلس احرار اسلام اور کانگریس وغیرہ کے کارکنوں نے آپ کا استقبال کیا۔ اور اللہ اکبر کے نعروں کے ساتھ پھولوں کے ہاروں سے آپ کو لاد دیا گیا۔ اسٹیشن کے باہر رضا کاران نے آپ کو سلامی دی۔ سلامی لینے کے بعد آپ نے ایک مختصر سی تقریر کی اور دفتر محشر خیال میں تشریف لے آئے۔

فاروقی صاحب خوش وخرم اور بخیریت ہیں۔ آپ کے چھوٹے بھائی مسٹر مقیم الدین فاروقی جنرل سکرٹری آل انڈیا اسٹوڈنٹ فیڈریشن پر کلکتہ میں ڈیفنس آف انڈیا رولز کے ماتحت ابھی تک مقدمہ چل رہا ہے۔

جیل کی چار دیواری میں ایک سال بند رہ کر فاروقی صاحب نے "جیل بیتی" کے نام سے ایک بہترین کتاب تصنیف کی ہے۔ اس کتاب کے پڑھنے سے ناظرین کو معلوم ہو جائے گا کہ قید خانے کے اندر کیا ہوتا ہے۔ ملزموں کو پھانسی کیسے دی جاتی ہے۔ پھانسی کے ملزم کو کس طرح اور کہاں رکھا جاتا ہے۔ اور اس کی طرف سے رحم کی درخواست کیوں دی جاتی ہے اور پھر وہ درخواست کیوں خارج ہوتی ہے۔ قیدیوں سے چکی کس طرح پسوائی جاتی ہے۔ اور قیدیوں کو کس بیدردی کے ساتھ پیٹا جاتا ہے۔ سیاسی قیدیوں کو کس طرح رکھا جاتا ہے۔ اے۔ بی۔ سی۔ کلاس اور راشن کے کیا قواعد ہیں۔ برسوں تک جیل میں بند رہ کر قیدیوں کی حالت کیا ہو جاتی ہے۔ قیدیوں کو کیسی روٹی ملتی ہے۔ ہاتھوں میں ہتھکڑیاں اور پاؤں میں زنجیریں کیوں اور کب ڈالی جاتی ہیں۔ کمشنر۔ انسپکٹر جنرل۔ ڈپٹی کمشنر۔ سپرنٹنڈنٹ۔ اور وزیر قید خانہ جات اور دوسرے اہلکار گجرات جیل میں بار بار کیوں آتے تھے اور سیاسی قیدیوں سے کیا کیا باتیں کرتے تھے۔ مسٹر آصف علی بیرسٹر ایم۔ ایل۔ اے سنٹرل۔ ممبر کانگریس ہائی کمانڈ۔ اور چودھری کرشن گوپال دت ایم۔ ایل۔ اے ڈپٹی لیڈر پنجاب اسمبلی۔ اور مسٹر فرید الحق انصاری بیرسٹر۔ اور مولانا نور الدین بہاری۔ اور نواب لوہارو کے بھائی سید مطلبی فرید آبادی۔ اور پنڈت منی لال کالیہ ایم۔ ایل۔ اے۔ اور ان لیڈروں کے علاوہ ڈیڑھ سو سیاسی قیدی اس جیل میں کیا کیا کرتے تھے اور کیسے رہتے تھے اور کس کس سیاسی قیدی کو کتنی کتنی سزائیں ہوئیں اور ان تمام کے حالات زندگی کیا ہیں۔ اور خود مولانا فاروقی صاحب نے ایک سال قید خانے میں کیسے گذارا اور ان کو کیا کیا حالات پیش آئے۔ دار الحکومت دہلی میں فاروقی صاحب کیوں گرفتار ہوئے دہلی جیل میں آپ کو کیا واقعات پیش آئے۔ اور گجرات جیل میں کب بھیجے گئے اور معافی مانگنے کا افسانہ آپ سے کیوں منسوب ہوا۔ اور پھر کس جرأت کے ساتھ آپ نے رہائی سے انکار کیا اور پوری سزا برداشت کی۔ ان حالات کے علاوہ "جیل بیتی" میں بعض خفیہ اور اہم راز بھی ظاہر کئے گئے ہیں۔ غیر مطبوعہ سیاسی مضامین اور چند قیدیوں کی دردناک کہانیاں بھی جیل بیتی میں لکھ دی گئی ہیں۔ امید کی جاتی ہے کہ یہ کتاب جیل کی زندگی پر بہت اہم اور دلچسپ ثابت ہوگی۔ عید کے بعد اس کی کتابت شروع ہو جائے گی اور دسمبر میں چھپ جائے گی۔ تقریباً ڈھائی سو صفحات ہوں گے اور قیمت شاید دو روپے رکھی جائے گی۔ (ادارہ)

ناظرین محشر خیال کی خدمت میں

خیال تھا کہ اکتوبر کا محشر خیال پندرہ اکتوبر تک تمام خریداروں کے پاس پہونچ جائیگا لیکن بازار میں کاغذ کی کمی اور سوداگران کاغذ اور کاغذ بنانے والے کارخانوں کی ستم ظریفی سے محشر خیال کا کاغذ دو ہفتہ کی تلاش کے بعد دستیاب ہو سکا ہے۔ اس لئے چھپائی میں ایک ہفتہ کی دیر ہوگئی ہے۔ امید ہے کہ ناظرین کرام ہماری مجبوری کے پیش نظر انتظار کی زحمت برداشت کرلینے کے باوجود ناراض نہیں ہوں گے۔ تعلیم یافتہ غریب مسلمان اور غیر متعصب ہندو بھائی اردو زبان کی ہمدردی میں خواہ آنسو تک بہادیں لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا کہ ہندی رسالے اور اخباروں کے مالکان کو ہندی زبان کے شیدائیوں نے کاغذ کی طرف سے بے نیاز کر دیا ہے۔ لیکن اردو زبان کے رسالوں کی خریداری اور کتابوں کی اشاعت باوجود بار بار درخواست کرنے کے کم سے کم ہوگئی ہے۔ اس سرد مہری کا جو نتیجہ ہوگا وہ ظاہر ہے۔ کاش ہماری درخواست پر خریدار صاحبان میعاد خریداری ختم ہونے پر آئندہ سال کا چندہ منی آرڈر سے خود ہی روانہ کر دیا کریں۔ یا دوسرے سال کے لئے رسالہ کا وی۔ پی وصول کر لیا کریں لیکن اس پر عمل بہت کم ہوتا ہے۔ اور جب وی۔ پی دفتر سے بھیجے جاتے ہیں تو ایک ہزار میں سے پانچ سو واپس آتے ہیں۔ اس طرح دفتر کو سوا سو روپے ماہوار کا مفت میں نقصان ادا کرنا پڑتا ہے۔ جن بھائیوں کو ہماری محنت اور کاوش اور اردو زبان، کے محشر خیال سے ہمدردی نہ ہو اگر وہ میعاد خریداری ختم ہونے پر نمبر خریداری کے ساتھ ایک کارڈ خریداری سے انکار کے لئے سپرد ڈاک کر دیا کریں تو کارکنان رسالہ ایسے بھائیوں کا بھی شکریہ ادا کرنے کے لئے تیار ہیں لیکن اس شکریہ کے ادا کرنے کا بہت سے بھائی موقع ہی نہیں دیتے۔ کاغذ اور سامان طباعت کی گرانی کے باوجود ہم محشر خیال کو بہتر اور دلچسپ بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس ضروری کام میں رسالہ کی خریداری اور سرپرستی میں حصہ لینا آپ کے لئے بھی ضروری ہے۔ (ادارہ)

خیالات

(اسرار احمد آزاد)

ہندوستان اور برطانیہ

اٹلانٹک چارٹر کے بعد

جمہوریہ امریکہ کے صدر مسٹر روز ویلٹ اور برطانیہ کے وزیر اعظم مسٹر چرچل نے بحر اٹلانٹک میں ایک دوسرے سے ملاقات کرنے کے بعد "جنگ کے بعد کی دنیا" کے متعلق جو متفقہ اعلان شائع کیا تھا ہندوستان کے اعتدال پسند اور صلح جو رہنما اس پر بے انتہا خوش تھے لیکن "محشر خیال" کی گذشتہ اشاعت میں اس اعلان کی دفعات کا خلاصہ شائع کرتے ہوئے اس خیال کا اظہار کیا گیا تھا کہ

> مدعیان جمہوریت پسندی کا یہ اعلان اس عہد کی ایک اہم دستاویز ہے لیکن یہ دستاویز میگنا کارٹا ثابت ہو گی یا "ورسلائے کا صلحنامہ"؟ اس سوال کا صحیح جواب مستقبل ہی دے سکیگا۔"

خدا کا شکر ہے کہ دنیا کو اس سوال کا جواب حاصل کرنے کے لئے بہت زیادہ انتظار کی زحمت گوارا نہیں کرنی پڑی اور مسٹر چرچل ہی نے نہایت صفائی کے ساتھ اس بات کا اعتراف کر لیا کہ یہ اعلان

ہندوستان پر اثر انداز نہ ہوگا

مسٹر چرچل کی اس صاف گوئی کے لئے اہل ہند کو ان کا شکر گذار ہونا چاہئے اور ہندوستان کے جو خوش فہم رہنما برطانیہ کی نیک نیتی پر بھروسہ کرتے رہنے کے عادی ہو چکے ہیں انہیں وزیر اعظم برطانیہ کے مذکورہ بالا اعلان سے عبرت حاصل کرنی چاہئے۔ رہا ہندوستان کی آزادی کا مسئلہ تو یہ اس وقت تک حسب دلخواہ طور پر حل نہیں ہو سکتا جب تک ہندوستان کے باشندے استحصال کرنے کا فیصلہ نہیں کر لیں گے اور اپنے اندرونی اختلافات کو دور کر کے اپنی پوری قوت عمل سے کام نہیں لیں گے۔

سر سکندر کا مطالبہ

اٹلانٹک چارٹر کے بعد مسٹر چرچل کے مذکورہ بالا الفاظ نے ہندوستان کے طول و عرض میں جو ناراضگی اور مایوسی پیدا کی ہے اس کا اندازہ اس بات سے نہایت آسانی کے ساتھ کیا جا سکتا ہے کہ پنجاب کے وزیر اعظم سر سکندر حیات ایسے وفادار حکومت برطانیہ کو بھی اس کے خلاف احتجاج کرنا پڑا چنانچہ موصوف نے برطانوی حکومت کو متنبہ کیا ہے کہ اگر

> آئندہ دو تین ہفتہ کے اندر اس نے مسٹر چرچل کے مذکورہ بالا اعلان پر نظر ثانی کر کے ہندوستان کے سیاسی مستقبل کے سلسلہ میں کوئی واضح اعلان نہ کیا تو میں ہندوستان کی تمام سیاسی پارٹیوں سے حکومت کے اس رویہ کے خلاف متحدہ محاذ قائم کرنے کی درخواست کروں گا۔

سر سکندر کے سیاسی عقائد ہمارے عقائد سے بالکل مختلف ہیں لیکن ہمیں مسرت ہے کہ ان کے مذکورہ بالا اعلان کے پس پردہ بھی وہی اسباب کام کرتے ہوئے نظر آ رہے ہیں جنہوں نے حریت خواہ اور آزاد خیال ہندوستانیوں کو برطانوی مدبرین کی جانب سے بالکل بدظن کر دیا ہے۔ وزیر ہند مسٹر ایمری کے ایک تازہ ترین بیان سے یہ بات بھی واضح ہو گئی ہے۔ کہ برطانوی حکومت پر سر سکندر کے اس مطالبہ کا کوئی اثر نہیں ہوا اور حکومت اس معاملہ میں اپنے قدیم خیالات ہی پر قائم رہے گی۔ معلوم نہیں سر سکندر وزیر ہند کے تازہ ترین بیان کے بعد کیا طرز عمل اختیار کریں گے۔ لیکن جہاں تک برطانوی حکومت کے اس غیر جمہوری اعلان کے خلاف متحدہ محاذ قائم کرنے کا تعلق ہے ہمارا خیال ہے کہ ہر ہندوستانی سر سکندر حیات کا ہم خیال ہوگا۔ بشرطیکہ یہ متحدہ محاذ شہنشاہیت کو تقویت دینے کے لئے قائم نہ کیا جائے۔

امریکہ اور ہندوستان

وزیر ہند کے خلاف واقعہ جوابات

اٹلانٹک چارٹر کی اشاعت کے بعد امریکہ کے ذمہ دار افراد نے برطانوی حکومت سے ہندوستان کے سلسلہ میں بعض دلچسپ سوالات کئے تھے جن کے جوابات مسٹر ایمری وزیر ہند نے برٹش براڈکاسٹنگ کمپنی کی معرفت نشر کئے ہیں۔ انہیں سے دو سوال یہ تھے کہ

(۱) کیا یہ درست ہے کہ ہندوستان کی رائے عامہ حاصل کئے بغیر ہندوستان کی شرکت جنگ کا اعلان کر دیا گیا ہے؟

وہ برطانوی حکومت حقیقی معنی میں جمہوریت پسند واقع ہوئی ہے تو وہ ہندوستان کی آزادی کا اعلان کیوں نہیں کر دیتی؟

مسٹر ایمری نے ان سوالات کے جو جوابات دیئے ہیں اُن سے شاید وہ خود یا اُن کے ہمخیال برطانوی مدبر بھی [illegible] مطمئن ہوں تو ہوں لیکن دنیا کا کوئی سمجھدار اور حقیقی جمہوریت پسند شخص مطمئن نہیں ہو سکتا۔ پہلے سوال کے جواب میں مسٹر ایمری نے جو کچھ کہا اس کا خلاصہ یہ ہے کہ

برطانوی حکومت کے اعلان جنگ کے بعد ہندوستان قانونی طور پر خود بخود جنگ میں شریک ہو چکا ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح ولایات متحدہ کے اعلان جنگ کے بعد اوہایو (ولایات متحدہ کی ایک ریاست) جنگ میں شریک سمجھی جا سکتی ہے۔ لیکن جہاں تک ہندوستانی رائے عامہ کا سوال ہے اس کی اکثریت ہمارے ساتھ ہے۔

اس جواب میں مسٹر ایمری نے ہندوستان اور برطانوی حکومت کا موازنہ امریکہ کی ریاستوں اور وہاں کی وفاقی حکومت کے ساتھ کیا ہے لیکن یہ موازنہ کسی لحاظ سے درست نہیں ولایات متحدہ امریکہ کی تمام ریاستیں آزاد ہیں اور ہندوستان برطانیہ کا غلام ان ہر دو حالتوں میں جو فرق ہو سکتا ہے وہ ظاہر ہے۔ بہرحال وزیر ہند کے اس جواب سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ۔

ہندوستان کی شرکت جنگ کا اعلان کرتے ہوئے وائسرائے نے ہندوستان کی رائے عامہ کو بالکل نظرانداز کر دیا تھا۔

ایسی حالت میں وزیر ہند کا یہ دعویٰ کہ ہندوستانی رائے عامہ کی اکثریت ہمارے ساتھ ہے قطعاً غلط ہو جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ برطانوی طاقت و قوت ہندوستانی رائے عامہ سے بے نیاز ہو کر اپنے مقاصد کی تکمیل میں مصروف ہے اور اسی طاقت و قوت کے زیر سایہ مسٹر ایمری دنیا کو یہ یقین دلانے کی کوشش کرتے رہتے ہیں کہ ہندوستان کی رائے عامہ برطانیہ کی ہمنوا ہے لیکن اگر حکومت اس مسئلہ پر رائے عامہ حاصل کرنے کی کوشش کرے تو اس دعویٰ کی حقیقت نہایت آسانی کے ساتھ بے نقاب ہو سکتی ہے۔

فوری آزادی کا سوال

مسٹر ایمری نے دوسرے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا کہ

جنگ کے باعث ہندوستان کے مسئلہ کو حل کرنے کے لیے خاطرخواہ توجہ مبذول نہیں کی جا سکتی پھر ہندوستان میں نوآبادیاتی حکومت کے قیام کا معاملہ خود ہندوستانیوں کے ہاتھ میں ہے۔

بلاشبہ جنگ کی تباہ کاریوں نے تمام دنیا کی توجہ کو اسی فتنہ کی سرکوبی پر مبذول کر رکھا ہے اور دوران جنگ میں کوئی اہم تعمیری کام نہیں کیا جا سکتا لیکن کیا مسٹر ایمری بتلائیں گے کہ ایسے پرآشوب زمانہ میں مسٹر چرچل نے فرانس اور برطانیہ کے قومی اتحاد کی تجویز کس طرح پیش کر دی تھی اور ابھی چند ماہ قبل آزاد فرانس کے ماتحت انہوں نے شام کی کامل آزادی کی پیشکش کیوں کی تھی؟ اگر مذکورہ بالا اعلانات اسی جنگ کے دوران میں کئے جا سکتے ہیں تو ہندوستان کی آزادی کے فوری اعلان میں کیا امر مانع ہے؟ پھر وزیر ہند کو اس حقیقت سے بھی بے خبر نہیں رہنا چاہیئے کہ اس جنگ نے ہندوستان کو بھی اپنے مستقبل کا فیصلہ کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ آج ہندوستان سے جن قربانیوں کا مطالبہ کیا جا رہا ہے اور اس کے بے شمار فرزندوں اور ذرائع و وسائل کو جس طرح جنگ کے جہنم میں جھونکا جا رہا ہے اسے دیکھتے ہوئے ہندوستانیوں کی طبعی خواہش یہی ہو سکتی ہے کہ انہیں ہندوستان کے سیاسی مستقبل کی خوشحالی کا یقین دلایا جائے۔ اگر برطانوی مدبرین ایسا نہیں کر سکتے تو ان کی جمہوریت پسندی کے تمام دعوے باطل ہیں اور دنیا زیادہ عرصہ تک اس فریب میں مبتلا نہیں رہ سکتی۔

کانگرس کی سرگرمیاں

گاندھی جی کی مضحکہ خیز باتیں

گاندھی جی کانگرس کے ڈکٹیٹر ہیں اور کانگرس ہندوستان کی واحد سیاسی نمائندہ جماعت اس لئے موجودہ جنگ کے آغاز میں ستیہ گرہ کی تحریک شروع کرتے ہوئے اگر کانگرس کے رہنماؤں اور ہندوستان کے باشندوں نے گاندھی جی کے متعلق یہ رائے قائم کی تھی کہ وہ اس موقع نازک میں ملک کی صحیح رہنمائی کر سکیں گے تو اس پر تعجب نہیں کرنا چاہیئے۔ البتہ تعجب کی بات یہ ہے کہ گاندھی جی ایسی ایسی مضحکہ خیز باتیں کر رہے ہیں جو سیاسیات کے کسی مبتدی سے بھی سرزد نہیں ہو سکتیں۔ حال ہی میں آپ نے چرخہ سنگھ یا کسی اور تجارتی ادارہ کے اس سوال کے جواب میں کہ وہ فوجی سپاہیوں کے ہاتھ کمبل فروخت کر سکتے ہیں یا نہیں انہیں ایسا کرنے کی نہ صرف اجازت ہی دیدی ہے بلکہ ان کے مقلد اچاریہ کرپلانی جنرل سکرٹری آل انڈیا کانگرس کمیٹی نے ملک کے اس حکم کی توضیح کرتے ہوئے یہاں تک بھی کہہ دیا ہے کہ فوجی ضرورتوں کے لئے سامان مہیا کرنا ستیہ گرہ کے منافی نہیں۔ اور تمام تجارتی ادارے ستیہ گرہ کی پابندی سے مستثنیٰ ہیں۔ گاندھی جی کے اس حکم اور اچاریہ کرپلانی کی تشریح کا صاف مطلب یہ ہے کہ تجارتی اعتبار سے جنگ میں برطانیہ کی امداد کرنا کوئی بری بات نہیں۔ لیکن دیکھنا چاہیئے کہ جنگ میں امداد کے طریقے کیا کیا ہو سکتے ہیں۔ اور سپاہیوں کے لئے سامان بہم پہنچانا ان طریقوں میں شامل ہو سکتا ہے یا نہیں؟

امداد کے طریقے

ہر شخص جانتا ہے کہ جنگ میں سپاہیوں کی ضرورت ہوتی ہے، سپاہیوں اور خود جنگ کے لئے کپڑا، غلہ، لوہا، تیل، کوئلہ اور کاریگر درکار ہوتے ہیں اور ان سب چیزوں کو حاصل کرنے کے لئے عوام کا تعاون اور روپیہ کی ضرورت پیش آتی ہے۔ کانگریس نے اپنی اس تجویز میں جس کی رو سے وہ موجودہ جنگ سے بےتعلق ہے، اہل ملک سے اس بات کا مطالبہ کیا تھا کہ وہ شہنشاہیت پسندوں کی اس جنگ میں کسی قسم کی امداد نہ دیں لیکن کیا معمولی سی عقل رکھنے والا کوئی شخص بھی یہ کہہ سکتا ہے کہ گاندھی جی جس طریقہ کو تجارت قرار دیتے ہیں اس سے برطانیہ کو جنگ میں امداد نہیں ملتی اور یہ طریقہ امداد کے دوسرے طریقوں سے خارج ہے جس مقصد کے لئے آج ملک کے ہزارہا فرزند عارضی اور مستقل قید خانوں میں نظربند اور مقید ہیں افسوس ہے کہ آج وہ مقصد گاندھی جی ہی کے ہاتھوں مجروح ہو رہا ہے۔ اور آج برطانوی حکومت نے ہندوستان کے متعلق جو رویہ اختیار کر رکھا ہے اس کے پس پردہ بھی گاندھی جی اور ان کے تجارت پیشہ مقلدین کی حرکات ہی کام کر رہی ہیں۔ آج گاندھی جی کے اثر و اقتدار کے سامنے لوگ خواہ کچھ بھی کہیں لیکن یہ واقعہ ہے کہ اب گاندھی جی کی حیثیت ایک ادنیٰ درجہ کے اعتدال پسند رہنما سے زیادہ نہیں رہی اور ملک کے مستقبل کی قیادت ان کے سپرد کرنا ایک خطرناک غلطی ہوگی۔

پارلیمنٹری جد و جہد

اڑیسہ کے وہ کانگریسی رہنما جو ابتک اس صوبہ میں کانگریسی تحریکات کے مرکز بنے رہے تھے اب کانگریس کے فرمان کے خلاف اڑیسہ میں وزارت قائم کرنے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ مسٹر ستیہ مورتی جو مرکزی اسمبلی میں کانگریس پارٹی کے ڈپٹی لیڈر ہیں جیل سے رہا ہونے کے بعد مسلسل اس بات کا پروپیگنڈا کر رہے ہیں کہ کانگریس کو وزارتیں قبول کر لینی چاہئیں۔ اور ایک اطلاع سے معلوم ہوتا ہے کہ گاندھی جی نے انہیں خرابیٔ صحت کی بنا پر دوبارہ جیل جانے سے مستثنیٰ کر دیا ہے۔ اور شاید انہیں اس بات کی اجازت بھی دیدی جاتی کہ وہ اہل ملک کو اپنا ہمنوا بنانے کے لئے پروپیگنڈا کرتے رہیں۔ کانگریس کی موجودہ لیڈرشپ نے اس جنگ کے آغاز سے جو ناقابل فہم ہی نہیں بلکہ نقصان دہ طریقہ کار اختیار کر رکھا ہے۔ کانگریسی رہنماؤں کا موجودہ ذہنی انتشار اسی کا قدرتی نتیجہ ہے۔ اور آج ہر کانگریسی موجودہ حالات سے نامطمئن اور پریشان ہو کر کسی نہ کسی نئے راستہ کی تلاش میں مصروف ہے۔ لیکن جیسا کہ میں نے گذشتہ مہینہ کے خیالات میں عرض کیا تھا اس وقت وزارتوں کے قیام کا کوئی فائدہ نہیں اور اگر کانگریس نے اس سلسلہ میں کوئی قدم اٹھایا تو یہ ملک کے ان سرفروش اور ایثار پیشہ نوجوانوں اور سیاسی کارکنوں کے ساتھ کھلی ہوئی غداری ہوگی جو کانگریس کے فرمان کے مطابق قید خانوں کی مصیبتیں برداشت کر رہے ہیں۔

تقریر کی آزادی

گاندھی جی ستیہ گرہ کی موجودہ تحریک کو محض تقریر کی آزادی حاصل کرنے پر مبنی قرار دیتے ہیں اور حال ہی میں مسٹر ستیہ مورتی کو ان کے خیالات کی اشاعت کی اجازت کے سلسلہ میں جو خبر موصول ہوئی تھی اس میں بھی اشارۃً اس بات کو واضح کیا گیا تھا کہ کانگریس جو خود آزادیٔ تقریر کے حصول کے سلسلہ میں جد و جہد کر رہی ہے دوسروں کو اس حق سے محروم نہیں کر سکتی بلاشبہ گاندھی جی اور ان کے کٹر مقلدین کا یہ خیال مبارک ہے لیکن کیا اس کا اطلاق مسٹر ستیہ مورتی ہی پر کیا جائے گا اور کیا کانگریس کے دوسرے رہنما اور سیاسی پارٹیاں اس مبارک خیال کے دائرے سے باہر ہی رہیں گی؟ کانگریس میں بےشمار ایسے لوگ موجود ہیں جو گاندھی جی کے طریقۂ کار کو درست نہیں سمجھتے اور گاندھی جی اس بات سے اچھی طرح واقف بھی ہیں لیکن انہوں نے اب تک کسی شخص کو اس کے خیالات کی اشاعت کی اجازت نہیں دی اور ہر شخص کو جس نے اس غیر جمہوری طرز عمل کے خلاف آواز بلند کی کانگریس سے خارج کر دیا گیا۔ بہرحال ہمیں اس بات پر تو کوئی مسرت نہیں کہ گاندھی جی سیاست کے موجودہ پرآشوب دور میں مسٹر ستیہ مورتی کو حکومت کے ساتھ تعاون پسندی کا پروپیگنڈا کرنے کی اجازت دے رہے ہیں البتہ اس بات پر مسرت ہے کہ اگر ان کا یہ فیصلہ تبدیل نہ ہو گیا تو اس سے کانگریس کی دوسری سیاسی پارٹیاں بھی فائدہ اٹھا سکیں گی۔

فسادات

تقریب یا تخریب؟

ہمارے ملک میں اجتماعی مسرت کا ہر موقعہ رنج و مصیبت کا موقعہ ثابت ہوتا ہے اور ہر قومی تقریب ہماری تخریب کا پیش خیمہ بن جاتی ہے۔ عیدین پر ہمیں فسادات برپا ہو جانے کا اندیشہ لاحق رہتا ہے اور ہولی اور دسہرہ کے تہوار ہمارے لئے مصیبت بن کر آتے ہیں۔ غرضکہ کوئی وقت اور موقعہ ایسا نہیں ہوتا کہ ہندو مسلم فساد کا اندیشہ نہ ہو یا فساد نہ ہو جائے۔ لیکن تعجب ہے کہ ہمارے رہنما اس کشمکش کو دور کرنے کی طرف عملاً کوئی توجہ مبذول نہیں کرتے صرف اس قدر بلکہ اپنے کسی نہ کسی قول یا فعل سے ان مناقشات کو بڑھانے میں مصروف نظر آتے ہیں۔ اس لئے اس معاملہ میں ان رہنماؤں کو مخاطب کرنے کی بجائے ہم اس ملک کے تمام ہندوؤں اور مسلمانوں سے عرض کرنا چاہتے ہیں کہ گذشتہ بیس سال میں جس قدر فسادات اور خونریزیاں ہوئیں ان سے ہندوؤں یا مسلمانوں کو کیا فائدہ پہنچا، کس کس مقام سے مسلمانوں نے ہندوؤں کو یا

ہندوؤں نے مسلمانوں کو نکال دیا اور کہاں کہاں ہندوؤں یا مسلمانوں کی حکومتیں قائم ہوگئیں؟ اسکے برعکس ہزاروں انسان مارے گئے، جو تباہ ہوئیں اور بچے یتیم ہوگئے پھر اسی قدر نہیں بلکہ مقدمات چلے، بہت سے ناکردہ گناہ انسانوں کو قید اور پھانسی کی سزائیں ملیں، اور آج تک بہت سے خاندان بے یار و مددگار پھر رہے ہیں۔ ان ہنگاموں کی تہہ میں فرقہ پسند رہنماؤں کا ہاتھ ہے یا حکومت کا لیکن عوام کو سمجھنا چاہیئے کہ نقصان ان کا ہے فرقہ پسند رہنماؤں یا حکومت کا نہیں اس لئے انہیں ہی فسادات سے بچنا ہی چاہیئے۔

اسلامی ممالک

ترکی اور جرمنی کا معاہدہ

ترکی اور جرمنی کے مابین جس تجارتی معاہدے کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی وہ مکمل ہوچکا ہے۔ اس معاہدہ کی رو سے ترکی ۱۹۴۱ء اور ۱۹۴۲ء میں ہر ہفتہ ہزار ٹن کروم مہیا کرے گا۔ اور جرمنی اس کے معاوضہ میں اٹھارہ ملین ترکی پونڈ کی قیمت کا سامان دیگا۔ یہ معاہدہ ترکی اور جرمنی کے درمیان خوشگوار تعلقات کا ایک ثبوت ہے اور اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ترکی نے موجودہ جنگ میں غیر جانبدار رہنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ وہ بدستور اس پر قائم ہے اور آئندہ کے لئے بھی غیر جانبدار ہی رہنے کی کوشش کر رہا ہے۔ گذشتہ دنوں اس بات کا اندیشہ پیدا ہوگیا تھا کہ جرمنی کا کیشیا پر حملہ کرنے کے لئے کہیں ترکی سے نہ الجھ جائے۔ لیکن جنگ کی موجودہ رفتار کے پیش نظر اس قسم کا کوئی اندیشہ نہیں رہا۔ جہاں تک ترکی کے مستقبل کا تعلق ہے ہم سمجھتے ہیں کہ اس کا تحفظ غیر جانبدار رہنے ہی میں مضمر ہے۔ اور ہمیں یقین ہے کہ اگر حالات میں کوئی ایسا تغیر رونما نہ ہوا جو ترکی کو جنگ میں شرکت پر مجبور کردے تو ترکی غیر جانبدار ہی رہے گا۔

ایران

بین الاقوامی حالات کی پیچیدگیوں کے باعث ایران میں جو کچھ پیش آیا وہ ہر اعتبار سے قابل مذمت اور باعث افسوس ہے۔ ایران کے سابق حکمران رضا شاہ پہلوی ہمیشہ اپنے ملک کی ترقی اور اصلاح کے لئے جدوجہد کرتے رہے لیکن موجودہ پیچیدگیوں نے انہیں ایران سے چلے جانے پر مجبور کردیا بہرحال ہمیں اس بات پر مسرت ہے کہ ایران کے موجودہ حکمران نے اس وقت تک جو احکام اور اصلاحات نافذ کی ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے پیشرو کے مقابلہ میں زیادہ جمہوریت پسند واقع ہوئے ہیں اور اگر ان کا یہ جذبۂ جمہوریت پسندی بیدار رہا تو ایران بہت جلد سیاسی اور معاشرتی ترقی کرسکے گا۔ ایران کے متعلق بعض ذرائع سے یہ اطلاع بھی موصول ہوئی تھی کہ اشتراکی روس کی حکومت ایران کے اس علاقہ میں جہاں فی الحال روسی فوجیں مقیم ہیں، اشتراکی حکومت قائم کرکے اسے اشتراکی روس میں شامل کرنے کی کوشش کر رہی ہے لیکن اول تو اشتراکی روس کی حکومت اس خبر کی تردید کرچکی ہے دوسرے اس قسم کی خبروں پر یقین کرنے اور انہیں شہرت دینے والے لوگوں کو یہ حقیقت سامنے رکھنی چاہیئے کہ اشتراکی روس کی حکومت کسی ملک یا قوم کو انقلاب برپا کرنے یا اشتراکی حکومت قائم کرلینے پر مجبور نہیں کرتی۔ گذشتہ بیس سال کی روسی تاریخ اس حقیقت پر گواہ ہے اور ایران ہی وہ سب سے پہلا ملک ہے جس کے مقبوضہ علاقہ کو اسی اصول کے ماتحت جنگ عظیم کے بعد روس نے آزاد کیا تھا۔

افغانستان

گذشتہ دنوں یہ خبر بھی موصول ہوئی تھی کہ ایران کی طرح برطانوی اور روسی حکومتیں افغانستان میں بھی اپنی فوجیں بھیجدینا چاہتی ہیں لیکن سرکاری طور پر اس خبر کی بھی تردید کردی گئی تھی۔ اس سلسلہ میں اس بات کو فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ اشتراکی روس کو افغانستان میں اپنی فوجیں بھیجنے کی کوئی ضرورت نہیں روس کا کوئی علاقہ افغانستان سے ملحق نہیں اس لئے اسے افغانستان میں فوجیں بھیجنے سے کوئی فائدہ نہیں پہونچ سکتا۔ البتہ اگر کبھی اس قسم کا کوئی قدم اٹھایا گیا تو وہ برطانیہ کی جانب سے ہوگا۔ لیکن وہ قدم غلط ہوگا یا صحیح فی الحال اس پر بحث کرنا بے سود ہے۔ اس بات کا فیصلہ وہ حالات کریں گے جن کے ماتحت یہ قدم اٹھایا جائے گا۔

روس کا مسئلہ

جنگ کی رفتار

گذشتہ ماہ سے اس وقت تک حالات میں بہت اہم تغیرات واقع ہوئے ہیں اور روسی افواج تالسی یورپ کے بے پناہ متحدہ حملوں کا شدید ترین مقابلہ کرتی رہنے کے باوجود بہت سے علاقے چھوڑ دینے پر مجبور ہوگئی ہیں حتیٰ کہ تازہ خبروں سے معلوم ہوتا ہے کہ ماسکو بھی خطرہ میں ہے اور حکومت قازان کے مقام پر جو ماسکو کے مشرق میں چار سو میل کے فاصلہ پر واقع ہے چلی گئی ہے۔ اس عرصہ میں جرمن فوجوں نے ایک طرف تو جزیرہ نمائے کریمیا پر حملہ کیا اور دوسری طرف لینن گراڈ پر اور ایسی حالت میں جب کہ روسی فوجیں ان حملوں کی مدافعت میں مصروف تھیں اس نے اپنی پوری قوت کو وسطی محاذ پر جمع کرکے

ماسکو کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ اور یہ اقدام ابھی تک جاری ہے اس سلسلہ میں کئی باتیں غور طلب ہیں اول تو یہ کہ لینن گراڈ اور کریمیا ابھی تک غیر مفتوح ہیں۔ اس سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ جرمن فوجیں اس وقت تک کامیاب نہیں ہوئیں جب تک وہ کسی مقام پر اپنی پوری توجہ کو نہ کردیں ورنہ کریمیا اور لینن گراڈ بھی اب تک جرمنی کے قبضہ میں پہونچ چکے ہوتے۔ دوسرے یہ کہ کیا ماسکو سے حکومت منتقل ہوجانے کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ روس کو شکست ہوگئی؟ ممکن ہے کہ جو لوگ فوجی مسائل سے بے بہرہ ہوں وہ اسے اشتراکی روس کی شکست ہی قرار دیں لیکن عسکری ماہرین ہی نہیں بلکہ عسکری مسائل سے تھوڑی سی واقفیت رکھنے والے اصحاب بھی اسے روس کی شکست قرار نہیں دے سکتے۔ اس کے برعکس روسی حکومت کا ماسکو چھوڑ کر چلے جانا خود اس بات کی دلیل ہے کہ روس نے آخری وقت تک دشمن کے مقابلہ کا فیصلہ کرلیا ہے۔ اور اگر نازی یورپ کی متحدہ فوجوں نے ماسکو پر قبضہ کر ہی لیا تو جنگ برابر جاری رہے گی۔

جنگ کا مستقبل

ابھی ماسکو کے ارد گرد شدید ترین لڑائی ہورہی ہے اور موجودہ حالات میں کسی فریق جنگ کی فتح یا شکست کی پیشگوئی نہیں کی جاسکتی لیکن اگر نازی اس لڑائی میں کامیاب ہوگیا تو اس کا نتیجہ جرمنی اور اس کے حلیفوں کے لئے مضر ہی برآمد ہوگا۔ روسی حکومت ایشیا میں رہ کر لڑائی جاری رکھے گی اور جرمنی کو ایک طرف تو سرخ فوجوں کا مقابلہ کرنا پڑیگا، دوسری طرف وہ ایک ایسے ملک میں امن اور قانون کے قیام اور حفاظت پر مجبور ہوگا جہاں کے لوگ حکومت اور فوج سے زیادہ اس کے مخالف ہیں اور جنہوں نے آج بھی ہر جگہ جرمن فوجوں پر زندگی تنگ کر رکھی ہے۔ تیسری طرف ان یورپی ممالک کی بغاوت کا خطرہ اس کے لئے سوہان روح بنا رہیگا جو نازی حکومت کی سخت گیریوں سے تنگ آچکے ہیں اور جہاں اس وقت بھی ان ملکوں کی وہ حکومتیں جو یا تو براہ راست جرمن حکومتیں ہیں یا اس کے زیر اثر سخت مشکلات میں مبتلا ہیں اور چوتھا خطرہ یورپ پر برطانیہ کا حملہ ہے جس کا پیش آنا روز بروز یقینی اور لازمی ہوتا جارہا ہے۔ ان حالات میں جرمنی کے لئے ناممکن ہے کہ وہ اپنی موجودہ حالت کو قائم رکھ سکے۔

تین طاقتوں کا فیصلہ

قارئین کو علم ہوگا کہ روس اور جرمنی کے درمیان لڑائی چھڑتے ہی امریکہ کے صدر مسٹر روز ویلٹ نے ماسکو میں برطانیہ، امریکہ اور روس کی ایک مشترکہ کانفرنس منعقد کرنے کی تجویز کی تھی۔ چنانچہ یہ کانفرنس منعقد ہوئی اور اس میں اس بات کا فیصلہ ہوگیا کہ اشتراکی روس اپنی خام پیداوار برطانیہ اور امریکہ کو دیگا۔ اور یہ ملک روس کو لڑائی میں کام آنے والی چیزیں مثلاً ٹینک ہوائی جہاز، توپیں اور اسی قسم کا دوسرا سامان مہیا کریں گے۔ اس وقت امریکہ اور برطانیہ نے اس سلسلہ میں جو کچھ کیا ہے ہم اسے قابل اطمینان قرار نہیں دے سکتے۔ روس دنیا کا ایک ایسا ملک ہے جس پر اگر جرمنی کا قبضہ ہوگیا تو پھر برطانیہ اور امریکہ کسی صورت میں بھی اس کا مقابلہ نہ کرسکیں گے اس لئے ان ملکوں کا فرض ہے کہ وہ روس کی کامیابی کے لئے نہیں بلکہ اپنی حفاظت کے لئے اشتراکی روس کو زیادہ سے زیادہ امداد دیں اور یہ امداد مشروط نہیں بلکہ غیر مشروط ہو۔

یورپ پر حملہ کا سوال

اس سلسلہ میں اس واقعہ کو بھی نظر انداز نہیں کردینا چاہئے کہ مشرقی محاذ پر نازی فوجوں کو شکست دینے کے لئے اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ انہیں یورپ کے مشرق میں لڑنے پر مجبور کردیا جائے۔ یورپ میں جرمنی کی گذشتہ دو سالہ کامیابیوں کا حقیقی سبب یہ تھا کہ اسے اشتراکی روس کے حملہ کا کوئی خطرہ نہیں تھا اور اس کی تمام قوتیں ایک ہی محاذ پر مجتمع اور مصروف کار تھیں۔ آج بھی یہی صورت درپیش ہے۔ اور ہٹلر کو بظاہر مغربی محاذ پر کسی حملہ کا اندیشہ نہیں اسی لئے اس نے اپنی بہترین فوجی قوتوں کو مشرق میں مجتمع کر رکھا ہے۔ برطانیہ اگر دیانتداری کے ساتھ روس کی امداد کرے اور نازی جرمنی نیز اس کے حلیفوں کو شکست خوردہ دیکھنے کا خواہشمند ہے تو اسے جلد از جلد یورپ پر حملہ کردینا چاہئے۔ برطانیہ کا یہ موجودہ طرز عمل روس سے زیادہ خود برطانیہ کے لئے تباہ کن ہے۔

مولانا عبداللہ فاروقی پھر گرفتار کرلئے گئے

یہ کاپی ۲۵ را کتوبر کو پریس جارہی تھی کہ آج بعد مغرب مولانا عبداللہ فاروقی کو اردو بازار سے گورنمنٹ دہلی نے ایک تقریر کی بناء پر گرفتار کرلیا۔ آپ ایک سال کی سزا کاٹکر ۱۱ را کتوبر کو دہلی آئے تھے۔ کہ ٹھیک پندرہ روز کے بعد ڈیفنس آف انڈیا ایکٹ کے ماتحت جامع مسجد دہلی کی ایک تقریر کی بناء پر گرفتاری عمل میں آگئی۔ مفصل حالات اگلے پرچے میں شائع ہوں گے۔

(ادارہ)

رسالہ محشرخیال کا

سالنامہ

۱۹۴۲ء کے شروع میں شائع ہوگا جس میں پُر کیف غزلیں بھڑکتی ہوئی نظمیں. مذاحیہ. رومان خیز دلچسپ اور حیرت انگیز افسانے. ڈرامے. علمی مقالے. مشاہیر عالم کے حالات. سیاسی مضامین لڑائیوں کی تاریخ کے علاوہ بہت سے دوسرے عنوانات پر لاجواب مضامین شائع ہوں گے. اور یہ سالنامہ ہر اعتبار سے بے حد دلکش اور حسین ہوگا ـــــ لہذا آج ہی اپنا چندہ بھیجکر رسالہ محشرخیال جاری کرالیجئے. تاکہ یہ سالنامہ آپ کو مفت مل سکے.

رعایت

محشرخیال کا چندہ دو روپیہ ہے لیکن جو حضرات ایک ماہ کے اندر ڈیڑھ روپیہ بذریعہ منی آرڈر بھیجدیں گے ان کے نام سال بھر کیلئے محشرخیال جاری کردیا جائے گا. اس طرح انہیں سالنامہ بھی بلا قیمت مل جائے گا. اور رعایت بھی ہو جائے گی.

یہ رعایت صرف ایک ماہ کیلئے ہے. اس کے بعد پورا چندہ لیا جائے گا.

منیجر رسالہ محشرخیال اردو بازار جامع مسجد دہلی

آؤ آؤ پریتم پیارے

(از جناب شجاعت سندیلوی سنٹرل جیل لکھنؤ)

یاد میں تمری تڑپت ہوں میں ہجر میں تمرے بلکت ہوں میں
پہروں راتوں رووت ہوں میں سووت سب ہیں جاگت ہوں میں
کٹتے یوں ہی دن ہیں ہمارے
آؤ آؤ پریتم پیارے!

ہمری برہ کی آگ، بجھاؤ درشن اپنے جلد کراؤ
راہ زیادہ اب نہ دکھاؤ خود آؤ یا ہم کو بلاؤ!!
جیوت ہیں ہم تمرے سہارے
آؤ آؤ پریتم پیارے

تم بن سونی دل کی نگری آہ ہوئی برباد یہ سگری
آؤ بسا دو اب یہ نگری سدھ لو تم اب جلدی ہمری
آشا لوٹو دل کی نہ پیارے
آؤ آؤ پریتم پیارے

کھیل رہی ہیں سکھیاں ساری کھیل رہے ہیں نر اور ناری
ہجر کی گھڑیاں ہم پر بھاری نینوں سے ہیں آنسو جاری
کب تک ملوگے ہم سے پیارے
آؤ آؤ پریتم پیارے

افسانہ

دوشیزۂ کوہسار

[illegible]

میں اودے پور چند سال تک ملازم رہا یہ وہ زمانہ تھا جب کہ انسان کا دل ہر اُس چیز پر فریفتہ ہو جاتا ہے جو دلکش ہو۔ اور جس کی دلکشی دیگر انسانوں کی جانب توجہ کا باعث ہو۔ میں جوانی کے نشہ میں چور رہتا تھا اور گاہے گاہے اودے پور کے خوبصورت اور تاریخی مناظر دیکھنے میلوں پھرتا ہوا چلا جاتا۔ اور عموماً رات گئے واپس آتا تھا۔ یہ میرا معمول سا ہو گیا تھا۔

ایک روز میں ایک عجیب بستی میں جا نکلا۔ اس مقام پر ایک تالاب تھا جس میں ایک چھوٹا لیکن عمدہ محل بنا ہوا تھا۔ اس تالاب کے دوسرے کنارے پہاڑی تھی جس پر قلعہ تھا اور قلعہ میں آبادی۔ تالاب پر کچھ لوگ نہا رہے تھے اور کچھ ہاتھ منہ دھو رہے تھے۔ یہ سب سیاہ کپڑے پہنے ہوئے تھے اور جو نہا کر نکل رہے تھے وہ بھی سیاہ کپڑے پہنتے جا رہے تھے۔

میں نے قریب جا کر ان میں سے ایک سے دریافت کیا کہ اس بستی کا کیا نام ہے اور تم سب کالے کپڑے کیوں پہنے ہو۔ اس پر ایک آدمی شرارت کی ہنسنے لگا۔ یہ شخص میرے دونوں ہاتھ پکڑ کر کھڑا ہو گیا اور چیخ چیخ کر لوگوں کو جمع کرنے لگا جب سب آدمی جمع ہو گئے تو اس نے مجھے رسی سے باندھ کر ایک کشتی میں ڈال دیا اور سب کو کشتی میں بٹھا کر تالاب کے دوسرے کنارے جا پہنچا۔ وہاں پہنچ کر میں نے معلوم کرنا چاہا کہ میں نے کونسا قصور کیا ہے جس کی سزا میں بھگت رہا ہوں۔ اس پر سب خوب ہنسے اور ان میں سے ایک نے مجھے بتایا کہ ان کے ہاں سال میں ایک بار ایک ایسی رسم ہوتی ہے جو اپنی نوعیت سے بہت ہی نرالی ہے اور وہ یہ کہ سب نہا دھو کر سیاہ لباس پہنتے ہیں اور گاؤں کی حسین ترین دوشیزہ کو سفید لباس پہنا کر جلوس نکالتے ہیں اگر کوئی اجنبی آ جائے تو اس کو گرفتار کر کے لے جاتے ہیں لیکن اس کو تکلیف نہیں دیتے اور جلوس کے بعد اس کی شادی ہمارے رسوم کے مطابق اسی دوشیزہ سے کر دیتے ہیں جس کو لوگ "پہاڑی رانی" یا "دوشیزہ کوہسار" کہتے ہیں۔

میں نے دریافت کیا کہ اس سال وہ کون خوش نصیب انسان ہے تو ایک نے طنزیہ لہجہ اختیار کرتے ہوئے کہا "حضرت! وہ آپ ہی تو ہیں" میں نے فوراً اس سے حیران ہو کر کہا "میاں! یہ کیا کہہ رہے ہو بھائی!! مجھے چھوڑ دو یہ کیا ڈھونگ رچایا ہے!" "خاموش" اس نے چیں بہ جبیں ہو کر جواب دیا۔ "اگر آپ نے ہماری رسم کی توہین کی تو آپ کو وہی حسین دوشیزہ قتل کر دے گی اور ہمارے کہنے پر چلے تو ...... کامیابی اور رہائی یقینی ہے۔

رات بھر مجھے ایک تنگ و تاریک کوٹھری میں بند رکھا۔ اس کے چاروں طرف نہ معلوم کیا کیا شور و غل مچایا گیا۔ صبح مجھے سفید کپڑے پہنا کر ایک رتھ میں بٹھا دیا۔ اس رتھ کے چاروں طرف حسین اور جوان لڑکے اور لڑکیاں کھڑی کر دی گئیں پیچھے کی طرف صف بہ صف تمام گاؤں والے تھے اور رتھ کے آگے سفید تمامی کے کپڑے کچھ انگریزی طرز کے پہنے ہوئے گاؤں کی حسین ترین دوشیزہ یعنی پہاڑی رانی یا دوشیزہ کوہسار تھی جو سفید کپڑوں میں حور بہشتی معلوم ہوتی تھی یہ لڑکی بہت ہی حسین تھی میں نے شہر میں بھی اتنی حسین لڑکی کبھی نہیں دیکھی۔

یہ جلوس آہستہ آہستہ سب قلعہ میں پھرا اور جائے قیام پر واپس آ گیا۔ دیہاتیوں میں یہ تزک و احتشام دیکھ کر مجھے بڑا تعجب ہوا۔ جب ہم لوگ اطمینان سے وہیں آ گئے جہاں سے چلے تھے تو مجھے اشارے سے بتایا گیا کہ ان کی رسم کے مطابق مجھے اب اس لڑکی سے معانقہ کرنا چاہئے۔ میں نے اس کو گلے سے لگا لیا۔ اس کے حسین رخساروں پر شرم کے مارے ایک ہلکی سی سرخی دوڑ گئی اور اس کی مرمریں باہیں فرطِ شوق سے خود بخود میری گردن میں حمائل ہو گئیں۔

اس کے بعد مجھے اس سے عاجزی کے ساتھ شادی کی درخواست کرنی پڑی جس کے جواب میں اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ کشتیوں میں بیٹھ کر سب کنارے پر آ گئے اور میں، میری ہونے والی ملکہ اور گاؤں کے چند معزز حضرات تالاب کے وسط میں جو محل تھا اس میں پہنچا دئے گئے۔ یہاں نکاح ہو گیا میں نکاح کے بعد ہم لوگ بھی کنارے پر پہنچا دئے گئے۔ کنارے پر پہنچ کر "قاضی صاحب" کی نذر اور دوسرے حق داروں کے حقوق کی رقم مجھ سے طلب کی گئی میں اب کچھ بے تکلف سا ہو چلا تھا میں نے جواب دیا کہ "میں تو تفریح کو آیا تھا کوئی شادی کا خیال تھوڑی تھا جو رقم لیکر آتا" اس پر کہا گیا کہ "جو کچھ ہو گا قبول کر لیا جائیگا خواہ قلیل ہی کیوں نہ ہو" میں نے کہا "کچھ بھی نہیں" اس پر کہا گیا کہ رقم دو ورنہ بیوی کو نہ لے جا سکو گے......!

میں نے وحشت آدمیوں کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھا لیکن وہی بالوں کی جواب ملا کہ "رقم دو ورنہ بیوی کو نہیں لے جاسکو گے"۔ مجبوراً مجھے اپنی دوشیزہ کو ہمیشہ کو چھوڑ کر گھر آنا پڑا۔ ان وحشی نما انسانوں میں سے ایک شخص میرے مکان پر آکر یہ بھی کہہ گیا کہ اب ادھر نہ آنا ورنہ مار ڈالے جاؤ گے۔ کیوں کہ تم نے ہماری بہت توہین کی ہے یہ واقعہ میری زندگی کا رنگین مگر غمگین ترین واقعہ ہے۔ اور اس کی یاد تو بہت ہی مایوس کن اور سوہانِ روح ہوتی ہے!

سونا بنانے کا نسخہ

سونا بنتا نہیں کان میں سے نکلتا ہے۔ البتہ کیمیا بنائی جاتی ہے۔ اور اُس کے ہزاروں نسخے ہیں لیکن ان سب میں بھی ہمیشہ ایک آنچ کی کسر رہجاتی ہے۔ اور ہم ہاتھ ملتے رہ جاتے ہیں۔ کہ کیمیا بنا کر مال و دولت جمع نہ کر سکے۔ لیکن اب اُس کیلئے یہ ضروری نہیں ہے کہ کیمیا کے نسخے کے لئے جنگلوں کی خاک چھانی جائے اور پھر اپلیوں کی بھٹیوں پر بھٹیاں سلگائی جائیں مال و دولت جمع کرنے اور عزت و شہرت حاصل کرنے کی اس سے بھی آسان اور قابل عمل صورتیں موجود ہیں جن پر بغیر کسی وقت کے عمل کر کے اپنے آپ کو دنیا کے سرکردہ ممتاز اور کامیاب ترین لوگوں میں شامل کیا جا سکتا ہے۔ اس کے لئے یقین و اعتماد۔ افعال و اعمال عقل و فطرت۔ احتیاط و حزم۔ علم و ہنر۔ کوشش و سعی اور ارادہ و عمل کی ضرورت ہے اگر یہ چیزیں آپ میں موجود نہیں ہیں اور یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ بیشک نہیں ہیں تو عقل و تدبر کا تقاضہ ہے کہ دولت کی ان کنجیوں کو حاصل کرنے کے لئے دنیا بھر کی سب سے زیادہ مفید ترین کتاب لعل و گوہر منگا لیجئے۔ اسمیں دنیا بھر کے ان کامیاب ترین لوگوں کے قول جمع کئے گئے ہیں۔ جنہوں نے کبھی نہ کبھی اور کسی نہ کسی طرح اس وسیع دنیا کی رہبری کی ہے۔ اسے پڑھکر حکومت و اعزاز کی باگ ڈور کو ہاتھ میں لیا جا سکتا ہے اور افلاس و ناامیدی کو ٹھوکر ماری جا سکتی ہے۔ ضرورت و اسباب کو سمجھا جا سکتا ہے۔ اور آغاز و انجام پر نظر رکھی جا سکتی ہے اور اس طرح آپ مفلسی پر فتح پا کر دولت پر حکومت کر سکتے ہیں اس بے مثال کتاب کو ادیبۂ ہند محترمہ رضیہ سلطانہ بیگم چمن دہلوی نے مرتب کیا ہے جن کا نام ماہنامہ محشر خیال کے مستقل لکھنے والوں کی فہرست میں شامل ہے۔ اور آپکو بخوبی اندازہ ہو چکا ہوگا کہ وہ جس عنوان پر قلم اٹھاتی ہیں اردو انشار پردازی میں زر و جواہر بکھیر دیتی ہیں۔ اُن کے مضامین نے اردو ادب میں انقلاب پیدا کر دیا ہے۔ اور یہ کتاب جو دنیا کی مفید ترین کتابوں میں سب سے چھوٹی کی کتاب تسلیم کی گئی ہے۔ خود آپ کی زندگی میں انقلاب پیدا کردیگی اور آپ کو اپنی موجودہ سطح سے اونچا اٹھا کر کامیابی کی چوٹی پر پہنچا دے گی۔ سفید چکنے کاغذ کے ۹۶ صفحات پر پھیلی ہوئی اس کتاب کی قیمت صرف آٹھ آنے اس لئے رکھی گئی ہے کہ ہندوستان سے موت نما بے حسی کو جڑ بنیاد سے اکھیڑ دیا جائے۔ محصول چار کے کل بارہ آنے کے ٹکٹ بھیجکر آج ہی یہ خوبصورت ترین اور مفید ترین کتاب منگا لیجئے۔ یا لکھیئے کہ بذریعہ وی۔ پی بھیجدی جائے۔

منیجر محشر خیال بک ڈپو۔ اردو بازار۔ دہلی

معلومات

ایران

اسرار احمد آزاد

ایران دنیا کا ایک قدیم ملک ہے۔ اور زمانہ وسطیٰ میں تہذیب و تمدن کا مستقل گہوارہ رہا ہے۔ اسلام کے دور اول میں جب مسلمانوں نے اس ملک پر حملہ کیا تو ایرانی مغلوب ہو گئے اور آج تیرہ سو سال سے زیادہ عرصہ ہوا یہ ملک مسلمانوں کے قبضہ میں چلا آتا ہے۔

ایران بعض قدرتی اسباب کے ماتحت ہمیشہ سے بڑے بڑے حملہ آوروں کی گذرگاہ بنا رہا ہے چنانچہ تاریخ کے مطالعہ سے یہ بات واضح ہو سکتی ہے کہ دارا، سکندر، چنگیز خاں اور تیمور جیسے نامور فاتحین کو اپنی خواہشات کی تکمیل کے لئے سب سے پہلے ایران ہی کی وادیوں اور میدانوں میں نبرد آزما ہونا پڑا تھا۔

اس ملک کا رقبہ چھ لاکھ اٹھائیس ہزار مربع میل اور آبادی ایک کروڑ پچاس لاکھ ہے اور یہ ملک کچھ ایسی جگہ واقع ہوا ہے کہ دور ماضی کے حملہ آوروں کے معرکوں سے قطع نظر کرتے ہوئے موجودہ عہد کی لڑائیوں میں بھی اسے خصوصی اہمیت حاصل رہی ہے۔ اس سلسلہ میں دو باتیں قابل ذکر ہیں۔ اول تو یہ کہ اس ملک میں تیل کے چشمے موجود ہیں اور تیل مہیا کرنے کے اعتبار سے دنیا میں اس ملک کو تیسرا درجہ حاصل ہے۔ اور چونکہ تیل جنگ اور امن دونوں حالتوں میں انسانی ضرورتوں کا ایک جزو لاینفک بن گیا ہے۔ اس لئے ہر ملک ہر زمانہ میں ایران پر اپنا تسلط قائم رکھنے کا خواہشمند رہتا ہے اور دوسرے مغرب کے ان ممالک کے لئے جو غیر مہذب ایشیائی ملکوں بالخصوص ہندوستان کو محکوم بنا لینے یا بنائے رکھنے پر مُصر رہتے ہیں، ایران سے گذر کر آنا امر ناگزیر کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور اسی لئے یورپ کی ہر ایسی لڑائی کے موقعہ پر جسے عالمگیر جنگ کہا جا سکتا ہے۔ یہ ملک بھی مشکلات و مصائب میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

اس ملک میں صدیوں تک قاچاری خاندان کے بادشاہ حکومت کرتے رہے لیکن آہستہ آہستہ جب عوام میں سیاسی بیداری پیدا ہوئی تو ۱۹۰۶ء میں ایران میں پہلا انقلاب برپا ہوا اور وہاں دستوری حکومت قائم ہو گئی لیکن دوسرے ہی سال یعنی ۱۹۰۷ء میں روس اور انگلستان کی حکومتوں نے ایک معاہدہ کر کے علی الترتیب شمالی اور جنوبی ایران کو اپنے اپنے لئے مخصوص کر لیا اور ایران کے عوام دستوری حکومت سے کچھ زیادہ فائدہ حاصل نہ کر سکے۔

جنگ عظیم کے دوران میں اگرچہ ایران غیر جانبدار تھا۔ لیکن اس تمام عرصہ میں اس کے بیشتر علاقوں پر برطانوی، جرمن، روسی اور ترک افواج کا قبضہ رہا۔ پھر ۱۹۱۷ء میں جب روس میں سرخ انقلاب برپا ہونے کے بعد کامریڈ لینن برسر اقتدار آیا تو اشتراکی حکومت نے ۱۹۰۷ء کے معاہدہ کو کالعدم قرار دے کر ایران میں اپنے تمام حقوق سے دست برداری کا اعلان کر دیا اور روسی افواج کے بعد دوسرے ملکوں کی فوجیں بھی ایران سے واپس چلی گئیں۔

قاچاری خاندان کا زوال

اسی زمانہ میں پہلوی شاہی خاندان کے بانی سابق شاہ ایران رضا شاہ پہلوی کو عروج حاصل ہونا شروع ہوا۔ دنیا کے دوسرے بادشاہوں کی طرح ایران کا آخری قاچاری تاجدار بھی عیش و عشرت میں مبتلا ہو کر ملک کی فلاح و بہبود کی جانب سے غافل ہو گیا تھا اور اس غفلت کے جو مضر نتائج برآمد ہو سکتے تھے اہل ایران ان کا شکار ہو رہے تھے کہ ایک نوجوان اور بلند مرتبہ فوجی افسر رضا ابن عباس علی خاں نے حالات کی اصلاح کی جانب توجہ مبذول کی اور ایران کی عسکری تنظیم کے ساتھ ساتھ اس ملک میں پیدا شدہ جذبہ وطنیت و قوم پروری کو بھی مستحکم بنانا شروع کیا ۱۹۲۱ء میں رضا ابن عباس علی خاں ایران کے وزیر جنگ اور ۱۹۲۳ء میں وزیر اعظم بنا دئے گئے کچھ عرصہ کے بعد ایران کا تاجدار یورپ چلا گیا اور ۱۹۲۵ء میں ایرانی پارلیمنٹ کی درخواست پر رضا ابن عباس علی خاں نے رضا شاہ پہلوی کے نام سے ایران کا تاج شاہی قبول کر کے بحیثیت بادشاہ حکمرانی شروع کی۔

رضا شاہ ایک روشن خیال غیر متعصب اور ترقی پسند حکمران تھے انہوں نے ایران سے جہالت توہم پرستی اور تعصب کو دور کرنے کی بے انتہا کوشش کی تھی۔ ملک میں صنعت و حرفت کو ترقی دی تھی اور دوسرے اسلامی اور غیر اسلامی ملکوں کے ساتھ معاہدات کر کے ایران کی ترقی اور استقلال کی راہیں کشادہ اور مضبوط کر دی تھیں لیکن موجودہ عالمگیر جنگ اور بین الاقوامی حالات کی پیچیدگیوں نیز بعض دوسرے حالات نے جن کا انکشاف آنے والا مورخ ہی کر سکے گا۔ حال ہی میں آپ کو نہ صرف تاج ایران ہی سے دستبردار ہونا پڑا بلکہ ایران کو خدا حافظ کہہ کر جنوبی امریکہ کی ایک ریاست ارجنٹائن میں چلا جانا پڑا۔

یہاں قدیم تہذیبوں اور حال کی ترقیات کو آغوش میں لئے ہوئے اور دونوں کے [illegible] تباط سے ایک عجیب و غریب صورت حال پیدا ہو گئی ہے۔ [illegible] تیل کے چشمے بالکل زمانہ حال کا نمونہ پیش کرتے ہیں اس کے متعلق شہر میں دو سو تیل کے حوض ہیں جو چمکتے ہوئے ایک قطار میں چلے گئے ہیں ان کے پہلو میں وہ کارخانہ ہے جہاں کثیف تیل صاف کیا جاتا ہے جو اور ٹینکر زمین جو ایک بار میں ۲۰ ہزار ٹن لے جاتے ہیں یا مٹی کے تیل کے پیپوں میں سمندر تک پہنچایا جاتا ہے۔

اس سے چالیس میل کے فاصلہ پر تیل کے سرچشمہ کے پاس آتش پرستوں کا ایک قدیم معبد ہے۔ جہاں دوامی آگ اس خام تیل سے روشن رکھی جاتی تھی جو زمین سے رس رس کر آتا تھا۔ یہاں تیل کے کنوؤں یا چشموں کا ایک ذخیرہ ہے جہاں بڑی سے بڑی مقدار میں تیل پیدا ہوتا ہے۔

بوشہر برطانوی قنصل متعینہ خلیج فارس کا دارالاقامت ہے اور ہندستان سے سب سے زیادہ قریب ہے۔ جہاں سے اندرون ملک فارس میں سفر کیا جا سکتا ہے۔

شیراز ایک پہاڑ کی سطح مرتفع پر واقع ہے جو بوشہر کے شمال مشرق میں ہے۔ یہ خوشنما اور قدیم شہر ہے اور یہ مقام دنیا کے زائرین کا مرجع ہے جو حافظ و سعدیؒ کی قبروں کی زیارت کیلئے اور ان کو اپنا خراج تحسین پیش کرنے کے لئے آتے ہیں حافظ و سعدی ایران کے دو بڑے شعراء ہیں۔ اور دنیا جن شعراء کے نام کو جانتی چلی آئی ہے۔ ان میں یہ دو اعلیٰ قسم کے شعراء بھی شامل ہیں شیراز پہلے زمانہ میں اپنی شراب کے واسطے مشہور تھا۔ لیکن اب شراب کی تیاری کا کام زوال پذیر ہے اور جو شراب وہاں میسر آتی ہے وہ ادنیٰ قسم کی ہوتی ہے۔ اس سے تیس میل کے فاصلہ پر پرسی پولس کا شہر ہے اس میں ایک عالیشان محل جمشید کا تعمیر کردہ تھا زیادہ صحیح یہ ہے کہ اسے دارائے اعظم نے ۵۱۹ سال قبل مسیح تیار کرایا تھا اور سکندر اعظم کے زمانہ میں یہ جل کر خاکستر ہو گیا۔ اب اس میں سوائے چند شکستہ سنگین ستونوں کے جن پر اعلیٰ درجہ کی نقاشی کی ہوئی ہے اور سنگین دروازوں کی چوکھٹوں کے اور کچھ باقی نہیں ہے۔ یہاں عمر خیام کے یہ الفاظ بالکل صادق آتے ہیں۔

جہاں جمشید دربار کرتا تھا۔ وہاں اب شیر اور چھپکلیاں رہتی ہیں اور بہرام جیسے شکاری کے سر پر گورخر تیز رہتے ہیں اور وہ بیدار نہیں ہوتا

پرسی پولیس سے تقریباً تین سو میل شمال کی جانب اصفہان کا شہر ہے جس میں بنی نوع انسان کی صناعی و تعمیر کے اب تک کچھ بہترین نمونے نظر آتے ہیں۔ زمانہ حال کا ایران کا مشہور و معروف مصور مظفر اسی اصفہان میں رہتا ہے جس نے ملکہ میری کے واسطے ایک دیباتی سین تیار کرنے کا فخر کیا اور لیڈی پوتیس ونٹ ملیکن کے لئے اصفہان کے پولو کا ایک مرقع تیار کیا جو وہاں سترھویں صدی عیسوی میں کھیلی جاتی تھی۔

اصفہان کے بالکل شمال میں قم کا شہر واقع ہے جو وہاں کی خاص سخت مذہبی رسوم کے باعث گورکنوں کا شہر کہلاتا ہے۔ اس کے شمال میں طہران واقع ہے جس میں مغرب و مشرق اور قدامت و جدت کے نمونے خلط ملط نظر آتے ہیں چند سال کے عرصہ میں اس نے . . . . بہت کافی ترقی کی ہے۔ عالیشان عمارات چوڑی سڑکیں اور سایہ دار . . . روش راستے شہر کی زیب و زینت کو بڑھاتے ہیں طہران تجارتی اور سیاسی بناء پر تمام اقوام کا مطمح نظر رہا ہے۔ یہ قومیں ہر قسم کے ٹھیکے حاصل کرنے کیلئے ایک دوسرے کی حریف بنی ہوئی تھیں۔ اسی لئے جرمنوں اور انگلین نے اپنا اثر ایران میں جمایا تھا۔ یہاں کے قالین کی صنعت . . . . . . کو حکومت نے بعض مصالح کی بناء پر اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے۔

پانچ سال قبل ایران کی فضائی قوت سب سے زیادہ فرسٹ لائن ہاکس تھے اور یہ سب جہاز برطانوی ساخت کے تھے۔ پائلٹ یعنی ناخدا پہلے اچھے تربیت یافتہ نہ ہوتے تھے۔ لیکن یہ نقص اب رفع ہو گیا۔ اہواز اور مشہد ہوا بازی کی تعلیم کے واسطے بہترین سمجھے گئے ہیں اب ایران کے پاس خود اپنا ہوائی جہاز بنانے کا کارخانہ ہو گیا ہے جس میں ہاکر اور ہولینڈ ٹائپ کے جہاز بن سکتے ہیں بحری بیڑہ بہت مختصر ہے۔ جہازات جیسے بھی ہیں خرم شہر کے سامنے کارن دریا کے دہانے کے قریب لنگر انداز رہتے ہیں۔ بحیرۂ خضر پر ڈچ انجنیروں نے حرب آباد کے قدیم شہر کو نوشاہ کی بندرگاہ کو جدید صورت میں تبدیل کر دیا ہے کارخانے سارے ملک میں قائم ہیں۔ جہاں شکر، بیر، شراب، صابون، جوتے اور موزے تیار ہوتے ہیں۔ روئی کے کارخانوں نے بہت سرعت کے ساتھ ترقی کی ہے۔ اور دراں حالیکہ پہلے وہ کچھ بھی نہ تھے۔ اب وہاں ۵ ہزار تکلے کام کر رہے ہیں۔ ایک بڑی مل جو چاہی میں واقع ہے اسمیں کئی سو مزدوروں کے قریب کام کرتے ہیں۔ فوجی انتظام ہے۔ یہ کارخانہ فوج کے واسطے پارچہ تیار کرتا ہے ان کاموں میں مدد دینے اور سہولت پیدا کرنے کے لئے پندرہ ہزار میل سے زائد سڑکیں تیار کی گئیں ہیں، پہاڑوں، ندیوں اور گھاٹیوں پر مضبوط پل تعمیر کئے گئے ہیں پھر بھی موسم سرما کے مہینوں میں ان سڑکوں کا بہت سا حصہ برف سے ڈھکا رہتا ہے۔

ہلال عید سے خطاب

(از حضرت نازش حیدری دہلوی از عراق عرب)

اے ہلالِ عید، پیغامِ شکیبائی ہے تو
خستہ جانوں کیلئے وقفِ مسیحائی ہے تو

خضرِ راہِ کاروانِ ملت ایک مرکز کی طرف
شوقِ برہم کیلئے تسلیمِ یکجائی ہے تو

یا تو ہے نگینِ شاہدِ فطرت کی ہے طرفِ کلاہ
یا مہِ کامل کا انجامِ جبیں سائی ہے تو

میکشانِ آرزو بن کر اُتر آ چرخ سے
ہو نہ ہو اب تو نہیں شامِ تنہائی ہے تو

امتیازِ میکدے والوں کا ہے سب سے جدا
کیف میں ڈوبی ہوئی مستانہ انگڑائی ہے تو

رہ گیا ہے چرخِ فلک پر نشہ بن کر عید کا
کاتبِ قدرت کا نقشِ خامہ فرسائی ہے تو

ملتِ مرحوم کا پوچھے کوئی تجھ سے : وقار
آج بھی اک یادگارِ چرخِ پیمائی ہے تو

اب ہمارے سابقہ اڑتے ہوئے پرچم کے نقش
آسمان کے آئینے میں عکسِ دارائی ہے تو

جب مسلماں کی فلک تازی کا تھا تو ہی گواہ
اب انہی کی خاک بازی کا تماشائی ہے تو

سینۂ گردوں پہ ہے اک ناخنِ غم کی خراش
دستِ قدرت کا نظامِ عبرت آرائی ہے تو

اب بھی چمکا دے ستارہ ملتِ مرحوم کا
اے کہ اپنے عقدۂ غم کی پذیرائی ہے تو

شوق سے نورِ نظر ہو، جلوۂ شادی بھی ہو
بات تو جب ہے کلیدِ قفلِ آزادی بھی ہو

ہاں ذرا اب قوم کی بدنظمی و دستور دیکھ
ذرے ذرے کو شرابِ خودسری میں چور دیکھ

رشتۂ ایماں نہ کٹ جائے کہیں یہ خوف ہے
زیرِ شمشیرِ تغافل گردنِ مجبور دیکھ

اک خیالِ خام ہے شب زندہ داری قوم کی
عقل و دانش کو حصارِ خواب میں محصور دیکھ

اب کہاں دل کی تڑپ وہ برقِ ایمن کا جواب
حرص کے پردے میں روحِ عشق کو مستور دیکھ

ختم ہے شیرازۂ ہندی گلشنِ اسلام کی
طاقِ نسیاں پر ہے اب گلدستۂ جمہور دیکھ

اب چراغِ راہ کوئی نقشِ پا ملتا نہیں!
منزلِ مقصود سے خود راہبر کو دور دیکھ

سایہ آتا ہے سمٹ کر دامنِ خورشید میں
تیرگی میں چھپتا جاتا ہے لباسِ نور دیکھ

ہوگئی خاموش اب وہ آتشِ ذوقِ کلیم
وادیٔ ایمن میں افسردہ چراغِ طور دیکھ

وہ سمائی ہی نہیں ہے اب کسی کے ظرف میں
رائیگاں ہوتی ہوئی خودداریٔ منصور دیکھ

دیکھ، اربابِ حرم کی شانِ ظاہر پر نہ جا
دل ٹٹول ان کے ذرا، دل میں خیالِ حور دیکھ

کل ترے پیشِ نظر تھے واقعاتِ کربلا
ساغرِ دل آج خونِ صبر سے معمور دیکھ

تیرے دامن تک رسائی ہو یہ ممکن ہی نہیں
کتنی وسعت آفریں نکلی شبِ دیجور دیکھ

کچھ نہ ہو لیکن تجھے پاسِ وفا دائم رہے
قوم کے حق میں ترا دستِ دعا قائم رہے

غزل

حُسن و عشق

از حضرت مولانا حامد الانصاری غازی

پھر حسن کو میں صورت جاں دیکھ رہا ہوں — پھر سامنے اک سرو رواں دیکھ رہا ہوں

پھر آج میں تاثیرِ فغاں دیکھ رہا ہوں — پھر اپنی امیدوں کو جواں دیکھ رہا ہوں

پھر حسن کو پاتا ہوں میں ممنونِ تکلّم — پھر عشق کا اندازِ بیاں دیکھ رہا ہوں

پھر حسن ہے رہبر، میری دنیائے خودی کا — پھر عشق کو میں روحِ رواں دیکھ رہا ہوں

پھر حسن سے پیدا ہیں محبت کے شرارے — پھر عشق کو میں شعلہ بجاں دیکھ رہا ہوں

پھر حسن کے جلوؤں سے منوّر ہیں فضائیں — پھر عشق کا اک سیلِ رواں دیکھ رہا ہوں

جس آنکھ پہ ظاہر نہ ہوئی دل کی حقیقت — اس آنکھ سے میں کون و مکاں دیکھ رہا ہوں

وہ ایک حقیقت جو زمانہ سے نہاں ہے — میں اس کو باندازِ عیاں دیکھ رہا ہوں

پھر حسن کا ایک نقش ہے قائم مرے دل پر — پھر عشق کا اک نقشِ گراں دیکھ رہا ہوں

پھر دیدہ و دل حسن سے آباد ہیں غازی
پھر عشق کا ایک تازہ جہاں دیکھ رہا ہوں

10,000
دس ہزار روپیہ مفت انعام

دہلی میں سونا دو (۲) روپے تولہ ہوگیا

ناظرین دیکھیے اس سونے کے متعلق دنیا کیا کہتی ہے جس گھر میں یہ نیوگولڈ گیا وہاں سے دوبارہ سہ بارہ فرمائش آئی. یہ سونا ایک لاجواب چیز ہے اصلی سونے اور اس سونے میں کوئی فرق معلوم نہیں ہوتا۔

جناب چراغ احمد صاحب لاہور سے ۲۵ نومبر کو تحریر فرماتے ہیں آپ کا نیوگولڈ ملا۔ دیکھ کر بڑی خوشی ہوئی چیز واقعی کمال کی ہے۔ آپ کے نیوگولڈ اور اصلی سونے میں کوئی فرق نہیں آپنے اس نئی چیز کو تیار کرکے دنیا کی سب سے بڑی ضرورت کو پورا کر دکھایا ہے۔ پندرہ تولہ سونا فوراً میرے دوست کیلئے ارسال کردیں۔ اس کے بعد آپ کو اور بھی آرڈر دیا جاوے گا یہ سونا کسوٹی پر اصلی سونے کا رنگ دیتا ہے۔ اصلی سونے کی طرح کوٹا اور پگھلایا جاتا ہے۔ بالکل اصلی سونے کے برابر ہے ہوشیار سے ہوشیار صراف بھی مشکل سے پہچان کرسکتا ہے۔ اس کے بنے ہوئے زیورات ہر جگہ پسند کئے جا رہے ہیں۔ اس سے ہر قسم کے زیورات آج کل کے فیشن کے مطابق تیار ہوسکتے ہیں۔ مندرجہ بالا فرمائش کو غلط ثابت کرنے والے کو دس ہزار روپیہ نقد انعام دیا جائے گا۔ قیمت صرف مشہوری کی خاطر ایک تولہ دو روپیہ (۲؏) تین تولے پانچ روپے آٹھ آنے (۵؏۸) چھ تولہ دس روپے۔ پندرہ تولہ بائیس (۲۲) روپے۔ چالیس تولہ پچاس (۵۰) روپیہ۔ (ضروری نوٹ) ہر تین تولہ کے خریدار کو پیکنگ خرچ مفت چھ تولہ یا اس سے زیادہ منگوانے والے خریدار کو محصول ڈاک و پیکنگ دونوں بالکل معاف پندرہ تولہ کے خریدار کو ایک عدد اصلی گھڑی بالکل ٹھیک وقت دینے والی جاپانی ۲۴ گھنٹہ گارنٹی دس سال مفت بطور انعام دی جاوے گی۔

گارنٹی:- اگر پسند نہ ہو تو قیمت فوراً واپس ہو گی۔ جلدی منگوالیں ورنہ ختم ہونے پر مایوس ہونا پڑیگا۔

سونا منگانے کا پتہ

منیجر صاحب سردار ٹریڈنگ کمپنی چتلی قبر۔ دہلی

ڈرامہ

فرانس کی آواز

از جناب وجاہت صاحب سندیلوی
بی۔ اے، ایل۔ ایل۔ بی

کردار

ریپان	ایک فرانسیسی سپاہی
لورین	اس کی بیوی
پولکس	ایک بڈھی فرانسیسی عورت
لیوکام	ایک فرانسیسی سپاہی
بہت سے دوسرے مرد اور عورتیں	فرانسیسی عوام
افسر اور سپاہی	جرمن فوج کا ایک دستہ

پہلا منظر

پیرس پر نازی حملے سے ۱۲ گھنٹے پیشتر

شہر کس خاموشی اور تاریکی میں ڈوبا ہوا قبرستان کی طرح سنسان ہے ایک ویران گلی میں ایک دو منزلہ مکان کے نیچے ایک سایہ نمودار ہوتا ہے۔

ریپان۔ (دھیمے دھیمے دروازہ پر دستک دیتا ہے) لورین! لورین! لورین!

(زیادہ زور سے پکارتا ہے) لورین!

اوپر کی منزل کی ایک کھڑکی کھلتی ہے۔ تاریکی میں اور کچھ نہیں نظر آتا۔

لورین۔ کون! ریپان!

ریپان۔ لورین!

لورین۔ تم آگئے؟

کھڑکی بند ہو جاتی ہے۔ اور ایک منٹ کے بعد نیچے کا دروازہ کھلتا ہے ریپان کھلے دروازہ میں لورین سے بغلگیر ہوتا ہے۔ ایک سسکی کی آواز سنائی دیتی ہے۔ اور دونوں اندر چلے جاتے ہیں۔ دروازہ بند ہو جاتا ہے۔

دوسرا منظر

ایک چھوٹا سا کمرہ جس کی بے سروسامانی اور بے ترتیبی سے غربت اور پریشانی برس رہی ہے۔ سامنے میز پر ٹوٹے ہوئے گلوب میں بجلی کا لیمپ روشن ہے ریپان تیس سال کا جوان جس کے چہرہ پر تھکاوٹ اور گھبراہٹ کے گہرے نشانات ہیں ایک ٹوٹے ہوئے صوفہ کے کونے پر بیٹھا ہے۔ لورین پچیس سال کی خوبصورت عورت انگیٹھی پر چائے بنا رہی ہے۔

لورین۔ تو ہماری فوج پیچھے ہٹ گئی۔!

ریپان۔ آہ لورین! آگ اور خون کے طوفان میں فرانس پیچھے ہٹ گیا۔

لورین۔ آہ فرانس! پیارے فرانس!

ریپان۔ ہم لوگوں کا کلیجہ پھٹ گیا۔

لورین۔ لیکن کیا تم لوگ بہت مضبوطی سے اپنے مورچہ پر جمے کھڑے رہے؟

ریپان۔ دشمن ہمارے محاذ کو چیرتا ہوا درمیان سے نکل گیا۔ اور ہمیں پیچھے سے جا لیا۔

لورین۔ آہ ریپان! میرے تو اس خیال ہی سے رونگٹے کھڑے ہو رہے ہیں کہ فرانس کی مقدس زمین کو نازی بھیڑئیے روند رہے ہیں۔ ہم بیکس ہیں بالکل ہی لاچار۔!

ریپان۔ فرانس ایک بیکس مظلوم کی طرح مر گیا! (ٹھنڈا سانس لیتا ہے)

لورین۔ افسوس مجھے مرنا بھی نہ آیا!

ریپان۔ فرانس نے اپنی آزادی کی خاطر اپنا خون بہانے میں کوئی بخل نہیں کیا

لورین۔ ریپان! ہم پیچھے ہٹ گئے۔ ہائے فرانس (آنکھوں سے آنسو پونچھنے لگتی ہے)

ریپان۔ دشمن کی عارضی فتح ہمیں غلام نہیں بنا سکتی۔ فرانس آزاد ہے اور آزاد رہے گا۔

لورین۔ پیارے! کاش یہی ہوتا!

لورین چائے کی کشتی لے آتی ہے۔ اور صوفہ پر بیٹھ جاتی ہے۔ دونوں چائے پیتے ہیں۔

ریپان۔ (لورین کا رخسار تھپک کر اور اس کے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر) لورین تم کانپ رہی ہو۔ خوف سے! دیکھو میں تو گولیوں کی بوچھار سے آ رہا ہوں۔ ہمارے داہنے اور بائیں جرمنی کے دہشتناک ٹینک تھے جو حد نظر تک آگ برسا رہے تھے اور سر کے اوپر موت کے پیغامبر بمبار طیارے اگلن گرج توپیں گونج رہی تھیں۔ اور ہر لحظہ انسانی اعضا ہوا میں اڑتے نظر آتے۔ معلوم ہوتا تھا کہ ساری دنیا ریزہ

ریزہ ریزہ ہو جائے گی۔

لورین۔ تمہارا دل سخت ہو گیا۔ تم نعشوں کو روندتے ہوئے آ رہے ہو اور میں ایک نعش بھی نہیں دیکھ سکتی۔

ریپان۔ آہ! فرانس تو ایک نعش ہے آج۔

لورین۔ خون سے لرزتے۔

ریپان۔ ہا ہا ہا۔ سلسلہ کلام ... اور لورین خاموش ہو جاتی ہے۔

ریپان۔ (اپنے ہاتھ کی گھڑی دیکھ کر) اب ... ہونے میں صرف تین گھنٹے باقی ہیں۔ وہ گھنٹوں میں ہمیں ... پہنچ جانا چاہئے۔

لورین۔ (تعجب سے) ... چھوڑ دینا! ... کس لئے؟ ... کیا باقی ہے؟ فرانس ... ہار جاتے ... اس سے زیادہ ... کب ہار چکے۔

ریپان۔ جذبات میں نہ آؤ۔ ... کم از کم اپنی جانیں بچانا ہیں۔ وہ گزشتہ کے ہاتھوں ... جن کی ... میں اب بھی خالص فرانسیسی خون دوڑ رہا ہے۔ اور جو فرانس کو آزاد دیکھنا چاہتے ہیں۔

لورین۔ ریپان! کیا تم اپنی جان ہی بچانے کی خاطر میدان جنگ سے لوٹ آئے۔

ریپان۔ (نفرت سے) کیا تم شکست خوردہ فرانس کے ایک سپاہی کو ذلیل کرنا چاہتی ہو! ہمارے جنرل نے ہماری فوج کو منتشر کر دیا اور سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ گھر پہونچ کر اپنی اپنی جانیں بچائیں!

لورین۔ اس انعام میں کہ وہ فرانس کو نہیں بچا سکے۔!

ریپان۔ اس جرم میں کہ چونکہ وہ فرانس کو نہیں بچا سکے لہذا وہ اپنے گھروں پر جائیں اور اپنی بیویوں کی گالیاں سنیں! پردہ

تیسرا منظر

۱۰ بجے دن کو

پیرس کے مغرب والی سڑک پر موٹروں، سائیکلوں، ٹھیلوں اور دوسری سواریوں کا ایک لا متناہی قافلہ جا رہا ہے۔ ہزاروں مرد، عورتیں اور بچے پیدل چل رہے ہیں۔ کہیں کہیں لوگ تھک کر راستہ کے کنارے بیٹھ گئے ہیں۔

شور و غل، چیخ و پکار۔ ایک طوفان بے تمیزی مچا ہوا ہے۔ نفسی نفسی کا عالم ہے۔ کسی کو کسی کی فکر نہیں۔ ہر شخص اپنی پیٹھ پر کچھ نہ کچھ اسباب لادے بدحواس بھاگا چلا جا رہا ہے۔

بعض عورتیں اور بچے چیخ چیخ کر رو رہے ہیں۔

مشرق کی جانب توپیں گرج رہی ہیں اور جرمن بمبار طیاروں کی گڑگڑاہٹ سنائی دے رہی ہے۔

پیدل چلنے والوں میں ایک ایک گٹھری لادے ریپان اور لورین بھی ہیں۔

لورین۔ آہ ریپان! میں تو تھک کر چور ہو گئی۔ مجھے اپنی جان اتنی پیاری نہیں کہ اُسے اتنی تکلیف اٹھا کر بچاؤں۔

ریپان۔ آؤ سامنے والے کھیت میں بیٹھ کر سستا لیں۔

ایک وحشت زدہ بڈھی عورت پولکس آتی ہے۔ اور ریپان اور لورین کو دھکا دیکر آگے بڑھ جاتی ہے۔ لیکن پھر پلٹ کر دیکھتی ہے اور رک جاتی ہے اور ریپان سے پوچھتی ہے۔

پولکس۔ ... تمہیں خبر ہے کہ لاسی کی لڑائی میں کیا ہوا؟

ریپان۔ ... میں نہیں تھا لیکن مجھے معلوم ہے کہ ہماری فوج پیچھے ہٹ گئی۔ آپ ... ہیں؟

پولکس۔ میرا نام پولکس ہے۔ میں سیلیں قصبہ میں رہتی ہوں۔ میرے دو لڑکے لاسی کی جنگ میں شریک تھے۔

ریپان۔ خدا کرے وہ بخیریت ہوں۔

پولکس۔ (آنسو پونچھ کر) میرے وہی دونوں لڑکے میری ساری عمر کی کمائی ہیں۔

لورین۔ آپ افسوس نہ کریں۔ اس وقت فرانس میں افسوس اور ماتم دونوں بے معنی ہیں۔ کس کس کا افسوس کریں اور کس کس کا ماتم۔ مجھے امید ہے کہ آپ کے بچے آپ سے بہت جلد مل جائیں گے۔

پولکس۔ آہ! مجھے یہ معلوم ہوتا تو میں اپنے بچوں کو فوج میں نہ جانے دیتی۔

لورین۔ نہیں آپ نے بہت اچھا کیا کہ ان کو فرانس کی حفاظت کے لئے بھرتی کرا دیا۔

پولکس۔ بہشت! جن لوگوں کو حفاظت کرنا چاہئے تھی۔ انہوں نے تو کی نہیں پھر بھلا میرے دو یتیم بچے کیا کر سکتے تھے۔

لورین۔ جن لوگوں نے نہیں کی انہوں نے برا کیا۔ اور جن لوگوں نے کی یا کرنے کی کوشش کی انہوں نے اچھا کیا۔

پولکس۔ لیکن اس کا فیصلہ کون کرتا ہے کہ کس نے اچھا کیا اور کس نے برا؟

لورین۔ تاریخ اور روایتیں!

پولکس۔ میں نے تو آج تک نہ کوئی ایسی تاریخ دیکھی۔ اور نہ کوئی ایسی روایت سنی جس میں کہ یتیم اور لاوارث لوگوں کا بھی ذکر ہو۔ ہمارے یہاں تو صرف جنرل لڑائی جیتتے یا ہارتے ہیں۔ اور صرف وزراء اعلان فتح یا اعلان شکست کرتے ہیں!

لورین۔ تو تمہاری رائے میں کسی شخص کو اپنے وطن کی حفاظت نہ کرنا چاہئے؟

ریپان۔ آؤ چلو! اس کھیت میں تھوڑی دیر ۔۔۔ جائیں۔

پولکس۔ میرا قصبہ یہاں سے آدھ میل پر ہے۔ تم چاہو تو وہاں قیام کرسکتے ہو۔

ریپان۔ جی ہاں آئیے چلئے۔ لورین بہت تھک گئی ہے۔

راستہ چلنے والوں کا ایک بڑا سا گروہ پاس سے نکلتا ہے جس میں کچھ لوگ زور زور سے بڑبڑا رہے ہیں۔

پہلا۔ ہمیں نہیں معلوم کہ فرانس ہار گیا!

دوسرا۔ فرانس نہ کبھی ہمارا تھا اور نہ اب ہے!

تیسرا۔ ہم کچھ نہیں چاہتے صرف اپنی جانیں بچانا چاہتے ہیں!

چوتھا۔ کہاں ہیں اب وہ لوگ جنہوں نے ہم کو خوشنما انعامات کا لالچ دے کر جنگ میں ڈھکیل دیا تھا۔

پانچواں۔ ہم پیدائشی غلام ہیں! ہمیں کیا خواہ ہم پر ہمارے اہلِ وطن حکومت کریں یا شیطان کے بچے جرمن۔!

لورین۔ ان لوگوں کا دماغ بالکل خراب ہوگیا ہے!

ریپان۔ مصیبت کے وقت کسی کا دماغ صحیح نہیں رہتا!

پولکس۔ یہ لوگ مزدور ہیں! مزدور! ان کے دل جلے ہوئے ہیں۔ میرے بچے بھی مزدور تھے! (پردہ)

چوتھا منظر

چند روز بعد صبح کو

میڈم پولکس کا مکان۔

ریپان۔ ہم آپ کے بے حد شکر گزار ہیں کہ آپ نے ہمیں پناہ دی۔ اور خصوصاً ایسے نازک موقع پر۔

لورین۔ اور صرف پناہ نہیں دی۔ بلکہ ایک نئی روشنی دکھلائی۔

پولکس۔ تمہاری محبت کہ تم میرے ساتھ یہاں چلے آئے اور میری تنہائی میں میرے غمخوار ہوئے۔ ورنہ میں تو اپنے بچوں کی جدائی کی وجہ سے نیم پاگل سی ہوں۔ جب دل میں ہوک اٹھتی ہے گھر سے نکلکر ادھر ادھر راستوں پر کھڑی ہوجاتی ہوں۔ اور راہ چلتوں سے ان کے متعلق دریافت کرتی ہوں۔

ریپان۔ کل رات کو آپ مارشل پیتان کی تقریر سنتے ہی سو گئیں۔

پولکس۔ وہ تھی بھی اس قابل۔ جس وقت مارشل ریڈیو میں بول رہا تھا مجھے رہ رہ کر یہی خیال ہوتا کہ کوئی اسکول کا لڑکا فر فر اپنا سبق سنا رہا ہے۔

لورین۔ آہ! اب بھی دل کو یقین نہیں آتا کہ فرانس ہار گیا!

پولکس۔ فرانس صرف ہار ہی نہیں گیا بلکہ بزدلی کے ساتھ میدان سے بھاگ گیا۔

ریپان۔ آج ہم فرانسیسی جو کل تک آزادی اور جمہوریت کے علمبردار تھے دنیا کے بدترین قہر یعنی ہٹلر کے غلام ہیں۔

لورین۔ خدا ہمیں اس خونخوار درندے سے نجات دلائے!

پولکس۔ مجھے اپنے ملک کی یہ شکست کچھ غیر سنجیدہ سی معلوم ہوتی ہے۔ اور اور جب میں کارخانہ کے مزدوروں۔ کسانوں۔ اور بیکار لوگوں کو ادھر ادھر پریشان اور وحشت زدہ گھومتے دیکھتی ہوں اور ان کے منہ سے ہائے فرانس اور وائے فرانس کے نعرے سنتی ہوں تو مجھے کبھی کبھی ہنسی بھی آجاتی ہے ——— اگرچہ بہت تلخ۔

لورین۔ (تعجب سے) کیوں محترمہ۔

پولکس۔ میں خود مزدور ہوں اور میرے دونوں لڑکے مزدور تھے۔ اور میرا شوہر ایک کارخانہ میں مزدوری کرتے کرتے مارا گیا۔ میں مزدوروں کو خوب پہچانتی ہوں۔

ریپان۔ تو پھر کیا ہوا؟

پولکس۔ غریب لوگوں پر ہر قسم کا نشہ بہت آسانی سے چڑھ جاتا ہے۔ پادری ان سب سے زیادہ چندہ وصول کرتا ہے اور وہی سب سے زیادہ فوج میں بھرتی ہوتے ہیں۔ اور اپنے ملک کی خاطر اپنا خون بہاتے ہیں۔ اور پھر وہی شکست کے بعد اپنے ملک کے لئے سب سے زیادہ ماتم اور واویلا کرتے ہیں۔

لورین۔ تو اس میں وہ کونسی بری بات کرتے ہیں۔

پولکس۔ (ہنسکر) لیکن غریبوں کا کوئی وطن نہیں ہوتا۔ وہ خود اپنے وطن میں غریب الوطن ہوتے ہیں۔ ہم اخبارات میں پڑھتے اور خوش ہوتے ہیں کہ فرانس میں سونے کا ڈھیر لگ رہا ہے۔ اور فرانس دنیا کے متمول ترین ملکوں میں سے ایک ہے۔ لیکن میں مزدور ہوں اور جانتی ہوں کہ فرانس کے مزدور اپنی زندگی کے دن کیسے پورے کر رہے تھے! جس وقت فرانس کے سرمایہ دار اور تاجر دنیا کے ہر ملک اور ہر بازار میں اپنا مال بیچ بیچ کر دونوں ہاتھوں سے روپیہ سمیٹ رہے تھے۔ فرانس کا مزدور اپنی ضروریات زندگی بھی اچھی طرح پوری کرنے سے قاصر تھا۔ جس وقت کہ فرانس کی آمریت دنیا کے گوشہ گوشہ میں اپنی طاقت اور عظمت کا ڈنکا پیٹ رہی تھی اس وقت فرانس کے بیکار لوگ کارروان در کارروان گلی کوچوں میں ایڑیاں رگڑتے پھرتے۔ کیا اس وقت فرانس ان مزدوروں۔ غریبوں اور بیکاروں کا وطن نہیں تھا؟

ریپان۔ میں جنگ میں بھرتی ہونے سے پہلے خود ایک ۔۔۔ تھا میں جانتا ۔۔۔

پولکس۔ ہم مزدوروں کو کبھی معلوم ہو سکا کہ یہ عدالت کیا چیز ہے اور یہ پولیس کیا بلا ہے؟ ہم تو ہمیشہ ان سے خائف رہے۔ اور ان کو ظلم اور ستم کی مشینیں سمجھا کئے۔ محض دنیا کو دکھانے کے لئے اور غریبوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے ہر پانچویں سال انتخاب ہوتا۔ اس میں بڑی بڑی انتخابی تقریریں، موٹروں، لاؤڈ اسپیکروں اور جلوسوں کے ذریعہ ہم لوگوں کو پاگل بنایا جاتا۔ ہم سے بڑے بڑے وعدے کئے جاتے۔ ہمارے مقدس سے مقدس جذبات سے اپیل کی جاتی۔ ہر وہ طریقہ اختیار کیا جاتا جس سے ہمارے دماغ مختل ہو جائیں۔ اور ہم بیچارے کچھ نہ سوچ سکیں۔ اور پھر ہماری غربت اور حاجتمندی سے فائدہ اٹھایا جاتا اور ہم کو باقاعدہ رشوت دی جاتی اور ہم سے نہ معلوم کس کے لئے ہمارے ووٹ حاصل کرلئے جاتے۔ ایک دفعہ انتخاب کی ہماہمی اور گرما گرمی کے بعد پھر ہمیں کچھ خبر نہ ہوتی کہ فرانس پر کون حکومت کر رہا ہے۔ جرمن یا انگریز؟ ہمیں کچھ معلوم نہ ہوتا کہ ہمارے نمائندے کیا کر رہے ہیں۔ کن نئے ملکوں میں اپنا سکہ جما رہے ہیں اور کن نئے بازاروں میں اپنا مال بیچ رہے ہیں۔ ہمیں کچھ خبر نہیں کہ ہمارے وزراء کس کی حمایت کر رہے ہیں؟ کس ملک سے دوستی کر رہے ہیں اور کس ملک سے جنگ؟ ان تمام باتوں میں فرانس کا ایک عامی بالکل ہی غیر متعلق سمجھا جاتا ہے۔ یا اپنی دوسری پریشانیوں کی وجہ سے غیر متعلق رہتا ہے اور پھر ایک دن اس کو یہ اعلان سنایا جاتا ہے کہ ہمارے ملک نے فلاں ملک سے جنگ شروع کر دی۔ اس کے کام کے گھنٹے بڑھ جاتے ہیں اور اس کی مزدوری کے دام کم ہو جاتے ہیں۔ اس کے بچے اس سے جبریہ چھین لئے جاتے ہیں اور فوج میں بھرتی کر لئے جاتے ہیں۔ اور یہ سب زیادتیاں اور بدعنوانیاں حب وطن کے نام پر ہوتی ہیں۔

(سسکیاں لے لے کر رونے لگتی ہے) اور پھر ایک ماں در بدر ٹھوکریں کھاتی ہے۔ اور اپنے بچوں کو ڈھونڈتی پھرتی ہے (بے اختیار رونے لگتی ہے)

لورین ایک کر پولکس کو سنبھالتی ہے۔ اور اس کے قریب بیٹھ کر اس کے آنسو پونچھتی ہے۔ ریبان ایک گلاس میں پانی لے آتا ہے چند منٹ میں پولکس کی طبیعت قابو میں آجاتی ہے۔

ڈانگ۔ ڈانگ۔ ڈانگ۔ گرجا گھر کا گھنٹہ زور زور سے بجتا ہے تڑ تڑ تڑ تڑ مشین گن چلنے کی آواز آتی ہے۔ سامنے سڑک پر بھل چل مچ جاتی۔ ہر شخص بدحواسی سے بھاگتا ہے۔ ایک آواز سنائی دیتی ہے۔ جیسے کوئی کہتا ہوا بھاگ رہا ہو

"نازی سور کی اولاد نے ہمارے اسکول کے بچوں پر گولی چلا دی"

ایک چیخ سنائی دیتی ہے "نہتے شہریوں پر گولی چل رہی ہے۔ اور مکانات لوٹے جا رہے ہیں"

ڈانگ۔ ڈانگ گرجا کا گھنٹہ زور زور سے بجتا ہے اور بجتا رہتا ہے۔ تڑ تڑ تڑ تڑ تڑ مشین گن چلنے کی آواز سنائی دیتی ہے۔

باہر سڑک پر بھگدڑ مچی ہوئی ہے۔ ہر شخص سر پر پیر رکھے بھاگے چلا جا رہا ہے۔

ایک شخص ننگا سر اپنی داڑھی پکڑ پکڑ کر چیخ رہا ہے "مارو مارو! ان نازی کتوں کو مارو! یہاں ہیں فرانس کے غدار۔ بہادر نوجوان آؤ اور باد وطن کی ناموس بچاؤ! بڑھو! بڑھو! میرے بہادر بڑھو! آؤ اپنے مقدس وطن سے فرانس کے دامن پر سے شکست کا دھبہ دھو ڈالو! آزادی یا موت! آزادی یا موت! آؤ فرانس کے شیرو! بس ایک دفعہ اور! تمہارے وطن کو اس وقت تمہارے خون کی ضرورت ہے غلامی۔ بدترین غلامی۔ نازی درندوں کی غلامی۔ توڑ دو۔ توڑ دو ان زنجیروں کو۔ ایک دفعہ۔ بس ایک دفعہ اور"

اس شخص کی کوئی نہیں سنتا۔ ہر شخص بھاگا چلا جا رہا ہے اور وہ چیخ چیخ کر رونے لگتا ہے۔

نازی بمبار طیاروں کی گڑگڑاہٹ فضائے آسمانی پر سنائی دیتی ہے۔ اور دھوں دھوں، بم گرنے لگتے ہیں۔ مکانات گرنے کے دھماکوں سے کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی۔

تھوڑی دیر بعد بم گرنا بند ہو جاتے ہیں۔

پولکس۔ کیا گناہ کیا تھا ہم مزدوروں نے اے خدایا!

لورین۔ فرانس کی چھاتی پر موٹر چل رہے ہیں۔

ریبان۔ ہم اپنے حکمرانوں کی غلطیوں کا خمیازہ بھگت رہے ہیں۔

پولکس۔ بیشک ہمیں جو کچھ بھی سزا دی جائے کم ہے۔ ہم نے کیوں نہیں اس جنگ سے پیشتر اپنے حکمران بدل دئے۔

ایک زور کے دھماکے کے ساتھ دروازہ کھل جاتا ہے اور لیوکام داخل ہوتا ہے۔

ریبان۔ کون ہو؟

لیوکام۔ ایک مصیبت زدہ بھائی۔

پولکس۔ آؤ اور دروازہ اندر سے بند کر لو۔

لیوکام ہانپتا ہوا آتا ہے۔ اور ایک کرسی پر گر جاتا ہے ریبان ایک گلاس پانی انڈیل کر دیتا ہے۔

لیوکام۔ شکریہ۔ نازی سپاہی میرا تعاقب کر رہے ہیں۔

لورین۔ کانپ کر، کیوں؟!

لیوکام۔ میں نے ایک مکان کی چھت پر سے چار ہٹلر کے بچوں کو جہنم میں پہنچا دیا۔!

پولکس۔ شہر میں کیا ہو رہا ہے؟ کیا اب بھی گولیاں چل رہی ہیں۔ مارشل پیتان کی بزدلانہ صلح کے بعد!

لورین۔ آہ! آج خود فرانس کی سرزمین پر فرانس کے نونہال غیر ملکیوں کے ہاتھوں کتوں کی موت مارے جا رہے ہیں۔

لیوکام۔ آج سویرے نازی پولیس کے حاکم نے اسکول کے بچوں کو حکم دیا کہ وہ فرانسیسی ترانہ کے بجائے جرمن قومی گیت گائیں۔ بچوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر نازی پولیس نے ان معصوموں پر گولی چلا دی۔ شہر میں جب یہ خبر پہونچی تو عوام مشتعل ہو گئے۔ اور جرمن سپاہیوں کو قتل عام کرنے اور لوٹ مار مچانے کا ایک آسان بہانہ مل گیا۔ اب تو شاید گولی چلنا بند ہو گئی۔

ریپان۔ لعنت ہو نازیوں پر۔

لورین۔ ان کو شرم بھی نہیں آتی کہ صلح کے بعد بھی فرانس کے ننھے ننھے بچوں پر گولیاں برساتے ہیں۔

پولکس۔ فاتح کے لئے ہر بات جائز ہے۔ وہ اپنے آپ کو شیطان کا نمائندہ سمجھتا ہے۔

لیوکام۔ آہ۔ ہم کو خود ہمارے ہم وطنوں نے دغا دی۔ ہماری محدود جمہوریت کو جرمنی کی مضبوط آمریت نے شکست دیدی جس وقت جرمنی میں ٹینک اور بمبار طیارے بنائے جا رہے تھے ہمارے سرمایہ دار اپنی انتہائی خود غرضی سے فرانس کی دولت اپنی جیبوں میں بھر رہے تھے۔

پولکس۔ یہ ایک دردناک کہانی ہے جس کو الفاظ میں نہیں بیان کیا جا سکتا

لیوکام۔ لیکن اب اس کو ہر فرانسیسی بہت اچھی طرح سمجھتا ہے۔

پولکس۔ کاش ایسا ہی ہوتا!

لیوکام۔ فرانس کچھ کھو کر کچھ پا گیا۔ اپنی عظمت کھو کر اپنی حقیقت سمجھ گیا۔

دروازہ پر بڑی زور سے کھٹ کھٹ ہوتی ہے اور دو مسلح جرمن سپاہی داخل ہوتے ہیں۔ جن میں ایک افسر معلوم ہوتا۔ لورین کا منہ فق ہو جاتا ہے۔

افسر۔ تم لوگ کیا باتیں کر رہے ہو۔

پولکس۔ ہم فرانس کی شکست کے اسباب پر غور کر رہے ہیں۔

افسر۔ تو اس کے یہ معنی ہیں کہ تم جرمن حکومت سے بغاوت پر آمادہ ہو۔

ریپان۔ ہم امن پسند شہری ہیں۔

افسر۔ ہم تم کو گرفتار کریں گے اور تمہارے مکان کی تلاشی لیں گے۔

پولکس۔ تم نے سارے فرانس کو گرفتار کر لیا اور اس کی تلاشی لے لی لیکن اب بھی تمہاری ہوس پوری نہیں ہوئی۔

افسر۔ خاموش۔ تمہاری مجال کہ تم ہمارے کاموں میں دخل اندازی کرو۔

لیوکام۔ افسر! میڈم پولکس ایک بڈھی عورت ہیں تم خوشی سے مکان کی تلاشی لے سکتے ہو۔ وہ کوئی مزاحمت نہ کریں گی۔

پولکس۔ کیا اب ہر جرمن کو اختیار ہے کہ وہ ہر فرانسیسی کے گھر میں گھس جائے اور اس کی تلاشی لے لے۔؟

افسر۔ (سپاہی کو اشارہ کرکے) اس بڈھی بھیڑ کو گرفتار کر لو۔ آج شام کو شاہراہ عام پر اس کے کوڑے لگیں گے۔

پولکس۔ او تم بزدل حرامزادے دیکھو گے کہ وہ آخری سانس تک تمہارے ایسے رذیل کمینوں سے امان نہیں مانگے گی!

سپاہی میڈم پولکس کو گرفتار کرنے کے لئے بڑھتا ہے لیوکام اور ریپان درمیان میں آنے کی کوشش کرتے ہیں۔ افسر اپنا ریوالور نکال کر گولی چلاتا ہے۔ ریپان زخمی ہو جاتا ہے۔ لورین اسے سنبھالتی ہے۔ سپاہی لیوکام کے سر پر اپنا ڈنڈا مارتا ہے اور وہ تڑپنے لگتا ہے میڈم پولکس افسر کے ساتھ چلی جاتی ہے۔ (پردہ)

پانچواں منظر!

قصبہ کا ایک پارک۔ جرمن فوج کا ایک دستہ ایک دائرہ میں کھڑا ہے۔ درمیان میں میڈم پولکس ہے۔ دو چار فرانسیسی ادھر ادھر دبکے اور سہمے کھڑے ہیں۔

افسر۔ یہی وہ منحوس عورت ہے جسے اپنے بڑھاپے پر بھی رحم نہیں آیا اور اس نے ہمارے جرمن نظام کے متعلق اعتراض کرنے کی جراءت کی۔ اس کے بیس کوڑے لگاؤ۔

ایک سپاہی بڑھتا ہے اور میڈم پولکس کے کوڑے لگاتا ہے۔ میڈم پولکس ایک آواز بھی نہیں نکالتی لیکن پانچویں کوڑے پر بے ہوش ہو کر گر جاتی ہے۔

افسر۔ (قہقہہ لگا کر) اسے ضعف معدہ کی شکایت معلوم ہوتی ہے۔ جاؤ اسے حوالات میں بند کر دو۔ اور کل سویرے اس کا بقیہ قرض بھی ادا کرنا۔

دو سپاہی میڈم پولکس کو اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ میڈم پولکس بے ہوشی میں کراہتی ہے۔

چھٹا منظر

دوسرے روز شفق کے وقت۔

حوالات کے ایک کونے میں میڈم پولکس پڑی کراہ رہی ہے)

میڈم پولکس نقاہت سے اپنی آنکھیں کھولتی ہے اور اپنے چاروں طرف دیکھتی ہے۔

پولکس۔ پانی۔ پانی! درد سے چیختی ہے) پانی! آہ! آہ! پانی ——

خون! خون! خون کے دریا میں، نہا کر فرانس ایک نیا جنم لے رہا ہے!

مرگیا فرانس —— سرمایہ داروں کا فرانس! مزدوروں کا فرانس اب پیدا ہو رہا ہے! کس نئی شان سے! ——

پانی! ہٹاؤ! ہٹاؤ ان سب پرانی چیزوں کو ہٹاؤ۔ ہمیں ایک نئی دنیا پیدا کرنی ہے مزدوروں کی دنیا!

(آفتاب کی پہلی کرن حوالات کے کٹہرہ پر نمودار ہوتی ہے)

نئی دنیا! نئی دنیا! پرانی چیزوں کو ہٹاؤ۔

پولکس ہچکی لیتی ہے اور ختم ہو جاتی ہے۔

پردہ

دنیا کا ابتدائی افسانہ

(از جناب افتخار احمد صاحب ڈیرہ دون)

خدا نے سب سے پہلے انسان، آدم اور سب سے پہلی عورت، حوا کو اپنی حکم عدولی کرتے ہوئے دیکھا تو اسے بہت غصہ آیا۔ اور اس نے ان دونوں کو عدن کے رنگین اور پر فضا باغ سے باہر نکال دیا —— یہ دنیا کے ناواقف مجرم ہر چہار جانب مایوسانہ انداز سے دیکھتے تھے ان کی آنکھوں سے پشیمانی ظاہر تھی۔ دل پریشان تھے۔ وہ حسین اور خوش رنگ چڑیوں کے چہچہے، وہ فرحت بخش اور معطر فضا، وہ چاندنی میں سوئی ہوئی کومل اور نازک روشیں، وہ غیر فانی بہار، وہ میٹھا اور ٹھنڈا پانی، لذیذ میوے، اور فرحت بخش نسیم سحری اب کہاں!

شام کی سرعت کے ساتھ بڑھتی ہوئی تاریکی میں یہ دونوں مرد و عورت ایک سخت اور کھردرے پتھر پر بیٹھے ہوئے تھے۔ فضا خاموش تھی۔ ان کے آنسو کانٹوں کی طرح اُگنے کے لئے خشک زمین پر گر رہے تھے۔ اور یہ پہلا موقع تھا۔ جب رنگین شفق غروب ہوتے ہوئے سورج، نکلتے ہوئے تاروں، اور آشیانوں کو واپس جاتی ہوئی چڑیوں نے کسی جاندار کو غمگین دیکھا۔

اب حوا آدم کے بالکل قریب آ بیٹھی۔ چاندنی غمگین لیکن دودھ کی طرح سفید چاندنی۔ چاروں طرف پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے گھٹنوں پر رکھے ہوئے آدم کے سر کو اپنے نازک ہاتھوں سے آہستگی کے ساتھ اٹھایا۔ اور اسکو اپنے سینے سے لگا لیا۔ آدم کے بہتے ہوئے آنسو۔ اس کی آنکھوں میں خشک ہو گئے اس کے دل میں سکون کی برقی لہر دوڑ گئی۔ ایسا سکون ایسی راحت۔ اسنے باغ عدن کے کسی رنگین پھول کی لہلاتے ہوئے نازک پتے اور کسی خوش ذائقہ پھل میں بھی محسوس نہ کی تھی مگر حوا کی بڑی بڑی خوبصورت آنکھوں سے ابتک آنسو جاری تھے۔ اس کے دکھے ہوئے دل سے غریب الوطنی کا صدمہ ابھی دور نہیں ہوا تھا۔ وہ بے چین تھی۔ اور خدا کے اس بے رحمانہ؟ طرز عمل سے رہ رہ کر اس کا دل بھر آتا تھا۔ آنسوں امنڈے چلے آ رہے تھے۔

آدم نے اپنی موٹی اور سخت انگلیاں۔ اس کے کالے لمبے اور ریشم جیسے نرم بالوں میں جو بکھرے پڑے ہوئے تھے۔ پھیرنا شروع کیں۔ اپنی مسکراتی ہوئی نظریں اس کی غمگین اور آنسوؤں سے بھرا آنکھوں میں ڈالیں حوا کا غم ان محبت بھری نگاہوں کے اثر سے خوشی میں تبدیل ہو گیا۔ اس کے چہرہ پر خوشی کے آثار نمایاں ہوتے۔ یہ لذت اور ایسی کشش اسے باغ عدن کی کسی دودھ یا شہد کی نہر میں بھی محسوس نہ ہوئی تھی۔

چاندنی اب کچھ ہلکی پڑ گئی تھی۔ چاروں طرف کافی اندھیرا تھا۔ تاریکی بڑھتی جا رہی تھی۔ تارے مسکرا رہے تھے۔ پرندے اپنے محفوظ آشیانوں میں بسیرا لے رہے تھے۔ ہوا تنہائی میں گنگنا رہی تھی۔ سنسار سوتا تھا۔ دنیا کے وسط میں دو شمعیں روشن تھیں۔ جنہوں نے پہلے پہل دنیا میں محبت کے تاریک ترین راستے کو روشن کیا۔ دو دیوتاؤں کی مورتیاں تھیں۔ جنہوں نے دنیا میں محبت کی تخلیق کی۔ چاروں طرف خاموشی کا دور دورہ تھا۔ اور وسط میں دو رسیلے نغمے۔ دو میٹھی تانیں چھڑی ہوئی تھیں۔ یہ پہلا موقع تھا۔ جب کہ رات کے تاریک آسمان کے ٹمٹماتے ہوئے تاروں اور گھاس اور پھولوں کو تازگی بخشنے والے شبنم کے چمکیلے قطروں نے دنیا میں محبت کی کلیوں کو کھلتے ہوئے دیکھا۔

(ماخوذ از ہندی)

صدائے بے نوا

دلربا منظر

فلک پہ ایک کارواں چلا ہے جھوم جھوم کے
افق سے تا افق بڑھا شفق کو چوم چوم کے
نگاہِ اشکبار سے بہا کے لعل اور گہر
چلا ہے آبشار سے نراز کوہسار پر

فضائے لالہ زار میں بہار تاجدار ہے
نگاہِ شرمسار میں خمارِ جوئبار ہے
حریمِ خوابِ ناز کی سکوں مآب زندگی
شبابِ سحر ساز کو لئے سوئے چمن چلی

رواں دواں چمن چمن غرورِ حسن سکہ زن
خوشی خوشی مگن مگن ادائے شوخ خندہ زن
مچل مچل کے ناز سے پھسل پھسل کے پل بہل
ادائے جانگداز سے سمٹ سمٹ سنبھل سنبھل

چمن سے چھیڑ پر تلے ہیں گل بدن بہار میں
عجیب کیف پر سکوں ہے مدہ بھرے خمار میں
قدم قدم پہ شوخیاں خیال سوئے جام ہے
زغم بلند و پست کا نگہہ سوئے خرام ہے

جھکا کے حسن دلنشیں صبا سوئے چمن چلی
مٹے ادا و ناز سے گلاب کی کلی کھلی
بلا کے پیچ و تاب سے نسیم نغمہ خواں ہے
بڑھا کے زلفِ عنبریں شمیم حکمراں ہے
بھلائے مشک بیز کی خرامگی پہ مرحبا
نگاہِ فتنہ خیز کی روانگی پہ مرحبا

ایک غریب کی بانگ درو

چمن کی عطر بیزیاں یہ گلفشانیاں ہیں کیا؟
خرام ناز و بے بسی ستم طرازیاں ہیں کیا؟
حریم خواب ناز کا شباب سحر ساز کیا؟
ادائے دلفریب کی جفائے جانگداز کیا؟

سکوں مآب زندگی ہمارے واسطے نہیں!
نسیم صبح عنبریں مرے لئے چلی نہیں!
ادا و ناز جانگسل پہ مجھ کو اعتبار کیا؟
خرام ناز بے محل سے مجھ کو سروکار کیا؟

مجھے خیال عیش کیا وبالِ جاں ہے زندگی
تلاش ہے معاش کی گلے میں طوقِ بندگی
جہاں میں آئی کس لئے یہ راز بھی نہ کھل سکا
پلی بڑھی جواں ہوئی یہ راستہ نہ مل سکا

تاثرات قلب ہیں، مضمحل دل و جگر
تغیراتِ دہر ہیں سوادِ نقطۂ نظر
ہمارے دل میں مشتعل ہے آگ انقلاب کی
جگر میں آج نغمہ زن ہے راگ، انقلاب کی

اٹھو بہادرو! اٹھو، بڑھو مجاہدو! بڑھو
بھڑک اٹھا ہے جذب دل رہِ عمل پہ بڑھ چلو
اٹھ اے غریب ہمنوا ترا چمن اجڑ گیا
اٹھ اے اسیرِ بے نوا ترا وطن اجڑ گیا
تری رگوں کے خون سے چلا کے دورِ احمریں
امیرِ معاش بھی بنا ہوا ہے شاہِ دیں

روس کے بنیادی اصول

(۱) میں [illegible] مگر یاد رکھ کہ میں تمام دنیا کا بھی [illegible] [illegible] اور [illegible] [illegible] سے بچے ہیں۔

(۲) مجھے [illegible] کی آزادی اور [illegible] نہیں کرنا چاہیئے [illegible] کے ٹکڑوں [illegible] [illegible] کرنا چاہیئے۔

(۳) [illegible] کی عزت اور ان کی [illegible]

(۴) اپنے [illegible] اور [illegible] اخلاقی [illegible] کے لئے [illegible] [illegible] جانا چاہیئے۔

(۵) مجھے [illegible] کہ صنعت پر حاصل [illegible] نہیں ہے بلکہ [illegible] کی زندگیاں [illegible]

(۶) [illegible] جمہوریت [illegible] جمہوریت کی طاقت [illegible] کوئی ایک آدمی [illegible] [illegible] حکومت [illegible] یہ بھی یاد رکھ [illegible] [illegible] مزدوری کے [illegible]

(۷) مجھے [illegible] اپنی بحری طاقت اور فوجی [illegible] دکھا کر ڈرانا نہیں چاہیئے۔

(۸) مجھے صرف سیرت اور خدمت کو مد نظر رکھ کر لوگوں کی عزت کرنا چاہیئے اور رنگ، نسل اور پچھلی غلامی کی وجہ سے کسی کو ذلیل نہ سمجھنا چاہیئے۔

(۹) مجھے کینہ [illegible] رنگ آمیز خبروں یا زہر آمیز ناموں کے ذریعہ سے اپنے ہمسایہ کے خلاف کوئی جھوٹی شہادت نہیں دینی چاہیئے۔

(۱۰) مجھے یاد رکھنا چاہیئے کہ جب میرے اپنے آباؤ اجداد وحشی اور جاہل تھے تو دوسرے لوگ ان کے لئے تہذیب و شائستگی کی بشارت لائے - اب تو دولتمند اور کامیاب ہے، خبردار ہو جا اور ایشیا اور افریقہ میں صرف اپنا ظلم و کمال اپنے جنگی جہاز، سامان اور متحرک دستے ہی نہ لے جائے اور اس بشارت کو اور اس کی روح کو اپنے ساتھ لے جانا بھول جائے۔

نظم

طلوعِ آفتاب

از حضرت نہالؔ سیوہاروی

افق سے وسعتِ گیتی کو چمکاتا ہوا نکلا
وداعِ تیرگی کا حکم فرماتا ہوا نکلا

اڑا کے لے گئی تھیں رات کی تاریکیاں جسکو
وہ پھر اس پرچمِ زرّیں کو لہراتا ہوا نکلا

اندھیری بستیوں پر کھوندیں راہیں تجلّی کی
طلسمِ ظلمتِ دوراں سے ٹکراتا ہوا نکلا

گُلوں پر گلبنوں پر وادیوں پر کوہساروں پر
تمامی عرصۂ آفاق پر چھاتا ہوا نکلا

الٹ کر پردہ رخ جیسے کوئی شعلہ رو نکلے
ہوائے تیرہ یوں چہرہ سے سرکاتا ہوا نکلا

وہ اس کا شرق سے تا غرب فیضانِ ضیاپاشی
کہے تو اک بساطِ نور پھیلاتا ہوا نکلا

محبت سے ہراک پیروجواں کی اٹھ گئی نظریں
ہراک پیروجواں کے دل کو پرچاتا ہوا نکلا

نہ چھوڑا حلقہ زہاد کو بھی کیف سے خالی
شرابِ سرخ کچھ اس طرح چھلکاتا ہوا نکلا

ہوا اس عالمِ خاکی میں فیضِ زندگی جاری
ہراک ذرہ میں روحِ تازہ دوڑاتا ہوا نکلا

کیا تھا سرد جس جوشِ عمل کو راحتِ شب نے
پھر اسکو سینۂ انساں میں گرماتا ہوا نکلا

زمیں کے رہنے والوں کو دیا درسِ فلک بینی
عروجِ زندگی کا راز سمجھاتا ہوا نکلا

حیا آئی ہوا جب ضوفگن ارضِ غلامی پر
دیارِ ہند سے نکلا تو شرماتا ہوا نکلا

درخشاں جس سے تھا پہلا ورق تاریخِ انساں کا
اسی افسانۂ ماضی کو دہراتا ہوا نکلا!!!

زمانِ تیرۂ شب را پیامِ انقلاب آمد جہاں ہنگامہ زار خرمی شد آفتاب آمد

بہارِ تازہ ہی ہے گرمِ نمائش بوستانوں میں — طیورِ گلستاں مصروف ہیں رنگیں ترانوں میں
نیا عالم نظر آتا ہے سورج کے نکلتے ہی — کہاں وہ دلکشی گذری جو شب کے فسانوں میں
ہے طوفانِ مسرت موجزن اک مرغانِ گلشن پر — مسرت ہی مسرت موجزن ہے آشیانوں میں
طلوعِ مہرِ عالمتاب سے ہیں شادماں میکش — مئے عشرت کے ساغر چل رہے ہیں خمستانوں میں
ابھی کی نیند سے ہم دوش تھی جن کی گراں خوابی — سبک رو ہیں جہادِ زندگی کے امتحانوں میں
رگوں میں جوش زن ہیں ولولے تسخیرِ عالم کے — جوانی کی امنگیں جاگ اٹھیں نوجوانوں میں
یہ ہیں اقتضائے تازگی عزم و ہمت کا — اٹھا کر پستیاں رکھ دیں زمیں کی آسمانوں میں
نظر آتے ہیں سرگرمِ مشقت کشت زاروں پر — وہ دہقاں جو ہیں تنظیمِ جہاں کے پاسبانوں میں
تخیل مطمئن ہوتا نہیں اگلے حقائق پر — نمایاں جذبۂ تحقیقِ نو ہے نکتہ دانوں میں
ہے اک ہنگامہ آرائی جہاں دیکھو جدھر دیکھو — صدائے زندگی ہے شاہراہوں میں مکانوں میں
طلوعِ روزِ روشن سے ہیں سرگرمِ عمل ایسے — نئی اک جان گویا آگئی افسردہ جانوں میں
غرض اس عرصۂ گیتی پہ انساں ہوں کہ چوپائے — ثنا خواں شۂ خاور ہیں سب اپنی زبانوں میں

فروغِ تازہ قسمت شد جہانِ کہنہ آئیں را
بر اوجِ آسماں کو راندہ است ایں گوئے زریں را

زندگی تیر موت

غالبؔ کا ایک شعر ہے ؎

بے دستگاہ نیم کہ ہنوز از ہوائے وصل
شوریست در سرم کہ بہ سامان برابر است

غالبؔ نے یہ شعر اس وقت کہا تھا جب ہندوستانی سلطنت کا چراغ گل ہو چکا تھا۔ قید و بند اور غلامی کا دور شروع ہو چکا تھا۔ اور ہندوستانیوں کے دماغ پر اضمحلال اور مایوسی چھائی ہوئی تھی۔ آپ ایک آزاد پرندے کو قفس میں بند کر دیجئے۔ اور دیکھئے کہ وہ اپنی آزادی کے لئے کس طرح بے چین ہوتا ہے۔ آپ نے شیر کو دیکھا ہوگا کہ وہ پنجرے میں برابر ٹہلتا رہتا ہے اور ایک منٹ کیلئے بھی چین سے نہیں بیٹھتا۔ مگر ہندوستان کی آزادی جب چھنی تو ہندوستانی ذہن اس فلسفہ ہیچمدانی کے صدیاں تک شکار رہنے کی وجہ سے مفلوج ہو گئے تھے جس نے یونان۔ عرب۔ مصر اور ہندوستان میں پرورش پائی تھی۔

اس فلسفہ کی ابتدا بدھ کے وقت میں ہوئی اور عیسائیت کی صورت میں مکمل ہوئی اس فلسفہ کی رو سے انسان گنہگار پیدا ہوتا ہے اور اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے لئے اس زمین پر بھیجدیا جاتا ہے زندگی فریب ہے۔

حوصلہ ــ خودداری۔ اور ــــ خودی

انسان کو خدا سے بغاوت کرنے پر آمادہ کرتی ہیں۔ خودی کو مٹانے سے خدا ملتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس فلسفہ کے حامل تقدیر پرست ہو کر رہ گئے اور وہ اپنے تئے قفس میں پھڑ پھڑانا بھی تقدیر کی توہین سمجھتے تھے۔

مجھے یاد ہے کہ علامہ اقبالؒ اور خواجہ حسن نظامی صاحب سے اس مسئلہ پر کافی بحث رہی۔ ہندوستانیوں کی بحثوں۔ مناظروں جلسوں جلوسوں اور تقریروں کا انجام آجکل وہی ہوتا جو اس بحث کا انجام ہوا یعنی حضرت اکبر الہ آبادی نے۔ اس بحث کو چند اشعار میں چکا دیا۔ انہوں نے فرمایا :

ڈاکٹر اقبال اور خواجہ حسن
پہلوانی آن میں۔ ان میں بانکپن
گر نہیں ہے دور شاہی کے لئے
آؤ گتکہ جائیں خدا ہی کے لئے
... کو تکلف ہی سہی
با ملتا پانی کو تقوت ہی سہی

اور آخر میں ڈاکٹر اقبالؔ کا ایک شعر تھا جس کا دوسرا مصرعہ ہندوستانی ذہنیت کا آئینہ دار ہے۔ یعنی

می کند دیوانہ با دیوانہ رقص!!!!

بات ختم ہو گئی۔ اقبالؔ اپنی جگہ رہے۔ اور خواجہ صاحب اپنی جگہ۔ دیکھنا یہ ہے کہ ہندوستانی بحثوں کا انجام بقول اکبر الہ آبادی "قوالی" کیوں ہوتا ہے۔ میرا اشارہ ان کی اس رباعی کی طرف ہے۔

با ہنر بن کر جیو تو قوم کی گالی سنو
بے ہنر بن کر رہو تو طعنہ حالی سنو
مجھ کو دی پیر طریقت نے یہ اک اچھی صلاح
مار دگولی ان سبھوں کو ڈٹ کے "قوالی" سنو

میں یہ عرض کرنے کی جرأت کروں گا کہ اس کی وجہ تصوف کا نظریہ ہیچمدانی ہے۔ اور میرا یہ دعویٰ ہے کہ دنیا کے کسی مذہب نے بھی ہیچمدانی کا وہ تصور پیش نہیں کیا جو خانقاہوں نے پیدا کیا ہے۔ اور جو نہ صرف ہندوستان بلکہ سارے مشرق کے انحطاط کا باعث ہوا ہے۔ انجیل کے پڑھنے والے جانتے ہیں۔ کہ اس میں جہاں حضرت عیسٰے علیہ السلام نے عدم تشدد اور دشمنوں سے محبت کرنے کی تلقین کی ہے وہاں یہ بھی فرمایا ہے کہ

"یہ مت خیال کرو کہ میں صرف صلیب لے کر آیا ہوں
میں تلوار بھی لایا ہوں"

اور دنیا میں ہمیشہ یہی ہوا ہے کہ وہ لوگ جو "عدم تشدد" اور ہیچمدانی کو اپنا شعار بنا لیتے ہیں جب زندگی کی جد و جہد میں عملی طور پر شریک ہوتے ہیں تو ان کو ان تصورات کے خلاف عملاً جہاد کرنا پڑتا ہے۔ آج جتنی اقوام میدان کارزار میں صرف انسانوں کا نہیں بلکہ انسانیت کا خون بہا رہی ہیں۔ ان میں سے اکثر وہ لوگ ہیں جو اس فلسفہ کو نہ صرف ایک تصور کی حیثیت سے بلکہ مذہب کی حیثیت سے مانتے ہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ

صلیبیں اٹھا کر اپنی فتح و نصرت کی دعائیں بھی مانگتے ہیں :

اس عجیب و غریب فضا میں ہندوستانیوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ زندگی کے مسائل پر تعصب اور جوش اعتقادی سے بالاتر ہو کر

غور کریں اور کسی قسم کے تصورات اور اعتقادات پر ایمان لانے سے پہلے ان کی صحت و عدم صحت کو بھی خوب پرکھ لیں۔

زندگی کیا ہے؟

میں یہاں صرف انسانی زندگی سے بحث کرنا چاہتا ہوں۔ انسان پر چار زمانے گزرتے ہیں۔

(۱) پیدائش سے پہلے۔
(۲) پیدائش کے بعد موت تک
(۳) عالم برزخ موت سے قیامت تک۔
(۴) حشر اور اس کے نتائج۔

دنیا کے تمام مذہب اور فلسفے انسانی زندگی کے ان چار دوروں کو مانتے ہیں مگر ان کی تفسیر و تشریح میں بے انتہا اختلافات ہیں۔ پھر میں اپنے موضوع کو اور بھی محدود کرنا چاہتا ہوں کہ اس زمین پر انسانی زندگی کا مقصد کیا ہے اور اس مقصد کو پورا کرنے کے لئے اس کا لائحہ عمل کیا ہونا چاہئے؟

انسان پیدا ہوتے ہی فطرت کے ایسے ماحول میں آنکھیں کھولتا ہے جو اس کا زبردست دشمن ہے۔ اور اس کو مٹانے کے درپے ہے۔ پیدا ہوتے ہی گرمی یا سردی ہوا کا بوجھ اور کثافت اس پر حملہ آور ہوتی ہے۔ اور وہ اپنے پھیپھڑوں اور اعصاب کو ماحول کے مطابق بنانے کے لئے ہاتھ پیر مارتا ہے اور روتا ہے۔ اور کچھ دیر کے بعد جب اس نئی دنیا کا عادی ہو جاتا ہے۔ یا اس پر قابو حاصل کر لیتا ہے۔ تو بے پرواہ ہو کر سو جاتا ہے۔ یہی انسان کا کمال ہے۔ اور یہی انسانی زندگی کا مقصد یعنی انسانی زندگی کا مقصد یہ ہے کہ وہ کائنات پر حکمرانی کرے اور فطرت کے خلاف مسلسل برسرپیکار رہے۔ ظاہر ہے کہ یہ صرف دو ہی صورتوں میں ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ حافظ شیرازی نے اس شعر میں اشارہ کیا ہے۔

قومے بجد و جہد گرفتند وصل دوست
قومے دگر حوالہ بہ تقدیر می کنند

یہی دو طریقے ہیں اور ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ یہ دونوں طریقے ایک دوسرے کے اتنے ہی مخالف ہیں جیسے کہ بادی النظر میں معلوم ہوتے ہیں یا ایک ہی طریقہ کی دو تفسیریں ہیں۔

تقدیر

صدیوں سے انسان تقدیر کے مسئلہ کی وضاحت میں مصروف ہے اور تنگ آکر بہت سے لوگوں کا خیال ہو گیا ہے کہ اس مسئلہ پر بحث کرنا بے سود ہے۔ مگر مسلسل تجربات۔ مشاہدات۔ اور واقعات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ "تقدیر" انسانی اعمال کے نتائج کا نام ہے۔

دنیا میں کروڑوں انسانوں کی مثالیں موجود ہیں۔ کہ وہ انتہائی خلاف ماحول میں پیدا ہوئے۔ وراثتاً بھی ان کو نہ صرف یہ کہ کچھ نہ ملا بلکہ کچھ ملنے کے امکانات بھی نہ تھے۔ مگر انھوں نے پیہم کوششوں سے اپنی ہی نہیں اپنے ملک و قوم اور عام انسانیت کی تقدیروں میں انقلاب برپا کر دیا۔ اس کے برخلاف ایسے لوگ بھی تھے اور ہیں۔ جو پاکیزہ ماحول اور شاندار وراثت لے کر پیدا ہوئے مگر اپنے کردار اور حرکات سے خود بھی ڈوبے اور اپنے ملک و قوم کو بھی لے ڈوبے۔ دنیا کی کسی کتاب نے اس مسئلہ کو اتنے واضح اور کھلے ہوئے الفاظ میں ظاہر نہیں کیا۔ جتنا قرآن پاک نے:

"تمہارے اوپر کوئی مصیبت نہیں آتی مگر وہ جو تم
اپنے ہاتھوں سے کماتے ہو"
"انسان کے لئے کچھ نہیں ہے۔ مگر وہ جو کوشش سے
حاصل کرے اور اس کی کوشش کا لحاظ رکھا جاتا ہے"

جدید یا قدیم نظریات میں "ماحول" اور "وراثت" کی اہمیت کو تسلیم کیا گیا ہے۔ چنانچہ دنیا کے ہزاروں انسان آج بھی یہ مانتے ہیں کہ ستاروں کی گردش سے انسان کی تقدیریں بگڑتی اور بنتی ہیں۔ مگر قرآن کریم میں خدا نے انسانوں کو آگاہ کیا ہے

"ہم نے تمہارے لئے چاند اور سورج کو مسخر کر دیا ہے"

علم نجوم کے ماہرین اس چیز کی شہادت دے سکتے ہیں کہ جب دنیا میں انسانی اعمال خراب ہو جاتے ہیں۔ اور ہنگامے برپا ہوتے ہیں تو نظام شمسی میں فتور آ جاتا ہے۔ چنانچہ آج کل سیاروں کی جو حالت ہے۔ وہ اس قدر عجیب اور اتنی بے ترتیب ہے کہ کسی قسم کی پیشنگوئی کرنا محال ہو گیا ہے۔

قرآن پاک میں قوموں کے قصے ہیں کہ ان کے اعمال کی خرابی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے ممالک کے تختے الٹ دئے ہیں۔ میرا ایک شعر ہے ؎

نظام دہر قائم ہے دل انسان کی لغزش پر
یہی تقدیر دچہ گردش افلاک ہوتی ہے

اور یہ تصور اس لئے بھی زیادہ قابل تسلیم ہے کہ دنیا کے تمام مذاہب اور نظریات کے موجدین اس بات پر متفق ہیں کہ انسان حاصل کائنات ہے۔ اور کرۂ ارض پر زندگی ایک ایسی ہستی کی تلاش و جستجو میں سرگرداں رہی ہے۔ جو زندگی کی تمام قدرتوں اور ملکات کی حامل ہو۔ یہاں تک کہ زندگی انسان بنانے میں کامیاب ہو گئی۔ اب اگر انسان ان قدرتوں اور ملکات کو زیادہ سے زیادہ کام میں لانے کی بجائے بزدلی کم ہمتی

اور کاہلی اختیار کرکے جد و جہد سے منہ موڑ کر خانقاہوں میں بیٹھ جانے تو یہ زندگی کا تمسخر اور خالق کائنات کی توہین کرنے کے مرادف ہے۔
حقیقت یہ ہے کہ بندگانِ دین ریاضتیں اس لئے نہیں کرتے تھے۔ اور خلوت میں اس لئے نہیں رہتے تھے کہ وہ رہبانیت کے قائل تھے۔ بلکہ اس لئے کہ وہ تنہائی کی ریاضتوں سے روحانی اور جسمانی خودی کو طاقتور بناتے تھے۔ اور جب وہ اس قابل ہو جاتے تھے کہ وراثت۔ ماحول، اور کشمکش حیات کا پورا پورا مقابلہ کر سکیں تو رشد و ہدایت کی مسند پر جلوہ گر ہوتے تھے۔ اور اپنے اعمال خیر سے ساری قوم کی تقدیریں بدلتے تھے۔ لیکن ہندوستان کے دورِ انحطاط میں خلوت اور ریاضتیں تو مذہب بن گئیں اور کوشش ناتمام۔ "تقدیر"

"یہ مصرعہ لکھ دیا کس شوخ نے محرابِ مسجد پر
یہ ناداں گر گئے سجدوں میں جب وقتِ قیام آیا
اقبال

میرا خیال ہے کہ جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کاتب تقدیر کا قلم خشک ہو چکا ہے۔ وہ زندگی کی حقیقت سے منکر ہیں۔
زندگی نام ہے حرکت کا۔ اور حرکت محدود نہیں رہ سکتی اس لئے کہ دور محال ہے۔ قرآن نے پھر یہاں صحیح رہنمائی کی ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالےٰ نے یہ فرمایا ہے کہ خدا جو چاہتا ہے اپنی مخلوق میں اضافہ کرتا ہے۔
ظاہر ہے کہ اگر تقدیر لکھی جا چکی ہے۔ تو اضافات کی گنجائش نہیں ہے۔
اگر ایک انسان جس کی تقدیر میں برائی ہی برائی لکھی ہوئی ہے اور اپنے اعمال اور کوششوں سے فلاح و نجات حاصل نہیں کر سکتا۔ تو حشر و نشر۔ سزا اور جزا۔ بھلائی اور برائی۔ شرافت اور رذالت بے معنی الفاظ ہیں۔ اور وہ اپنے برائیوں کا ذمہ دار نہیں ہے۔
جو لوگ اس عقیدے پر یقین رکھتے ہیں۔ وہ زندہ نہیں مردہ ہیں۔ اس لئے کہ اُن کے ذہن کام نہیں کر سکتے۔ وہ کوشش کرنے کی جرات بھی نہیں کر سکتے۔ اور ہندوستان میں آج ایسے انسانوں کی اکثریت ہے۔ اور یہی ہندوستان کی غلامی کا راز ہے۔
میرا عقیدہ ہے کہ ہر آن انسان اپنے ذہنی اور جسمانی اعمال سے اپنا مقدر سنوارتا یا بگاڑتا رہتا ہے۔ اور ہاتھ کے ہاتھ اسکو سزا اور جزا ملتی رہتی ہے۔ پھر یہ بھی واقعہ ہے کہ قوم چونکہ افراد کے مجموعہ کا نام ہے۔ اس لئے انفرادی اعمال اجتماعی زندگی پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک فرد کے اعمال قوموں کے عروج و زوال کا باعث بن جاتے ہیں۔ عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ جبلی اور اکات اور حرکات انسانی ذہن کے افعال پر حکمراں ہیں۔ اور اس دور مادیت میں تو عصباتی تحریکات ہی کو خیر و شر کا خالق گردانا جاتا ہے۔ مگر اس تصور سے انسان اور حیوان میں کوئی امتیاز باقی نہیں رہتا۔ اس لئے کہ حیوان بھی عصبی تحریکات سے غیر شعوری طور پر متاثر ہوتے ہیں۔ اور ان کے اعمال انہی تحریکات کے تابع ہوتے ہیں۔ گویا حیوان صرف مدافعت کر سکتے ہیں۔ اپنے بچاؤ کے لئے سمجھ بوجھ کر حملہ آور نہیں ہو سکتے۔
جن لوگوں کو شکار کا شوق ہے وہ جانتے ہیں کہ شیر سے لے کر سانپ تک کوئی بھی جانور ایسا نہیں ہے جو بغیر ستائے انسان پر حملہ آور ہو۔ لیکن انسان ہر اس چیز کو ختم کر دینا چاہتا ہے یا تابع بنا لینا چاہتا ہے۔ جس سے اس کو ذرا بھی خطرہ کا امکان ہو۔ معلوم ہوا کہ انسان میں حیوان سے زیادہ کوئی قوت ایسی ہے جو اس کو مدافعت کیساتھ ساتھ حملہ کی ترغیب دیتی ہے۔ اور یہی انسان کی برتری کا باعث ہو اس قوت کو ہم نفس کہتے ہیں۔
نفس انسانی زندگی کا آئینہ ہے اور انسانی ملکات اور طاقتوں کا منبع ہے۔ اگر نفس طاقتور ہے اور مکان و زماں کی تحریکات کا مقابلہ کرنے کی اس میں اہلیت ہے تو اسے خودی کہتے ہیں۔
وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ کی یہی تفسیر ہے۔ اور اگر نفس کائنات کی تحریکات سے متاثر ہوتے ہوئے ان سے مغلوب ہو جاتا ہے تو انسان میں بربریت پیدا ہو جاتی ہے۔ اور انسان اپاہج اور سازشی ہو جاتا ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ بچے علوم عقلیہ کے قبول کرنے کی زیادہ صلاحیت رکھتے ہیں۔ اور وہ ماحول کے اثرات کی پرواہ نہیں کرتے۔ سردی اور گرمی کو وہ اس طرح محسوس نہیں کرتے جیسے جوان آدمی۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ان کے نفس مکدر نہیں ہوتے۔ اور قوت متخیلہ اور مصورہ ان کے "انفس" پر غالب نہیں آتی۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسی لئے فرمایا ہے:-
"جب تک تم بچوں کی طرح نہ ہوگے خدا کی حکومت میں داخل نہیں ہو سکتے۔"

اور قرآن نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف یہی کی ہے:
"تم میں ایک رسول تمہارے انفس میں سے بھیجا ہے
اس پر تمہاری تکلیفیں گراں گذرتی ہیں وہ تمہارا حریص ہے۔ وہ مومنین کے ساتھ رؤف و رحیم ہے"

رافت ایسی محبت کو کہتے ہیں۔ جس میں کدورت کی گنجائش نہیں اور

یعت اس نظام کو کہتے ہیں جو اچھے اور برے سب کے لئے یکساں ہو۔
نفس انسانی کی آسودگی کی انتہا یہی ہے اور انسان کی خودی کی تکمیل اسی طرح ہوتی ہے۔ انسان میں انفرادی زندگی کی طاقتور بناتے ہوئے اجتماعی زندگی کو ترتیب دینے کا جذبہ پیدا ہو جاتا ہے اور کائنات اس کو ایک ناقابل تقسیم وحدت معلوم ہوتی ہے۔ ایسا انسان ایک عالمگیر برادری اور اخوت کا سب سے بڑا مبلغ ہوتا ہے گویا سب سے بڑا موحد ہوتا ہے۔ جو اپنی خودی کے چراغ سے تمام انسانوں کے نفوس کو چراغاں کر دیتا ہے۔

قرآن نے خدائے تعالیٰ کے تصور کی وضاحت جن خوبصورت الفاظ میں کی ہے وہ مذہبی لٹریچر میں اپنی نظیر آپ ہی ہیں۔

"خدا زمین و آسمان کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال
ایسی ہے۔ جیسے ایک قندیل میں ایک چراغ ہو۔ اور
چراغ ایک شیشہ میں رکھا ہو۔ شیشہ ایسا ہے جیسے
ایک نہایت ہی چمکدار ستارہ۔ اور وہ چراغ زیتون
کے مبارک درخت کے تیل سے جلتا ہے۔ جو نہ مشرقی
ہے نہ مغربی"

جب نفس انسانی خداوند عالم کے اس نور کا مرکز ہو جاتا ہے تو وہ زندگی کے تمام کمالات کا آئینہ ہوتا ہے۔ اور اس کی خودی مکمل ہو جاتی ہے پھر وہ کائنات میں ایک محرک اور عامل کی حیثیت سے حکمرانی کرتا ہے۔ اور اسی مقام کی طرف قرآن نے تمام انسانوں کو دعوت دی ہے۔ اور اسی سے قرآن نے یہ دعویٰ کیا ہے۔ کہ اس امت میں پیغمبرانہ شان ہے۔ اور کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مقام حاصل کیا۔ اور زندگی اپنے تمام کمالات کے ساتھ آنحضرت میں جلوہ گر ہوئی۔ اس لئے زندگی جس انسان کی تلاش و جستجو میں سرگرداں تھی وہ مثل اعلیٰ تمام انسانوں کے سامنے پیش کر دی گئی۔ اور کسی دوسری مثال کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

آپ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارک پڑھ جائیے آپ دشمن انسانیت ماحول میں پیدا ہوئے۔ وراثتاً آپ کو کچھ نہ ملا۔ مگر آپ نے مسلسل جدوجہد کے بعد دنیا میں جو نظام برپا کیا۔ وہ انسانی زندگی کے تمام مسائل کا واحد حل ہے۔ میں یہ مسلمان کی حیثیت سے نہیں کہتا بلکہ میں تمام ہندوستانیوں کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ اس نظام زندگی کو پرکھیں۔ دوسرے نظام ہائے زندگی سے اس کا مقابلہ کریں۔ اور زندگی کے ہر ہر جزئیہ کے متعلق۔ اسلام کے نظریات کو دیکھیں کہ ہر ہر قدم پر کھو کر دیکھ لیں کہ اس نظام میں کوئی جھول

پائیں گے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ دنیا کے تمام مذاہب کے خلاف اسلام نے عقائد و تصورات سے زیادہ اعمال کو نجات کا ذریعہ بتایا ہے۔ اسی لئے اسلام میں پاپائیت، رہبانیت اور چرچ نہیں ہے بلکہ ایسے اعمال کی تلقین کی گئی ہے۔ جن سے انسان مادی تحریکات سے کم سے کم متاثر ہو کر نفس کی صفائی اور طہارت بجنسہٖ قائم رکھ سکتا ہے۔ اسلام کے نزدیک انسان گنہگار پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ پاک اور صاف پیدا ہوتا ہے۔ اور صاف اور کھلے ہوئے الفاظ میں بتایا ہے کہ ہر بچہ فطرت اسلام پر پیدا ہوتا ہے۔ مگر اس کے ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی بنا دیتے ہیں۔ پھر اسلام کا دعویٰ یہ ہے۔ اور مسلمانوں نے عملاً اپنی زندگی میں یہ ثابت کر دیا ہے کہ جب انہوں نے یہ نظام زندگی اختیار کیا۔ ان کی وہ خامیاں جو وراثتاً ان کو ملی تھیں۔ حرف غلط کی طرح مٹ گئیں اور سخت ترین مخالف ماحول ان پر اثر انداز ہونے سے قاصر رہا۔ بلکہ انہوں نے انسانی زندگی میں انقلاب عظیم برپا کر دیا۔ اور تاریخ سے واقفیت رکھنے والے لوگ جانتے ہیں کہ آج دنیا میں جس قدر بھی زندگی کے متعلق ترقی یافتہ نظریات۔ اور نظام بنائے جا رہے ہیں۔ وہ اسلامی نظام سے کس درجہ قریب ہیں۔ گو ان میں وہ اعتدال ابتک پیدا نہیں ہوا۔ جو اسلامی نظام میں موجود ہے۔ جمہوریت، فسطائیت اور اشتراکیت اسلامی نظام سے۔ اکثر دفعات میں متفق ہیں۔ مگر ان میں اسلام کی وسعت ناپید ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اب تک یورپ میں سعادت عام، اور انسانیت کبریٰ کا تصور پیدا نہیں ہوا۔ کیونکہ موجودہ جتنے نظام ہیں ان کی بنیاد نسل و وطن کے محدود تصورات پر قائم ہے۔ اور اسلام میں، وطنیت، اور نسل کے امتیازات نہیں ہیں، سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔

"کسی عربی کو عجمی پر اور کسی عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت
نہیں ہے۔ سب آدم کے بیٹے ہیں"

دراصل نسل و وطن کے تصورات مادی اور عصبانی ہیں اور وحدت انسانی کے خلاف ہیں۔ ان چیزوں میں عقیدہ رکھنے والے گوشت و پوست کی دنیا میں محدود ہیں اور ان کے نفس وحدت باری تعالیٰ کی تجلیات سے بے بہرہ ہیں۔ ان کے نفوس ایسے آئینے ہیں جو آدھے کالے اور آدھے سفید ہیں۔ ہندوستان میں بھی آج کل ایسی تحریکات عام ہیں۔ جن کی بنیادیں نسل و وطن اور اس ناقص جمہوریت کے اصولوں پر قائم ہیں۔ جو یورپ میں موجودہ تباہی اور بربادی کی موجب ہوئی ہیں۔ اور دنیا میں صرف ہندوستان ہی ایسا ملک

ہے جو اپنی جغرافیائی وسعت کی وجہ سے مختلف النسل اور مختلف المذاہب اقوام کا وطن ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ آج تک ہندوستانی مسائل کا حل اس لئے نہیں ملا کہ ان مسائل کو وطنی تصور پر سلجھانے کی کوششیں کی گئی ہیں۔ حالانکہ ہندوستانی مسائل صرف بین الاقوامی طور پر حل کئے جا سکتے ہیں۔ اس بین الاقوامی طریقہ پر نہیں جس کی بنیاد وطنیت پہ ہو کیونکہ یہ بارہا تجربہ کیا جا چکا ہے کہ اس بنیاد پر آج تک جتنے بھی حل نکالے گئے وہ خانہ جنگی کا باعث ہوئے جیسا کہ آجکل تمام بین الاقوامی معاہدے جنگ پر ختم ہوتے ہیں۔ لہذا ہندوستانی مسائل کا حل بین الاقوامی طریقہ پر کرنے کے لئے ہم کو بنیاد بھی نئی اختیار کرنی پڑے گی۔ اور وہ بنیاد وطنیت نہیں ہو سکتی بلکہ روحانی جمہوریت ہو سکتی ہے۔ جس کی دعوت اسلام نے دی ہے۔

میرے خیال میں بجائے سیاسی کانفرنسوں اور پارٹی بندیوں کے ایک ایسی آزاد خیال اور وسیع النظر جماعت کی ضرورت ہے۔ جس کے افراد مختلف اقوام کے نمائندے ہوں اور سر جوڑ کر بیٹھیں۔ اور آجتک دنیا میں جس قدر نظام موجود ہیں انکے ہر ہر جزئیہ پر غور و فکر کریں۔ اور جو نظام انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لئے عقلاً اور عملاً مناسب موزوں ثابت ہو اس کو ہندوستان میں عام کرنے کی کوشش کریں۔ اور ایسے عقیدوں اور تصورات کو مٹا ڈالیں جو انسان میں اولوالعزمی اور خودداری کو ختم کر دیں ہر نظام کو عملی طور پہ پرکھا جا چکا ہے۔ اور ہر ایک کے حسن و قبح تجربتاً معلوم کر چکے ہیں۔ کسی نئے نظام کی تلاش بے سود ہے اور مختلف نظاموں کو ملا کر ایک نئے نظام کے بنانے میں بھی اتنے ہی تجربات کی ضرورت ہوگی۔ جو ابتدائے آفرینش سے آج تک کئے جا چکے ہیں۔

اس نظام کو منتخب کرنے میں اگر کامیابی ہو گئی تو ہندوستان ایک دفعہ پھر دنیائے انسانیت کا رہنما بن جائے گا۔ موجودہ صورت میں ہندوستان زندہ نہیں مردہ ہے۔ مردہ کا مفہوم یہ ہے کہ وہ ماضی سے تعلق رکھتا ہے۔ اور اس کا حال و مستقبل کچھ بھی نہیں ہے۔ تقدیر پر شاکر ہونے کا مفہوم یہ ہے کہ غیر شعوری طور پر ماضی کی راہ پر آنکھ بند کئے انسان گامزن رہے جیسے کہ اس کے اسلاف چلے آئے ہیں ———

ہندوستان کی موجودہ حیثیت عظمت رفتہ کے کھنڈر سے زیادہ نہیں ہے۔ اور یہ کھنڈر پھر شاندار عمارت نہیں بن سکتا۔ جب تک کہ یہ سمجھا جاتا رہے گا کہ تقدیر میں ایسا ہی لکھا ہے۔

کہ کہیں ہو فنا قدر کا اگر حیات   گذرا ہوا زمانہ ہے فردا کہیں جسے

یہ وقت ہے عزیمتوں کے بلند کرنے کا ارادوں کو مضبوط کرنے کا اور دنیا کی صحیح رہنمائی کرنے کی تیاری کرنے کا۔ انقلاب برپا ہو چکا ہے۔

مسلسل تجربات نے یہ بتا دیا ہے۔ کہ ہندوستانی قوم میں وہ تمام صلاحتیں موجود ہیں۔ جو ایک ایسی قوم میں ہونی چاہئیں۔ جس کو زندگی اپنے تمام کمالات سے بہرہ اندوز کرنے کے لئے چنا کرتی ہے۔

ایک قدم ماضی سے نکل کر آگے بڑھایئے مستقبل آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اس پرشور دور میں صرف ہندوستان ہی دنیا کی تقدیر بدل سکتا ہے۔

"عالیا غلغلہ در گنبد افلاک انداز"

چنی ہوئی کلیاں

رباعیات

(از جناب [illegible])

تو اپنے کمالات پہ کچھ ناز نہ کر
قدرت کا تقاضا ہے کہ حد سے نہ گذر
جو برق کڑکتی ہے وہ گر جاتی ہے
جھک جاتا ہے اک آن میں مغرور کا سر

اپنے کو کسی حال میں [illegible] جان
مقصود ہے سب کچھ مجھے [illegible] جان
معلوم ہو [illegible] نزدیک ہے کل
ہے آج بھی کل کل کو بہت دور نہ جان

باتوں میں نہ آجانا کہیں یاروں کی
دنیا ہے مرے دوست یہ ہشیاروں کی
جو سوتے ہیں غفلت میں وہ مردہ ہیں یہاں
بیدار رہو زیست ہے بیداروں کی

طینت نہ بنا دست و گریبانی کی
تمہید ہے یہ تیری پشیمانی کی
تو اپنے کو سمجھا ہے جہاں سے عاقل
ہے یہ بھی دلیل اک تری نادانی کی

محنت کی ذرا ڈال لے احمق عادت
بیکار نہیں جاتی کسی کی محنت
محسوس نہ کر اپنی شکستہ پائی
حرکت سے ہوا کرتی ہے حاصل برکت

قطعات

(از جناب اختر صاحب بریلوی)

اس نے یہ کہا دیکھو اختر یہ تارے کتنے پیارے ہیں
میں نے یہ کہا سچ کہتی ہو تارے پیارے ہی ہوتے ہیں
تارے تارے سب ایک سے ہیں یہ اپنی اپنی قسمت ہے
ہم ان کو گنتے رہتے ہیں لوگ ان کی چھاؤں میں سوتے ہیں

اب اس کے دھیان کو [illegible] دیتی مجھ سے یہ کسی کا کہنا تھا
آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے سر چکرایا جی چھوٹ گیا
کہنے والے سے کون کہے اب غمخواری سے کیا حاصل
اختر تو ایک ستارہ تھا چمکا ٹکرایا ٹوٹ گیا

آسمان پر رات دو تارے نظر آئے مجھے
دوسروں سے دور اور اک دوسرے کے آس پاس
اک ترے ہنستے ہوئے چہرے کی بارونق شبیہ
ایک اختر کی طرح کم ضو، ستم دیدہ، اداس

چاندنی چھن چھن کے پتوں سے زمیں پر بچھ گئی
کھل گیا ہے خاک پر کچھ دیر کو چھوٹا سا باغ
ہو بہو اختر یہی تصویر میرے دل کی ہے
حسرتوں میں ٹمٹماتے ہیں تمنا کے چراغ

[illegible]

افسانہ

کالج کی لڑکی

از جناب خواجہ محمد عارف صاحب

ساعت کے بارہ بجے ہوں گے۔ شبِ تار کے ہمہ گیر سیاہ شامیانے اگر پورے کرۂ ارض کو نہیں تو کم از کم اس براعظم کو تو ڈھانپ ہی لیا تھا۔ سوائے کچھ گنتی کے تاروں اور ایک شوریدہ سر شاہد کے اس براعظم کی ساری کائنات کچھ اس طرح محوِ خواب تھی جیسے رات بھر کی جاگی اور تھکی ماندی فاحشہ دن کو بے خبر پڑی سوتی رہتی ہے۔

پرندے بھی اپنے اپنے آشیانوں میں بسر کر رہے تھے۔ ایک ہو کا عالم تھا۔ خاموش فضا تھی۔ یکایک آسمان پر دور سے تیرتا ہوا ایک بڑا اور سیاہ بادل آیا اور چند ہی لمحوں میں اس نے جاگنے والے ان چند تاروں کو اپنی آغوشِ محبت میں لے کر سلا دیا۔ مگر شاہد ابھی تک جاگ ہی رہا تھا۔ بلکہ شب کا خوف اور جادو اس پر کچھ بھی اثر نہ کر سکا تھا۔ اور وہ بیدار تھا۔ مگر بظاہر نہیں بظاہر تو وہ سوتا ہی معلوم ہوتا تھا۔ بالکل اسی طرح جیسے شبِ زفاف میں ایک نئی نویلی دلہن بظاہر اپنے حجلۂ عروسی میں سوئی ہوئی معلوم ہوتی ہے۔ مگر حقیقت میں وہ بیدار ہوتی ہے۔ کیونکہ کسی متوقع پیش دستی اور کسی خوش آئند دسترس کا یقین اس کو ہر لمحہ بیقرار رکھتا ہے۔ اور وہ دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ کسی کا انتظار کرنے کے لئے مجبور ہوتی ہے۔ ممکن ہے شاہد کو بھی کچھ انتظار ہی ہو۔

(۲)

سامنے والے دو منزلہ پر کھٹ سے کسی نے بجلی کا سوئچ دبایا۔ اور دفعتہً بجلی کے قمقمے نے ایک بڑے سارے ہال کو بقعۂ نور بنا دیا۔ بجلی کی روشنی سے شاہد کی نیم وا آنکھوں میں بجلی کی سی ایک لہر دوڑ گئی۔ اور فرطِ مسرت سے اس کی آنکھیں چمکنے لگیں جیسے اسکو بھی انتظار ہی تھا۔

شاہد نے سگار سلگایا اور قبل اس کے کہ وہ فضا میں ایک بھی دھوئیں کا بادل اڑاتا، فضا پر کسی کے ایک نغمۂ شیریں نے اپنا پورا تسلط جما لیا۔

شیلا نے پہلے ہارمونیم کے سُر ملائے۔ پھر میٹھے سروں اور سریلی تانوں میں اس نے گانا شروع کیا۔ خاموش فضا تھرا گئی۔ شاہد کی دل کی رگوں میں ٹیسیں سی اٹھنے لگیں —— اور پیہم —— اس کے خانۂ دل میں جذبات نے شور مچانا شروع کر دیا۔ اس کی حسرتیں اور آرزوئیں کچھ اس طرح بے قرار ہو کر مچل گئیں جیسے ہولی جوتی چنگاریاں ہو کے گستاخ

جھونکوں کی تاب نہ لا کر بہت جلد تا بناک خشم آلود، جامہ سے باہر اور ہاں عریاں تک ہو جاتی ہیں۔

شیلا ہارمونیم پر گا رہی تھی۔

وہ گائے جا رہی تھی۔

اور جب اس نے گانا —— ہاں میٹھے میٹھے سروں اور سریلی تانوں میں گانا شروع کیا تو گاتی چلی گئی۔

گاتے گاتے اس نے گایا ؎

جو چھپ چھپ کے ملے اور مل کے چھپے وہ آنکھوں کا لڑنا کیا جانے

اس شعر سے شاہد کے دل پر ایک ایسی چوٹ لگی کہ وہ بلبلا اٹھا۔ اور اس کی دل کی گہرائیوں سے بے ساختہ ایک "آہ!" نکل گئی۔

رات کا اور وہ بھی غیر وقت تھا۔ شیلا دور تھی اور دو منزلہ پر نہ شاہد شیلا کو دیکھ سکتا تھا۔ اور اگر دیکھنا چاہتی تو شاید شیلا بھی شاہد کو نہیں دیکھ سکتی تھی۔

مگر دوسرے ہی لمحہ جب شاہد کو دل کی چوٹ کی تکلیف سے کسی قدر فرصت ملی تو اس نے اپنی ایک لمبی ٹارچ اٹھائی اور شیلا کے رخِ روشن پر نشانہ باندھ کر اس طرح روشنی پھینکی جیسے کوئی شکاری اپنے شکار کو گولی کا نشانہ بناتا ہے۔

جونہی شیلا کے رخ پر یکایک ٹارچ کی تیز روشنی پڑی۔ اس کی موٹی اور بڑی بڑی مگر سیاہ آنکھیں خیرہ ہو گئیں۔ اور وہ ششدر ہو کر رہ گئی مگر اس نے اس روشنی کا تعاقب کرنے میں اپنے غرورِ حسن کی توہین تصور کی البتہ شاہد صرف اس قدر دیکھ سکا کہ زیر لب وہ کچھ مسکرائی اور پھر اس نے گانا شروع کر دیا۔

وہ گائے چلی گئی۔

اور شیلا نے تین مرتبہ اسی شعر کو پھر دہرایا۔

شاہد نے اس کو اپنی پہلی کامیابی تصور کیا۔

(۳)

شیلا ایک مالدار زمیندار کی اکلوتی بیٹی تھی۔ وہ ایک چھوٹے سے شہر میں رہتی تھی۔ وہیں اس نے میٹرک پاس کیا تھا۔ مگر نہ جانے کیا [illegible]

پڑھانیکا شوق تھا۔ اور وہ خود بھی مزید تعلیم حاصل کرنا چاہتی تھی۔ لیکن اس حیثیت شہر میں مزید اعلیٰ تعلیم کا کوئی معقول انتظام نہ تھا۔ اس لئے مزید حصول تعلیم کی خاطر شیلا کو بمبئی آنا پڑا۔ یہاں آکر وہ ایک کالج میں داخل ہو گئی۔ اور بورڈنگ میں رہائش اختیار کر لی۔

مگر بعض نامعلوم وجوہ کی بنا پر اسکو بورڈنگ کی زندگی پسند نہ آئی اور اس نے شہر میں ایک خوبصورت دو منزلہ مکان کرایہ پر لیکر وہاں تن تنہا پرائیویٹ رہائش اختیار کر لی تھی۔ صرف کالج کے اوقات ——— (FERODDS) کے علاوہ بقیہ تمام وقت اسی دو منزلہ پر مطالعہ اور دوسری دلچسپیوں میں گذارا کرتی تھی۔ وہ گانے کی بے حد شوقین تھی۔ یہانتک کہ شب کے کسی حصہ میں جب کبھی اس کا جی گھبراتا تو وہ ہارمونیم لے کر بیٹھ جاتی۔ اور گنگنایا کرتی تھی۔ وہ گاتی بھی خوب تھی۔ اور اس کی حسین آواز میں اتنی کشش اور ملاحت ضرور موجود تھی جو کسی دل کو بھی بلا تکلف اپنی طرف کھینچ لیا کرتی تھی۔

شاہد ایک پروفیسر تھا۔ اور وہ اسی کالج میں پڑھایا کرتا تھا جس میں شیلا پڑھنے جایا کرتی تھی۔ مگر حقیقت میں شاہد شیلا کا استاد نہیں بلکہ وہ اس کا پرستار اور سچا پجاری تھا۔ اور یہ محض اتفاق تھا کہ شیلا نے اسی محلہ میں گھر بھی لیا جس میں شاہد رہتا تھا۔ اور اپنے محلہ میں شیلا کی رہائش کو بھی شاہد اپنی ایک قسم کی کامیابی تصور کرتا تھا۔

(۴)

کالج اور گھر تک کے فاصلہ کو، جو تین فرلانگ سے زیادہ نہ تھا، شیلا اپنی مرمریں پنڈلیوں کے سہارے سے طے کیا کرتی تھی۔ تاہم بارش آندھی اور اسی قسم کی بعض دوسری گستاخانہ مزاحمتوں سے مجبور ہو کر وہ کبھی کبھی کسی سواری پر بھی آنے جانے سے پرہیز نہیں کیا کرتی تھی۔ البتہ جس روز اس کی آمد و رفت بذریعہ سواری ہوتی تھی اس دن وہ راہ گیر اور مشتاق دیدار جو راستہ میں وقت مقررہ پر محض اس کے دیدار کی تمنا لئے کھڑے رہتے تھے۔ دل مسوس کر رہ جاتے تھے۔ کیونکہ سواری اس کو ان کی نگاہ پرشوق سے بہت جلد اور آن واحد میں اوجھل کر دیتی تھی۔ شیلا خود بھی کڑوی اور تنک مزاج نہیں تھی وہ بڑی ہی ہنس مکھ، حاضر جواب، خوش مزاج اور خوش باش تھی اور مہذب مذاق اسکو کبھی برا نہیں معلوم ہوتا تھا۔ یہی وجہ اسکی اس قدر ہردلعزیزی کی تھی کہ جو اس کو ایک مرتبہ دیکھ لیتا تھا وہ خواہ مخواہ بھی اس کو اپنا سمجھنے لگتا تھا۔ وہ جب کالج آتی جاتی تھی تو بے شمار پجاری اس کے حسن کے درشنوں کیلئے دائیں بائیں بڑی کسر نفسی سے کھڑے رہا کرتے تھے۔ شیلا بھی لوگوں کے اس والہانہ جوش عقیدت سے بے خبر نہیں تھی۔ بلکہ اس طرح اپنا استقبال ہوتے دیکھ کر وہ دل ہی دل میں ایک ایسی خاص قسم کی مسرت محسوس کرتی تھی جس کو وہ خود ہی کچھ سمجھ سکتی تھی۔

قرب و جوار میں حسن کے ساتھ ساتھ اس کی خوش اخلاقی کا بھی چرچا ہونے لگا۔ اور اس شمع حسن کے آگے پروانوں کے حلقے وسیع سے وسیع تر ہوتے چلے گئے۔ کالج کے طالب علم، اساتذہ، پروفیسران اور شہر کے بڑے بڑے روساء پھر کیا مولوی نما کیا زاہد خشک اور کیا شیخ صاحب! غرض بمبئی میں کوئی فرد بشر۔ بشرطیکہ وہ حسن پرست ہو — ایسا باقی نہیں رہا تھا۔ جس نے شیلا کو دیکھ کر اپنا ہوش گم نہ کر دیا ہو۔ اس کا حلقہ بگوش ہو کر نہ رہ گیا ہو۔

ہاں — وہ بلا کی حسین تھی۔ نہیں!! وہ "خوبصورت بلا" تھی وہ حسن مجسم تھی۔ وہ چاند سے بھی زیادہ حسین تھی۔ یعنی جب چودھویں رات کو چاند سے اس کے حسن کا مقابلہ ہوتا تھا تو چاند بھی شرما کر، گھبرا کر اور شکست خوردہ ہو کر اپنے زوال ہلال کی آخری تاریخوں میں اتنی دیر کر کے نکلنے لگتا تھا کہ جب تک وہ سو بھی جایا کرتی تھی۔ پھر بھی مقابلہ کی تاب نہ لا کر رفتہ رفتہ وہ بالکل ہی غائب ہو جایا کرتا تھا اگرچہ پہلی تاریخ سے وہ از سر نو اپنے مقابلہ کی تیاریاں شروع ضرور کر دیتا تھا۔ مگر پندرھویں کو شیلا اس کی شکست کو پھر اسی طرح دہرا دیتی تھی جس طرح تاریخ اپنے آپ کو اکثر دہرا دیا کرتی ہے۔

دیدار پیہم اور مشاہدہ مسلسل نے نظر بازوں کی جرأتیں بہت بڑھا دی تھیں وہ اس سے "گفتگو بالمشافہ" کی امیدیں بھی رکھنے لگے تھے۔ اور رفتہ رفتہ صرف شیلا کی روشن خیالی اور اس کی خوش خلقی نے ان میں اتنی جرأت پیدا کر دی تھی کہ اب ان میں سے بعض حسن پرست تو شیلا کے کمرہ پر بھی ملاقات کی غرض سے آنے لگے تھے۔ مگر شیلا ہمیشہ ان سے انسانیت کے برتاؤ کے ساتھ پیش آیا کرتی تھی اور اپنے غرور حسن کے زعم میں ان سے کبھی کسی کی تحقیر نہیں کی۔ اگرچہ اس کے اس حسن سلوک پر اہل محلہ شیلا کے شدید مخالف بھی ہو گئے تھے۔ اور انہوں نے اس معصوم اور اچھوتی کلی کو "فاحشہ" جیسی بے ادبی، بدمذاقی اور گندہ ذہنیت کی انتہائی ذلیل اصطلاح سے بدنام کرنے کی کوششیں بھی کیں۔ مگر وہ کامیاب نہ ہو سکے۔ البتہ جب کبھی شیلا کی طبیعت گھبرا جاتی تھی اور وہ خود ہی کسی سے ملاقات کرنا نہیں چاہتی تھی تو وہ نوکر سے کہلا بھیجتی تھی کہ —

"یہ مطالعہ کا وقت ہے" اور بس۔

(۵)

شیلا سے گفتگو بالمشافہ کا سلسلہ تو قائم ہو ہی چکا تھا۔ لیکن اس کے بعد خط و کتابت کا جو سلسلہ اب تک شروع نہیں ہوا تھا اب وہ بھی شروع ہو گیا اور اب مشکل سے کوئی دن ایسا خالی جاتا ہو گا جس میں دلنواز حسین شیلا کے نام اس کے عاشقوں کے چند خطوط دستی یا بذریعہ ڈاک نہ آ جاتے ہوں۔

نور محمد کا ورزی تھا۔ جو سلائی کے کپڑے لانے اور لے جانے کی غرض سے قمر شیلا کے کمرہ پر آیا جایا کرتا تھا۔ وہ معمولی پڑھا لکھا تھا۔ مگر خوش شکیل اور جمیل نوجوان تھا۔ اس کے توسل سے لوگ اکثر دستی خطوط بھیجا کرتے تھے۔
شاہد نے بھی یہ ایک خط لکھا اور نور کی معرفت شیلا کو بھجوا دیا۔

مورخہ یکم اپریل سنہ ۱۹ء

شاہد معصوم اور دلنواز شیلا!

ملکۂ حسن! یہ گستاخ آپ کے دربار حسن میں آداب عشق بجا لانے کی جرأت کرتا ہے۔ معاف کیجئے۔

کلاس میں آپ کے حسن بے تحاشا کے چشمۂ فیضان سے فیضیاب ہونے کی روزانہ شیریں اور سنہری گھڑیاں میسر ہوتی ہیں جب تمہارے حسن کا چاند سامنے ضو فشاں ہوتا ہے تو میری قوت گویائی سلب ہو جاتی ہے۔ اور بسا اوقات تو میں تم میں اس طرح کھو جاتا ہوں کہ تو مجھے یہ بھی خبر نہیں رہتی کہ میں کس موضوع پر لیکچر دے رہا ہوں اور کیا کر رہا ہوں ۔۔!!!

شیلا! تم سچ سچ میرے دل کی ملکہ ہو تم نے یقیناً اپنے حسن سحر آگیں سے مجھ جیسے خود دار انسان کو بھی مسخر کر لیا ہے یہ تمہاری کامیابی ہے جس پر میں تم کو مبارکباد پیش کر سکتا ہوں۔

شیلا! تمہیں یاد ہوگا ۔۔ ہاں یاد ہے ۔ رات کے وقت ایک دفعہ تم میٹھے سروں اور رسیلے لفظوں میں گا رہی تھیں۔ اور تم نے یہ شعر بھی گایا تھا ؎

جو چھپ چھپ کے ملے اور مل مل کے چھپے
وہ آنکھ کا لڑنا کیا جانے

اس شعر نے میرے دل پر جو عمل جراحی کیا تھا اس کا اظہار لفظوں میں ناممکن ہے۔ بہر کیف۔ اس وقت بیقرار ہو کر میں نے تمہارے رخ انور پر ٹارچ کی روشنی پھینکی تھی اور اس طرح اپنے جذبات بے خودی محض ایک ۔مق کا تم پر اظہار کیا تھا میں تمہارا شکریہ کس طرح ادا کروں کہ تم پہلے تو ذرا زیر لب مسکرائیں اور پھر مجھ جیسے حقیر ہستی کی تسکین کے لئے تم نے اس شعر کو تین مرتبہ دہرایا تھا۔ شیلا یاد ہے نا!

ہاں ۔۔۔ اسکو میں نے اپنی پہلی کامیابی تصور کیا تھا اور تمہاری اس دلربا ادا کو میں نے اپنی آئندہ خوشگوار زندگی کے لئے فال نیک سمجھا تھا۔

اے ملکۂ حسن! تمہارا یہ پجاری تم سے صرف یہ دریافت کرنے کی جرأت کرتا ہے کہ کامیابی کا میرا یہ تصور کچھ بے جا تو نہیں تھا؟ اس جمال کی تفصیل یہ ہے کہ کیا آپ اس غلام کو اپنا بنانے کا شرف بخشیں گی آپ کے جواب اور صرف آپ کے جواب پر میری زندگی کا مستقبل سنور بھی سکتا ہے اور بگڑ بھی سکتا ہے۔ اس لئے جواب کے لئے بے چین ہوں۔ فقط

تمہارا پجاری۔ شاہد۔

شیلا نے دوسرے دن شاہد کو یہ خط لکھا۔

مورخہ ۳ اپریل سنہ ۱۹ء

استاد محترم جناب شاہد صاحب

آداب۔ آپ کا گرامی نامہ موصول ہوا۔ جس کا بہت بہت شکریہ۔ جواباً عرض ہے آپ کو معلوم ہے کہ میں یہاں بحالت موجودہ طالب علمی کی زندگی بسر کر رہی ہوں ابھی مجھے اپنے مستقبل کی خود بھی نہیں خبر کہ یہ کس سے وابستہ ہوگا۔ اس قسم کی باتیں اکثر تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد ہوا کرتی ہیں۔

مجھے افسوس ہے کہ اس سلسلہ میں۔ میں آپ کی کوئی رہنمائی نہیں کر سکتی ۔۔۔ دیگر کار لائق؟ فقط۔ شیلا۔

شیلا کا خط پڑھکر شاہد بیک وقت امید و بیم کی دو متضاد کشمکشوں میں الجھ کر رہ گیا۔ خط کو بار بار پڑھ کر لفظوں کے الٹ پھیر سے قطع نظر کر کے وہ صرف یہ سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ لکھنے والی کا اصلی مطلب کیا ہے اور وہ اس کو ان لفظوں میں کس طرح تلاش کرے۔

شاہد نے غور سے دیکھا کہ شیلا کے خط میں انکار کا کوئی ایک لفظ بھی موجود نہیں ہے۔ اس نے صرف یہ لکھا ہے کہ بحالت موجودہ میں طالب علمی کی زندگی بسر کر رہی ہوں اور اس قسم کی باتیں اکثر تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد ہوا کرتی ہیں اس کے معنی تو صرف یہی ہو سکتے ہیں کہ شاید تعلیم سے فارغ ہو کر وہ اس قسم کی سلسلہ جنبانی کو مناسب سمجھیں گی۔ مگر جب وہ شیلا کے ان الفاظ پر غور کرتا تھا کہ "میں اس سلسلہ میں آپ کی کوئی رہنمائی نہیں کر سکتی" تو وہ اپنی امیدوں میں ایک قسم کا ضعف محسوس کرنے لگتا تھا۔ لیکن شاہد نے بڑے غور و فکر کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ واقعی یہ اس کی وقتی مجبوریاں ہیں۔ اور تعلیم سے فارغ ہو جانے کے بعد یہ مجبوریاں جاتی رہیں گی۔ پھر سب کچھ ممکن ہوگا۔

ایک دن شیلا کے پاس یہ ایک اور غیر معمولی خط آیا۔ جو ایک مولوی صاحب نے لکھا تھا۔

جان من شیلا صاحبہ۔

آداب عرض۔ بندہ ایک مرتبہ آپ سے ملاقات کرنے کی غرض سے در دولت پر حاضر ہوا تھا۔ مگر آپ نے مجھے دیکھنے کے بعد یہ کہلا کر بھیج دیا تھا کہ "یہ مطالعہ کا وقت ہے"

چونکہ آپ نے میری صورت دیکھنے کے بعد یہ فیصلہ کر بیٹھا تھا۔ اس لئے اس سے میں نے نتیجہ نکالا شاید آپ کو میری ڈاڑھی ناپسند ہے۔ آج میں آپ کو یہ خوشخبری سناتا ہوں کہ میں نے اپنی ڈاڑھی منڈوا دی ہے۔ اور اب پھر آپ سے ملنے کی درخواست کرنے کے ساتھ ساتھ یہ عرض کرنے کی بھی جرأت کرتا ہوں کہ آپ مسلمان ہو کر بندہ کو نکاح کا شرف بخشیں اور اب جبکہ میں نے آپ کی خاطر ڈاڑھی منڈوا دی ہے مجھے قوی امید ہے کہ آپ میری خاطر مسلمان ہو جائیں گی۔ فقط

ناچیز۔ نادم محمد

یہ خط شیلا کے لئے بڑا ہی دلچسپ اور چونچال کا سا ثابت ہوا۔ اس نے اس کو تقریبی دو تین بار پڑھا۔ ہر بار اس پر فرمائشی اور سنہری قہقہے لگاتے۔ مگر اس بت کافر نے جواب مولوی صاحب کو صرف یہ لکھ کر بھیجدیا۔

"جناب عالی! براہ کرم آپ اپنی ڈاڑھی دوبارہ اس جرأت کی پاداش میں ملاحظہ فرمائیں۔"

(۹)

بمبئی میں شیلا کے قیام کو ایک کافی عرصہ ہو چکا تھا۔ اس اثناء میں نہ صرف یہ کہ اس نے اپنے کالج کا کورس پورا کر لیا تھا۔ بلکہ وہ امتحان بھی دے چکی تھی اور آجکل وہ اپنے عشرت کدہ پر بڑی بے چینی سے نتیجہ کا انتظار کر رہی تھی۔

یہی وہ زمانہ تھا جس کی آمد کے انتظار میں شاہد نے ایک ایک دن گن گن کر کاٹا تھا۔ اس کو شیلا کی فہم و فراست اس کی غیر معمولی ذہانت اور اس کے اچھے حافظہ پر پورا اعتماد تھا۔ اور اس کو یقین تھا کہ شیلا ضرور امتحان میں کامیاب ہو جائیں گی۔ پھر بھی احتیاطاً اس نے شیلا نے رسم الخط وغیرہ کی بعض نشانیاں ممتحنین کے پاس بھیجکر شیلا کو اچھے نمبروں میں پاس کرنے کی ان سے پرزور سفارش کی تھی۔

آخر ایک دن امتحان کے نتیجے اخبارات میں شائع ہو گئے۔ اور سب سے پہلے شاہد کی متحسین نگاہیں جس نام پر پڑیں وہ شیلا کا نام تھا۔ کیونکہ وہ فرسٹ ڈویژن میں پاس ہوئی تھی۔

شاہد خوشی کے مارے پھولا نہیں سماتا تھا۔ اس نے اسی وقت شیلا کے نام ایک دوسرا خط لکھا جس میں اس نے اس نمایاں کامیابی پر شیلا کو دلی مبارکباد پیش کرتے ہوئے اپنی سابقہ درخواست کو بڑی عاجزی سے دہرایا تھا۔

خط لیکر نور شیلا کے عشرت کدہ پر پہنچا اور نور وہ پہلا شخص تھا جس کو اس عظیم الشان کامیابی کے بعد شیلا کو سب سے پہلے دیکھنے کا شرف حاصل ہوا تھا۔ شیلا کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں تھی۔ اور آج اس کے بشرہ سے خوشی اس طرح برس رہی تھی جیسے آسمان سے باران رحمت نازل ہوتی ہے۔

نور نے شاہد کا خط پیش کرتے ہوئے شیلا سے نہایت ادب کے ساتھ کہا کہ شاہد صاحب نے یہ خط بھیجا ہے اور جواب طلب کیا ہے۔ مگر شیلا نے نور کے ہاتھ سے وہ خط لیکر برابر کی گول میز پر اس طرح رکھدیا جیسے اس نے اس کے مطلب اور مضمون کا پورا جائزہ لے لیا تھا۔ اور آج شاید پہلی مرتبہ شیلا نے اپنی غیر معمولی مسرت بھری آنکھوں سے قاصد کی طرف دیکھا اور پھر ایک خاص تبسم کے ساتھ اس کی طرف مخاطب ہو کر کہا۔

"نور! تم یوں دوسروں کے پیام اور پیغام لاتے ہو۔ کیا اس پر تم کو رشک نہیں آتا؟

اور کیا تم کو یہ معلوم نہیں کہ یہ خطوط کس غرض سے میرے پاس بھیجے جاتے ہیں؟

نور! آج کا یہ خط میں تمہاری طرف سے قبول کرتی ہوں۔ اگرچہ مجھے معلوم ہے کہ اس کا راقم شاہد ہے۔ مگر میرے منظور نظر تو تم ہو۔ نور! نور! تم ہو میرے آقا۔

کیا تم مجھکو اپنی غلامی میں قبول کر لوگے؟"

نور کے پاس شیلا کے اس غیر متوقع سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔ اس نے صرف دونوں ہاتھ اپنے سینہ پر رکھے اور شیلا کے زانوں تک اپنے کو خم کر دیا۔ جب شیلا نے اپنے دونوں ہاتھوں سے اس کا سر بلند کیا تو نور کی آنکھوں میں مسرت کے چند آنسو جھلملا رہے تھے۔ شیلا نے محبت سے اس کا ہاتھ کھینچ کر اپنے پہلو میں بٹھالیا اور اپنے ریشمی رومال سے نور کے آنسو خشک کرتے ہوئے شیلا نے اس سے کہا: "نور! میرے آقا تو تم ہی تھے۔ میں تمہاری جدائی کو بہت بری طرح محسوس کر رہی تھی۔ مگر آج کبھی جدا نہ ہونے کے لئے میں تم سے مل رہی ہوں۔"

تیری آنکھیں

مرتبہ جادو نگار مسٹر محمد رحیم۔ دہلوی

جلوۂ مرگِ بیقرار زندگی کرشمہ کار تیری نظر کے ہیں نثار تیری نظر میں کیا نہیں؟
بے کیف نہ ہوجائے کہیں رند بلا نوش مستانہ نگاہوں سے کچھ ارشاد کئے جا
یہ رنگ رخ یہ شیرنیِ آنکھوں کی دلکشی تم کیا ہو ایک پھول ہے گویا بہار میں
چشم سیہ میں اشک پیازی، غلط غلط اتنا اثر کہاں ہے مرے دل کی پکار میں
بنا ہی لیا دل میں گھر چپکے چپکے رگ و پے میں ڈوبی نظر چپکے چپکے
یہ حسن، یہ شوخی، یہ تبسم، یہ نگاہیں ہے کفر جو ایسے میں بھی ہم تم کو نہ چاہیں
مخمور سی آنکھوں میں چھلکتی سی جوانی بجلی سی چمکتی ہوئی ہونٹوں کے کنارے
کیا قہر ہے اے جذبۂ اعجازِ محبت کھوئی ہوئی رہتی ہیں وہ معصوم نگاہیں
میرؔ ان نیم باز آنکھوں میں ساری مستی شراب کی سی ہے
کھلنا کم کم کلی نے سیکھا ہے اس کی آنکھوں کی نیم خوابی سے
دور بہت بھاگے ہو ہم سے، سیکھے طریق غزالوں کا وحشت کرنا شیوہ ہے کچھ اچھی آنکھوں والوں کا
قدم ڈگمگائے نظر بہکی بہکی جوانی کا عالم ہے سرشاریاں ہیں
ہم سے پوچھو تو عشق کی بھی نگاہ سخت کافر نگاہ ہوتی ہے
تم باخبر ہو چاہنے والوں کے حال سے سب کی نظر کا راز تمہاری نظر میں ہے
حسن کو بھی جو رنگ دیتی ہے ایک سادہ نگاہ ہوتی ہے
بہت لطیف اشارے تھے چشمِ ساقی کے نہ میں ہوا کبھی بے خود نہ ہوشیار ہوا
میخانہ کی ایک روح مجھے کھینچ کے دیدی کیا کردیا ساقی نگہ ہوش ربا نے
بکھری ہوئی ہو زلف اس چشمِ مست پر ہلکا سا ابر بھی سرِ میخانہ چاہیے
لذتِ مے میں شک نہیں لیکن نگاہِ مست میں مزہ ہے خاص

حیدر علی

دوسری قسط

مدراس پر حملہ

حیدر علی کے بڑے لڑکے فتح علی ٹیپو کی عمر اس وقت ۱۸ سال کی تھی۔ وہ اپنے باپ کے ہمراہ میدان جنگ میں موجود تھا۔ جب حیدر علی نے جنرل اسمتھ کو اپنی سرحد سے باہر نکالنے کے لئے بھیج دیا اور ٹیپو کو پانچ ہزار سوار دیکر ایک دوسری طرف سے مدراس پر حملہ کرنے کے لئے بھیجا۔ ٹیپو یہ فوج لے کر اس تیزی سے آگے بڑھا کہ مدراس کا گورنر اور اس کی کونسل کے اراکین اچانک اسے مدراس کے سامنے دیکھ کر گھبرا گئے۔ ایک دن علی الصبح ٹیپو کے سوار مدراس کے پاس پہونچے تو گورنر اس کی کونسل کے اراکین اور نواب محمد علی مدراس کے قلعے سے کچھ دور کمپنی کے ایک باغیچے میں ہوا کھا رہے تھے۔ اور درختوں کے نیچے کھانا چنا ہوا تھا۔ ٹیپو کی فوج کو دیکھ کر یہ لوگ جس طرح بھاگے اس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے۔ کہ اس گھبراہٹ میں گورنر کی تلوار اور ٹوپی تک وہیں چھوٹ گئی خوش قسمتی سے ایک چھوٹا سا جہاز سمندر میں سامنے ہی موجود تھا۔ گورنر اور اس کے انگریز ساتھیوں نے بھاگ کر اس جہاز میں پناہ لی۔ ایک انگریز مورخ نے لکھا ہے کہ اگر وہ جہاز وہاں نہ ہوتا تو یقیناً گورنر اور اس کے ہمراہیوں کو ٹیپو کے بہادر جگہ نہ ہونے کی وجہ سے سواروں نے قید کر لیا ہوتا گورنر محمد علی کو وہیں چھوڑ گیا تھا۔ چنانچہ وہ اپنے تیز گھوڑے پر سوار ہو کر سڑک کے راستے مدراس سے بھاگ گیا۔ ٹیپو نے مدراس کے قلعہ سے پانچ میل دور سینٹ ٹامس کی پہاڑی اور قرب و جوار کے انگریزی علاقہ پر قبضہ کر لیا۔

نظام کی غداری

اس دوران میں تری نملی نامی مقام پر حیدر علی اور جنرل اسمتھ کا مقابلہ ہوا۔ نظام کی فوج ابھی تک حیدر علی کی فوج کے ساتھ ساتھ تھی مگر نظام اور انگریزوں میں پوشیدہ طور سے بات چیت ہو چکی تھی چنانچہ عین اس موقع پر انگریزی فوج پر حملہ کرنے کے بہانے سے نظام نے اپنی تمام فوج کو حیدر علی اور انگریزوں کی فوجوں کے درمیان لا کر کھڑا کر دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں نظام نے اپنی فوج کو اس بری طرح سے پیچھے کی طرف لوٹایا کہ حیدر علی کی تمام فوج میں کھلبلی مچ گئی۔ حیدر علی کو اب اچھی طرح نظام کی دغابازی کا پتہ چل گیا۔ اسے مجبوراً اپنی فوج کچھ دور پیچھے ہٹا لینا پڑا۔ پھر بھی نہ تو انگریز حیدر علی کے ایک سپاہی کو گرفتار کر سکے، اور نہ جنرل اسمتھ کو حیدر علی پر وار کرنے کی ہمت ہوئی۔ حیدر علی کے اس طرح پیچھے ہٹنے کی خبر کو انگریزوں نے اپنی عادت کے مطابق خوب حاشیہ آرائی کے بعد دور دور تک مشہور کر دیا۔

حیدر علی کی والدہ

کچھ دیر کے لئے ہم جنگ کے حالات سے قطع نظر کر کے حیدر علی کی بوڑھی والدہ کے متعلق ایک واقعہ بیان کرنا چاہتے ہیں۔ حیدر علی کی والدہ اس وقت لڑائی کے میدان سے تقریباً دو سو میل دور حیدر نگر کے محل میں تھیں جب انہیں بیٹے کی اس شکست کی خبر ہوئی تو وہ فوراً پالکی میں بیٹھ کر حیدر علی کی ہمت افزائی کے لئے حیدر نگر سے چل پڑیں۔ برسات کا موسم اور اس پر اس زمانہ کے سفر کی دشواریاں اور سفر بھی میدان جنگ کا پھر بھی رات دن چل کر یہ ضعیف چند ہی روز میں منزل مقصود کے قریب جا پہنچیں والدہ کی آمد کی خبر پاتے ہی حیدر علی اپنے چھوٹے بیٹوں کیساتھ ان کے استقبال کے لئے آگے بڑھا۔ تقریباً ایک ہزار سپاہی گھوڑوں اور اونٹوں پر اور ان کے علاوہ دو سو برقعہ پوش عورتیں گھوڑوں پر سوار پالکی کے آگے آگے تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ والدہ کے خیمہ میں پہونچتے ہی حیدر علی نے حیران ہو کر پوچھا۔ آپ اتنی تکلیف اٹھا کر اس وقت یہاں کیوں تشریف لائی ہیں بوڑھی والدہ نے جواب دیا "بیٹا میں یہ دیکھنا چاہتی تھی کہ تم اپنی شکست کو کتنی مستقل مزاجی اور بہادری کے ساتھ برداشت کرتے ہو!" حیدر علی نے جواب میں اپنی جواں ہمت ماں کو یقین دلایا کہ وہ شکست کوئی شکست نہیں تھی، اس پر ماں نے جواب دیا "خوب! بہت خوب اگر یہ بات ہے تو خدا کا شکر ہے اب میں فوراً لوٹ جاؤں گی۔ تاکہ میرے رہنے سے تمہارے کام میں رکاوٹ پیدا نہ ہو۔ تیسرے روز حیدر علی کی بوڑھی ماں بیٹے کو دعا دیکر حیدر نگر کی طرف واپس لوٹ گئیں۔ یقیناً اسی قسم کی بہادریاں حیدر علی جیسے زندۂ جاوید بہادر کو اپنے پیٹ سے پیدا کر سکتی ہے۔

ٹیپو کے ساتھ چال بازی

ٹیپو مدراس کے قلعے سے صرف ایک کوس کے فاصلے پر تھا۔ اس وقت کی تحریروں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ٹیپو کے لئے اس وقت مدراس فتح کر لینا کچھ بھی دشوار نہ تھا۔ جنرل اسمتھ نے تری نملی کی فتح کے بعد ٹیپو کو پیچھے ہٹانے کے لئے ایک عجیب چال چلی۔ اس نے ایک سانڈنی سوار مدراس کی طرف روانہ کیا۔ اس سوار نے ٹیپو کی فوج میں پہنچ کر یہ ظاہر کیا۔ کہ مجھے سلطان حیدر علی نے اپنے بیٹے کی خیریت معلوم کرنے کے لئے بھیجا ہے۔ اور اسے تری نملی کی شکست کی خبر دینے کے ساتھ ساتھ یہ ہدایت بھی کی ہے کہ وہ فوراً سلطان سے جا ملے۔ اسی مخبر نے ٹیپو کی قیام گاہ سے نکل کر مدراس کے انگریزوں کو فتح کی خبر دی جس کی جھوٹی خوشی میں ایک سو ایک توپیں مدراس کے قلعے سے چھوٹیں۔

ناتجربہ کار ٹیپو نے دھوکہ میں آ کر اپنے سپہ سالاروں اور افسروں سے مشورہ کیا اور سب نے یہی صلاح دی کہ اس وقت مدراس کے قلعہ کا محاصرہ کرنا ٹھیک نہیں چنانچہ ٹیپو اپنی فوج کے ساتھ پیچھے ہٹ کر حیدر علی سے آملا۔

ونیم واڈی کی فتح

ماں کے جانے کے دوسرے دن حیدر علی ونیم واڈی کے قلعے کی طرف بڑھا۔ یہ قلعہ بھی نہایت مستحکم تھا۔ لیکن حیدر علی نے چند گھنٹوں کی گولہ باری کے بعد قلعہ کی انگریزی توپوں کو ٹھنڈا کر دیا۔ قلعہ کے انگریز افسر نے سفید پرچم لہرا کر امن طلب کیا اور حیدر علی کی فوج قلعہ پر قابض ہو گئی۔ مگر حیدر علی نے قلعہ کے تمام افسروں اور سپاہیوں کو یہ وعدہ لے کر چھوڑ دیا کہ وہ لوگ کم سے کم ایک سال تک حیدر علی کے خلاف کسی لڑائی میں حصہ نہ لیں گے۔

پیرزادہ خاکی شاہ

اس قلعہ کی حفاظت کا انتظام کر کے حیدر علی امبور کی طرف بڑھا امبور کے محاصرہ میں حیدر علی کا ایک مشہور دوست پیرزادہ خاکی شاہ زخمی ہو کر مر گیا۔ خاکی شاہ ایک مسلمان فقیر تھا۔ حیدر علی کی فوج کے ہمراہ رہا کرتا تھا۔ اور ہر فتح کے بعد یہ دیکھنے کے لئے گھر گھر جاتا تھا۔ کہ حیدر علی کی فوج کے سپاہی زر نقد اور اسلحہ وغیرہ لینے کے علاوہ رعایا کے ساتھ کسی قسم کا ظالمانہ برتاؤ تو نہیں کرتے۔ چنانچہ اسی انتظام میں پیرزادہ خاکی شاہ کی جان گئی۔ قلعے کے اندر کی انگریزی فوج نے اپنے کارتوس ایک تالاب کے اندر پھینک دیئے۔ اور میگزین کو آگ لگا دی پھر بھی حیدر علی کو اس قلعے کے اندر سے پیتل کی اٹھارہ توپیں تین ہزار بندوقیں۔ بہت سا گولا بارود اور دوسری قیمتی اور کارآمد چیزیں ملیں

عیسائی پادریوں کا فتویٰ

جنرل اسمتھ کی فوج اب شکست پر شکست کھا کر پیچھے ہٹ رہی تھی اس کی مدد کے لئے جرنل پور کو ایک نئی اور تازہ دم فوج دیکر بنگال سے روانہ کیا گیا دوسری طرف حیدر علی کی فوج میں دغا بازی کا بیج بونے کے لئے انگریزوں نے ایک زبردست سازش کی۔ اس وقت کے یورپین یورپ سے آ کر ہندوستان کے اکثر درباروں یا فوجوں میں ملازمت کر لیتے تھے حیدر علی کی فوج میں بھی یورپین اعلیٰ عہدوں پر ممتاز تھے۔ اس کی فوج میں فرانسیسی سپاہیوں کی کئی کمپنیاں بھی شامل تھیں۔ انگریزوں نے عیسائی پادریوں کے ذریعہ حیدر علی کے ان تمام یورپین ملازمین کو توڑنے کی کوشش کی۔ اس کوشش کی تھوڑی سے بھنک حیدر علی کے کانوں تک بھی پہنچ گئی۔ اس نے اپنے تمام یورپین ملازمین کو جمع کر کے ان کی تنخواہیں دلوادیں اور ان سے کہا کہ اگر تم چاہو تو نوکری چھوڑ کر جا سکتے ہو۔ لیکن ان سب نے انجیل اور صلیب مقدس ہاتھ میں لے کر حیدر علی کی وفاداری کی قسمیں کھائیں۔ چنانچہ ان سب کو از سر نو ملازم رکھ لیا گیا انگریزوں کے جاسوس جب پھر ان لوگوں کے پاس پہونچے تو زیادہ تر سپاہیوں اور افسروں نے یہ کہہ کر ان کا ساتھ دینے سے انکار کر دیا کہ ہم انجیل اور صلیب مقدس ہاتھوں میں لیکر سلطان کی وفاداری کی قسم کھا چکے ہیں۔ اس پر انگریزوں نے یورپین عیسائی پادریوں کے دستخطوں سے ایک فتویٰ شائع کر کے اس کی نقلیں حیدر علی کی فوج کے عیسائی سپاہیوں اور پادریوں میں تقسیم کرائیں۔ اس فتوی میں لکھا تھا کہ مسلمانوں کے فائدہ کے لئے اگر انجیل مقدس اور صلیب ہاتھ میں لے کر کوئی قسم کھالی جائے تو اس کے پورا نہ کرنے یا اس پر قائم نہ رہنے سے کوئی عیسائی گناہگار نہیں ہوتا۔ ایک فرانسیسی مورخ جو حیدر علی کی فوج میں موجود تھا۔ لکھتا ہے۔ اس سازش کو کامیاب بنانے کے لئے انگریزوں نے پوشیدہ طور پر خونریزی اور حیلہ سازی سے بھی کام لیا۔

حیدر علی کے فرانسیسی سپہ سالاروں کو اس سے منحرف کرنے کے لئے اس وقت انگریز جاسوسوں کے پاس پانڈی چری کے فرانسیسی گورنر کا ایک جعلی خط بھی موجود تھا۔ اس پر بھی حیدر علی کے یورپین ملازمین نے جن میں سے زیادہ تر فرانسیسی تھے۔ بہت کم نے حیدر علی کے ساتھ دغابازی کی جن یورپین پادریوں نے اس فتوے پر دستخط کئے تھے ان میں اکثر

حیدر علی کی رعایا تھے۔ اور حیدر علی نے ان کے ساتھ بہت رعائتیں کر رکھی تھیں۔

اس وقت تک یعنی ۱۷۶۸ء کے اختتام سے قبل حیدر علی نے اپنا وہ تمام علاقہ جو تھوڑے عرصے کے لئے انگریزوں کے ہاتھوں میں چلا گیا تھا دوبارہ فتح کر لیا۔ لیکن جس وقت حیدر علی اپنی تمام فوج کے ہمراہ میسور کی مشرقی سرحد پر تھا۔ انگریزوں نے ایک نئی فوج پشت کی جانب سے حیدر علی کے مغربی علاقہ منگلور پر حملہ کرنے کے لئے روانہ کر دی۔ اس فوج نے حیدر علی کی عدم موجودگی میں ایک بار آسانی سے منگلور پر قبضہ کر لیا منگلور کی فتح کی خوشی میں پھر ایک سو بارہ توپیں مدراس کے قلعہ سے داغی گئیں۔

حیدر علی کو اب دو جانب سے انگریزوں کا مقابلہ کرنا پڑا۔ سامنے کی جانب جنرل اسمتھ اور کرنل وڈ کی فوجیں تھیں۔ اور پشت کی جانب بمبئی کی فوج۔

منگلور کے زوال کی خبر پاتے ہی حیدر علی نے اپنے بیٹے ٹیپو کو تین ہزار سوار دے کر منگلور کی جانب روانہ کیا۔ اور اس کے پیچھے پیچھے خود بھی تھوڑی سی فوج لے کر روانہ ہوا۔ باقی فوج اس نے اپنے ایک رشتہ دار مخدوم کی کمان میں وڈ اور اسمتھ کے مقابلہ کے لئے مشرقی سرحد پر چھوڑ دی۔

جنرل اسمتھ کی چال اور اس کا جواب

جنرل اسمتھ اور کرنل وڈ نے حیدر علی کی غیر موجودگی سے پورا فائدہ اٹھایا اور اس وقت جنرل اسمتھ نے مخدوم سے ایک چھوٹا سا قلعہ بڑی چالاکی سے حاصل کر لیا۔ اسمتھ نے اپنے ایک ملازم کو مخدوم کے ملازموں جیسی پوشاک پہنائی اور اس کے ہاتھ مخدوم کا ایک جعلی خط قلعدار کے پاس روانہ کیا جس میں لکھا تھا کہ "انگریزی فوج ہمارے قلعہ پر حملہ کرنے والی ہے۔ اس لئے ہماری مدد کے لئے پانچ سو سپاہی آج شام کو روانہ کئے جائیں گے۔ قلعہ کا پھاٹک کھلا رکھنا۔ یہ چال کام کر گئی اور اسی روز کمپنی کے بھیس بدلے ہوئے سپاہیوں نے جا کر قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ مخدوم کو جب یہ بات معلوم ہوئی تو اس نے بدلہ لینے کا ارادہ کیا۔ اور چند دن کے بعد ہی اس نے اپنے کچھ سوار سپاہیوں کو انگریزی وردی پہنا کر قلعہ کے سامنے بھیجا۔ ان سواروں میں سے ایک نے جو اتفاق سے انگریزی فوج کا بھاگا ہوا ایک انگریز سپاہی تھا۔ آگے بڑھ کر قلعے کے انگریز افسر سے چلا کر کہا "حیدر کی فوج ہمارا تعاقب کر رہی ہے۔ میری فوج کے کمانڈر کی درخواست ہے کہ آپ پھاٹک کھول دیجئے تاکہ ہم لوگ اندر آجائیں۔ یہ چال بھی چل گئی اور مخدوم کی فوج نے دوبارہ اس قلعہ پر قبضہ کر لیا۔

اسمتھ اور وڈ کی فوجیں اب حیدر علی کی عدم موجودگی میں منگلور فتح کرنے کے ارادہ سے آگے بڑھیں۔ دارالخلافہ سرنگاپٹم کے بعد بنگلور اور منگلور ہی ریاست میسور کے دو خاص شہر تھے۔

منگلور میں ٹیپو کی شاندار فتح

ادھر منگلور کی رعایا نے ٹیپو کا پُرجوش خیر مقدم کیا۔ بمبئی کی انگریزی فوج اور ٹیپو کی فوج میں بہت خونریز جنگ ہوئی۔ جس میں ٹیپو کو کامل فتح نصیب ہوئی۔ انگریز سپہ سالار، ۴۲ انگریز افسروں، ۲۷۰ انگریز اور ۶۰۰ سے زیادہ کمپنی کے ہندوستانی سپاہیوں کو ٹیپو نے لڑائی میں قید کر لیا۔ منگلور کی یہ لڑائی درحقیقت انگریزوں اور حیدر علی کے لئے ایک معرکہ کی لڑائی تھی صرف تین دن منگلور انگریزوں کے قبضہ میں رہنے کے بعد شہر اور قلعے پر دوبارہ ٹیپو کا قبضہ ہو گیا۔ نوجوان ٹیپو کی اس شاندار فتح کے ایک دن بعد حیدر علی اپنی فوج کے ہمراہ منگلور پہنچا فتح کی خبر سنتے ہی سلطان نے ٹیپو کو چھاتی سے لگا لیا۔ اور دفور مسرت کے باعث اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

برہمن عیسائی

منگلور میں پرتگالی عیسائیوں کے تین گرجا تھے۔ یورپین پادری اس وقت کے رواج کے مطابق۔ خود کو برہمن عیسائی کہا کرتے تھے۔ برہمنوں کی جیسی پوشاک پہنتے تھے۔ ویسا ہی کھانا کھاتے اور کھڑاؤں پہنتے تھے۔ ان کے رہنے سہنے کے ڈھنگ بالکل برہمنوں جیسے تھے۔ اس چال سے انہیں ہندو عوام کو عیسائی بنانے میں آسانی ہوتی تھی۔ اور یہ لوگ حیدر علی کی رعایا تھے۔ حیدر علی نے ان کے ساتھ بہت سی رعائتیں روا رکھی تھیں پھر بھی جس وقت انگریزوں نے منگلور پر حملہ کیا تو ان تینوں گرجاؤں کے ان یورپین پادریوں نے حیدر علی کے خلاف اس کے دشمنوں کی مدد کی۔ حیدر علی کو جب یہ حال معلوم ہوا۔ تو اس نے ان کا مال و اسباب ضبط کر لیا اور انہیں اس وقت تک کے لئے قید کر دیا۔ جب تک کہ انگریزوں اور حیدر علی کے درمیان صلح نہ ہو جائے۔

حیدر علی مدراس کے پھاٹک پر

منگلور کی فتح کے بعد حیدر علی وہاں کی حفاظت کا معقول انتظام کر کے خود ٹیپو اور فوج کے ساتھ بنگلور کی حفاظت کے لئے واپس چلا گیا۔ اس مرتبہ اس نے اپنی فوج کو تین حصوں میں منقسم کیا۔ اور وہ تین راستوں سے آگے بڑھا۔ جنرل اسمتھ کے لئے منگلور فتح کرنا محض خواب و خیال ہو گیا۔

حیدر علی کی فوج نے کنداسپی پہلے ہی جنرل اسمتھ اور کرنل وڈ کی فوجوں کو اس کے آگے آگے بھاگنا پڑا۔ اپنے تمام علاقہ سے انگریزوں کو ایک بار پھر باہر نکال دینے کے بعد حیدر علی کی تینوں فوجیں انگریزوں اور مرہٹوں اور کرناٹک کے علاقوں کی طرف بڑھتی چلی گئیں۔ حیدر علی کی فوج کے مقابلہ میں کمپنی کی فوج کے کہیں بھی پیر نہ جم سکے نواب محمد علی بے حد خوفزدہ ہو گیا۔ بڑھتے بڑھتے حیدر علی کی فوج مدراس کے قریب پہنچ گئی۔ اور مدراس کا انگریز گورنر اور اس کی کونسل کے اراکین۔ پریشان ہو گئے۔

مدراس کی کونسل نے اب کپتان برک کو حیدر علی کے پاس صلح کے لئے بھیجا۔ حیدر علی کو موقع مل گیا کہ جو سلوک چند ماہ پیشتر انگریزوں نے اس کے سفیر کے ساتھ روا رکھا۔ وہ بھی انگریز سفیر کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کرے حیدر نے کپتان برک کو جواب دیا۔

"میں مدراس کے پھاٹک پر آ رہا ہوں۔ گورنر اور اس کی کونسل کو جو کچھ کہنا ہوگا وہیں آ کر سنوں گا۔"

انگریزوں کا ہراس

کپتان برک ناامید ہو کر واپس لوٹ گیا۔ حیدر علی نے اپنا تمام قیمتی اسباب میسور روانہ کر دیا۔ اور خود فوج کے ساتھ مدراس کی جانب بڑھا۔ حیدر علی کے تمام فوجی سفر بہت تعجب انگیز ہوتے تھے۔ افواج کے ہمراہ مشرق سے مغرب اور مغرب سے مشرق تک سینکڑوں میل کا سفر چند روز کے اندر طے کر لینا اور بغیر آرام کئے گھبرائی ہوئی انگریزی فوج پر ٹوٹ پڑتا۔ اس کیلئے ایک معمولی اور روز مرہ کی بات تھی۔ اس مرتبہ بھی وہ ساڑھے تین دن کے اندر ایک سو تیس میل کا فاصلہ طے کر کے اچانک مدراس کے قلعے سے دس میل کی دوری پر جا پہونچا۔ انگریز خوف سے گھبرا اٹھے۔ حیدر علی کی فوج اور مدراس کے درمیان سینٹ ٹامس کی پہاڑی حائل تھی۔ یہ وہ جگہ تھی جس پر ٹیپو ایک بار قبضہ کر چکا تھا۔ انگریزوں نے اب بڑی پھرتی کے ساتھ اس پہاڑی کی حفاظت کا انتظام کیا اور وہاں اپنی فوج جمع کر دی۔ تاکہ حیدر علی آسانی سے مدراس تک نہ پہونچ سکے۔ لیکن انگریزی فوج ابھی سینٹ ٹامس پہاڑی پر جمع نہ ہونے پائی تھی۔ کہ حیدر علی اپنی جرار فوج کے ہمراہ دور کا چکر دیکر مدراس کے قلعے کے دوسری جانب کے پھاٹک پر جا پہونچا۔ انگریزی فوج قلعے کی دوسری طرف فصیل سے دو تین میل کے فاصلہ پر تھی۔ انگریز اس وقت بہت زیادہ خائف تھے۔ حیدر علی اگر چاہتا تو اس وقت مدراس پر قبضہ کر سکتا تھا اور جنوبی ہند سے انگریزوں کے رہے سہے اثر کو کم از کم ختم ضرور کر سکتا تھا۔ لیکن اس نے کپتان برک سے وعدہ کر لیا تھا کہ مدراس کے پھاٹک پر آ کر میں صلح کی بات چیت سنوں گا۔ مشرقی تہذیب اور دستور کے مطابق اس نے

اپنے قول کو پورا کیا۔ اس نے مدراس کے انگریز گورنر کو اپنے پہونچنے کی اطلاع دی۔ گورنر نے فوراً ڈوپلے اور بوشیر دو انگریز افسروں کو سلطان کے پاس صلح کی بات چیت کرنے کے لئے روانہ کیا۔ ان دونوں انگریزوں میں سے دو پہلے آئندہ کے لئے مدراس کا گورنر نامزد ہو چکا تھا۔ بوشیر موجودہ گورنر کا حقیقی بھائی تھا۔

حیدر علی نے بڑے تپاک کے ساتھ انگریز سفیر کو خوش آمدید کہا۔ اور ان کی درخواست پر سینٹ ٹامس کی پہاڑی پر ان کا خیمہ لگا کر صلح کی شرائط لکھی جانے لگیں۔ حیدر علی کی اس وقت کی حالت کو بیان کرتے ہوئے۔ ایک انگریز مورخ کرنل نیلسن لکھتا ہے:۔

"درحقیقت حیدر علی اس وقت تمام حالات پر حاوی تھا۔ مدراس کا تمام شہر اور انگریزوں کے مکانات اس کے رحم پر تھے۔ اس کے آنے سے وہاں اتنا خوف چھا گیا تھا۔ کہ مدراس کا قلعہ بھی اس کے ہاتھ میں آ جاتا۔ اس کی حالت اس وقت ایسی تھی کہ وہ جو شرطیں چاہتا انگریزوں سے لکھا سکتا تھا۔ اور درحقیقت اس نے ایسا ہی کیا بھی"

۵ر اپریل ۱۷۶۹ء کو انگریزوں، سلطان حیدر علی اور ارکاٹ کے نواب محمد علی کے درمیان الگ الگ صلح نامے لکھے گئے۔ اور صلح نامہ پر تینوں کے دستخط ہوئے۔ اس سے پہلے صلحنامے ہندوستانی حکمرانوں اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے درمیان ہوا کرتے تھے۔ حیدر علی نے کمپنی کے ہر قسم کے سیاسی حق کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور اسی لئے یہ پہلا صلحنامہ تھا جو انگلستان کے بادشاہ کے نام پر حیدر علی کے ساتھ کیا گیا۔ اس صلحنامہ میں طے ہوا۔ کہ انگلستان کا بادشاہ جارج سوئم اور صوبہ سیرا کے صوبہ دار حیدر علی خاں اور ان دونوں کی رعایا کے درمیان ہمیشہ پُرامن اور دوستانہ تعلقات قائم رہیں گے وغیرہ وغیرہ۔ حیدر علی کا جو علاقہ شروع میں انگریزوں نے لے لیا تھا۔ اور جس کو حیدر علی نے دوبارہ فتح کر لیا تھا حیدر علی کے پاس رہا اور انگریزوں کا جو علاقہ حیدر علی نے جیت لیا تھا اس نے انگریزوں کو واپس کر دیا مگر کاشعو کا جو علاقہ انگریزوں کے دوست ارکاٹ کے نواب محمد علی کا تھا اس کو ہمیشہ کیلئے حیدر علی حوالہ کر دیا اور تاوانِ جنگ اور ہرجانے کے طور پر ایک بڑی رقم بھی انگریزوں نے حیدر علی کی نذر کی اور یہ طے ہوا کہ آئندہ اگر کوئی تیسرا فریق یا حیدر علی انگریزوں پر حملہ آور ہوگا تو دونوں فریق ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ دوسرے صلحنامہ میں جو حیدر علی اور محمد علی کے درمیان ہوا تھا۔ یہ طے ہوا کہ محمد علی ارکاٹ کا نواب رہیگا لیکن آئندہ سے ارکاٹ کا نواب میسور کا باجگذار سمجھا جائیگا۔ اسے چھ لاکھ روپیہ سالانہ میسور دربار کو ادا کرنا ہوگا پہلے سال کا خراج پیشگی دیگا۔ دونوں صلح ناموں کی ذمہ داری انگریزوں نے اپنے ذمہ لی۔ ان سب باتوں کے علاوہ حیدر علی کے ایک جہاز کے بدلہ میں جو جنگ کے شروع میں دھوکے سے انگریزوں نے بمبئی میں لے لیا تھا۔ انہوں نے ایک نیا جنگی جہاز بعوض پچاس توپوں کے حیدر علی کی نذر کرنے کا وعدہ کیا۔ اس جنگ نے ثابت کر دیا کہ حیدر علی کی بہادری اس کی جنگی قابلیت اور ...

افسانہ

معاوضہ

از جناب [illegible]

"ہاں! وہ اپنے بچوں کو نہیں کھیلنے دیتے" رشید نے روتے ہوئے کہا

"کون؟" ماں نے اس کا منہ چومتے ہوئے آنسو پونچھ کر کہا

"نہیں!" کہتے ہیں تم غریب ہو" رشید ماں سے لپٹ کر سسکیاں بھرنے لگا "کہتے ہیں تمہارے کپڑے پھٹے ہوئے ہیں"

رشید کی ماں کو آج احساس ہوا کہ وہ ایک غریب بیوہ ہے۔ اور سوسائٹی میں اس کا کوئی درجہ نہیں

"ہمکو نہلا کر کپڑے پہنا دو" رشید نے آنسو پونچھ کر کہا۔

"بیٹا ذرا یہ سلائی پوری کرلیں پھر نہلا دیں گے" ماں نے کہا۔

"نہیں! اماں ہم تو ابھی نہائیں گے۔ اور کل عید بھی تو ہے تم تو ابھی نہلا دو"

"نہیں میاں تم کو سردی لگ جائے گی ابر ہو رہا ہے۔ آج مت نہاؤ ——— اور نئے کپڑے کل پہننا کل عید کا دن ہے ——— !" ماں نے محبت سے کہا۔

"ہم تو ابھی نہائیں گے" رشید نے مچلتے ہوئے کہا۔

آخر ماں نے مجبور ہو کر کچھ گرم اور ٹھنڈا پانی ملا کر نہلا دیا۔

نہلانے کے بعد رشید کو سردی محسوس ہوئی اس نے کہا۔

"اماں ذرا سی "چاء" بنا دو سردی لگ رہی ہے۔

"بیٹا نہ دودھ ہے نہ "چاء" گڑ تو ہے اور پیسے بھی نہیں ہیں۔ یہ سلائی پوری کر دوں تو جاکر پیسے لاؤں ——— تم رضائی اوڑھ کر لیٹ جاؤ ابھی گرم ہو جاؤ گے"

"نہیں ہم تو باہر کھیلیں گے۔ جب تم پیسے لاؤ تو "چاء" بنا دینا"

یہ کہہ کر رشید باہر بھاگ گیا۔

ماں پھر سینے بیٹھ گئی۔

تھوڑی دیر بعد رشید پھر گھبرایا ہوا آیا اور کہنے لگا۔

"اماں۔ مجھے بہت زور کی سردی لگ رہی ہے رضائی اڑھا دو۔

ماں گھبرائی ہوئی اٹھی ایک ٹوٹی ہوئی چارپائی پر بوسیدہ گدا [illegible] ڈال دی۔

"میں نے منع کیا تھا کہ نہاؤ مت، مگر مانتے کب ہو خوب اوڑھکر لیٹے رہو ابھی پسینہ آجائے گا۔ اور تمہارا بخار اتر جائیگا"

ماں۔ اس کو لٹا کر چولہے کے پاس آئی پرانی اور ٹوٹی سی دیگچی میں دال دھو کر چڑھا دی اور آٹا گوندھ کر بیٹھ گئی۔ بیٹھے بیٹھے خیالات نہ معلوم کہاں پہنچ گئے۔

اس کو اپنا بچپن یاد آیا۔

اس کی پرورش بھی غربت میں ہوئی۔ ایک بوسیدہ ٹوٹا سا مکان اور اس کے ساتھ باپ ——— ماں اس سے کتنا پیار کرتی تھی۔ کہتی۔ میری گڑیا تو شاہجادی ہے۔ شاہجادی ——— اللہ کرتا کسی محل میں پیدا ہوتی۔ ——— پھر ——— وہ جوان ہوئی۔ اس کی ملاقات پھر ——— رشید کے ابا سے ہوئی ——— ماں باپ نے اچھا جوڑا دیکھ کر دونوں کو بندھن میں باندھ دیا ——— کتنی محبت کرتے تھے۔ وہ ——— کہتے تم تو بالکل ایسی ہو جیسے "پکارو والی نسیم" ——— پھر ——— آہ ——— جس سال رشید پیدا ہوا۔ اسی سال ماں اور باپ دونوں مر گئے ——— لیکن وہ پھر بھی خوش تھی کہ دنیا میں اس کا کوئی ہے تو! ——— دونوں ہنسی خوشی سے زندگی گذار رہے تھے۔ رشید ان کی مسرتوں کا گہوارہ تھا۔

لیکن ——— اف ——— خدایا ——— !

اب سے دو سال پہلے۔ ایسی ہی تو شام تھی وہ ——— صبح عید تھی ——— ابر چھایا ہوا تھا۔ ہلکی ہلکی بوندیں پڑ رہی تھیں ——— وہ کارخانے سے آئے اور کہا۔

"میرے سر میں بہت درد ہے"

"میں دبا دوں آپ لیٹ جائیے"

"نہیں! نہیں!! مجھے سردی بھی معلوم ہو رہی ہے میں اوڑھکر لیٹوں گا ——— پھر ——— بخار آیا بہت تیز بخار!

رات کافی سرد تھی جیسے پالا پڑا ہو ———!

"میرے سینے میں درد ہو رہا ہے ذرا سینک دو"

اور ــــ آہ ــــ صبح ہوئی ــــ عید آئی ــــ پھر شام ہوئی ــــ اور ــــ اور ــــ پھر ــــ اُف ــــ

ایک دم وہ چونک پڑی۔ گھبرا کر اٹھی ــــ بہت خوفزدہ ہو کر ــــ جیسے کوئی اس کی چوری کرکے بھاگ رہا ہو ــــ اس نے رشید کو آ کر دیکھا ــــ اُف ــــ اس کے رخسار سرخ ہو رہے تھے۔ اور تمام بدن آگ ہو رہا تھا۔ وہ گھبرا گئی ــــ

رشید!" "ہوں!"

وہ سب کچھ بھول گئی ــــ اُس نے اس کے گرم گرم رخساروں پر اپنا منہ رکھ دیا۔

"بھیا! ــــ رشید! ــــ میاں!!! ــــ رشید!

اس نے جھنجوڑا لیکن اس پر بے ہوشی طاری تھی ــــ

بیساختہ اس کی آنکھوں سے دریا رواں ہو گیا ــــ

اسے پھر جھنجوڑا ــــ "رشید میاں"

"ہوں" ــــ "ماں!" "کیا ہے بیٹا؟"

"پانی! ــــ

رات کی خوفناک تنہائی میں اس کا موت ہچکیاں لے رہا تھا وہ سرہانے بیٹھی رشید کا سر داب رہی تھی ــــ اس کے دماغ میں تخیلات کا دھواں پیچ و تاب کھا رہا تھا۔

اب وہ بیوہ ہے تو دنیا اس کے لئے کتنی تنگ ہو گئی ہے ــ کتنے نوجوان اس سے ہمدردی کرنے لگے ہیں۔ جب وہ بازار جاتی ہے تو کتنے لوگ حسرت سے اس کی طرف دیکھتے ہیں ــــ کتنے نوجوان اس کے ساتھ جوانی کا کھیل کھیلنے کو بیتاب ہیں ــــ" پھر اس کے تخیلات نے پلٹا کھایا۔

"بیوہ ہو جانے پر عورتیں کیوں اس سے نفرت کرنے لگیں۔ سب اس کو منحوس کیوں کہتی ہیں ــــ کوئی میں نے تو ان کو مارا نہیں ــــ کیا ہوا اگر میری جوانی یونہی بیت رہی ہے ــــ جن لوگوں کی بیویاں مر جاتی ہیں۔ لوگ ان کو برا کیوں نہیں کہتے؟ ــــ اب تو میں بڑھی ہو چلی ــــ اللہ رکھے رشید کو اب چند سال بعد ایک چاند سی بہو بیاہ لاؤں گی۔ کلو کی ماں کو دیکھو کیسی کالی کلوٹی بہو لائی ہے ــــ وہ تو پیسہ کی وجہ سے لائی ہے ــــ میرے پاس پیسہ نہیں ــــ یکایک تخیلات کی ڈوری ایک جھٹکے سے ٹوٹ گئی ــــ

"اماں ــــ پانی"

وہ بیتاب ہو کر اٹھی پانی پلایا ــــ پھر ــ کچھ سوچ کر ــ اس ذات بے نیاز کے سامنے سر بسجود ہو گئی ــــ اس نے دل کھول کر دعا مانگی اور ایسی دعا جس سے بارگاہ کے کنگورے تک ہل گئے ــــ ایسی دعا جس سے ہر شقی القلب کا کلیجہ کانپ اٹھا ــــ اب رشید ہی اس کی زندگی تھا ــــ کاش وہ جی جائے! ــــ

وہ دعا مانگتی رہی ــــ حتیٰ کہ صبح کا ستارہ بھی فضاء بسیط میں غائب ہو گیا ــــ چڑیاں چہچہانے لگیں ــــ وہ اٹھی ــــ رشید کو دیکھا۔ اس کا بدن پھک رہا تھا ــــ

"رشید میاں! ــــ بھیا! ــــ کیسی طبیعت ہے؟"

"اماں ــ اماں ــ درد ہو رہا ہے ــــ"

"کہاں! ــــ کہاں!! ــــ میرے لال" اس نے بے چینی سے پوچھا۔

"یہاں سینے میں"

جیسے کسی نے اس کے دل میں برچھی مار دی ہو۔

"آہ! میرے پروردگار کیا کروں؟"

یکایک دل میں خیال ہوا محلے میں جو ڈاکٹر صاحب رہتے ہیں اُن سے کیوں نہ دوا لاؤں؟ لیکن پیسے؟ ــــ ادھار کر لوں گی ــــ یہ سوچ کر وہ اٹھی ــــ

"بھیا میں تمہاری دوا لے آؤں ــــ ابھی آتی ہوں گھبرانا مت ــــ آج عید تھی ــ سب لوگ عیدگاہ جانے کی تیاری کر رہے تھے اپنی زرق برق پوشاکیں پہنے ہوئے ــــ لیکن انہیں کیا معلوم تھا ــــ ایک غریب بیوہ کے گھر میں ایک بیکس یتیم بچہ کشمکش حیات میں مبتلا ہے۔

محلے کی چہل پہل دیکھ کر اس کی آنکھیں بھر آئیں ــــ وہ ڈاکٹر کے دروازہ پر پہنچی۔ مطب بند تھا ــــ چاہا کنڈی کھٹکھٹائے۔ لیکن آج عید تھی ۔ وہ شاید ہی ملیں ــــ لیکن نہیں ــــ اس نے ہمت کرکے کنڈی کھٹکھٹائی ۔ کون ہے؟ ــــ چلے آؤ!

وہ جھجکی لیکن ہمت کرکے قدم بڑھا ہی دیا ــــ

"ہیں تم؟ کیا نوکری کے لئے آئی ہو؟ ــــ بیگم نہیں ہیں ــــ"

"نہیں ڈاکٹر صاحب میرا بچہ بیمار ہے ــــ"

"کہاں ہے؟"

"گھر پر"

"فیس دو گی؟ پانچ روپے ہوں گے"

"ڈاکٹر صاحب میں غریب بیوہ ہوں میں کیا دے سکتی ہوں"

"کیا بیمار ہے؟" ڈاکٹر نے گھورتے ہوئے کہا۔

"کل نہایا تھا ــــ بخار آگیا سینے میں درد ہے۔ جلدی چلئے میں اسے اکیلا چھوڑ آئی ہوں"

"تمہارا۔ اور کوئی نہیں ہے؟"

"کوئی نہیں ڈاکٹر صاحب"

"لیکن میں بغیر فیس جا نہیں سکتا۔

"میرے پاس کیا ہے۔ میں آپکو کیا دوں۔ آپ اسکو بچا لیجئے۔ آپکا پیسہ پیسہ میں ادا کردوں گی ڈاکٹر صاحب!"

"تمہارے پاس بہت کچھ ہے دینے کو۔ تم اس کے لئے کیا کر سکتی ہو؟"

"میں سب کچھ کر سکتی ہوں۔ اپنی زندگی تک اسکو دے سکتی ہوں۔ ڈاکٹر صاحب!"

اچھا چلو۔ ڈاکٹر نے اپنا ہینڈ بیگ سنبھالا اور ساتھ ہو لیا۔

رشید کو دیکھنے کے بعد ڈاکٹر نے کہا "دوا تو میں دے دیتا ہوں لیکن معاوضہ؟"

"معاوضہ! معاوضہ!! آپ دوا تو دیجئے ڈاکٹر صاحب۔ آپ اس کو بچا لیجئے میں آپ کی داسی بن کر رہوں گی ــــ میں اپنا سب کچھ آپ پر قربان کر دوں گی"

"یہ لو۔ یہ دوا دو۔ دو۔ گھنٹے بعد پلاتی رہنا۔ اور اس دوا کی سینے پر مالش کرنا۔ اچھا ــــ اور مغرب کے بعد آکر مجھ سے حال کہنا ڈاکٹر نے تیز نظروں سے اس کو دیکھتے ہوئے۔ اپنا ہینڈ بیگ اٹھایا۔ اور ــــ "دیکھو بعد مغرب ملوں گا" کہتا ہوا چلا گیا۔

ڈاکٹر کے جانے کے بعد اس نے دوا پلائی اور سینے پر مالش کرکے سینکتی رہی ــــ بجھتی ہوئی شمع نے ــــ آخری ہچکی لی ــــ

اور اس کی آہ و زاریوں کے باوجود بیکس کا سہارا چل بسا۔

ادھر سورج ارغوانی تالاب میں شام کل غسل کر رہا تھا اور ادھر بیکس بیوہ اپنی تمناؤں کے خون سے وضو کر رہی تھی۔

"ماں!"

کہاں ہے میرے لال؟" اس کے کپکپاتے ہونٹ رشید کی پیشانی سے ٹکرائے۔ اور جیسے اس کے ہونٹوں کے ساتھ ہی اس کی روح کھنچ آئی ہو ــــ لیکن یہ اس کا وہم تھا ــــ

وہ بالکل نہ روئی اس کے آنسو خشک ہو چکے تھے۔ اس نے کچھ دیر بعد۔ آہستہ سے مردہ رشید کو گود میں اٹھا لیا۔ اور باہر نکل گئی۔

مغرب کا وقت ہو چکا تھا ــــ!

اس نے مطب میں داخل ہونے کے بعد اس کو بنچ پر رکھا۔ ڈاکٹر کرسی میں تھا ــــ اس نے کمرے کی طرف قدم بڑھایا ــــ

ڈاکٹر شائد کھول چکا تھا ــــ اوہ! تم آگئیں کہو کیا حال ہے؟

وہ بالکل چپ رہی ــــ

"آؤ! اندر آجاؤ!!" ڈاکٹر نے سگریٹ جلاتے ہوئے کہا

"میرا معاوضہ لے آئیں ــــ"

"ہاں" اس نے آہستہ سے نظریں جھکا کر پاؤں کے انگوٹھے سے فرش کریدتے ہوئے کہا ــــ

"میں پہلے ہی سمجھتا تھا ــــ تم بڑی اچھی ہو ــــ بہت سمجھدار" ڈاکٹر نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا ــــ

"تو آؤ یہاں بیٹھو ــــ!"

"لیکن معاوضہ وہاں ہے" یہ کہہ کر وہ مڑی اور تیزی سے مطب میں آگئی۔

"اوہ! بلا لاں گئیں" ڈاکٹر بھی مسکراتا ہوا مطب میں آگیا۔

"یہ رہا تمہارا معاوضہ ــــ میں نے اپنا سب کچھ تم پر قربان کر دیا ــــ اب اسکو کوئی تکلیف نہیں ــــ

"ایں! ارے" ڈاکٹر کے ہاتھ سے سگریٹ گر پڑا۔

"آہا آہا ــــ ہاہا ــــ قہ ــــ قہ ــــ" اس نے قہقہہ لگایا۔

"ارے لیجاؤ اسے یہ تو مر چکا ــــ لے جاؤ"

لیکن وہ باہر جا چکی تھی ــــ!

تاریکی بڑھ گئی تھی۔ چھائے ہوئے بادل برسنے لگے تھے ــــ بادل گرج رہا تھا۔ اس کو محسوس ہو رہا تھا جیسے دور کوئی اسکو بلا رہا ہو ــــ وہ چلی جا رہی تھی۔ ایک نہ معلوم سمت کو ــــ آخر ــــ!

جمنا کی لہریں کنارے ٹکرا رہی تھیں ــــ دور تاریکی میں اس نے دیکھا ایک کشتی ہچکولے کھا رہی ہے ــــ بجلی چمکی ــــ اس نے دیکھا اس کشتی میں رشید اور اس کا باپ ــــ!

ٹھہرو! ٹھہرو!! میں بھی آرہی ہوں ــــ ٹھہر جاؤ۔

ایک دھماکا! چند دائرے!! ــــ بلبلے!!! ــــ اور پھر وہی گرج ــــ بادل ــــ ہوا ــــ پانی ــــ

خط و کتابت کرتے وقت اپنے خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے

مکتوب رموزی

بقلم خود

محترم مدیر "محشر خیال دہلی"

بعد سلام مسنون آنکہ معلوم ہو کہ الحمد للہ تادم تحریر ہذا یہاں ہر طرح خیریت ہے اگر خیریت میں بیوی نمبر ایک کا زکام اور بیٹے نمبر ۲ کا فصلی بخار بھی شامل سمجھا جاتا ہو، ورنہ یقین کیجئے کہ نہ خیریت ہے نہ خیر و عافیت خصوصاً ایسی صورت میں مضمون نگار کی خیریت کیا عرض کروں جب بیمار بچوں والی بیوی کی چارپائی اور شوہر کی چارپائی میں صرف اتنا فاصلہ رہے جس میں سے تمام رات بلّی آسانی سے گذرتی رہے اور منافع مرغی پکڑلتی رہے اور خیر و عافیت آن محترم کی مع خوردو کلاں کے خاتون تحفنا بندے سے خب و روز نیک مطلوب،

دیگر احوال یہ ہے کہ جس طرح ایک مایوس اور فرقت نصیب کو امید کے خلاف نامۂ محبوب مل جائے مین اسی طرح آج "محشر خیال" اور "خاتون مشرق" میرے نام آئے، اس لئے مجھے شک ہوا کہیں یہ دوسرے روزہ کا سجدۂ سہو تو نہیں ہے جو ایک چھوڑ دو پرچے مجھے ملے، مگر بعد غور میں نے سمجھ لیا کہ آن جناب کے عملۂ ادارت و ریاست اور عملۂ اہتمام و اشاعت کے ارکان میں کچھ بلند نگاہ و بلند حوصلہ لوگ بھی مقیم ہیں۔ جو اصحاب قلم کی عزت افزائی میں سرگرم اور فیاض ہیں، اور یہی چیز اردو میں کام کرنے والوں میں نہیں ہے۔ جس کی شکایت اسی "محشر خیال" میں برادرم عظیم بیگ چغتائی رحمتہ اللہ علیہ کی زبانی اور مولوی محمود مورخ کے قلم سے نکل چکی ہے، مگر اردو میں کام کرنے والوں کی قدر نہ ہونے کا سبب یہ نہیں ہے کہ غلہ مہنگا ہے یا اصلی گھی ملنا اب محال ہوگیا ہے یا ساری قدر و قیمت اب گاندھی جی کے چرخے میں سمٹ کر بند ہوگئی ہے بلکہ راز یہ ہے کہ اردو میں "ذی علم" اور نگاہ خاص" والوں کی کمی ہے اور اس زبان میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ عوام کے ذوق و درجہ کا ہو رہا ہے۔ خواص کا تو سیاست تک میں نہیں ادب و زبان میں خواص آئیں تو کہاں سے آئیں، اس لئے زبانِ اردو کے جو خواص و مشاہیر اردو میں جنم لیتے ہیں وہ اسکولی اور کالجی صاحبزادوں کے حلقے میں پھنس کر جان دیدیتے ہیں۔ اور چونکہ نئی نسل یورپ زدہ ہے اس لئے اس عہد کے اعلے تعلیم یافتہ جماعت میں کوٹ پتلون ٹینس، کرکیٹ، ٹائمس آف انڈیا کے مطالعے اور سینما کے تماشوں کی فراست تو ہے۔ اور لڑکیوں کی بے پردگی کی آرزو لیکن نہیں ہے تو اردو میں ذاتی غور و تحقیق سے کام کرنے کی صلاحیت اسی لئے یہ جدید اعلے تعلیم یافتہ جماعت ہی کا صدقہ ہے کہ اردو ۹۹ فی صدی انگریزی الفاظ کے دباؤ سے چیخ رہی ہے۔ مگر کوئی نہیں سنتا، اور اب جب سے کہ ماشاء اللہ لیڈروں تک نے سینما اور فلم کے مشاغل کو عقل و صحت کے لئے جوارش جالینوس اور خمیرۂ مروارید قرار دیدیا ہے اس وقت سے مسلمان صاحبزادوں کے قلم سے ۹۹ فی صدی سنسکرت کے الفاظ اردو میں ٹھونسے جارہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ اردو کو ہندی اور سنسکرت کے الفاظ سے سنوار کر ہندو مسلم اتحاد کی تحریک کو مقبول بنا رہے ہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ جو صاحبزادے اور صاحبزادیاں اردو میں افسانہ نگاری کی زحمت گوارا فرما رہی ہیں وہ فلم کی ماری ہوئی ہیں اور عربی، فارسی، اور بھاشا سے یکسر ناواقف لہذا یہ لوگ فلم کی زبان میں جو کچھ سنتے ہیں وہی نام اور الفاظ اپنے افسانوں میں ٹھونس دیتے ہیں اور ہر رسالوں کے خدا جانے کئی فی صدی مالک و مدیر اب خود بھی کالجی صاحبزادے ہیں اس لئے وہ بھی اس قابل نہیں ہیں کہ اپنے رسالوں کے مضامین کی اصلاح کر کے شائع کر سکیں نتیجہ میں اردو کا لفظی اور افسانوں کا ذخیرہ بلند و پاکیزہ ہونے کے عوض گندہ اور بازاری ہوتا جاتا ہے خیر بات کہاں سے کہاں جا پہنچی کہنا فقط یہ تھا کہ "محشر خیال" آیا دل کو سرور اور آنکھوں کو نور حاصل ہوا، اللہ اس کی عمر و اقبال میں ترقی عطا فرمائے۔

دیگر احوال یہ ہے کہ میں نے "خاتون مشرق" تو حسب ضابطۂ شوہرانہ بیویوں کی مجلس اعلے میں پیش کر دیا اور "محشر خیال" کو تعلیم خود چاٹ گیا پس اس میں سب سے پہلے نفیس الدین صاحب فاروقی کی گرفتاری کا حال پڑھ کر معلوم ہوا کہ یہ رسالہ اچھا خاصا "مدینہ اخبار" بھی ہے۔ اور "زمیندار اخبار" بھی۔ اور جب اس مضمون کا ورق الٹا تو یہ ایک عمدہ دلکش، نظر نواز، اور ضخیم ماہانہ رسالہ رہ جاتا ہے اور تو اور یہ کہ کلہم دو روپیہ میں سال بھر تک،

اما بعد میں نے بغیر روزہ افطار کئے ایک ہی سانس میں اسرار احمد صاحب آزاد کا مقالہ "جنگ" پڑھا۔ تو اس کی ایک چیز کا بے حد قائل ہوا، وہ یہ کہ

اردو کے بعض اخباروں کے کرنل اور میجروں سے مجھے ہمیشہ یہ شکایت رہی کہ یہ اللہ کے بندے بیٹھے بیٹھے جنگ کے متعلق برادل تو لکھتے ہی نہیں جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ہندوستان کی رہنما جماعت تک حربی وعسکری جذبے سے عاری ہے اور جو لکھتے بھی ہیں تو وہ صرف خبر رساں جماعتوں کی اطلاعات کو ترتیب دیدیتے ہیں اور بس۔ لیکن "محشر خیال" کے اسرار احمد صاحب نے جنگ روس پر جو تبصرہ ارقام فرمایا ہے اُس سے پتہ چلتا ہے کہ عسکریت کے باب میں ان کو نہ صرف بصیرت ہی حاصل نہیں بلکہ یہ لمبی لمبی جلدوں والی منطق بھی پڑھتے ہوئے ہیں اس لئے جنگ کے ہر مسئلہ کو صغریٰ کبریٰ کرکے لکھتے ہیں۔ خصوصاً روسی عوام اور یورپی عوام کے فرق کو جن خالص نفسیاتی احساسات کا لازمہ قرار دیا ہے اُس پر دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ اسرار احمد صاحب کو چار بیویوں کا شوہر کرے اور عمر دراز اور کافی جہیز کا مالک
اس کے بعد اشتراکی روس کا عظیم الشان قصر" والا" اسرار احمدی مقالہ" پڑھا یہ بھی ایسی معلومات کا حامل ہے جو ایک بلند و آزاد ہونے والی قوم کے نفسیات اور انسانی خدمت گذاروں اور غریبوں کے کام آنے والوں کی غریبوں کی بے پناہ ہمدردی کا لاجواب مظاہرہ ہے۔ اس مضمون سے ہندوستان کی بھلائی میں جان و مال قربان کرنے والوں کے دلوں پر شدید چوٹ لگے گی۔ جب وہ یہ محسوس کریں گے کہ ہندوستان کے نام پر مرنے والوں اور قوم کے نام پر عمریں برباد کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کے لئے ہندوستانیوں کے زبان و قلم تک خشک رہتے ہیں تو یہ اور کیا کریں گے اور بھی خصوصاً آئے تو سب بھی کہ دوں کہ خود میں نے کثرت مضامین سے توبہ کرکے یہ جو انٹرنس پاس سے لے کر لی۔ اے پاس تک کی چار عورتوں سے شادی کی اس کا سبب بھی ہندوستانی اصحاب قدر کی بے توجہی اور جہالت ہی کا اثر تو ہے۔ ورنہ آپ کو تو یاد ہوگا کہ آج سے چند سال قبل تک لکھائی کی کثرت کے حساب سے تمام پنجاب کے پرچوں کا میں حضر علیہ السلام بنا ہوا تھا۔ مگر چھ اور ۲۶ بیس برس کی لگاتار رہنمائی اور اصلاح کا جو صلہ صلہ دینے والوں کی طرف سے ملا۔ اللہ اُس سے "محشر خیال" کے عملہ اور اس کے مطبع کے ملازمین تک کو محفوظ رکھے آمین۔

بہر حال "محشر خیال" کے ان مضامین تک ہی آیا تھا کہ بیوی نمبر ۲ اور نمبر ۴ کے روزہ کی خدمت کا وقت آگیا کیونکہ میں بیوی کو جی۔ آئی۔ پی۔ ریلوے کمپنی تصور نہیں کرتا جس کے تمام پرزے دن رات حرکت میں رہنے پر بھی کبھی نہیں تھکتے اس لئے میں اپنی بیویوں کے روزہ کے احترام میں خود ان کا فرمانبردار خادم بنا رہتا ہوں۔ آپ کا جی چاہے تو مجھے رمضان رمضان "زن مرید" ہی تصور فرما لیجئے اس لئے اگر زندگی ہے تو باقی آئندہ

تمام خورد و کلاں کو درجہ بدرجہ سلام دعا، خدا کرے کہ "محشر خیال" کے خریدار زیادہ ہوں اور جب اس میں تابڑ توڑ حروف مسلسل لکھنا شروع کروں تو اس کے خریدار اپنے خواجہ حسن نظامی صاحب کے مریدوں سے زیادہ ہوں۔ زیادہ ہ۔ ادب

مکرر آنکہ۔

روزہ کے زمانہ کا لکھا ہوا ہے براہ غریب نوازی اس کی اصلاح کر دیجئے گا ایسا نہ ہو کہ کوئی بات خلاف آداب و خلاف قانون رہ جائے۔

اور ہاں وہ خوب یاد آئی کہ اگر آپ کی طرف خالص گھی ملتا ہو تو ضرور اطلاع دیجئے گا۔ والسلام

شاعر کی دنیا

(از جناب ظفر صاحب شیرانی)

میں اس جہان میں اپنا مکاں بناؤں گا
جہاں نہ مہر کو ہو کچھ زوال کا خطرہ
جہاں نہ حسن کو ہو کچھ مآل کا خطرہ
جہاں نہ خار میں الجھا ہو گل کا پیراہن
جہاں نہ رنج سے ہو چاک عیش کا دامن
جہاں نہ بیم شعاع سحر ہو شبنم کو
جہاں نہ خوف شکست گہر ہو شبنم کو
جہاں بہار پہ دست خزاں دراز نہ ہو
جہاں کے عیش پہ غم کا کوئی مجاز نہ ہو
جہاں نہ گریۂ شبنم پہ پھول ہنستے ہوں
نہ اشک خندۂ گل پر جہاں برستے ہوں
جہاں نجوم کو خوف عتاب ماہ نہ ہو
قمر پہ تیز جہاں مہر کی نگاہ نہ ہو
جہاں ہو نالۂ بلبل میں کچھ اثر ایسا
زبان غنچۂ خاموش کو کرے گویا
جہاں ہو پائے غریبی پہ تاج سلطانی
جہاں ہو قطرۂ شبنم کا بحر زندانی
جہاں پہ بندہ و آقا کا امتیاز نہ ہو
جہاں نشیب نہ ہو اور جہاں فراز نہ ہو
جہاں خودی سے ہی انساں کو ہو خدا کی تلاش
جہاں عمل سے ہی انساں کو ہو بقا کی تلاش
جہاں پہ صرف عمل ہی کی حکمرانی ہو
جہاں عمل ہی فقط وجہ شادمانی ہو
جہاں پہ لفظ غلامی ہو لفظ بے معنی
جہاں ہر ایک شے آزاد قید ہو یعنی
جہاں ہو داغ غلامی سے پاک پیشانی
مثال مہر رہے تابناک پیشانی
میں اس جہاں میں اپنا مکاں بناؤنگا

دوشیزہ

(از جناب محمود اے خاں صاحب مآلی بشیر کوٹی)

آ رہی ہے کوئی دوشیزہ سراپا نازنیں
آفتاب نور کو جلوؤں سے شرماتی ہوئی
حسن تاباں سے ہر ایک ذرہ کو چمکاتی ہوئی
مسکراتی گنگناتی۔ آنکھ کتراتی ہوئی
چٹکیاں لیتی جگر میں روح تڑپاتی ہوئی
آ رہی ہے کوئی دوشیزہ سراپا نازنیں
ایک تبسم میں ہزاروں بجلیاں پنہاں کئے
اس پہ طرہ یہ جوانی جوش پر آئی ہوئی
نرگسی آنکھوں میں جام ارغوانی سا لئے
تیر مژگاں سے دل مضطر کو برماتی ہوئی
آ رہی ہے کوئی دوشیزہ سراپا نازنیں
روئے زیبا پر پریشاں زلف شب رنگ لاماں
جیسے ناگن جا رہی ہو کوئی بل کھاتی ہوئی
بت پرستی کا سبق دنیا کو سکھلاتی ہوئی
میرے سجدوں کو جبیں میں میری تڑپاتی ہوئی
آ رہی ہے کوئی دوشیزہ سراپا نازنیں

عجائبات

شیطان کے مرید

عراق، شام اور ترکستان میں جہاں مسلمان، مسیحی اور یہود آباد ہیں، ایک قوم ایسی بھی ہے جسے وہاں کے لوگ شیطان پرست کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔

شام کے جنوب و مغرب میں ایک وسیع علاقہ ہے جسے جبل سنجار کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس علاقہ کا کچھ حصہ عراق میں بھی شامل ہے۔ مشرق وسطیٰ میں گذشتہ تصادمات کے دوران میں جب برطانوی فوجوں نے دمشق پر قبضہ کیا تو اس علاقہ میں انہیں بے حد دشواریاں بھی پیش آئی تھیں اور عسکری ماہرین کا خیال ہے کہ موجودہ ہولناک جنگ کے ختم ہونے سے پہلے ایک مرتبہ پھر یہ علاقہ جنگ کا میدان بن کر رہے گا۔ شیطان پرست اسی علاقہ میں رہتے ہیں لیکن انہیں شہروں اور متمدن آبادیوں سے نفرت نہیں بلکہ وہ شہروں میں آتے ہیں۔ کاروبار کرتے ہیں۔ اور شہروں کی دلچسپیوں سے لطف حاصل کرتے ہیں۔

شیطان پرست کسی حکومت کے قائل نہیں۔ انہیں جبر و تشدد یا طاقت کے استعمال سے مغلوب کر لیا جائے تو وہ خاموش ہو جاتے ہیں۔ لیکن طاقت و قوت کے مظاہرے بھی ان کے جذبۂ حریت خواہی کو متاثر نہیں کر سکتے۔ البتہ ان کی قوم ہی کا ایک شہزادہ جسے میر کہتے ہیں ان پر حکومت کرتا ہے۔ اور اس قوم کے مذہبی پیشوا جو شیخ یا پاکہلاتے ہیں، میر کے مشیر سمجھے جاتے ہیں۔

اس قوم کے افراد سفید رنگ اور قوی الجثہ ہوتے ہیں اور انہیں سے بیشتر افراد بجا طور پر حسین اور دلکش کہلانے کے مستحق ہیں۔ ان کی آنکھیں خوبصورت مگر نیلی ہوتی ہیں حتیٰ کہ اگر ان میں سے بعض لوگوں کو سویڈن یا ناروے کے لوگوں سے مشابہت دی جائے تو بے جا نہ ہوگا۔ یہ لوگ سفید رنگ کے لمبے عمامے اور عبائیں پہنتے ہیں۔ جن کا رنگ یا تو سفید ہوتا ہے یا سرخ۔ نیلے رنگ کا استعمال اس قوم میں ممنوع ہے۔ ان لوگوں کے سر پر بہت لمبے بال ہوتے ہیں اور انہیں شانوں پر بکھیر کر رکھا جاتا ہے۔

یہ عجیب امر ہے کہ اس قوم کے مذہبی پیشواؤں اور امیر خاندانوں کے افراد خوبصورت ہونے کی بجائے سیاہ رنگ ہوتے ہیں۔ اور کوئی شخص بھی اپنے قبیلہ کے علاوہ کسی دوسرے قبیلہ میں شادی نہیں کر سکتا۔ اس قوم میں قوالوں کو مذہبی پیشواؤں کا ایک طبقہ تصور کیا جاتا ہے۔

اور اگر کوئی قوال کسی دنیادار قبیلہ یا خاندان کی کسی خاتون کے ساتھ محبت کرنے لگے اور اپنی محبت میں کامیاب بھی ہو جائے تو شیطان پرستوں کے مذہب میں دونوں واجب القتل ہیں۔

شیطان پرستوں کے مذہبی عقائد کو نہایت سختی کے ساتھ پوشیدہ رکھا جاتا ہے۔ ان کے حقیقی مذہبی عقائد، مذہبی پیشواؤں ہی کو معلوم ہیں اور عوام ان کو معلوم کرنے یا انہیں سمجھنے کی ضرورت محسوس نہیں کرتے۔ ان کا مذہب صرف یہ ہے کہ وہ پہاڑوں اور وادیوں میں ایسے متعدد چشموں، چٹانوں، پتھروں، اور درختوں کی زیارت کر آئیں جنہیں مقدس اور متبرک سمجھا جاتا ہے۔ جب کوئی شیطان پرست کسی ایسے مقدس چشمہ، درخت، چٹان یا پتھر کے پاس سے گذرتا ہے تو وہ اسے بوسہ دیتا ہے۔ اور زیتون کے تیل کا ایک چراغ روشن کر کے واپس آ جاتا ہے۔ عام طور پر یہ لوگ ہفتہ میں دو مرتبہ کسی مقدس مقام کی زیارت کو اپنا فرض تصور کرتے ہیں۔

اس فرقہ کی مذہبی زندگی میں مور کو خاص درجہ حاصل ہے۔ مور کو عام طور پر چونکہ شیطان کا مظہر سمجھا جاتا ہے۔ اور حضرت آدمؑ کے جنت سے نکالے جانے کے واقعہ میں اس جانور کا بھی ذکر آتا ہے اور یہ فرقہ اس جانور کو مقدس سمجھ کر اس کی پرستش کرتا ہے۔ اسی لئے یہ فرقہ شیطان پرست کے نام سے مشہور ہو گیا ہے۔

بت پرستوں کی طرح شیطان پرستوں نے بھی غالباً شیطان کا ایک مجسمہ بنا رکھا ہے۔ قوال "مقدس مور" کو ساتھ لے کر دورہ کرتے ہیں اور سب سے پہلے اسے اسی مجسمہ کے پاس لے جاتے ہیں جہاں اس فرقہ کے افراد انہیں زر نقد بطور نذر دیتے ہیں مگر یہ رقم قوالوں کے لئے نہیں ہوتی بلکہ قوال اسے میر کی خدمت میں پیش کر دیتے ہیں اور نذر کی یہی رقوم میر کی آمدنی کا ایک بڑا حصہ سمجھی جاتی ہیں۔

عام شیطان پرست سال میں ایک مرتبہ اپنے مقدس مقامات کی زیارت کے لئے جاتے ہیں۔ یہ مقدس مقامات کوہستان ہکیاری کی ایک خوبصورت وادی میں واقع ہیں اور یہ لوگ ستمبر کے مہینہ میں ایران، ترکی، اور روس ایسے دور افتادہ ملکوں سے ان کی زیارت کے لئے سفر کر کے اس وادی

سمجھے جاتے ہیں۔ یہ لوگ اس وادی کو اس درجہ مقدس تصور کرتے ہیں۔ کہ یہاں کوئی شخص بھی جوتے پہن کر نہیں چلتا۔ ان لوگوں کے عقیدہ کے مطابق اس وادی میں بہت سے دیوتا رہتے ہیں۔

اس وادی میں ایک گہرے غار پر ایک مقبرہ بنا ہوا ہے۔ جو شیخ عدی کے مقبرے کے نام سے مشہور ہے اور ان لوگوں کا خیال ہے کہ اس غار میں وہ مقدس چشمہ موجود ہے جسے زمزم کہتے ہیں۔ اس فرقہ کے ایک دوسرے بزرگ شمس الدین کا مقبرہ بھی یہیں واقع ہے جہاں یہ لوگ ہر سال ایک بیل کو تین مرتبہ اس مقبرہ کے چاروں طرف گھمانے کے بعد ذبح کرتے ہیں معلوم نہیں کہ شمس الدین کوئی شخص تھا بھی یا نہیں مگر عام خیال یہ ہے کہ اس نام کا کوئی شخص نہیں تھا بلکہ اس فرقہ کے اسلاف نے آفتاب پرستی کے سلسلہ میں اس نام کو پرستش کا محور قرار دیکر مشہور کر دیا ہے۔ کیونکہ اس پہاڑ کی بیشتر چٹانیں اور چوٹیاں اسی نام سے موسوم ہیں۔ البتہ شیخ عدی کے وجود کا پتہ چلتا ہے۔ یہ شخص اپنے عہد کے ایک مشہور صوفی اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے دوست تھے۔ شیخ عدی کی بعض تحریریں آج بھی موجود ہیں۔ اور ان کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔ کہ شیطان پرستوں نے انہیں جس نظر سے دیکھا ہے انہیں اس کا گمان بھی نہیں تھا اور انہوں نے کسی موقعہ پر بھی کوئی ایسا دعویٰ نہیں کیا جس سے اس فرقہ کے عقائد کی تصدیق ہو سکے۔

شیطان پرستوں کے عقائد نہایت دلچسپ ہیں مثلاً وہ ہندوؤں کی طرح "آواگون" کے نظریہ کو درست سمجھتے ہیں اور ان کا خیال ہے کہ ایک نیک شیطان پرست مرنے کے بعد شیطان پرست ہی پیدا ہوگا لیکن اگر کوئی شیطان پرست اپنے عقائد اور اعمال کے لحاظ سے نیک نہیں تو وہ مسلمان مسیحی یہودی یا پھر سور اور کتے کی شکل میں بھی پیدا ہو سکتا ہے۔ انکا دوسرا عقیدہ حقیقتاً نہایت دلچسپ ہے وہ خود کو خدائے واحد کا پرستار کہتے ہیں۔ اور ان کا خیال ہے کہ خدا ہی ابدی اور ازلی ہے۔ لیکن اس نے دنیا پر حکومت کرنے کے لئے سات فرشتوں کو اپنا نائب بنا کر انہیں تمام اختیار تفویض کر دئے ہیں۔ ان سات نائبوں میں سے نائب اعلیٰ اور اس عالم کا حکمران فرشتہ "مقدس مور" ہے۔ ممکن ہے کہ ان لوگوں کے ذہن میں "مقدس مور" کی تشریح کچھ اور ہو لیکن جہاں تک دوسرے لوگوں کا تعلق ہے۔ وہ ان لوگوں کے طرز عمل کو دیکھ کر یہی نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ "مقدس مور" شیطان کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں۔ ان لوگوں کیلئے شیطان کہنا ہی نہیں بلکہ اپنی موجودگی میں کسی دوسرے شخص کو اس توہین آمیز لفظ کے استعمال کی اجازت دینا بھی ممنوع ہے۔ ان لوگوں کا عقیدہ ہے کہ اگر کوئی شیطان پرست شیطان کا لفظ اپنی زبان سے کہہ دے تو وہ اسی وقت اندھا ہو جاتا ہے۔

اس سلسلہ میں ایک قصہ بھی مشہور ہے لیکن اس قصہ سے مذکورہ بالا عقیدہ کی تصدیق نہیں ہوتی۔ ایک شیطان پرست بچہ نے اپنے بزرگوں سے یہ بات سنی تھی کہ شیطان کا نام لینے والا اندھا ہو جاتا ہے۔ یہ بچہ بھیڑیں چرایا کرتا تھا ایک دن اس کے دل میں یہ خیال آیا کہ اس بات کی تصدیق کرنی چاہئے چنانچہ اس نے اپنی نظریں ایک چٹان پر جما دیں اور زبان سے پہلے شش شش کہا لیکن جب اسے اپنی نگاہ میں کوئی کمی معلوم نہ ہوئی تو شی شی اور پھر شیطان کہہ دیا لیکن پورے لفظ کے کہنے پر بھی اس کی بینائی بدستور قائم رہی۔ گھر آکر اس بچہ نے اپنے باپ سے اس واقعہ کا ذکر کیا تو اس نے بندوق اٹھا کر اسے مار دینے کا ارادہ کیا۔ مگر یہ بچہ کسی نہ کسی طرح بچ کر پہاڑوں پر رہنے والے راہبوں کے پاس پہونچ گیا۔ اور انہیں راہبوں نے یہ قصہ ایک انگریز سے بیان کیا۔

جن لوگوں نے شیخ عدی کے مقبرہ کو دیکھا ہے ان کا بیان ہے کہ کسی زمانہ میں یہ مقبرہ کوئی مسیحی خانقاہ تھی چونکہ آج بھی اس کی تمام خانقاہی خصوصیات بدستور موجود ہیں البتہ اب دروازہ کے قریب ایک زبردست اژدھا کی شکل کندہ کر دی گئی ہے۔ اور یہ لوگ ہمیشہ اس مزار کے چراغوں کی سیاہی اور تیل سے اس اژدہا کو رنگتے رہتے ہیں۔ اس وادی کے مختلف مقدس مقامات، مقبروں اور زیارت گاہوں پر عموماً اژدھا، سورج، چاند اور ستارے، کنگھی اور ایک خمدار عصا کے نشانات بنے ہوئے نظر آتے ہیں۔ اور شاید یہی نشانات اس فرقہ کے مقدس ترین نشانات سمجھے بھی جاتے ہیں آخری دو نشانات اس گروہ کے حکمران شیوخ اور فقراء کی جانب اشارہ کرتے ہیں۔ کنگھی کا نشان شیوخ کے لئے مخصوص سمجھا گیا ہے۔ اور عصا فقراء کے لئے۔

شیطان پرستوں کی زندگی کے ہر اہم واقعہ مثلاً پیدائش شادی اور موت کے مواقع پر کسی شیخ اور پیر یعنی نائب شیخ کی موجودگی لازمی امر ہے۔ ان کے علاوہ حسب موقعہ مذہبی یا حکمراں خاندان کی کسی عورت یا مرد کی موجودگی بھی ضروری سمجھی جاتی ہے مؤخر الذکر کا انتخاب ہر شخص جداگانہ طور پر کرتا ہے اور یہ لوگ برادر یا خواہر ثانی کہلاتے ہیں۔ شیطان پرستوں کے ہر بچہ کو اپنے لئے "دوسرا بھائی" یا "دوسری بہن" منتخب کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ اور ان لوگوں کے عقیدہ کے مطابق یہ تعلق موجودہ اور آئندہ زندگی ہی کا نہیں بلکہ گذشتہ زندگی کا بھی ایک ناقابل شکست رشتہ تصور کیا جاتا ہے۔ ان لوگوں کا خیال ہے کہ ان انتخابات میں فریقین کا طبعی اور روحانی تعلق کارفرما ہوتا ہے۔ اور شیخ عدی کے سالانہ عرس کے موقعہ پر جب سب لوگ جمع ہوتے ہیں تو ان انتخابات کی تصدیق کی جاتی ہے۔ اس موقعہ پر اپنے دوسرے بھائی یا دوسری

بہن کے اتفاق سے نزد ہیشے میں ہر لڑکے اور لڑکی کو اپنے لئے دوسرا بھائی اور دوسری بہن یعنی دونوں کا انتخاب کا حق حاصل ہے لیکن اس انتخاب کے بعد کوئی لڑکا یا لڑکی ایک دوسرے سے شادی نہیں کر سکتے۔

البتہ دوسرے جاپانیوں اور ہندوؤں کی نسبت زیادہ تفرقہ ... ہوتے ہیں پیدائش، شادی اور موت ایسے اہم مواقع ہیں ان کی موجودگی ضروری ہے اور ... موقعوں کی مناسبت سے تمام مذہبی رسمیں بھی انہیں ادا کرنی پڑتی ہیں۔

اس فرقہ میں راہبہ عورتیں بھی ہوتی ہیں ... کے قیام کے لئے مقدس ... مخصوص ہے۔ راہبہ عورتیں وادی کے مقدس مقامات میں ... عبادت کرتی ہیں۔ زائرین کو مختلف مزارات کی خاک مہیا کرتی ہیں۔ اپنے اور اپنے مذہبی پیشوا کے لباس کے لئے سفید اون کاتتی ہیں اور مزارات پر روشن کرنے کے لئے بتیاں بناتی ہیں۔ یہ عورتیں دنیا سے کوئی واسطہ نہیں رکھتیں اور اگرچہ بیوہ عورتوں کو بھی اس جماعت میں شریک ہو جانے کا حق حاصل ہوتا ہے لیکن جب کوئی غیر شادی شدہ عورت راہبہ بن جاتی ہے تو اسے شادی کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔

مقدس مقبرہ کی خاک غیر معمولی طور پر مقدس سمجھی جاتی ہے۔ اور یہ لوگ اسے ... ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ اگر خاص اوقات میں کوئی عورت اس خاک کو اپنے ... رکھے۔ ... تو اس کا بچہ نہایت تنومند اور طاقتور پیدا ہوگا۔

بزمِ شعرا

سرخیِ افسانۂ الفت

(از جناب محمد اسلم صاحب میرٹھی)

کسی کا نام ہی لب پر ہمارے بار بار آئے
بہت ممکن ہے یوں ہی قلبِ مضطر کو قرار آئے

وہ میرے روبرو کچھ اس طرح بیگانہ وار آئے
کہ جیسے مجھ سا محفل میں کوئی بادہ خوار آئے

کہیں سے بھی جو کانوں میں صدا لبیک کی آئی
تجھے ہم دیر و کعبہ کیا زمانے میں پکار آئے

سرِ محشر ہجومِ عام میں رسوائیاں کیوں ہوں
کہ گذری جس طرح بھی ہم سے دنیا میں گذار آئے

دمِ رخصت عیاں رازِ محبت کر گئے آخر
وہ آنسو جو کہ چشمِ شوق میں بے اختیار آئے

وہی ہے ہاں وہی ہے سرخیِ افسانۂ الفت
وہ اک لمحہ جو اسلم حسن کے در پر گذار آئے

تقاضائے محبت

(از جناب محمد سعید خاں صاحب ادیب)

منفعل ہو کر ستم سے ہاتھ اٹھانا ہی پڑا
میری الفت پر انہیں ایمان لانا ہی پڑا

حوصلہ سفاک نظروں کا بڑھانا ہی پڑا
اُن کے ناوک کو کلیجے سے لگانا ہی پڑا

رنجِ پیہم حد سے جب گزرا بنا تسکینِ دل
اپنی ناکامی پر آخر مسکرانا ہی پڑا

زعمِ خودداری رہِ الفت میں باطل ہو گیا
آستانِ غیر پر بھی سر جھکانا ہی پڑا

مستقل اک بے نیازی تیرا شیوہ دیکھ کر
اپنے دل کو یاس کا خوگر بنانا ہی پڑا

ضبطِ الفت جب کسی صورت نہ ہم سے ہو سکا
اپنی بربادی کا افسانہ سنانا ہی پڑا

کیا بگڑ جاتا چلے آتے جو وقتِ نزع بھی
میری میت پر تو آخر تم کو آنا ہی پڑا

حسن کی فطرت سے یوں تو خوب واقف تھا مگر
ذوق سے مجبور ہو کر دل لگانا ہی پڑا

ضبط سے مایوس ہو کر اشکِ غم بہنے لگے
آتشِ پنہاں کو اشکوں سے بجھانا ہی پڑا

ربِ ارنی کی صدا میں کس بلا کا تھا اثر
طور پر آخر انہیں جلوہ دکھانا ہی پڑا

ان کی خاطر محفلِ اغیار میں مجھ کو ادیب
یہ تقاضائے محبت تھا کہ جانا ہی پڑا

خیالاتِ شباب

(از جناب عبدالرحمن صاحب شباب)

جنوں سے خود بخود نازک طبیعت ہوتی جاتی ہے
محبت کے نتیجے سے نصیحت ہوتی جاتی ہے

محبت کرتا جاتا ہوں عداوت ہوتی جاتی ہے
محبت باعثِ رنج و کدورت ہوتی جاتی ہے

ہدایت ہوتی جاتی ہے عنایت ہوتی جاتی ہے
گنہگارانِ امت کی شفاعت ہوتی جاتی ہے

محبت بڑھتی جاتی ہے، اذیت ہوتی جاتی ہے
نئی پیدا مصیبت پر مصیبت ہوتی جاتی ہے

میں ان پر جان دیتا ہوں وہ مجھ سے کھنچے جاتے ہیں
نیازِ عشق سے اور ان کو نخوت ہوتی جاتی ہے

جو حاسد ہیں وہ جل جل کر ہوئے جاتے ہیں خاکستر
میرے اشعار کی دنیا میں شہرت ہوتی جاتی ہے

ہوا ہے حضرتِ سیابؔ کا تلمیذ تو جب سے
شباب اُن کی بدولت تیری شہرت ہوتی جاتی ہے

محسوسات مسعود

(از جناب صاحبزادہ سید مسعود علی خاں صاحب مسعود)

وہ روٹھتے ہیں میں اُن کو مناتے جاتا ہوں
وہ ناز کرتے ہیں میں ناز اٹھائے جاتا ہوں

بنائے جاتا ہوں خاکے مٹائے جاتا ہوں
تصورات کا جادو جگائے جاتا ہوں

حضورِ عشق سے مجھ کو عطائے خاص ہے یہ
ہجومِ غم میں جواب مسکرائے جاتا ہوں

اب آنسوؤں کے سہارے پہ زندگی ہے میری
میں من کی آگ انہی سے بجھائے جاتا ہوں

تیرے خیال کی رنگینیوں میں گم ہو کر!
تیرے خیال سے پھر دل لگائے جاتا ہوں

جو بے نقاب ہوا ہے تو یہ کرم بھی کر!
مجھے سنبھال لے میں لڑکھڑائے جاتا ہوں

خموش راتوں میں جب تیرا احساس ہوتا ہے
کسی کی یاد میں آنسو بہائے جاتا ہوں

جہانِ عشق کی یہ لغزشیں ارے توبہ
سنبھل سنبھل کے بھی میں ڈگمگائے جاتا ہوں

نہ شعر سادہ ہوں پھر میرے کس لئے مسعود
اسی جہاں کی باتیں سنائے جاتا ہوں

کیا کہنا!

(از جناب سید محمد علی صاحب جوہر سعیدی)

وہ مست آنکھیں ہیں، کچھ پُرخمار کیا کہنا — بلا رہی ہیں مئے خوشگوار کیا کہنا
وہ میرے حال پہ ہیں اشکبار کیا کہنا — جنونِ جذبۂ بے اختیار کیا کہنا
یہ جانتا ہوں نہ آئیں گے وہ، مگر میری — ہر ایک وعدہ پہ ہے اعتبار کیا کہنا
وہ آئے ہیں مری تسکینِ زندگی بن کر — مآلِ گردشِ لیل و نہار، کیا کہنا
وہ ساتھ ہیں، دمِ گلگشت ہائے رے قسمت — بہار اور پھر ایسی بہار کیا کہنا
نگاہِ ناز کی نیرنگیاں، ارے توبہ — کبھی گمان، کبھی اعتبار کیا کہنا
ستم ظریفیٔ صیاد، اے معاذ اللہ — قفس میں اور نوید بہار کیا کہنا

نہ پوچھ میری مسرت کا حال اے جوہر
ملا ہے مجھ کو، غمِ انتظار کیا کہنا

جذبات اصغر

(از جناب سید اصغر علی صاحب اصغر دلنظامی)

قفس والے کبھی ہوں گے الٰہی! نغمہ خواں پھر بھی؟
انہیں آنکھوں سے دیکھیں گے بہارِ گلستاں پھر بھی؟

جمالِ عارضِ جاناں رہے گو سو حجابوں میں
گیا ہے اور نہ جائیگا تصور رائیگاں پھر بھی

یہ مانا اُن کو نفرت ہے محبت کے فسانوں سے
کہا کرتے ہیں دل ہی دل میں میری داستاں پھر بھی

ہم اپنی جان کیا ایمان بھی قربان کر بیٹھے
ستم یہ ہے کہ رہتے ہیں وہ ہم سے بدگماں پھر بھی

مٹی ہے سجدہ کرتے کرتے اک عالم کی پیشانی
اسی صورت سے قائم ہے کسی کا آستاں پھر بھی

کسی کی بزم تک جانے کی گو مسدود ہیں راہیں
چلے آتے ہیں آنسو کارواں در کارواں پھر بھی

محبت درحقیقت اس جہاں سے اٹھ گئی اصغر
نہیں جاتا، میرے دل سے خیالِ دوستاں پھر بھی

گناہ؟

(از جناب محمد قاسم صاحب عاصم)

رہ رہ کے آہ آہ کئے جا رہا ہوں میں
خود زندگی تباہ کئے جا رہا ہوں میں

معلوم ہے کہ عشق کا انجام ہے بُرا
پھر بھی بڑا گناہ کئے جا رہا ہوں میں

اخلاق میرا دیکھئے سنئے ذرا ادھر
دشمن سے بھی نباہ کئے جا رہا ہوں میں

تنہا ہوں اب کسی سے محبت نہیں مجھے
دنیا کو بس گواہ کئے جا رہا ہوں میں

قطعہ

کسی کی عید ہوتی ہے ہماری شام غربت ہے
ہمارے خانۂ ویراں میں حسرت ہی حسرت ہے
ملا ہے غم ہمیں اس دور میں شکوہ نہیں برقی
الٰہی شکر ہے تیرا کہ یہ توشہ غنیمت ہے

پانچ سو مذاہب کی سرزمین

دنیا میں اگر کوئی ملک مذہبی رواداری کی زندہ مثال ہے تو وہ جاپان ہے جہاں ایک ہی گھر میں عیسائی مذہب، بودھ مت، شنٹو دھرم اور کمیونزم کے پیرو ایک خاندان کے افراد اور بھائی بھائی کی حیثیت سے رہتے ہیں، وہ لوگ ہندوستان کی طرح مذہب کو آلہ کار نہیں بناتے جاپان میں مذہبی جھگڑوں کا کبھی نام بھی سننے میں نہیں آتا، مجھ سے اکثر حضرات دریافت کرتے ہیں کہ ہندوستان کے مذہبی دیوانے آخر جاپان والوں کی پیروی کیوں نہیں کرتے؟ میرا جواب صاف ہے یعنی "مختلف مذاہب کے خود ساختہ لیڈر حکومت کی امداد اور سرپرستی میں اپنے ذاتی اغراض کے لئے مذہب کو ایک بہانہ بناتے ہیں اور عوام میں ابھی تک یہ احساس پیدا نہیں ہوا ہے کہ وہ ان نام نہاد مذہبی رہنماؤں کو ملک کا حقیقی دشمن سمجھ سکیں" اگر آپ پوچھیں کہ جاپان کا مذہب صرف ایک لفظ میں بتاؤ تو میں بلا تامل بول اٹھوں گا "وطن پرستی"!

ہندوستان کی طرح جاپان میں وطن پرستی محض ایک جذبہ کی حیثیت نہیں رکھتی بلکہ یہ اُن کا مذہب ہے، خواہ ان کے روحانی عقائد کچھ بھی ہوں، اور خواہ وہ بودھ ہوں یا عیسائی یا شنٹو لیکن وہ اپنے وطن سے انتہائی محبت رکھتے ہیں اور ہمیشہ اپنی جانیں اس پر سے قربان کرنے کیلئے تیار رہتے ہیں۔

مذہبی عقائد کے لحاظ سے ان میں بے شمار فرقے ہیں اور شاید آپ کو یہ سن کر تعجب ہو کہ اب اُن کی تعداد پانچ سو تک پہنچ گئی ہے۔ اس عرصے میں جاپانیوں کے مذہبی عقائد میں عجیب و غریب تبدیلیاں ہوئی ہیں اور آئے دن مختلف اضلاع سے نئے نئے مذاہب کی اطلاع آتی رہتی ہیں، یہاں تک کہ محکمہ تعلیم کے مذہبی بیورو کے پاس اوسطاً ہر ہفتے ایک نئے مذہب کے جاری ہونے کی اطلاع آجاتی ہے مقامی گورنروں نے اس صورت حال کی تحقیقات کی اور وہ اس نتیجہ پر پہنچے کہ عوام تو مالی مشکلات کی وجہ سے کسی معجزے یا عجیب و غریب چیز کی تلاش میں رہتے ہیں اور تعلیم یافتہ حضرات موجودہ مذاہب سے مطمئن نہیں ہیں اس لئے تلاش حق میں سرگرداں رہتے ہیں اور وہ سادہ لوح جاپانی عوام کو یہ سمجھنے میں لگے ہیں کہ وہ ان کی بدولت بچ کر آگئے ہیں

غرض کہ ان تمام چیزوں سے مل جل کر نئے نئے مذاہب کی ابتدا ہوتی ہے۔

اس وقت جاپان میں کوئی پانچ سو مذاہب یا فرقے ہیں، بعض مذاہب کے تو صرف معدودے چند پیرو ہیں یہ لوگ اپنی عبادت گاہوں میں جو روپیہ نذر کرتے ہیں اس سے ہی ایک بڑی رقم جمع ہو جاتی ہے۔ دراصل بعض مذاہب کا مقصد ہی صرف روپیہ جمع کرنا ہے، ان میں سے سات مذہب تو ایسے ہیں جو لمیٹیڈ کمپنی کے انداز پر چلائے جاتے ہیں ان مذہبی فرقوں اور جماعتوں کی نگرانی کے لئے ایک قانون بھی ہے لیکن اس میں اصلاح کی کافی ضرورت ہے۔ اس لئے مسٹر تنسووا وزیر تعلیم کا ارادہ ہے۔ کہ ان کی معقول اور مکمل نگرانی کے لئے عنقریب ایک مؤثر قانون بنائیں۔

اگرچہ جاپان کے مذاہب کے متعلق کتابوں پر کتابیں لکھی جاسکتی ہیں لیکن اس مختصر رسالہ میں تفصیل کے ساتھ ان سب کا تذکرہ کرنے کی گنجائش نہیں ہے اس لئے میں وہاں کے تین خاص خاص مذاہب کا ذکر کروں گا۔

شنٹو مذہب

شنٹو مذہب کا خاص اصول نیچر اور بزرگوں کی پرستش کرنا ہے، اُن کے دسی اسی لاکھ دیوی دیوتا ہیں لیکن خاص الخاص سورج کی دیوی ہے۔ جو شاہی خاندان کی جد امجد تصور کی جاتی ہے۔ اور جس کی نسل ہزار ہا برس سے مسلسل جاپان پر حکمرانی کرتی رہی ہے، اگرچہ اس مذہب میں سمندر کی دیوی، ندیوں کی دیوی، پہاڑوں کی دیوی، ہوا کی دیوی آگ کی دیوی سب تسلیم کی جاتی ہیں اور قوم کے جانباز سپاہیوں اور شاہی خاندان کے وفادار خادموں کی بھی پرستش ہوتی ہے لیکن شنٹو مذہب کا اصل اصول شاہی خاندان کی سب سے پہلی بزرگ دیوی، اس کے رشتہ داروں اور اس کی اولاد کی پوجا کرنا ہے۔ اسی عقیدے کا نتیجہ ہے کہ جاپانی اپنے بادشاہ کے سچے وفادار اور اس پر دل و جان سے فدا ہیں۔

شنٹو عبادت کا خاص اصول پاکیزگی ہے، اس لئے مذہباً یہ لازمی قرار دیا گیا ہے کہ عبادت سے پہلے منھ ہاتھ دھو لئے جائیں

شنتو پروہت اور پیرو اکثر و بیشتر غسل کیا کرتے ہیں۔ یہ بھی اسی پاکیزگی اور صفائی کے مذہبی اصول کا ثبوت ہے۔ ناقص انسانی خون اور برے خیالات کو ناپاکی تصور کیا جاتا ہے۔ ہر قسم کے قدرتی حوادث مثلاً طوفان، قحط، وبا، آندھیاں، زلزلے، وغیرہ سے اور قومی آفات مثلاً تیرھویں صدی کے منگولیا کے حملہ وغیرہ سے محفوظ رہنے کے لئے خدا سے دعائیں کی جاتی ہیں۔

شنتو میں مبادیات مذہب کا کوئی باضابطہ نظام نہیں ہے، دراصل یہ صحیح معنوں میں کوئی مذہب نہیں ہے بلکہ ایک ملغوبہ ہے جس میں تیرہ فرقے ہیں یہ انسانی ضمیر کو دیوتا تصور کرتا ہے اور اس کا خاص حکم یہی ہے کہ "اپنے اندر کی آواز کی پیروی کرو" عالم جاودانی کی بھلائیوں اور عالم فانی کی برائیوں کی نسبت اس کی تعلیم واضح نہیں ہے۔ لیکن یہ بات صاف تسلیم کیا گیا ہے کہ روح اس دنیاوی موت کے بعد بھی زندہ رہتی ہے شنتو مذہب میں رہبانیت کو دخل نہیں ہے۔ اس کے پروہت بھی عوام کی طرح ازدواجی زندگی بسر کرتے ہیں۔ اور گوشت کھانے سے پرہیز نہیں کرتے، عورتیں بھی مندروں اور مزاروں پر ناچتی گاتی ہیں لیکن نذریں نہیں لیتیں، دیوتاؤں کو عموماً چاول پھل، ترکاریاں، اور خاص خاص مواقع پر کپڑا بھی چڑھایا جاتا ہے۔

دسمبر ۱۹۳۲ء میں جاپان خاص میں آسیتے کے بڑے مندر سے لے کر چھوٹے چھوٹے مندروں تک ہر قسم کے کل ۱۱۰۲۸۳ مندر تھے شنتو کے تیرہ فرقوں میں تیشہ فرقہ، اور تینری فرقہ، زیادہ مقبول ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے ۴۰ لاکھ سے زیادہ پیرو ہیں، اس کے بعد انتا کے فرقہ کے ۲۰ لاکھ پیرو ہیں پھر شسری اور شنتو فرقوں کا نمبر ہے جن میں سے ہر ایک کے دس لاکھ پیرو ہیں غرض کہ باقی آٹھ فرقوں کو شامل کر کے شنتو مذہب کے پیروؤں کی مجموعی تعداد ۱۷۰۴۲۵۰۳۴۷ ہے۔

بودھ مت

بودھ مذہب ۵۵۲ء میں جاپان میں آیا جب کہ کو دارا (کوریا) کے بادشاہ نے اپنے یہاں کی طوائف الملوکی سے پریشان ہو کر جاپان کی امداد چاہی اور جاپان کے بادشاہ کمی کو سوتر (مقدس کتب) اور مورتیاں تحفہ میں پیش کیں علماء نے ان کتابوں کو پڑھا اور اُن پر عمل شروع کیا اور صناعوں اور کاریگروں نے ان مورتیوں کو دیکھا اور فن سنگ سازی میں اُن کی پیروی کی بادشاہ نے خود اپنے وزیر کو ہدایت کی کہ اس نئے مذہب کی تبلیغ و اشاعت کرے تقریباً پچاس برس کی سخت جدوجہد کے بعد شاہ سوئیکو کے دور میں (۵۹۳ء تا ۶۲۸ء) شہزادہ شنتوکو نے بودھ مذہب کو تمام سلطنت میں مقبول و مستحکم بنایا، بودھ مت کو جاپان میں مقبول عام بنانے کے سلسلے میں شنتوکو نے وہی خدمت انجام دی جو ہندوستان میں اشوک نے اور سلطنت روما میں عیسائیت کی تبلیغ کے سلسلہ میں قسطنطین نے انجام دی تھی اسی سبب سے اکثر اسے جاپان کا قسطنطین کہا جاتا ہے۔

سب سے پہلا بودھ فرقہ ۶۲۵ء میں شروع ہوا، اس کے بعد اور فرقے بنے لیکن ۲۰۰ برس تک اس کا تخیل بالکل چینی رہا پھر شنگو بانی تندائی فرقہ اور کوبو بانی شنگن فرقہ نے اسے قومی رنگ دیا یعنی شنتو مذہب کے دیوتاؤں کو بودھ اور بودستو کا مظہر مان لیا، اس طرح بودھ اور شنتو مذہب ایسے مل جل گئے گویا ایک ہی مذہب کے دو رخ ہیں اس کے بعد بودھ مت نے پورا عروج حاصل کیا اور اس کے دو مرکز بن گئے، نارا کے قریب کویا پہاڑ کی خانقاہ میں شنگن فرقہ کے مخفی فلسفے کی تعلیم دی جاتی تھی اور کیوٹو کے پاس ہیئی پہاڑ کی خانقاہ میں تندائی فرقہ کی تلقین کی جاتی تھی۔

۱۹۳۲ء میں بودھ مت کے پیروؤں کی تعداد ۴۰۰۴۸۴۰۱ اور مندروں کی تعداد ۷۱۰۲۲۳ تھی اب سب سے بڑا فرقہ شن ہے جس کے ایک کروڑ تیس لاکھ پیرو ہیں اس کے بعد زین فرقہ کا نمبر ہے جس کی تین شاخیں اور ۹۰ لاکھ پیرو ہیں۔ پھر شنگن فرقہ ہے جس کے ۸۰ لاکھ پیرو ہیں، پھر جودو اور نچیرن ہے جس میں سے ہر ایک کے تیس لاکھ ماننے والے ہیں، اس میں سے ہر فرقے کے مبادیات بیان کرنے کی یہاں گنجائش نہیں ہے صرف اتنا لکھنا کافی ہے کہ اول الذکر اور آخر الذکر (شن اور نچیرن) فرقے سب سے زیادہ جمہوریت پسند ہیں، بہرحال ہندوستان کے علماء نے اکثر یہ کہا ہے کہ ہندوستان میں جہاں مہاتما بدھ نے جنم لیا تھا اُن سے اتنی عقیدت کا اظہار نہیں کیا گیا جتنا جاپان میں ہوا،

جاپان والے مذہب کے پابند ہیں اور اپنے مندروں اور مزاروں کا بڑا احترام کرتے ہیں، آپ جہاں جائیں مندر اور مزار ضرور ملیں گے، اس کے باوجود بعض سیاح یہ کہتے ہیں کہ وہ مذہب کی زیادہ پروا نہیں کرتے، عبادت کے لئے کوئی خاص دن مقرر نہیں ہے اس لئے عموماً ساتوں دن دکانیں کھلی رہتی ہیں اور کاروبار جاری رہتا ہے، البتہ بعض دکانیں مہینہ میں دو بار بند ہوتی ہیں تاکہ ملازمین کو آرام کا موقع مل جائے، مندروں میں عیسائیوں کی طرح عبادت کا کوئی باضابطہ طریقہ مقرر نہیں ہے، لوگ اکثر تنہا یا چھوٹی چھوٹی جماعتوں میں درشنوں کے لئے جاتے رہتے ہیں۔ شنتو مندر میں تو یہ طریقہ ہے کہ لوگ خاص دروازہ کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں گھنٹی کی ڈوری کھینچ کر اسے بجاتے ہیں۔ پھر تین بار تالی بجا کر گویا دیوتا کی توجہ اپنی طرف مبذول کرتے ہیں، اس کے بعد کچھ نذرانہ صندوقچی میں ڈال کے سر جھکا کر دعا کرتے ہیں اور واپس چلے آتے ہیں، بودھ مندر میں پہلے ایک چھوٹی سی لکڑی سے گھنٹہ بجاتے ہیں تاکہ دیوتا اُن کی طرف متوجہ ہو جائیں اُن کے

...جھک کر ... ہوتا ہے اسے گھمائے جاتے ہیں اور دعا مانگتے ہیں اس میں صرف دو تین منٹ صرف ہوتا ہے اور بظاہر اس سے ایک لاپروائی ٹپکتی ہے لیکن چاہے شنٹو مندر ہو یا بودھ مندر، حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ ان کا بے انتہا احترام کرتے ہیں کوئی بودھ جب شنٹو مندر کے سامنے سے گزرتا ہے تو اپنی ٹوپی اتار کر ایسے ہی جھک جاتا ہے جیسے وہ بودھ مندر کے سامنے جھکتا ہے، اسی طرح ایک شنٹو جب بودھ مندر کے سامنے آتا ہے تو بالکل اپنے مندر کی طرح اس کا بھی احترام کرتا ہے۔

جاپانی اپنے مذہب کے بڑے پابند ہیں، لیکن اس کے ساتھ دوسرے مذہب والوں سے انتہائی رواداری کا سلوک کرتے ہیں، ہر بہار و خزاں کے زمانے میں یاتریوں کے غول کے غول صاف شفاف سفید کپڑے پہنے ہوئے مندروں کے درشن کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، یہ منظر بھی کتنا خوشگوار ہوتا ہے۔

جاپانی ان ہزاروں لاکھوں مندروں اور مزاروں کو اپنی پشت پناہ تصور کرتے ہیں، اور خواہ وہ روزانہ درشن کے لئے نہ جائیں لیکن عقیدہ یہی رکھتے ہیں کہ یہ مقدس مقامات مختلف تقریبوں کا بڑے ذوق شوق سے انتظار کرتے ہیں کیونکہ ان سے مذہبی ہدایات کے علاوہ ایک جگہ جمع ہونے، گھومنے پھرنے، مختلف چیزیں خریدنے غرض کہ خود تفریح کرنے اور بچوں کو بہلانے کا اچھا موقع ملتا ہے۔

عیسائی مذہب

تقریباً ایک صدی تک یعنی (۱۵۴۹ء سے ۱۶۳۸ء تک) رومن کیتھولک مشنری جاپانیوں کو عیسائی بنانے کی کوشش کرتے رہے ۱۵۴۹ء میں سوسائٹی آف جیزس کے ایک بانی فرانسس ایکسویر یہاں آئے تھے اور ۱۶۳۸ء میں تمام مشنری یہاں سے نکال دئے گئے، ۸۹ برس کے اس عرصہ میں تقریباً دو لاکھ جاپانی عیسائی ہوگئے، ان میں بڑے بڑے جنرل اور اعلیٰ طبقے کی تعلیم یافتہ خواتین بھی شامل تھیں شروع شروع میں نوبوناگا نے ان کی حمایت کی، پھر ہدے یوشی نے ان پر چند پابندیاں عائد کیں، اس کے بعد آئیے یاسو نے ان کی تمام سرگرمیاں سختی سے روک دیں، بالآخر وہ جاپان سے خارج کر دئے گئے، ۱۶۳۷ء میں کیوشو کے ۳۷ ہزار عیسائیوں نے طرح طرح کے مظالم کے خلاف بغاوت کی یہ شمابارا کے غدر کے نام سے مشہور ہے۔

اس کی وجہ کچھ تو مقامی بدنظمی تھی اور کچھ مذہبی اختلافات، چونکہ عیسائی مشنریوں نے غیر معمولی جوش و خروش کا اظہار کیا اس لئے خود [illegible] بہت کچھ پیدا ہوئی تھی، بہرحال ۱۶۳۸ء میں عیسائیوں کے قتل عام کے بعد یہ غدر ختم ہوا، اس واقعہ سے ظاہری طور پر جاپان میں دو صدی کے لئے عیسائیت کا قلع قمع ہوگیا کیونکہ ہسپانوی اور پرتگالی مشنریوں کے بنائے ہوئے رومن کیتھولک عیسائیوں کے سوا اس وقت وہاں اور کوئی عیسائی نہ تھے، بالآخر ۱۶۳۸ء میں عیسائیت کا خاتمہ کر دیا گیا، اس کے بعد جو عیسائی بچ رہے ان پر طرح طرح کے مظالم توڑے گئے، سینکڑوں کو صلیب دی گئی اور ہزاروں کو زندہ جلا دیا گیا، لیکن اس کے باوجود کیوشو کے علاقہ میں عیسائیت کبھی بیخ و بنیاد سے فنا نہیں ہوئی بلکہ خاموشی سے اپنا کام کرتی رہی، اس کا ثبوت یہ ہے کہ جب ۱۸۶۵ء میں ناگاساکی میں رومن کیتھولک گرجا تعمیر ہوا اور عیسائیوں کی تلاش شروع ہوئی تو ہزاروں عیسائیوں نے اپنے اس مذہب کا علی الاعلان اقرار کیا جسے وہ پشت ہا پشت سے اپنے دلوں میں محفوظ رکھے چلے آئے تھے۔

اس کے بعد ۱۸۵۹ء میں پھر رومن کیتھولک اور پروٹسٹنٹ مشنریوں کو اپنا کام شروع کرنے کی آزادی ملی لیکن شروع شروع میں انہیں سخت مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، ۱۸۶۸ء میں دور بحالی کے شروع ہوتے ہی مشنریوں کے لئے دروازے کھول دئے گئے اور ۱۸۷۳ء میں عیسائیت کے خلاف تمام امتناعی احکامات واپس لے لئے گئے، بالآخر ۱۸۸۹ء کے آئین کے مطابق سب کو مکمل آزادی مل گئی۔

۱۹۳۰ء میں جاپان میں عیسائیوں کی تعداد ۳۰۴۵۲ تھی ان میں زیادہ تر رومن کیتھولک ہیں، اب ان کی مالی حالت بھی اچھی ہے اور ان کے تمام گرجا فارغ البال ہیں۔

کاش ہمارے مذہبی رہنما ایک مرتبہ جاپان کا دورہ کریں اور اپنی آنکھوں سے دیکھیں کہ وہاں کتنی مذہبی رواداری ہے۔ اور اس کے مقابلہ میں ہندوستان ان کی بدولت مذہب کس طرح بدنام ہو رہا ہے، اگر جلد انہوں نے اپنے اطوار نہ بدلے تو اندیشہ ہے کہ یہاں کے لوگ بھی روس کی طرح مذاہب سے متنفر ہو جائیں گے۔

صحت و تندرستی

ہڈی کا ٹوٹنا

جب کوئی آدمی زیادہ بلندی سے گرے یا لاٹھی وغیرہ کی شدید ضرب اس کے جسم پر پہونچے تو ہڈی ٹوٹ جاتی ہے کبھی ہڈی ٹوٹنے کے ساتھ جلد بھی پھٹ جاتی ہے اور کبھی جسم پر کوئی نشان تو نظر نہیں آتا مگر اندر ہی اندر ہڈی ٹوٹ جاتی ہے۔

ہڈی ٹوٹ جانے کی پہچان یہ ہے کہ جس عضو کی ہڈی ٹوٹ جائے وہ بالکل بیکار ہو جاتا ہے حرکت نہیں کر سکتا اور اس کی شکل بھی بدل جاتی ہے جس مقام کی ہڈی ٹوٹ جاتی ہے وہاں بہت سخت درد ہوتا ہے، ورم ہو جاتا ہے مجروح کو سخت تکلیف ہوتی۔ اور اگر ضرب کسی ایسے عضو میں ہے جو چلنے پھرنے میں کام آتا ہے۔ تو یہ شخص چلنے پھرنے سے بھی معذور ہو جاتا ہے۔

شہروں میں جہاں شفا خانوں کے علاوہ پرائیویٹ پریکٹس کرنے والے ڈاکٹر اور ٹوٹی ہوئی ہڈیوں کو جوڑنے والے لوگ بکثرت موجود ہوتے ہیں اس تکلیف کا فوری علاج ہو جاتا ہے لیکن دیہات میں جہاں اس قسم کے واقعات بکثرت پیش آنے کے باوجود طبی امداد ملنی دشوار ہوتی ہے مریضوں کو سخت مشکلات پیش آتی ہیں۔

لہٰذا اس بات کی ضرورت ہے کہ دیہاتوں میں فوری امداد یا "فرسٹ ایڈ" کے طریقوں کو زیادہ سے زیادہ رائج کیا جائے تاکہ مقامی اشخاص طبی امداد حاصل ہونے سے پیشتر مریض کی راحت و آسائش کا انتظام کر سکیں۔

جس شخص کی ہڈی ٹوٹ گئی ہو اس کو نرم بستر پر بہت ہی آہستگی کیساتھ اس طرح لٹادیں کہ اس کے مجروح عضو جسم کو حرکت نہ ہو۔ حرکت کی صورت میں اس بات کا اندیشہ رہتا ہے کہ ہڈی کے ٹوٹے ہوئے کنارے کہیں گوشت کو چیر کر باہر نکل آئیں اور مریض کی تکالیف میں مزید اضافہ کریں۔ سب سے پہلے . . . خون کو روکنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ خون بند کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ جس عضو سے خون جاری ہو اس کو اونچا رکھیں۔ اگر خون کا رنگ زیادہ سرخ ہو تو اس عضو جسم کو دبا کر خون بند کرنا چاہیئے۔ اور اگر سیاہی مائل یا ارغوانی ہو تو کپڑے کا ایک ٹکڑا پانی میں تر کر کے زخم پر رکھیں خون بند ہو جائیگا جب خون بند ہو جائے تو مجروح عضو کو آہستگی کے ساتھ سیدھا کر کے اس پر لکڑی کی باریک کھپچیاں باندھنے سے پیشتر مجروح عضو پر کپڑا یا روئی رکھ دینا چاہیئے تاکہ مریض کو کھپچیوں سے زیادہ تکلیف نہ ہو۔ اس کے بعد مریض کو اسٹریچر پر ڈال کر شفا خانہ لیجائیں یا ڈاکٹر کو فوراً مکان پر بلائیں

مریض کو چارپائی پر لیجانے کا طریقہ صحیح نہیں ہے۔ اس میں مریض کو اٹھانے اور لٹانے میں تکلیف ہوتی ہے سب سے بہتر طریقہ اسٹریچر پر لیجانے کا ہے اسٹریچر چونکہ بنے بنائے دیہاتوں میں دستیاب نہیں ہوتے ہیں۔ اس لئے خود اسٹریچر بنانے کا طریقہ یہ ہے کہ مریض جس دری پر لیٹا ہو اس کے دونوں جانب دو مضبوط لاٹھیاں رکھ کر لپیٹیں اور جب ان دونوں لاٹھیوں کے درمیان میں تقریباً دو فٹ کا فاصلہ رہ جائے تو کناروں کو مضبوط ڈورے سے سی دیں۔ اسٹریچر کی چوڑائی کو قائم رکھنے کیلئے دری کے سرہانے اور پائنتی بھی دو لکڑیاں لپیٹی جا سکتی ہیں۔ اسٹریچر تیار ہے۔ اور اس پر مریض کو بآسانی شفا خانہ تک لیجا سکتے ہیں۔

جو کھپچیاں مجروح عضو جسم پر باندھی جائیں اُن کی چوڑائی ایک انچ اور لمبائی حسب ضرورت ہونا چاہیئے۔ بازو کے لئے تقریباً ایک فٹ لمبی کھپچیاں کافی ہوتی ہیں۔ بعض اشخاص خود اپنی رائے سے شکستہ ہڈی کو بٹھانے کی کوشش کرتے ہیں لیکن اس میں مختلف خطرات کا سامنا رہتا ہے۔ جب تک کسی شخص کو سرجری سے پوری واقفیت نہ ہو اسے مجروح ہڈی درست نہ کرنی چاہیئے۔ اکثر ہڈی کے غلط بیٹھنے سے عضو جسم میں مستقل عیب ہو جاتا ہے اور پھر اس کی اصلاح نہیں ہو سکتی۔ اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہیئے کہ شکستہ ہڈی کو درست کرنے میں کسی قابل سرجن کی خدمات حاصل کی جائیں ہومیوپیتھک وغیرہ کے معمولی ڈاکٹر شکستہ ہڈیوں کو صحیح طریقہ پر درست نہیں کر سکتے ہڈی اگر ٹھیک طریقہ سے بٹھا دی جائے تو عضو جسم کسی قدر کمزور تو ضرور ہو جاتا ہے، لیکن اس سے بخوبی کام لیا جا سکتا ہے۔ لیکن ہڈی کے درست نہ ہونے پر عضو بالکل بے کار ہو جاتا ہے۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ ہڈی ٹوٹتی نہیں بلکہ اپنی جگہ سے ہٹ جاتی ہے۔ یہ چیز زیادہ خطرناک تو نہیں ہوتی لیکن تکلیف وہ اس قدر ہے کہ جس قدر کہ ہڈی کا ٹوٹ جانا۔ اس میں بھی عضو جسم متورم ہو جاتا ہے۔ بہت سخت درد ہو جاتا ہے۔ عضو

جسم حرکت نہیں کر سکتا۔ ایسی حالت میں مریض کو نرم بستر پر آرام سے لٹا دینا چاہئے۔ اور جس عضو کی ہڈی پر ضرب آئی ہو اسے کسی نرم تکیہ پر رکھ کر اس پر برف یا ٹھنڈے پانی سے ایک کپڑا بھگو کر باندھ دیں اگر برف یا ٹھنڈے پانی کے استعمال سے تکلیف میں کمی نہ ہو تو اس مقام کو روئی سے سینکنا چاہئے مریض چادر وغیرہ اڑھا کر گرم رہیں۔ جس وقت تک ڈاکٹری امداد حاصل نہ ہو جائے مریض کو ان طریقوں سے سکون ملے گا۔

اطلاع دفتر محشر خیال سے خط و کتابت کرتے وقت اپنا نمبر خریداری ضرور لکھئے ورنہ آپ کی شکایت یا جواب کی تعمیل نہیں ہوگی۔ منیجر

نگارستان

کون کیا ہے؟

دی شانتارام

پربھات فلم کمپنی کے مشہور ڈائرکٹر مسٹر دی شانتارام بچپن میں ایک معمولی ایکٹر کی حیثیت سے ایک مرہٹی تھیٹریکل کمپنی میں صرف نو روپیہ ماہوار پر ملازم تھے۔ اس زمانہ میں ان کی سب سے بڑی خواہش یہ تھی کہ انھیں پچاس روپیہ ماہانہ کی ملازمت مل جائے۔ اور وہ اس خواہش کی تکمیل کو حاصل زندگی تصور کرتے تھے۔ لیکن آج وہ صف اول کے ہندوستانی ڈائرکٹروں میں شمار کئے جاتے ہیں اور انہوں نے "آدمی" اور "پڑوسی" ایسی کامیاب فلمیں تیار کرکے اپنی قابلیت کا نقش قائم کر دیا ہے۔

پی۔ سی بروا

مسٹر پی۔ سی بروا راجہ صاحب گوری پور کے فرزند اور راجکمار ہیں یہ ۱۹۰۳ء میں پیدا ہوئے تھے۔ انہیں ہمیشہ سے مصوری کا شوق رہا ہے یہی شوق ۱۹۳۱ء میں انہیں فرانس لے گیا۔ جہاں سے وہ دو سال کے بعد واپس آئے بعد ۱۹۳۳ء میں انہوں نے نیو تھیٹرز لمیٹڈ کلکتہ میں شمولیت اختیار کر لی اور سب سے پہلے روپ لیکھا نامی فلم بنا کر اپنی فنی قابلیت کا ثبوت دیا۔ اس کے بعد انہوں نے دیوداس، مکتی اور زندگی ایسی مقبول عام اور دلکش فلمیں تیار کیں۔ آج مسٹر بروا فلمی دنیا سے دلچسپی رکھنے والوں کے محبوب ہیں اور انہیں صف اول کا ہندوستانی فلم ڈائرکٹر تصور کیا جاتا ہے۔

اشوک کمار

بمبئی ٹاکیز کے ممتاز اداکار مسٹر اشوک کمار کا اصل نام کمد لال گنگولی ہے اور علمی اعتبار سے انہوں نے ایم۔ ایس۔ سی کی ڈگری حاصل کی ہے ان کی شہرت کا راز ان کے حسن اور نوجوانی میں مضمر ہے۔ مسٹر اشوک کمار ابتدا میں لیباریٹری اسسٹنٹ کی حیثیت سے بمبئی ٹاکیز میں آئے تھے۔ لیکن ہمانسو رائے آنجہانی نے انہیں اپنی ایک فلم میں ہیرو کا پارٹ ادا کرنے کے لئے منتخب کر لیا۔ اب مسٹر اشوک کمار ایک ممتاز اور مشہور اداکار ہیں اور ہندوستانی اداکاروں میں انہیں کی ذات سب سے زیادہ دلکشی کی حامل ہے۔

سریندر

مسٹر سریندر پنجاب یونیورسٹی کے فاضل ہیں۔ بمبئی میں انہوں نے سب سے پہلے ساگر موی ٹون کی فلم "دکن کوئن" تیار کی تھی جو بہت زیادہ کامیاب رہی فلمی زندگی کے آغاز سے اس وقت تک محض فلم سازی کے سلسلہ میں انہیں چھ سے زیادہ حادثات پیش آ چکے ہیں۔ مسٹر سریندر کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ ہر قسم کی نشیلی چیزوں سے پرہیز کرتے ہیں حتیٰ کہ سگریٹ بھی نہیں پیتے۔ ان کی فنی قابلیت اس بات سے ثابت ہوتی ہے کہ بی۔ بی۔ سی روزانہ انہیں کے ریکارڈ بجا کر اپنے سامعین کی دلچسپی کا سامان بہم پہونچاتی ہے۔ آج کل وہ "نیشنل" کی فلم "غریب" میں ہیرو کا کام انجام دے رہے ہیں اور خیال ہے کہ اس کے بعد درگا کھوٹے کے ساتھ ایک دوسری فلم "سنت رائے داس" کی تیاری میں حصہ لیں گے۔

ونمالا

خاتون ونمالا گوالیار کے ایک معزز خاندان کی رکن اور بمبئی یونیورسٹی کی بی۔ اے (آنرز) ہیں اور فلمی زندگی اختیار کرنے سے پیشتر ایک مدرسہ میں معلمہ تھیں۔ ونمالا نے مرہٹی فلموں میں کام شروع کیا اور اپنے فرائض اس درجہ کامیابی کے ساتھ انجام دئے کہ ڈائرکٹر سہراب مودی نے انہیں اپنی تازہ ترین تاریخی فلم سکندر میں ہیروئن کی حیثیت سے منتخب کر لیا۔ پرنوں کی داسی میں بھی ونمالا نے قابل تعریف اداکاری کی ہے۔

فلمی خبریں

نندہن اور کنگن کے مشہور اداکار لیلا چٹنس اور اشوک کمار جنہیں ۱۹۴۰ء کا "موزوں ترین جوڑا" تسلیم کیا جا چکا ہے ایک مرتبہ پھر بمبئی ٹاکیز کی آنے والی فلم "جھولا" میں اپنے فن کے کمالات دکھانے کے لئے منتخب کئے گئے ہیں۔

نیشنل اسٹوڈیو کی فلموں کے مشہور اداکار مسٹر ستیش، بمبئی کی نئی قائم شدہ فلم کمپنی "کارواں پروڈکشن" کی پہلی فلم کی ترتیب اور تیاری میں مصروف ہیں۔ اس فلم میں وہ خود بھی کام کریں گے۔ اس فلم کے دوسرے اداکار ذہینی جیونت، کرشن سپو، کنہیا لال اور فلم سسٹر کی مشہور اداکار وینا وغیرہ ہوں گے۔

نیشنل اسٹوڈیو کے سابق منیجنگ ڈائرکٹر مسٹر سین لال بی ڈلیبائی نے آدرش پکچرز کے نام سے اپنی ذاتی کمپنی قائم کرلی ہے۔ اس کمپنی کی پہلی فلم تقریباً مکمل ہو چکی ہے جس میں فلم "نیہلن" کی مشہور اداکار ستارہ پربھا پردھان اور مسٹر ستیش نے نمایاں کام کیا ہے۔

فلم "بمبئی والی" کے بعد واڈیا موی ٹون عنقریب "جنرل پرنس" کے نام سے ایک نئی فلم پیش کرنے والی ہے معلوم ہوا ہے کہ اب واڈیا موی ٹون کے کارپرداز سماجی اور اقتصادی مسائل سے متعلق فلمیں بھی تیار کرینگے اس سلسلہ میں اس کمپنی کی فلم "درباری رقاصہ" پہلی اور کامیاب کوشش ہے۔

نیو تھیٹرز کے مشہور ڈائرکٹر پرفلا رائے اپنی نئی فلم "ناری" کے بعض اہم مناظر کی تکمیل کے لئے اپنے تمام فنکار کے ساتھ بنارس پہونچ چکے ہیں۔ مسٹر آرسی بورال میوزک ڈائرکٹر بھی مسٹر رائے کے ہمراہ ہیں خیال ہے کہ یہ فلم ایک مرتبہ پھر نیو تھیٹرز کے پرچم کو سربلند کردے گی۔

پرکاش پکچرز اپنی نئی فلم "بھرت ملاپ" کی تیاری میں مصروف ہیں ان کا خیال ہے کہ یہ فلم ہر اعتبار سے بے نظیر اور دلکش ترین ہوگی اور اسے کسی طرح بھی دوسری مذہبی کہانیوں کی فلموں کے ساتھ شمار نہیں کیا جا سکیگا۔

منروا موی ٹون کی نئی تاریخی فلم سکندر تیار ہو چکی ہے اور عنقریب نمائش کے لئے پیش کی جائے گی سہراب مودی نے اس فلم کی ترتیب پر جس قدر روپیہ، محنت اور وقت صرف کیا ہے اس کا اندازہ اس فلم کو دیکھ کر ہی کیا جا سکتا ہے۔

کلکتہ میں محشر خیال کا تازہ پرچہ

جناب عبدالحمید خاں صاحب ایجنٹ اخبارات ۱۰۵ سی دھرم تلہ اسٹریٹ مسجد ٹیپو سلطان سے خریدئے۔

دفتر محشر خیال میں بہترین کتابوں کا ذخیرہ

نام کتب	مصنف	قیمت
ناول		
ابن الوقت	مولوی نذیر احمد	[illegible]
ایامیٰ	"	[illegible]
رویائے صادقہ	"	[illegible]
محصنات	"	[illegible]
توبۃ النصوح	"	[illegible]
مراۃ العروس	"	[illegible]
بنات النعش	"	[illegible]
[illegible]	مولوی عنایت اللہ	[illegible]
نجم السحر	"	[illegible]
تائیس	"	[illegible]
گئودان	پریم چند	[illegible]
میدان عمل	"	[illegible]
غبن	"	[illegible]
پردۂ مجاز	"	[illegible]
بیوہ	"	[illegible]
حسن سرور	محمد علی طبیب	[illegible]
[illegible]	"	[illegible]
[illegible]	"	[illegible]
جعفر و عباسہ	"	[illegible]
نیل کا سانپ	"	[illegible]
امراؤ جان ادا	مرزا رسوا	[illegible]
اختری بیگم	"	[illegible]
خونی شہزادہ	"	[illegible]
خونی مصور	"	[illegible]
خونی بھید	"	[illegible]
خونی جورو	"	[illegible]
[illegible]	(شرر)	[illegible]
[illegible]	"	[illegible]
[illegible]	"	[illegible]
[illegible]	"	[illegible]
[illegible]	"	[illegible]
[illegible]	"	[illegible]
[illegible]	"	[illegible]
[illegible]	"	[illegible]

نام کتب	مصنف	قیمت
[illegible]	شرر	[illegible]
[illegible]	"	[illegible]
رومتہ الکبریٰ	"	[illegible]
قیس و لبنیٰ	"	[illegible]
ملک العزیز ورجنا	"	[illegible]
[illegible]	"	[illegible]
طاہرہ بیگم	"	[illegible]
نیکی کا پھل	"	[illegible]
فلورا فلورنڈا	"	[illegible]
حسن انجلینا	"	۱۰؍
منصور موہنا	"	۱۰؍
درگیش نندنی	"	۱۴؍
[illegible]	"	[illegible]
فردوس بریں	"	۸؍
حسن بن صباح	"	[illegible]
[illegible]	"	[illegible]
افسانۂ قیس	"	[illegible]
الفانسو	"	۱۴؍
لعبت چین	"	[illegible]
آغا صادق کی شادی	"	۱۰؍
فیروز شاہ	"	[illegible]
حیات صالحہ	راشد الخیری	[illegible]
صبح زندگی	"	[illegible]
شام زندگی	"	[illegible]
شب زندگی	"	[illegible]
نوحۂ زندگی	"	۱۲؍
طوفان حیات	"	[illegible]
نسوانی زندگی	"	[illegible]
ماہ عجم	"	[illegible]
[illegible]	"	[illegible]
عروس کربلا	"	[illegible]
یاسمین شام	"	[illegible]
[illegible]	"	۱۲؍
لالہ رخ	ل۔ احمد	[illegible]
کملا	[illegible]	[illegible]

نام کتب	مصنف	قیمت
دھرتی ماتا	پربیک	[illegible]
بیٹے	"	[illegible]
داستان	عابد علی	[illegible]
قلوپطرہ	سلمیٰ تصدق	[illegible]
شمع	اے۔ آر۔ خاتون	[illegible]
سراب ہستی	ایم اسلم	[illegible]
نرگس	"	[illegible]
شب غم	"	[illegible]
طوفان	ٹیگور	[illegible]
جیون پربھات	"	[illegible]
نرگس	"	[illegible]
تلاش اکسیر	تیرتھ رام	[illegible]
[illegible]	"	[illegible]
قسمت کا شکار	"	[illegible]
[illegible]	"	[illegible]
نقلی نواب	"	[illegible]
بحر فنا	"	[illegible]
نازک کشار	"	[illegible]
لعل مقدس	"	[illegible]
کرنی کا پھل	"	[illegible]
مصری جادوگر	"	[illegible]
مقدس جوتا	"	[illegible]
آتشی کتا	"	[illegible]
شاہی خزانہ	"	[illegible]
ڈاکٹر نکولا	"	[illegible]
انمول ہیرا	"	[illegible]
[illegible]	"	[illegible]
چڑیا کی تکی	"	[illegible]
چیتا ہیرا	"	[illegible]
آزادی	"	[illegible]
زہری بان	"	[illegible]
مرد میدان	مسعود علی	[illegible]
جھانسی کی رانی	"	[illegible]
ضرب محمود	احسان علی شاہ	[illegible]
[illegible]	[illegible]	[illegible]

نام کتب	مصنف	قیمت
جلا انقلابی	شاہکار	۸؍
قتل بہرام	حسرت	۸؍
ماہ درخشاں	حکیم احمد علی	[illegible]
انقلاب فرانس	عبد الرزاق	[illegible]
بنی اسرائیل کا چاند	حیرت	[illegible]
ہدیٰ	ایم اسلم	[illegible]
ہلال و صلیب	"	[illegible]
عروس غربت	"	[illegible]
پیام سروش	"	[illegible]
اس پار	تیرتھ رام	[illegible]
افسانے		
سات تارے	سات ادیب	[illegible]
چھریری	عظیم بیگ چغتائی	[illegible]
نازو	اختر انصاری	[illegible]
اندھی دنیا	"	[illegible]
طلسم خیال	کرشن چندر	[illegible]
ہوائی قلعے	"	[illegible]
نظارے	"	[illegible]
تفسیر حیات	ایم اسلم	[illegible]
کارزار حیات	"	[illegible]
گل نو	"	[illegible]
آشوب زمانہ	"	[illegible]
ثمرہ گناہ	"	[illegible]
رقاصہ	"	[illegible]
موپساں کے افسانے	موپساں	[illegible]
ٹیگور کے افسانے	ٹیگور	[illegible]
پھول اور کلیاں	"	[illegible]
خاموش حسن	"	[illegible]
سوز شعلہ	"	[illegible]
پاکیزہ افسانے	"	۱۲؍
قسمت	جاوید	[illegible]
آخری تحفہ	پریم چند	[illegible]
واردات	"	[illegible]
خواب و خیال	"	[illegible]

نام کتب	مصنف	قیمت
دو راہ	پریم چند	صہ ر
دیہاتی افسانے	"	صہ ر
چوگان	سدرشن	۱ ر
آزمائش	"	۱ ر
سولہ سنگار	"	۱ ر
چٹکیاں	"	۸ ر
گلِ عافیت	"	۶ ر
دنیا کے بہترین افسانے	گوپال متل	۱ ر
پھولوں کا تحفہ	"	۵ ر
آپ بیتیاں	تیرتھ رام	عہ ر
سلام حور عین	"	۱ ر
گناہ و ثواب	م اسلم شالی	۱ ر
انسانی کی کہانیاں	"	۱ ر
جلا وطن	تیرتھ رام	۱ ر
الہامی افسانے	مرتضیٰ	۶ ر
خوشبو کی بہشت	آتش	صہ ر
حسین خواب عورتیں	مہدی علی خاں	۱ ر
دلگداز افسانے	کوثر	عہ ر
صدا کا افسانے	نسیم	۶ ر
کہکشاں	رفیعی	۶ ر
کیفستان	قیسی	عہ ر
دانہ و دام	ماجد رنگھ	۱ ر
باسی پھول	علی عباس	۱ ر
شعلے	احمد علی	صہ ر
رنگ و بو	فیاض محمود	۱ ر
حسن کی قیمت	احمد شجاع	۱ ر
سرکش روحیں	لق لق	۱۲ ر
پاگل	عزیز مہدی	۸ ر
لیلیٰ کے خطوط	عبد الغفار	۱ ر
مجنوں کی ڈائری	"	صہ ر
سینکا درخت	"	۱۲ ر
تین پیسے کی چھوکری	"	۱ ر
عورت	رشید جہاں	صہ ر
شب کا پکار	راحت آرا	۸ ر
تنہا فسانہ	"	۸ ر
بافسری کی آواز	"	۸ ر
سوز ناتمام	عاشق بٹالوی	۱ ر
[illegible]	[illegible]	[illegible]

نام کتب	مصنف	قیمت
پریم کا جادو	ساجدہ زرین	۱ ر
طلسمات	عابد علی	صہ ر
پھر وہاں	احسان علی	۱ ر
معیار محبت	سیاح شامی	صہ ر
پہلے گیت کو دیکھا	"	صہ ر
عورتوں کا افسانہ	کوثر چاند پوری	۱ ر
دنیا کی حور	"	صہ ر
عروس ادب	عباس حسین	صہ ر
تازیانے	الطاف مشہدی	۱ ر
بھوک	حمید الدین	عہ ر
ریزۂ مینا	پچاس مشہور ادیب	۱ ر
افغان شیاطین	مضحک	۱ ر
چار چاند	ناصر نذیر فراق	۸ ر
دلہن کی پری	"	۶ ر
دلی کا اجڑا ہوا لال قلعہ	"	۴ ر
سات ملاقاتوں کی کہانیاں	"	۴ ر
بیگموں کی چھیڑ چھاڑ	"	۴ ر
خواب پریشاں	"	۴ ر
عشق کی گھڑیاں	فرحت اللہ بیگ	۴ ر
پھول والوں کی سیر	"	۶ ر
گمنام عورت کا خط	ظفر قریشی	۴ ر
انکشاف حقیقت	صادق الخیری	۴ ر
تماشہ پر تماشہ	ناکارہ	۴ ر
نگارستان	نیاز فتحپوری	۶ ر
جمالستان	"	۱ ر
شباب کی سرگذشت	"	عہ ر
محبت کا فسانہ	ل۔ احمد	۶ ر
انشائے لطیف	"	۶ ر
شمع انجمن	صادق الخیری	۱ ر
سیاہ کار	باقر نسیم	عہ ر
شہر خموشاں	محمود مورخ	عہ ر
دہری بلی	"	عہ ر
فسانۂ جوش	سلطان حیدر جوش	صہ ر
آتش پارے	سعادت حسن منٹو	صہ ر
روسی افسانے	"	عہ ر
کیمیا گر	مجیب	صہ ر
نقش اول	صالحہ عابد حسین	۶ ر
[illegible]	حسن [illegible]	[illegible]

نام کتب	مصنف	قیمت
چندا موتی	انصار ناصری	صہ ر
سوہنی کال	ماہر و ارکا	۱ ر
سحر نور دیکھو	مرزا ادیب	۱ ر
دنیائے آئندہ	"	۱ ر
شارۂ صبح	احسان علی شاہ	۱ ر
محبت اور نفرت	اختر حسین	۱ ر

ڈرامے

نام کتب	مصنف	قیمت
پروین و ثریا	شاہد احمد	صہ ر
نرگس و جمال	"	عہ ر
نجمہ وزیر	انصار ناصری	۱۲ ر
تعلیم زدہ بیوی	فضل حق قریشی	۸ ر
دیرا	سعادت حسین	۹ ر
جہل مرکب	انیس احمد	۴ ر
عشرت السا الارض	فضل الرحمٰن	۱ ر
ظاہر باطن	"	۱ ر
نئی روشنی	"	۱ ر
آئندہ زمانہ	"	عہ ر
محبت کا انتقام	سدرشن	صہ ر
انجام	مجیب	۶ ر
روح سیاست	نور الٰہی	۸ ر
ریڈیو ڈرامے	فضل حق	صہ ر
تسلیم	مظہر	۶ ر
مسلم اسود	اشتیاق حسین	۱۲ ر
شہید وفا	شرر	۸ ر
میوۂ تلخ	"	۶ ر
پردۂ غفلت	عابد حسین	۸ ر
نیم شب	اشتیاق حسین	۸ ر
لیڈر	فضل حق	۱۲ ر
خوددار خاتون	محمد مرزا	۸ ر
مختار دلہن	"	۸ ر
گلفشاں	اختر حسین	عہ ر

سیاست تاریخ

نام کتب	مصنف	قیمت
مسلمانان ہند کی حیات سیاسی (محمد مرزا)		۱ ر
دوسری جنگ عظیم	"	۱ ر
تاریخ مسلم لیگ	اختر حسین	۶ ر
انتخاب کے قاعدے	حلیم الدین	صہ ر

نام کتب	مصنف	قیمت
ہندوستان کا آئندہ دستور سیاسی	[illegible]	۱ ر
عقیدۂ ختم	مظہر انصاری	۱ ر
پہلی کی حقیقتیں	"	۱ ر
قول فیصل	ابو الکلام	۱ ر
خطبۂ صدارت	"	۱ ر
تقریری	"	۳ ر
تازہ مضامین	"	۱۰ ر
سی پی میں کانگریس راج	اسعد احمد	۶ ر
شہنشاہیت	مظہر شاہ	۱ ر
سیاسی معلومات	اسرار احمد	۱ ر
کارل مارکس	محمد دیال	۱ ر
مہاتما کیا چاہتا ہے		۱ ر
لینن	دہرم ولی	۱ ر
لینن	ڈاکٹر اشرف	۱ ر
سوشلزم	چھیپل داس	۱ ر
محمد علی جناح	عبد العزیز	۱ ر
پاکستان اور ہندوستان	عبد القدوس	۱ ر
پاکستان	بمبئی ڈیشنن	۸ ر
راجہ دبیا	م اسلم شالی	۱ ر
غلامی کا انسداد	"	۱ ر
ہمارے زمانہ کی غلامی	"	۹ ر
سیاست ملیہ	محمد امین	۱ ر
ترکی میں مشرق و مغرب کی کشمکش	خالدہ ادیب	۱ ر
ناتسیت	شاہد حسین	۱ ر
قومیت اور بین الاقوامیت	شاہد حسین	صہ ر
ممالک اسلامیہ کی سیاست	مظہر الدین	۱ ر
بحر کاہل کی سیاست	امین خالدی	۱ ر
دنیا کی کہانی	مجیب	۱ ر
البیرونی	ہاشمی	۱ ر
تاریخ یونان قدیم	"	[illegible]
ریاست	افلاطون	۱ ر
مبادی سیاست	محمد ہارون	صہ ر
نازی ازم	عبد الرحیم	۶ ر
سوشلزم	باری	۶ ر
ریاست	افلاطون	۱ ر
معیشت و سلطنت	[illegible]	۱ ر

نام کتاب	مصنف	قیمت
سوانح [illegible]	[illegible]	ے
سلاطین [illegible]		۶ر
مجموعہ [illegible]	شمس احمد	عمر
مسلمانوں کا روشن مستقبل	"	۶ر
ہندوستان کی اقتصادی تاریخ (اصطلیعہ)		۶ر
فلسفۂ [illegible]	چمپیل داس	۴ر
تمدن عرب	سید علی	[illegible]
[illegible] مجلس	خلیل الرحمٰن	[illegible]
[illegible]		۶ر
خلافت [illegible]	عبدالواحد	للعہ
تاریخ مغرب	ابن الحواری	۶ر
تاریخ اسلام	اکبر شاہ خاں	لعہ
تاریخ اسلام		صر
تاریخ [illegible] ۲ حصے		ے
عرب کی موجودہ حکومتیں		۴ر
سلاطین و قائدین اسلام		صر
چینی مسلمان	بدرالدین	۶ر
دنیائے اسلام اور خلافت		۶ر
خلافت الکبریٰ	عبدالماجد	۶ر
مختصر تاریخ اسلامی	خلیل الرحمٰن	۶ر
[illegible] احرار		۴ر
ترکی جمہوریہ	ضمیر ہاشمی	۶ر
تاریخ الامت	اسلم جیراجپوری	[illegible]
دربار اکبری	محمد حسین	صر
تاریخ سلطنت خداداد		للعہ
مختصر تاریخ ہند		عمر
داستان ہند	ظہیر دہلوی	صر
ہندوستان کی تعلیم / اسلامی ہندوستان میں	"	۱۲ر
مسلمانان اندلس	"	[illegible]
تاریخ ہندوستان (مولوی ذکاء اللہ)		[illegible]
تاریخ دہلی	بشیرالدین	[illegible]
تاریخ بیجاپور	"	[illegible]

سیر و سوانح

نام کتاب	مصنف	قیمت
سیرت پاک		
سیرۃ النبی جلد اول	شبلی	للعہ

نام کتاب	مصنف	قیمت
سیرۃ النبی جلد سوم	شبلی	صر
" " چہارم	"	۶ر
" " پنجم	"	للعہ
" " ششم	"	للعہ
رحمت عالم	سلیمان ندوی	۴ر
سیرۃ رسول	اسلم جیراجپوری	صر
رسول کریم	عطاء الرحمٰن	عمر
رؤف الرحیم	ماہر	ہے
نبی عربی		عمر
خطبات مدراس	سلیمان ندوی	۴ر
میلاد نامہ مجید		۸ر
میلاد شریف	خواجہ شفیع	۴ر
آمنہ کا لال	راشد الخیری	صر

صحابہ و تابعین

نام کتاب	مصنف	قیمت
خلفائے راشدین	معین الدین	ے
الفاروق	شبلی	۶ر
الصدیق	حبیب الرحمٰن	۱۲ر
سیر الصحابہ ششم	معین الدین	۶ر
" ہفتم	"	۶ر
اسوۂ صحابہ	عبدالسلام ندوی	ے
سیر الصحابیات	حبیب الرحمٰن	۶ر
اسوۂ صحابیات		۱۰ر
صحابیات		۶ر
سیر الانصار		صر
تابعین		للعہ
سیرۃ عائشہ	ظفر	۱۰ر
ذی النورین	"	۸ر
ثانی اثنین	"	۱۰ر
ابوالحسنین	"	۸ر
مہاجرین	معین الدین	ہے

ائمہ و سلاطین

نام کتاب	مصنف	قیمت
سیرۃ عمر بن عبدالعزیز		۶ر
عمر بن عبدالعزیز		۶ر
سیرۃ معاویہ	مراد	۸ر
امام حسین	"	صر
[illegible]	[illegible]	[illegible]

نام کتاب	مصنف	قیمت
سیرۃ النعمان	شبلی	۶ر
حیات امام مالک		صر
الغزالی	شبلی	صر
المامون	"	۶ر
سوانح مولانا روم		۶ر

علماء و فقراء

نام کتاب	مصنف	قیمت
مشاہیر اسلام	(عبدالسلام ندوی)	۶ر
غلامان اسلام	سعید احمد	للعہ
تذکرہ علماء	محمد حسین آزاد	۵ر
سیر علماء	شرر	۶ر
حضرات مشاہیر عالم	"	۶ر
تذکرہ مشاہیر عالم	"	۶ر
حضرات تیموریہ	ظہیر الحسن	۶ر
حکایات صحابہ		۱۴ر

مشاہیر عالم

نام کتاب	مصنف	قیمت
انور پاشا	لیح آبادی	ہے
اتاترک	محمد مرزا	۶ر
عہد حاضر کے بڑے لوگ	"	۶ر
زوال غازی	عزیز ہندی	ے
حیات کمال	منظور الدین	۶ر
شہید میکسونی		۱۲ر
ہٹلر اعظم		۶ر
مسولینی کی خود نوشت سرگزشت		۶ر
روز ولٹ	تیرتھ رام	۱۲ر
چمبرلین	"	۴ر
اسٹالن	"	۱۴ر
ڈی ویلرا	"	صر
سوانح حیات سلطان ابن سعود		۶ر
نامورانِ سائنس		۱۰ر
گلدستان فارس		ے
حیات وارث	محمد ابراہیم وارثی	ہے
ولی اللہ (شاہ ولی اللہ کی سوانح)		۸ر
تیمور	(مولوی عنایت اللہ)	ے
چنگیز خاں	"	۶ر
چنگیز خاں کے سوانح حیات	"	۱۲ر
[illegible]	[illegible]	۶ر

نام کتاب	مصنف	قیمت
خیام	سلیمان ندوی	۶ر
حیات سعدی	شبلی	۶ر
حیات حافظ	"	۶ر
حیات خسرو	"	۶ر
حیات سعدی	حالی	۶ر
ذکر غالب		۶ر
آپ بیتی	خواجہ حسن نظامی	۶ر
کالی داس	جے کرشن	۱۰ر
بزم اکبر (اکبر الہ آبادی کی سوانح)		۶ر
ملکی ادب کامل	(اختر حسین)	للعہ

تاریخ تنقید ادب تذکرے

نام کتاب	مصنف	قیمت
شعر العجم کامل	شبلی	[illegible]
آب حیات	(محمد حسین آزاد)	ے
شعر الہند کامل		عمر
گل رعنا	(عبدالحی)	للعہ
تاریخ ادب اردو	(سکسینہ)	عمر
تاریخ ادبیات ایران حصہ اول		للعہ
" " دوم		للعہ
اسالیب نثر اردو		۶ر
دکن میں اردو		۶ر
داستان عجم		صر
غالب	غلام رسول	ے
مغل اور اردو	نصیر حسین خیال	۶ر
جدید اردو شاعری	عبدالقادر	۶ر
تنقیدات عبدالحق	عبدالحق	۶ر
اردو شاعری پر ایک نظر (کلیم الدین)		۶ر
اقبال کی شاعری		۱۲ر
اردو کا پہلا ناول نگار	(اویس)	۶ر
دنیائے افسانہ		۶ر
کردار افسانہ		۶ر
نقوش سلیمانی	(سلیمان ندوی)	ے
مقالات حالی کامل		صر
سب رس	وجہی	ہے
خطبات عبدالحق	عبدالحق	۱۲ر
نصرتی	"	ے
فلاسفہ	شاہد احمد	۶ر

نام کتاب	مصنف	قیمت
وضع اصطلاحات	وحیدالدین سلیم	ہے
سلیم		۸ر
اندوماں ہند	خالدہ خانم	ہے
ادبیات لطافت	انشار	۲ر
اخوان العصر		۸ر
تاریخ ادبیاتِ ایران در عہدِ جدید		للعہ
ترکوں کی اسلامی خدمات		[illegible]
سودا	شیخ چاند	[illegible]
نکات الشعراء	میر تقی	[illegible]
تذکرہ ریختہ گویاں		عہ
مخزن شعراء	نورالحسن	عہ
تذکرہ ہندی	مصحفی	[illegible]
ریاض الفصحا	"	[illegible]
عقد ثریا	"	۱۲ر
گلزار ابراہیم	نواب علی	[illegible]
چمنستان شعراء		للعہ
مخزن نکات	قائم	[illegible]
ذکر میر		[illegible]
گل عجائب	اسعد علی تمنا	[illegible]
رہنمایان ہند	نرائن پرشاد	[illegible]
ادب اور زندگی	مجنوں	ھ
افسانہ	"	[illegible]

اردو لغت

نام کتاب	مصنف	قیمت
سیدی ڈکشنری		للعہ
مبادی اللغات		[illegible]
جدید لغات اردو		ہے
نور اللغات		للعہ
بازاری زبان		[illegible]

مقالات و انشاء

نام کتاب	مصنف	قیمت
افادات مہدی	مہدی حسن	ہے
مقالات شبلی حصہ اول	شبلی	[illegible]
" حصہ دوم	"	۳ر
" " سوم	"	[illegible]
" " چہارم	"	[illegible]
" " پنجم	"	عہ

نام کتاب	مصنف	قیمت
مقالات شبلی حصہ ہفتم	شبلی	۱۴ر
" ہشتم	"	[illegible]
مضامین چکبست	چکبست	[illegible]
" حالی	حالی	[illegible]
مضامین فراق	ناصر نذیر فراق	عہ
افادات سلیم	وحیدالدین سلیم	[illegible]
باقیات بجنوری	عبدالرحمٰن	[illegible]
محشر خیال	سجاد حسین	[illegible]
نیرنگ خیال	محمد حسین آزاد	[illegible]
اردو شہ پارے	ڈاکٹر قادری زور	ہے
انتخاب مخزن حصہ اول		ھ
" حصہ دوم		عہ
" سوم		[illegible]
سیپارۂ دل	خواجہ حسن نظامی	[illegible]
کانا باتی	"	ھ
ہم اور وہ	خواجہ محمد شفیع	۱۲ر
اس لئے کہا	قاضی عبدالغفار	[illegible]
جوہر اقبال		[illegible]

مکاتیب

نام کتاب	مصنف	قیمت
مکاتیب غالب	امتیاز علی	للعہ
اردوئے معلّٰی	غالب	[illegible]
عودِ ہندی	"	۱۲ر
خطوط سرسید		ہے
مکاتیب شبلی جلد اول		[illegible]
" " دوم		[illegible]
خطوط شبلی		عہ
مکتوبات آزاد	محمد حسین آزاد	عہ
مکاتیب مہدی	مہدی حسن	[illegible]
خطوط اکبر	اکبر الہ آبادی	[illegible]
مکاتیب اکبر	"	عہ
مواعظ حسنہ	مولوی نذیر احمد	[illegible]
باپ کا خط بیٹی کے نام		۳ر
خطوط محمد علی		[illegible]

طنزیات و مضحکات

نام کتاب	مصنف	قیمت
خنداں	رشید احمد صدیقی	[illegible]
[illegible]		[illegible]

نام کتاب	مصنف	قیمت
پطرس کے مضامین	پطرس بخاری	[illegible]
خانم	عظیم بیگ چغتائی	للعہ
چغتائی کے افسانے	"	ہے
کولتار	"	[illegible]
دیباچہ	"	[illegible]
روح ظرافت	"	[illegible]
روح لطافت	"	[illegible]
چکی	"	[illegible]
مسز گرد ہلے	"	عہ
کمزوری	"	ھ
کھرپا بہادر	"	عہ
دیکھا جائے گا	"	عہ
خطوط کی تعویذیں	"	۸ر
چینی کی انگوٹھی	"	۸ر
مضامین چغتائی	"	۱۲ر
لفٹنٹ	"	۶ر
تعویذیں	"	۵ر
مرزا جنگی	"	۱۲ر
قدردان	"	۵ر
مقراض محبت	"	۵ر
فرزند سرحد	"	۵ر
شریر بیوی	"	[illegible]
قل بوٹ	"	[illegible]
جنت کا بھوت	"	[illegible]
ملفوظات نامی	"	۱۲ر
شہزوری	"	[illegible]
پھریری	"	[illegible]
گہوارۂ تبسم	عباس حسین	۳ر
طوفان ظرافت	سراج الدین	۶ر
فلاکت	ابوالطاہر داؤد	[illegible]
پرواز لق لق	لق لق	[illegible]
مضامین لق لق	"	[illegible]
حاجی لق لق کے افسانے	"	۲ر
دوانتی	"	ھ
موج تبسم	شوکت تھانوی	[illegible]
بحر تبسم	"	[illegible]
سیلاب تبسم	"	[illegible]
[illegible]	"	[illegible]

نام کتاب	مصنف	قیمت
سودیشی ریل	شوکت تھانوی	ھ
مہا بھی حصہ اول	ابو المسلم	[illegible]
" دوم	"	[illegible]
قصے علیکم	"	[illegible]
کیلے کا چھلکا	سندباد جہازی	عہ
مطائبات	"	ھ
دو ڈاکٹر	"	۸ر
جدید جغرافیہ پنجاب	"	ھ
صوراتی	ناکارہ حیدرآبادی	[illegible]
تماشہ پر تماشہ	"	۳ر
سات طلاقوں کی کہانیاں	فراق دہلوی	۳ر
عشق کی کلیاں	فرحت اللہ بیگ	۳ر
مضامین فرحت حصہ دوم	"	[illegible]
" سوم	"	[illegible]
عورت ذات	ملا رموزی	[illegible]
شفاخانہ	"	[illegible]
لاٹھی اور بھینس	"	[illegible]
مضامین رموزی	"	[illegible]
گلابی اردو	"	[illegible]
خطوط رموزی	"	[illegible]
حکایات لطیفہ	بشیرالدین احمد	[illegible]
لطائف عجیبہ		[illegible]

اقوال

نام کتاب	مصنف	قیمت
اقوال زرین		۸ر
موتی	یوسف بخاری	۱۲ر

کھانا پکانے کی کتابیں

نام کتاب	مصنف	قیمت
عصمتی دسترخوان		[illegible]
مشرقی مغربی کھانے		[illegible]
سفائی دسترخوان		۸ر
دلی دسترخوان		۸ر
مکمل باورچی خانہ		۱۲ر
ناشتہ		۳ر
بیماروں کے کھانے		۲ر
مذاقیہ کھانے		[illegible]

نظم

نام کتاب	مصنف	قیمت
[illegible]	شوکت تھانوی	[illegible]

نام کتاب	مصنف	قیمت	نام کتاب	مصنف	قیمت	نام کتاب	مصنف	قیمت	نام کتاب	مصنف	قیمت
وجد و سرور	بہزاد لکھنوی	عہ ر	کلیات آتش	آتش	عہر	شاہنامۂ اسلام جلد اول	حفیظ جالندھری	سے ر	ہمارے نبی		۳ر
موج طہور	"	عہ ر	دیوان ذوق	مرتبہ آزاد	۶ر	" " دوم	"	سے ر	ہمارے رسول		۴ر
چراغ طہور	"	عہ ر	قصائد ذوق	ذوق	۱۶ر	" " سوم	"	سے ر	خلفائے اربعہ		۴ر
کیف بہزاد	"	۱۲ر	کلیات سودا	سودا	سے ر	سوز و ساز	"	۶ر	چار یار		۸ر
شعلہ و شبنم	جوش ملیح آبادی	سے ر	انتخاب سودا	جامعہ	۸ر	نغمہ زار	"	عہر	الاسلام		۴ر
جنون و حکمت	"	سے ر	دیوان غالب قسم خاص (تاج ایڈیشن)		ے ر	تصویر کشمیر	"	۸ر	الرسالت		۶ر
حرف و حکایات	"	۶ر	" " اول	"	صہ ر	کلام جوہر	محمد علی جوہر	۸ر	الایمان		۴ر
نقش و نگار	"	۶ر	" " دوم	"	عہر	رمع جذبات	اکبر حیدری	عہ ر	التوحید		۵ر
فکر و نشاط	"	عہر	" " سوم	"	۱۲ر	زندان حماقت	احمق	۶ر	الاخرت		۶ر
شاعر کی راتیں	"	۸ر	" طباعت ایڈیشن قسم اول		عہر	جوش و حش	مختلف	۱۲ر	الاعمال		۵ر
پیغمبر اسلام	"	۱۰ر	" " دوم	"	۸ر	ظہور رحمت	شاد عظیم آبادی	۸ر	حیات النبی		۵ر
در شہوار بیخود	وحید الدین بیخود	۶ر	" مرقع چغتائی		عصہ ر	چیپ کی داد	حالی	۲ر	سیرت صدیق رض		۴ر
گفتار بیخود	"	سے ر	" نقش چغتائی		صہ ر	بیوہ کی مناجات	"	۲ر	سیرت عمر رض		۳ر
نشاط روح	اصغر گونڈوی	۶ر	" شرح نظامی		۶ر	نغمۂ حرم	اختر شیرانی	عہر	سیرت عثمان رض		۲ر
سرود زندگی	"	عہ ر	" "	بیخود دہلوی	۶ر	خیاباں	محمود اسرائیلی	عہ ر	سیرت علی رض		۲ر
باقیات فانی	فانی بدایونی	عہر	" "	آسی لکھنوی	سے ر	بہار جاوداں	خاں صابر	۶ر	قرآن پاک		۶ر
عرفانیات فانی	"	عہر	" "	آغا باقر	۶ر	قطعات خواجہ	خواجہ عبدالمجید	۶ر	اسلام کیسے شروع ہوا		عہر
شعلۂ طور	جگر مرادآبادی	۶ر	کلیات شبلی اردو	شبلی	عہر	انتخاب زرین	راس مسعود	۶ر	عقائد اسلام		۲ر
مختصر دیوان جگر	"	عہ ر	" فارسی	"	عہر	دیوان جان صاحب		عہر	ہمارا دین		عہر
جگر کے سو شعر	"	۳ر	مجموعہ نظم شبلی	"	۸ر	دیوان دلگیر و انشا		عہر	چالیس حدیثیں		۲ر
بانگ درا	اقبال	۶ر	خمکدۂ آزاد	آزاد	۱۲ر	علم مجلسی حصہ دوم	منتخب اشعار	عہ ر	محاسن اسلام		۸ر
ضرب کلیم	"	۶ر	مجموعہ نظم آزاد	"	۸ر	" " سوم	"	۱۲ر	اچھی باتیں		۳ر
مثنوی اسرار و رموز	"	۶ر	مسدس حالی قسم اول	صدی ایڈیشن	عہر	" " چہارم الف	"	عہ ر	نبیوں کے قصے		۵ر
کلیات اکبر	اکبر الہ آبادی	للعہ	" قسم خاص	تاج ایڈیشن	سے ر	" " چہارم ب	"	عہ ر	دس جنتی		۸ر
نغمۂ روح	اختر انصاری	۱۲ر	" " اول	"	۶ر	" " پنجم	"	۸ر	بی بی عائشہ		۵ر
آبگینے	"	عہ ر	" " دوم	"	عہر	" " ششم	"	عہ ر	مسلمان بیبیاں		۵ر
تصویر احساس	الطاف مشہدی	۶ر	" " معمولی	"	۶ر	" " ہفتم	"	عہ ر	نامورانِ اسلام		عہر
پریت کے گیت	"	عہر	دیوان حالی	حالی	۱۲ر	قصائد عزیز	عزیز لکھنوی	سے ر	آخری نبی		۲ر
قلقلہ	حاجی لق لق	عہ ر	بہارستان	ظفر علی خاں	للعہر	جام طہور	اثر صہبائی	عہر	آنحضرت صلعم		۳ر
انتخاب حکمت آزادی	بہار سہاروی	۸ر	بہار داغ	نذیر نیاری	عہ ر	عالم خیال	شوق	۱۲ر	سرکار کا دربار		۸ر
حسن، معانی و رنگ	آزاد انصاری	۳ر	کلیات حسرت	(حسرت موہانی)	سے ر	زہر عشق	مرتبہ مجنوں	عہر	سرکار دو عالم		۸ر
معارف جمیل	"	۶ر	انتخاب حسرت	"	۱۲ر	مثنوی کلیات خسرو	امیر خسرو	للعہ	سیرۃ رسول		۶ر
کلیات ولی	ولی دکنی	للعہ	حدود زندگی	احسان دانش	۶ر	تاج الکلام منظوم ترجمہ رباعیات عمر خیام		۶ر	رحمۃ للعالمین		۶ر
انتخاب کلام میر	انجمن ترقی اردو	۶ر	نوائے کارگر	"	۶ر	حقیقت کی سیر ترجمہ منظوم رباعیات			خلافت راشدہ		عہ ر
انتخاب میر	مکتبہ جامعہ	۸ر	فطرت	"	۶ر	سلطان ابوسعید ابوالخیر		۱۳ر	قصے کہانیاں		
دیوان میر درد	مطبوعہ بدایوں	عہر	جہاں داں	"	۶ر	جواہر منظوم ترجمہ رباعیات سرمد مرحوم		۱۲ر			
[illegible]	دہلی	۳ر	آتش خاموش	"	عہر	بچوں کی مذہبی کتابیں			ننھی قربانی		۲ر

نام کتاب	مصنف	قیمت
دل لگی		۲ر
ارجنی بھیل		۲ر
تاتیپل خاں		۲ر
پوری کڑاہی سے نکل بھاگی		۲ر
چھوٹا چھو		۲ر
منہ پر موتی		۴ر
قرقر		۲ر
چنو منو		۲ر
چنبیلی		۲ر
نیت کا پھل		۳ر
سشیدلا		۳ر
جادو		۳ر
انعامی مقابلہ		۳ر
بیگاری		۳ر
شہزادی گلنار		۴ر
عقاب		۴ر
دو بھائی		۴ر
جادو کا جہاز		۲ر
شہزادی کولیا		۴ر
بادشاہ بنون		۴ر
پارسنگار		۴ر
استاد		۴ر
جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے		۴ر
شہزادہ بے نواز		۲ر
تھوڑی تارا ننھے چاند		۲ر
صبر بادشاہ زادہ		۲ر
مل شہزادہ		۲ر
دکھیارہ شہزادہ		۲ر
طرابلس کی شہزادی		۲ر
اتاترک		۲ر
ارطغرل		۲ر
فتح قسطنطنیہ		۲ر
عثمان کا خواب		۲ر
لنگڑا ماموں		۲ر
وزیر منصور		۲ر
ترکی کی سرزمین		۲ر
شہزادہ عبدالرحمن		۲ر
[illegible]		[illegible]

نام کتاب	مصنف	قیمت
جادو کا برج		۲ر
کرڈریہ سپہ سالار		۲ر
مزیدار کہانیاں		۵ر
شہزادی نیوفر		۸ر
شیخ چلی کا بیوپار		۱ر
نوری بوا		۴ر
بالشتیوں کی دنیا		۵ر
جاپانی کہانیاں		عہ
بچھوؤں کا بادشاہ		۲ر
خزانہ		۲ر
اورنگ زیب عالمگیر		۲ر
موروں کی شہزادی		۲ر
ملک ٹم ٹم		۴ر
محبت کا پھول		۴ر
نصیحت کا پھول		۸ر
آسمانی دولہا		۱۲ر
طلاو بیانہ		۴ر
قیدی بشیر		۴ر
ہندوستانی پہیلیاں		۲ر
تاریخ ہند کی کہانیاں		۸ر
تاریخ اسلام کی کہانیاں		۱۰ر
دہلی		۴ر
سمندر کا عجائب خانہ		۸ر
ہندوستان		۴ر
ریورسٹ کی داستان		۳ر
ننگا پربت		۵ر
دھویں کی پھانسی		۸ر
کائنات		۵ر
دنیا کے بسنے والے		۵ر
دنیا کے بچے		۵ر
مزیدار پہیلیاں		۴ر
ہندوستانی کھیل		عہ
تعلیمی کھیل		۳ر

ڈرامے

نام کتاب	مصنف	قیمت
دیانت		۲ر
[illegible]		[illegible]

نام کتاب	مصنف	قیمت
قوم پرست طالب علم		۳ر
بچوں کا انصاف		۳ر
اسکول کی زندگی		۳ر
کایا پلٹ		۲ر
جھوٹے سچے دوست		۳ر
پریم کی جیت		۳ر

نظمیں

نام کتاب	مصنف	قیمت
قومی نظمیں		۲ر
بچوں کی نظمیں		۴ر
بچوں کے ہمنیں		۵ر
بچوں کی رباعیاں		۲ر
بچوں کے گیت		۲ر
بچوں کا تحفہ حصہ اول		۵ر
پہیلی نامہ		۶ر
لوری نامہ		۲ر

عورتوں کی کتابیں

نام کتاب	مصنف	قیمت
الاہرار	راشد الخیری	عہ
نوبت پنج روزہ	"	عمر
وداع خاتون	"	۵ر
امینہ کا دم واپسیں	"	۴ر
دلی کی آخری بہار	"	عمر
بزم رفتگاں	"	۱۰ر
داستان پارینہ	"	۱۲ر
حیات صالحہ	"	عہ
منازل السائرہ	"	عہ
جوہر قدامت	"	عہ
بنت الوقت	"	۸ر
سراب مغرب	"	۸ر
سنجوگ	"	۱۰ر
سوکن کا جلاپا	"	۶ر
فسانہ سعید	"	۸ر
سودائے نقد	"	۵ر
نغمہ شیطانی	"	۱۲ر
سات روحوں کے اعمال نامے	"	۸ر
بیلا میں میلہ	"	۱۲ر
[illegible]	"	[illegible]

نام کتاب	مصنف	قیمت
جوادو	راشد الخیری	۲ر
تفسیر عصمت	"	عہ
انگوٹھی کا راز	"	۶ر
منازل ترقی	"	عہ
بچہ کا کرتہ	"	۱۲ر
دیپا کی سرگزشت	"	۱۲ر
چہار عالم	"	عہ
جوہر عصمت	"	عہ
سیلاب اشک	"	عمر
طوفان اشک	"	عہ
قطرات اشک	"	عہ
خدائی راج	"	عہ
گوہر مقصود	"	۷ر
گرداب حیات	"	عمر
بساط حیات	"	عہ
حور اور انسان	"	۱۴ر
نشیب و فراز	"	۴ر
نانی عشو	"	۱۰ر
ولایتی ننھی	"	۶ر
دادا لال بجھکڑ	"	۸ر
احکام نسواں	"	عمر
محسن حقیقی	"	۴ر
دعائیں	"	۸ر
یاد و سلام	"	عہ
قلب حزیں	"	۸ر
لڑکیوں کی انشاء	"	۱۲ر
مسکی ہوئی پتیاں	"	۴ر
شہید مغرب	"	عہ
یادگار تمدن	"	۶ر
عالم نسواں	"	۸ر
سیاحت ہند	"	عمر
شاہین و دراج	"	۴ر
عروس مشرق	"	[illegible]
گدڑی میں لعل	"	[illegible]
مسلمان عورت کے حقوق	"	[illegible]
نالہ زار	"	۱۴ر
بلبل بہار	"	۱۰ر
ساجدہ [illegible]	"	[illegible]

فہرست مضامین

خاص نمبر

ادارہ تحریر
عبدالحق فاروقی
رضیہ سلطانہ
چمن دہلوی

نگران
عبداللطیف فاروقی

جلد ۱۴ بابت ماہ نومبر و دسمبر سنہ ۱۹۴۲ء نمبر ۵-۶

چندہ سالانہ ہندوستان، عدن، سیلون سے بذریعہ منی آرڈر دو روپے رعایتی ڈیڑھ روپیہ۔ برما سے بذریعہ منی آرڈر سوا دو رعایتی پونے دو روپے۔ غیر ممالک سے پانچ شلنگ بذریعہ پوسٹل آرڈر۔

مفلسی دور = محبت میں کامیابی

یہ کوئی پوشیدہ بات نہیں ہے۔ خدا کے کلام کی عظمت اور اس کے محیر العقول معجزے کون بشر ہے جو نہیں جانتا۔ اور کون ایسا دیندار ہے جو کلام آلہی کے فیضان سے انکار کرے میں ایسے ہی پکے عقیدتمندوں سے مخاطب ہوں۔ جن کو خدا کے کلام کے ایک ایک حروف اور ایک ایک سطر میں جمال دین و دنیا نظر آتا ہے۔ آج میں ایسے ہی نادرات آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں جن کے لئے میں نے محنت خوشامد اور روپیہ سے دریغ نہیں کیا۔ اور ان کو حاصل کرنے کے لئے گدائی مول لی۔ مگر آج ان گوہرہائے بہا یعنی سینہ کے رازوں کو آشکارا کر رہا ہوں اور چاہتا ہوں کہ ہر ضرورت مند بہن اور بھائی ان سے فائدہ حاصل کرے۔ مجھ کو دعائے خیر سے یاد کرے۔ میرے پاس حسب ذیل نقش و تعویذ ہیں جن کو قلیل ہدیہ میں پیش کر رہا ہوں جن کو میری قسم کا اعتبار ہو۔ وہ منگا کر اپنی دلی مرادوں کو پالیں۔ انشاء اللہ ہر کام میں کامیابی ہوگی۔ تمام نقش و تعویذ وی۔ پی کے ذریعہ لفافہ میں بھیجے جاتے ہیں۔

نقش بشارت اس نقش کو رات کو سوتے وقت سرہانے رکھ دینے سے ہر اچھے برے کام کی بشارت ہوتی ہے اور خواب میں یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کام کو کرنے میں فائدہ ہوگا یا نقصان صحیح بشارت سوتے میں ہوتی ہے بڑا عجیب نقش ہے۔ ہدیہ ایک روپیہ دس آنے۔

تعویذ دولت مفلسی ایسی بری بلا ہے کہ جس پر گھیرا ڈال دیتی ہے۔ بس ساری تدبیریں ناکام ہوتی چلی جاتی ہیں بزرگوں کی محنت کا ثمر اس تعویذ متبرک میں بند ہے جو شخص بھی اس کو اپنے روپیہ پیسہ میں رکھ لیتا ہے۔ اس کی دولت میں ترقی اور مفلس اپنے پاس رکھے تو تونگری مل جاتی ہے۔ غیب سے روزی کے سامان ہوتے ہیں تجارت میں کامیابی بے معلوم طریقے سے ہوتی ہے۔ ہدیہ ایک روپیہ چار آنے۔

محبت کا تعویذ کتنے دل ہیں جو محبت کرنے کے لئے بے تاب ہیں اور کتنے گھر ہیں جو محبت کے لئے ترستے ہیں محبت خواہ کسی سے ہو۔ مرد۔ عورت۔ میاں۔ بیوی۔ بہن بھائی، دوست رشتہ دار یا جس کسی سے محبت ہو اس کو اپنا بنا لو۔ اس تعویذ معظم کو اپنے بازو پر چند روز باندھ لو اور شان کریمی دیکھ لو۔ بس ایسا معلوم ہوگا کہ کچے دھاگے میں چلے آئیں گے سرکار بندھے ہے۔ ہدیہ ڈھائی روپے۔

ملنے کا پتہ:۔ نواب میاں شاہ صاحب چشتی حکیم آغا جان۔ م۔ ح۔ دہلی

الوداع! الوداع ۱۹۴۱ء! الوداع

(ادارہ)

جناب ۱۹۴۱ء بالقابہ اپنی مدت ملازمت ختم فرما چکے ہیں اور اب ۱۹۴۲ء کو چارج دینے میں مشغول ہیں، یہ چارج ۳۱ دسمبر کو ۱۲ بجے شب میں ختم ہو جائیگا اور آپ اپنے وطن مالوف جسے عرف عام میں عدم آباد کہتے ہیں تشریف لے جائیں گے آپ کے ساتھ جانے والوں میں امن و خوشحالی کے سوا اور کوئی نہ ہوگا۔

چارج میں آپ وہ سب کچھ ۱۹۴۲ء کو دے رہے ہیں جو آپ نے ۱۹۴۰ء سے پایا تھا، بارود کے میلوں لمبے ذخیرے، ٹینکوں اور ہوائی جہازوں کے لامتناہی کارخانے، مہلک خستگات بموں کے پہاڑ۔ بے حساب بندوقیں اور وہاں توپوں کے بے شمار خزانے، ۱۹۴۲ء کو سونپے جا رہے ہیں اور یہ سب کچھ اضعافاً مضاعفہ کی صورت میں ہے۔

۱۹۴۰ء نے جو ممالک ۱۹۴۱ء کے سپرد کئے تھے ان کا نقشہ بہت کچھ بدل دیا گیا ہے اور امید ہے کہ اس نئے چارج میں موجودہ نقشہ اور بھی بدل جائے گا۔ ۱۹۴۰ء نے صرف اٹلی اور جرمنی کو چارج میں حاصل کیا تھا مگر اب وہ جاپان کے اضافہ کے ساتھ ۱۹۴۲ء کے چارج میں دے رہا ہے۔

خدا کرے سال نو کی آمد غیب ہندوستانیوں کے لئے بھی کوئی نیا پیغام اور کوئی اچھی خبر لائے، زمانے کا پہیا جس تیزی سے گردش کر رہا ہے کوئی تعجب نہیں اگر وہ ہم کو پھر اسی دور میں پہنچا دے جس میں ہم اب سے پہلے کوس لمن الملکی بجا رہے تھے، آثار و قرائن بتا رہے ہیں کہ تباہی و بربادی کا زمانہ قریب ختم ہے، ظلم و ستم غارت ہونے والے ہیں اور حق و صداقت کے سر فتح کا سہرا بندھنے والا ہے۔

نیا محاذ جنگ

ابھی جرمنی اور اٹلی کی اشتہائے خوں آشامی برطانیہ اور روس کے خلاف اسی شد و مد سے جاری تھی کہ جاپان نے بھی امریکی مقبوضات کے قلب میں چھرا گھونپ دیا، خبر ملی ہے کہ امریکہ کے کئی اہم جزیرے جاپان کے قبضے میں آگئے فلپائن میں بھی اس کی فوجیں اتر گئیں اور ہوائی کا اہم جزیرہ بھی خطرے میں پڑ گیا۔ یہ جزیرہ امریکہ کے ہاتھ سے نکل گیا تو اس کا تعلق فلپائن سے قائم رہنا محال ہو جائے گا۔ ادھر ہانگ کانگ اور سنگاپور پر بھی جاپانی تاخت زور و شور کے ساتھ جاری ہے اور ہانگ کانگ میں جاپان کا دباؤ برابر بڑھ رہا ہے ملایا میں کوٹا بارو پر جو انگریزوں کا ایک زبردست ہوائی مستقر تھا۔ جاپان نے قبضہ کر لیا ہے۔ سنگاپور پر ہوائی حملے شد و مد سے جاری ہیں۔ برطانیہ کے دو بہت بڑے جنگی جہاز ریپلس اور پرنس آف ویلز غرق کر دئے گئے ہیں یہ اتنے بڑے جہاز تھے کہ ان کا ماتم انگلستان میں زور شور سے کیا جا رہا ہے۔ حالات بہت ہی خطرناک صورت اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ ملایا میں جاپان کے قدم جمنے کے معنی یہ ہیں کہ برما مستقل خطرے میں گھر گیا ہے۔ اور برما کا خطرہ گویا ہندوستان کے لئے خطرہ ہے۔

اگر ہانگ کانگ انگریزوں کے قبضے سے نکل گیا تو مشرق بعید میں اس کے وقار کو سخت ٹھیس لگے گی اور سنگاپور کی حفاظت کا سوال بہت اہم ہو جائیگا اور ہر روس میں جرمن کی شکست شروع ہو گئی ہے جس وقت جرمنی کو روسی میدان میں برابر فتوحات حاصل ہو رہی تھیں ہندوستان کے تمام سیاست دانوں نے اس کے خاتمے پر مہر توثیق ثبت کر دی تھی اور سب یہی کہہ رہے تھے کہ روس اب ختم ہوا مگر محشر خیال اس خیال پر قائم تھا کہ روس کو کسی طرح شکست نہیں ہو سکتی۔ اور ہم جلد دیکھیں گے کہ روس نے کھوئے ہوئے علاقے پھر واپس لے لئے ہیں اور جرمنی وہاں سے بیک بینی و دو گوش خارج ہو گئے ہیں۔

بہر حال ۱۹۴۱ء جاتے جاتے بھی ایک ایسا شگوفہ چھوڑے جا رہا ہے کہ آنے والے سن کو بہت سے گل کھلانے کا موقعہ مل جائے گا دیکھئے پردۂ غیب سے کیا ظاہر ہوتا ہے۔

انتساب

ہم محشر خیال کے اس خاص نمبر کو جو اپنی "فربہی" کی فکر میں اس قدر لاغر ہو کر حاضر خدمت ہو رہا ہے، گرانی کاغذ کے تام معنون کرتے ہوئے امید کرتے ہیں کہ ناظرین کرام اس کی بحالی صحت کے ساتھ ساتھ لڑنے والی قوتوں کے زور بازو کے لئے بھی دعا فرمائیں گے۔

ہمیں اندیشہ ہے کہ کاغذ کے سرمایہ دار کہیں رسائل کو ان کے کاغذی پیرہن سے بے نیاز نہ کر دیں، اگر ایسا ہوا تو صحافت کا نقش رنگین کس کی شوخیٔ تحریر کا فریادی ہوگا۔

خیالات

(ادارہ)

فاروقی برادران کی سزایابی

ایک ہی تاریخ میں دہلی اور کلکتہ میں حکم سزا

گزشتہ ماہ کا رسالہ بھی کس قدر دلچسپ تھا کہ ایک صفحہ پر مولانا عبداللہ فاروقی کی رہائی کی خوشخبری تھی اور اگلے صفحہ پر ان کی دوبارہ گرفتاری کا حادثہ۔

مولانا ۱۱ اکتوبر کو رہا ہو کر تشریف لائے، ابھی آپ اچھی طرح آرام بھی نہ فرما سکے تھے کہ ۲۴ اکتوبر کو پھر گرفتار کر لئے گئے، گرفتاری کی وجہ یہ بتائی گئی کہ مولانا نے جامع مسجد میں اپنی جیل کی زندگی کے حالات بیان کرتے ہوئے دوران تقریر میں گورنمنٹ کے خلاف جھوٹے الزامات لگائے تھے کہ سرکاری رپورٹر پانچ پانچ روپے انعام کے لالچ میں بے گناہوں کی جھوٹی رپورٹیں کر دیتے ہیں۔

استغاثہ کی طرف سے سی۔ آئی۔ ڈی کے رپورٹر کے علاوہ دو گواہ اور پیش کئے گئے، ایک سردر خاں جو اچھی طرح اپنے دستخط بھی نہیں کر سکتا۔ دوسرے نظام الدین عرف کوڑی جو اور اخلاقی خوبیوں کے علاوہ چرس پینے کا بھی عادی ہے۔ رپورٹر صاحب کی قابلیت کا یہ عالم تھا کہ لفظ انقلاب کے معنی نہیں بتلا سکے۔ صفائی کی طرف سے حافظ سید عزیز حسن بقائی، مولانا حامد الانصاری غازی، مولانا عظمت اللہ صاحب، مولانا سمیع اللہ صاحب، شیخ حبیب الرحمن صاحب، مولانا سید ظفر نیازی وغیرہم پیش کئے گئے۔ اور جنہوں نے بیان کیا کہ فاروقی صاحب نے جیل کے حالات بیان کرنے کے سوا کچھ اور نہیں کہا تھا۔

عدالت نے مولانا کو ایک سال سخت اور سو روپیہ جرمانہ کی سزا دیتے ہوئے صفائی کے تمام گواہوں کو ناقابل وقعت قرار دیا ہے، استغاثہ کے گواہوں کو قابل اعتماد بتلاتے ہوئے سرکاری رپورٹر کے متعلق لکھا کہ وہ ایک تعلیمیافتہ شخص ہے۔ اور وہ کبھی غلط رپورٹ پیش نہیں کر سکتا۔

فاروقی صاحب کی پیروی سید محمد احمد صاحب کاظمی ممبر اسمبلی (سنٹرل) ایڈوکیٹ الہ آباد اور سید مناظر الیڈر ہائیکورٹ نے فرمائی۔ اب اس مقدمہ کے خلاف سشن جج کی عدالت میں اپیل دائر کر دیا گیا ہے۔

۱۱ دسمبر کے بعد ۵ جنوری تاریخ سماعت مقرر ہوئی ہے۔ مولانا کو دہلی جیل سے بورسٹل جیل لاہور میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔ جہاں آپ کا زیادہ وقت تصنیف و تالیف میں گزرتا ہے۔ پرچہ کا بے انتہا افسوس ہے کہ ان کی عدم موجودگی سے محشر خیال کی اشاعت میں تاخیر ہوئی۔

مقیم الدین فاروقی ایم۔ اے

جو آل انڈیا اسٹوڈنٹ فیڈریشن کے جنرل سکریٹری ہیں ان کو کلکتہ سے ایک سال قید سخت کی سزا ہوئی ہے اور وہ علی پور جیل میں رکھے گئے ہیں۔ علی بھائیوں کو سزاؤں کا حکم ۔۔۔ سنایا گیا ہے۔ مقیم الدین کے لئے اے کلاس کی سفارش کی گئی ہے اور مولانا عبداللہ صاحب کے لئے بی۔ کلاس کی۔

مگر گردو پیش کے حالات پکار پکار کر بتا رہے ہیں کہ شاید حکومت اتنے دنوں تک ان لوگوں کو جیل میں بند نہ رکھ سکے گی۔

محشر خیال کپڑے پر چھپے گا؟

شاید ہندوستان کی مٹی جرمنی اور روس کے ہاتھوں ابھی طرح خراب نہیں ہو سکی کہ مسٹر جاپان کو بھی تشریف لانا پڑا۔ چلو اچھا ہے جو کچھ کسر رہ گئی تھی جلد پوری ہو جائے گی۔ لوگوں کو تو اپنی کوٹھیوں اور تجوریوں کی فکر ہے اور ہم اس خیال میں ہیں کہ کہیں محشر خیال کا اگلا پرچہ کپڑے پر نہ چھاپنا پڑے کاغذ کی گرانی بات نہیں کرنے دیتی اور کلکتہ کے انخلا سے کپڑا روز بروز سستا ہو رہا ہے۔ کیا تعجب ہے کہ آئندہ کاغذ کی جگہ کپڑا ہی ملا کرے۔ سنا ہے پہلے تو لوگ جھلیوں اور کھالوں پر لکھا کرتے تھے۔ کپڑا تو پھر بھی کپڑا ہے اگر اس قسم کی نوبت آ گئی تو یہ چیز اقتصادی صورت حال کے مدنظر بے انتہا مفید ثابت ہوگی۔ ایک رسالہ میں ایک قمیص بآسانی بن سکے گی اور اس طرح خریدار بڑے نفع میں رہیں گے۔

حکومت کی مہمان نوازی

آٹے کی گرانی زوروں پر ہے، حکومت کے پیہم اعلانات بیکار ثابت ہو رہے ہیں اناج ہے کہ گھٹنے کا نام نہیں لیتا۔ مگر واہ ری برٹش گورنمنٹ اس کی مہمان نوازی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ جیل خانے اسی طرح بھرے پڑے ہیں۔ جن میں مزید مہمانوں کی میزبانی کا کام شد و مد سے جاری ہے، چندہ جنگ کے لئے ایک ایک پائی جمع کی جا رہی ہے اور ان مہمانوں پر بے دریغ روپے اٹھائے جا رہے ہیں۔

سالنامہ شائع نہیں ہوگا

سوچا یہ تھا کہ اب کے محشر خیال کا سالنامہ اتنا ضخیم نکالیں گے یوں شاندار بنائیں گے اس طرح مضامین فراہم کرینگے یہ کریں گے۔ وہ کریں گے۔ خدا معلوم کیا کیا منصوبے کانٹھ رہے تھے۔ لیکن جس وقت ہم یہ اسکیمیں بنانے میں مصروف تھے کارکنان قضا وقدر ہمارا مذاق اڑا رہے تھے۔ کیا خبر تھی کہ سالنامہ تو کجا نومبر کا پرچہ دسمبر میں ملانا پڑ جائے گا چنانچہ یہی ہوا کہ نومبر میں پورے چھ دو ہفتے کے بعد ہی کاغذ دستیاب نہ ہوسکا، اور یہ پرچہ دو مہینے کا مشترکہ شائع ہو رہا ہے۔ خدا کرے آئندہ اس قسم کا سانحہ رونما نہ ہو کہ ہمیں وقت پر کاغذ کے لئے اس طرح مایوس ہونا پڑے لیکن موجودہ حالات کو دیکھتے ہوئے کوئی حتمی رائے قائم نہیں کی جا سکتی، جس طرح کلکتہ کے انقلاب نے کپڑے کے نرخ میں اچانک حیرت انگیز کمی پیدا کر دی ہے کیا عجب ہے کل کوئی دوسرا امر کاغذ سستا ہونے کا باعث ہو جائے اور کاغذی سرمایہ دار اپنا مال اونے پونے بیچنے پر اتر آئیں۔ سردست تو ہم صرف یہی دعا کر رہے ہیں کہ محشر خیال ہر مہینے باقاعدگی کے ساتھ اپنے قدردانوں تک پہنچتا رہے اور وہ انتظار کی تکلیف سے نجات پا جائیں۔ والامر بید اللہ تعالیٰ۔

موجودہ پرچہ پر ایک نظر

موجودہ مشترکہ نمبر خاص اہتمام سے شائع کیا جا رہا ہے۔ اس کی ترتیب میں جس قدر کاوش کی گئی ہے اس کا لحاظ کرتے ہوئے ہمیں امید ہے کہ ہماری اس تاخیر اور کمی کو جو محض کاغذ نہ ملنے کی صورت میں پیش آئی ہے معاف فرما دیا جائے گا عموماً ماہناموں کا حصہ نظم بہت کمزور ہوتا ہے۔ لیکن ہم نے تہیہ کر لیا ہے کہ آئندہ یہ خامی محشر خیال میں نہ ہوا کرے گی۔ چنانچہ اس نمبر سے اس کی ابتدا کر دی گئی ہے، خوش قسمتی سے جناب جوش ملیح آبادی، جناب حفیظ جالندھری، جناب روش صدیقی، جناب اسد ملتانی، جناب نہال سیوہاروی، جناب حکیم آزاد انصاری جیسے مشاہیر فن نے ہمیں اپنا کلام دینے کا وعدہ فرما لیا ہے اور انشاء اللہ یہ سلسلہ برابر جاری رہ سکے گا خواتین میں محترمہ رضیہ سلطانہ چمن دہلوی کا مضمون "لسان العصر اکبر الہ آبادی" بالکل نئی چیز ہے جس میں حضرت اکبر کو بحیثیت انگریز پرست پیش کیا گیا ہے گویا ایک روشن چیز کا تاریک پہلو پیش کیا گیا ہے، لیکن ہے کارآمد۔ محترمہ ہ۔ خ صاحبہ کا مضمون "شہزادی زیب النساء" زبان کے اعتبار سے بہت اچھا ہے۔ محترمہ سکندر جہاں رفعت بی۔ اے علیگ کی نظم "ہندوستان کس کا ملک ہے؟" بہترین نظم ہے جس کی ہم داد نہیں دے سکتے۔ ہمیں امید ہے کہ آپ اسی طرح ہماری ہمت افزائی فرماتی رہیں گی، محترمہ مہربانو صاحبہ کی "غریب کی دنیا" بھی خوب ہے۔ نثر نگاروں میں جناب قاضی امداد انصاری بی اے علیگ کی "روسی عورت" بہت خوب ہے، سید ماجد علی صاحب بی۔ اے کا مضمون "ازدواجی زندگی پر سینما کا اثر" بھی خوب ہے۔ پیرزادہ رفیق جعفری برہانپوری کا افسانہ "آزمائش" بھی بہترین ہے۔ بزم سخن میں جناب اختر خیر آبادی کا ہم پہلی بار خیر مقدم کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ آپ

کیا ہندستان بھوکا ملک ہے؟

(محترمہ سکندر جہاں رفعت بی۔اے علیگ)

جو یہ کہتے ہیں کہ ہندستان بھوکا ملک ہے
کاش اک دن چشمِ عبرت سے سنیما دیکھتے — بھوک سے ان "مرنے والوں" کا تماشا دیکھتے
پھر یہ فرماتے کہ ہندستان بھوکا ملک ہے

جو یہ کہتے ہیں کہ ہندستان بھوکا ملک ہے
کاش جاسکتے وہ سوئے کارنیوال ایک دن — دیکھتے آنکھوں سے "بھوکے ملک" کا حال ایکدن
پھر یہ فرماتے کہ ہندستاں بھوکا ملک ہے

جو یہ کہتے ہیں کہ ہندستاں بھوکا ملک ہے
کاش سوئے میکدہ تشریف لے جاتے کبھی — "فاقہ مستوں" کی یہ مستی بھی دیکھ آتے کبھی
پھر یہ فرماتے کہ ہندستاں بھوکا ملک ہے

جو یہ کہتے ہیں کہ ہندستان بھوکا ملک ہے
کاش اکدن "رقص خانوں" کے ڈرامے دیکھتے — اپنے ان "بھوکوں" کے عریاں کارنامے دیکھتے
پھر یہ فرماتے کہ ہندستاں بھوکا ملک ہے

جو یہ کہتے ہیں کہ ہندستاں بھوکا ملک ہے
کاش سن سکتے کبھی وہ ریڈیو کے چہچہے — اپنے "بھوکے ناتوانوں" کے مسلسل قہقہے
پھر یہ فرماتے کہ ہندستاں بھوکا ملک ہے

شملے کی ایک شام

(از حضرت اسد ملتانی)

جناب اسد ملتانی ہندوستان کے ایک مایہ ناز اور قابلِ فخر شاعر ہیں، آپ نے اپنی نظموں میں جو اسلامی اور اصلاحی انداز پیش فرمایا ہے وہ آپ کا حصہ ہے۔ ہم اپنے ناظرینِ کرام کو یہ خوشخبری سناتے ہوئے مسرت محسوس کرتے ہیں کہ ان شاء اللہ آئندہ صاحبِ موصوف کا کلام مخزنِ خیال میں برابر شائع ہوتا رہے گا اور ہم کوشش کریں گے کہ کوئی پرچہ آپ کے جواہر ریزوں سے خالی نہ رہے۔ (عبد الحق فاروقی)

اللہ اللہ کس قدر پر نور ہے شملے کی شام
ہر طرف بے پردہ پھرتے ہیں بتانِ شعلہ فام

حسن کے جتنے خزانے کوٹھوں میں بند تھے
مال پر ہے اُن کے نظارے کی دولت، وقفِ عام

راہ میں یاں ہر قدم پر دیکھ لو وہ صورتیں
اور شہروں میں نظر آتی ہیں جو بالائے بام

بے حجاب آنکھیں ہیں یا چلتے ہوئے ریوالور
ہیں برہنہ ان کے بازو، یا ہیں تیغیں بے نیام

مغربی ناز و ادا کی چل رہی ہیں برچھیاں -
مشرقی شرم و حیا کا ہو رہا ہے قتلِ عام

کیا عجب ہے مولوی بھی دل میں کہتے ہوں یہی
اُن پریزادوں سے لیں گے خلد میں ہم انتقام

آئیے اور آکے شملے میں تماشا دیکھئے
کس قدر آزاد ہیں تہذیبِ مغرب کے غلام

جیب میں پیسہ نہیں لیکن پہن کر سوٹ و بوٹ
بیش قیمت ساریوں کے پوچھتے پھرتے ہیں دام

اِس طرف سے اُس طرف اور اُس طرف سے اِس طرف
آرہے ہیں جا رہے ہیں، کوئی مطلب ہے نہ کام

ان کے سر پر مغربی تہذیب کا ہے جن سوار -
ہاتھ سے ٹوپی کو جنبش دے کے کرتے ہیں سلام

بی بی آزادانہ مصروفِ خرامِ ناز ہے -
اور میاں بچہ اٹھائے ساتھ ہیں مثلِ غلام

راستے سے ایک جانب ہٹ کے ٹھہرے ہیں میاں
تاکہ بی بی ایک اپنے دوست سے کرلے کلام

حسن والے تو کریں بے شک نمائش حسن کی
یاں تو ہوجاتا ہے لیکن مینڈکی کو بھی زکام

برف کے سے بال ہیں، سرخی مگر ہونٹوں پہ ہے -
وہ مثل ہے، بوڑھی گھوڑی اور لال اس کی لگام

گر بقول اُن کے ہواخوری ہے مقصد سیر کا -
آکسیجن کے طلبگاروں کو کیا پوڈر سے کام

چھوڑیئے، جھوٹے بہانے، شوقِ تقلیدِ فرنگ -
ایک رو ہے جس میں بہتے جا رہے ہیں خاص و عام

گر مسلماں نے بھلادی ہے روشِ اسلاف کی -
ہندوؤں کے سامنے بھی اب نہ سیتا ہے نہ رام

صورتِ اصلاح کیونکر ہو کہ سب مرعوب ہیں -
کیا شوالوں کے پجاری کیا مساجد کے امام

اب رواداری کہاں، لا مذہبی کے دم سے ہے
با مسلماں اللہ اللہ با برہمن رام رام

لطف اٹھائیں آپ ہی شملے کا منظر دیکھ کر
اے اسد میرے لئے تو ہے یہ عبرت کا مقام

حدیثِ کیف

از جناب نہال سیوہاروی

جناب نہال سیوہاروی میرے ندیم کرم فرما اور بڑے قادر الکلام شاعر ہیں۔ حسن اتفاق سے اس وقت رات کے دس بجے دفتر میں تشریف فرما ہیں۔ خفیف ترشح ہو رہا ہے۔ چائے کا دور چل رہا ہے۔ اور نہال صاحب عالم کیف میں جھوم جھوم کر اپنی غزل سنا رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ در و دیوار جھوم رہے ہیں خود لطف لینا اور ناظرین محشر خیال کو اس لطف سے محروم رکھنا بڑی زیادتی ہے اس لئے ہم اس نظم کو درج ذیل کرتے ہوئے ایک خاص قسم کی مسرت محسوس کر رہے ہیں۔ (دانش مند)

وسعت کدۂ کون و مکاں جھوم رہا ہے — میں جھوم رہا ہوں تو جہاں جھوم رہا ہے
یہ مست گھٹائیں۔ یہ ہوائیں۔ یہ فضائیں — اک رند نہیں شیخ زماں جھوم رہا ہے
سرکارِ مغاں سے ہے پی وہ مئے سرجوش — ہر بندۂ سرکارِ مغاں جھوم رہا ہے
وہ زہد کہ نسبت تھی جسے سنگِ گراں سے — پیہم صفتِ موجِ رواں جھوم رہا ہے
وہ زہد کہ تھا سدِ سکندر سے بھی محکم — ہو کر گروِ حسنِ بتاں جھوم رہا ہے
پُرکیف وہ منظر ہے جہانِ گذراں کا — خود آج جہانِ گذراں جھوم رہا ہے
اک نشہ کا عالم ہے عیاں شرق سے تا غرب — آفاق کراں تا بکراں جھوم رہا ہے
میخانے میں اس رنگ سے ساقی ہے خراماں — گلشن میں کوئی سروِ رواں جھوم رہا ہے
باہر ہیں حدِ فہم سے رندوں کے مقامات — کیا تجھ سے کہوں کون کہاں جھوم رہا ہے
وہ نغمہ گرِ عصرِ رواں ہے مری ہستی — میں خود ہی نہیں عصرِ رواں جھوم رہا ہے
اللہ رے تاثیر بیانِ مئے و مستی — ہر ناقدِ اندازِ بیاں جھوم رہا ہے
یہ کس کی تجلی ہے حریمِ دل و جاں پر — بے طرح حریمِ دل و جاں جھوم رہا ہے
کہہ کر ترا افسانہ سنا دوں تو ہو کیا رنگ — عالم بہ اشاراتِ نہاں جھوم رہا ہے

ہے کون سے عالم میں نہال آج نہ پوچھو
وہ سرخوشِ الطافِ مغاں جھوم رہا ہے

۱۱ دسمبر

عشق خود اعتماد

از حضرت آزاد انصاری

کوئی قدر مذاقِ بے وفائی کر نہیں سکتا   کوئی نا آشنا سے آشنائی کر نہیں سکتا

اگر واقع میں اب تم سعیِ ضبط جور مائل ہو - تو میں اس ضبط کی ہمت فزائی کر نہیں سکتا
اگر واقع میں اب تم اس غلط منطق کے قائل ہو - تو میں اس جہل کی مدحت سرائی کر نہیں سکتا

اگر یہ سچ ہے، تم نازانِ کارِ بے وفائی ہو   تو یہ بالکل غلط، میں بے وفائی کر نہیں سکتا
اگر یہ سچ ہے، تم آمادۂ بے اعتنائی ہو   تو پھر یہ جھوٹ، میں بے اعتنائی کر نہیں سکتا

اگر تم قصد کارِ کج ادائی کرنے والے ہو   تو کیا میں عزمِ کارِ کج ادائی کر نہیں سکتا
اگر تم مجھ سے جی بھر کر رکھائی کرنے والے ہو   تو کیا میں تم سے کچھ بڑھ کر رکھائی کر نہیں سکتا

اگر تم عازمِ نا آشنائی ہونے والے ہو   تو کیا میں تم سے ترکِ آشنائی کر نہیں سکتا۔
اگر تم ساعیِ باہم جدائی ہونے والے ہو   تو کیا میں سبقتِ باہم جدائی کر نہیں سکتا

اگر تم پیکرِ جنگ آزمائی بن کے آئے ہو — تو کیا میں ہمت جنگ آزمائی کر نہیں سکتا
اگر تم دشمنِ صلح و صفائی بن کے آئے ہو — تو کیا میں نفئ ہر صلح و صفائی کر نہیں سکتا

اگر تم اب ڈھٹائی ہی کی مجھ سے ٹھان بیٹھے ہو — تو میں کیوں چھپ رہوں کیا میں ڈھٹائی کر نہیں سکتا
اگر اب تم لڑائی ہی کی مجھ سے ٹھان بیٹھے ہو — تو میں کیوں طرح دوں کیا میں لڑائی کر نہیں سکتا

میں اصنامِ حسین کے ناز اٹھانے کو تو حاضر ہوں — پر ان کی چوکھٹوں پر جبہ سائی کر نہیں سکتا
میں اہلِ حسن کی قیمت بڑھانے کو تو حاضر ہوں — پر ان کے وصل کی خاطر گدائی کر نہیں سکتا

اگر میں فرض کر لوں، قید و بند غم مقدر ہے — تو کیا میں کوئی تدبیر رہائی کر نہیں سکتا
اگر میں مان لوں، میرا مقدر نارسا تر ہے — تو کیا میں کچھ علاجِ نارسائی کر نہیں سکتا

اگر کوئی مرا مشکل کشا بننے سے منکر ہے — تو کیا میں اپنی خود مشکل کشائی کر نہیں سکتا
اگر کوئی مرا حاجت روا بننے سے قاصر ہے — تو کیا میں اپنی خود حاجت روائی کر نہیں سکتا

مری ہمت مجھے خود ناخدا بننا سکھا دے گی — بلا سے کوئی میری ناخدائی کر نہیں سکتا
مری منزل مجھے خود ڈھونڈ کر اپنا پتہ دیگی — بلا سے کوئی میری رہنمائی کر نہیں سکتا

جہاں آزاد اب میرا نیازِ عشق فائز ہے
وہاں کوئی غرورِ دلربائی کر نہیں سکتا

لسان العصر اکبر الٰہ آبادی

رضیہ سلطانہ حبین دہلوی

مندرجہ ذیل مضمون حجابِ نوعیت کا پہلا مضمون ہے۔ محترمہ رضیہ سلطانہ حبین دہلوی کی جدّت طبع کا نتیجہ ہے۔ موصوفہ اپنی قابلیت اور طرز نگارش کے لئے ہندوستان میں مشہور ہیں، آپ نے حضرت اکبر الہ آبادی کو ایک دوسری نظر سے دیکھا ہے۔ میرے خیال میں یہ مضمون اپنی ندرت کے لحاظ سے قابل توجہ ہے۔ یہ پہلو جو آپ نے پیش کیا ہے ضرور اس قابل تھا کہ عام پبلک میں لایا جاتا۔ میں اس مضمون کے متعلق کوئی رائے نہیں دینا دیتا۔ بلکہ اس کا فیصلہ ناظرین کرام پر چھوڑتا ہوں۔ محشرِ خیال کے صفحات اس کے لئے کھلے ہوئے ہیں۔ جو صاحب اس کی تائید یا تردید میں جو کچھ (بشرطیکہ وہ سنجیدگی کے ساتھ ہوگا) ارسال فرمائیں گے شکریہ کے ساتھ شائع کیا جائیگا۔ عبدالحق فاروقی

اس سے پہلے کہ میں اکبر کے حالات پر قلم اٹھاؤں میں اس اندیشہ کا اظہار کر دینا ضروری سمجھتی ہوں کہ اس بے لاگ مضمون سے جمہور کے ایک بڑے حصہ کے دلوں کو جس نے اکبر کی زندگی کے صرف خوشنما پہلو کا مطالعہ کیا ہے ممکن ہے ٹھیس لگے۔ لیکن اس کلیہ کو جانتے ہوئے کہ سچ ہمیشہ تلخ ہی ہوتا ہے میرے لئے یہ ناممکن ہے کہ محض اس تلخی کے اندیشہ سے حقیقت پر پردہ پڑا رہنے دوں بلکہ مجھے تعجب ہے کہ اس سے پہلے جن لوگوں نے اکبر کی سوانح قلمبند کرنے کا فرض اپنے اوپر لیا انہوں نے ان کی زندگی کے صرف روشن پہلو کو دکھا کر ہی قلم کو ہاتھ سے کیوں چھوڑ دیا۔ حالانکہ ان کا فرض یہ ہونا چاہئے تھا کہ وہ ان کی زندگی کے ہر پہلو کو بے کم و کاست بیان کرتے۔

اکبر کی اسلام دوستی اور اردو نوازی اس میں شک نہیں کہ آج دنیا کے لئے مثال ہے۔ اور اصلاح تمدن کی ان میں جتنی تڑپ تھی اس کے لئے وہ لائق تحسین ہیں۔ لیکن ان شاندار خوبیوں کے ساتھ ساتھ افسوس ان کا آئینہ زندگی وطن دشمنی کے دھبہ سے بے داغ نہیں ہے۔ غیر ملکی حکومت کی بنیادوں کو مضبوط سے مضبوط تر کرنے میں انہوں نے اپنی بہترین کوششیں صرف کیں حکام کی چاپلوسی میں وہ ہمیشہ پیش پیش رہے۔ اور ان کی خوشنودی حاصل کرنے کا کوئی موقعہ انہوں نے کبھی نہیں چھوڑا۔

آج کا مورخ اُن کی ان خوبیوں پر جن کا ذکر میں نے اوپر کیا ہے اور جنہیں میں خود قابل تحسین سمجھتی ہوں انہیں خراج عقیدت پیش کر کے خاموش رہ جاتا ہے اور ان کی ہمالیہ سے بڑی غلطیوں کو بے پردہ کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ لیکن کل جب آزاد ہندوستان میں آزاد ہندوستانی [illegible] اُن کے من دھن حالات آئیں گے۔ کیا آپ کا خیال ہے کہ اس وقت بھی ایسے رہنماؤں کو قابل معافی سمجھا جائیگا۔ کیا اُن لوگوں کا گناہ صرف ان ہی تک محدود رہے گا۔ اور وہ سوانح نگار اس میں نہیں لپیٹے جائیں گے جو ان کے گناہوں کی پردہ پوشی کر کے خود بھی ایک شدید جرم کے مرتکب ہوئے ہیں۔ میں سمجھتی ہوں ایسا نہیں ہوگا۔ کیونکہ دنیا کو ہمیشہ تاریکی میں نہیں رکھا جا سکتا۔ غلط بیانی کا فریب کبھی نہ کبھی زائل ہوتا ہے اور ہو کر رہے گا۔ اور ہمارا یہ لٹریچر جو ہمیں حقیقت سے نا آشنا رکھتا ہے۔ نذرِ آتش کر دیا جائے گا۔ ایسے سوانح نگار جنہوں نے کسی مصلحت سے یا ناواقفیت کی بنا پر ایسی فاش غلطیاں کی ہیں، ذہن سے حرفِ غلط کی طرح مٹا دئے جائیں گے۔

اردو ادب اور اردو تاریخ نویسی پر سے جانبداری اور مصلحت کوشی کا [illegible] مٹانے کے لئے میں جو کوشش کر رہی ہوں یہ مضمون اسی کی ایک کڑی ہے۔

اکبر کی ذہنیت میں غلامی کا عنصر بہت زیادہ تھا۔ وہ حکام سے بہت مرعوب رہتے تھے اور نہ صرف مرعوب رہتے تھے۔ بلکہ انہیں حریت پروروں سے ایک قسم کی نفرت تھی وہ ان کی تضحیک کرتے کبھی نہ جھجکتے تھے۔ چنانچہ ایک قومی کارکن کے متعلق وہ اپنے دل کی بھڑاس یوں نکالتے ہیں۔

> "یہاں ایک مولوی صاحب بیباکانہ وعظ کہتے ہوئے دھر لئے گئے۔ ضمانت دینے سے انکار کیا۔ سال بھر کے لئے جیل بھیجے گئے۔"

وطن کو آزاد کرانے کی کوششوں سے انہیں کتنی نفرت تھی وہ نشانۂ نقرے سے پورے طور پر آشکارا ہوتی ہے۔ ان کے فقروں سے صاف عیاں ہے کہ انہیں مولوی صاحب کی گرفتاری سے دلی خوشی ہوئی شاید اُن کا بس چلتا تو وہ قومی کارکنوں میں سے ایک متنفس کو بھی جیل کے باہر نہ رہنے دیتے

لیڈران قوم سے اکبر اسطرح دور رہتے تھے جیسے وہ کوئی متعدی بیماری ہوں۔ وہ اُن کی پرچھائیں سے بھی بچتے تھے ایک مرتبہ ان کے ایک نہایت عزیز دوست کے ہاں گاندھی جی ملنے آئے اکبر کو خبر ہوئی تو وہ بہت خوفزدہ ہوئے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے ان نہایت عزیز کو لکھا۔

"گاندھی صاحب کی توجہ سے مجھے اندیشہ تھا کہ لیکن آپ گیارہیں آپ کی خواہش خوشنما نہیں تھی"

گویا گاندھی جی کی ذات سبب کا ایک گولہ تھی۔ انہیں اتنا اندیشہ ہوا کہ کہیں ان کے دوست کا امکان زیر و زبر ہو کر رہ جائے۔ وہ محسوس کرتے ہیں کہ گاندھی جی کو گھر پہ آنے ہی کیوں دیا۔ اور یہ امر واقعہ ہے کہ اگر اکبر کو پہلے سے اس ملاقات کا علم ہو جاتا تو وہ یقیناً اپنے دوست کو یہ رائے دیتے۔ کہ گاندھی جی اگر آپ سے ملنا چاہیں تو ہرگز نہ ملنا۔

اکبر حکام کی خوشامد میں غالباً بہ ٹوڈی سے کچھ قدم آگے ہی ہیں انہیں محض اپنے انگریز آقاؤں کو خوش کرنے کے لئے ہر اس چیز کو قربان کر دینے میں بھی تامل نہ ہوتا تھا جس کے لئے انہوں نے آخر میں اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا۔ چنانچہ وہ اپنے ایک اردو نواز دوست کو محض حکام کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اردو کانفرنس جیسی بے ضرر جماعت میں شرکت سے منع کرنے کے لئے لکھتے ہیں۔

"اب میری رائے یہ ہے کہ آپ لکھنؤ نہ آئیں۔ اور برن صاحب کو ایک چٹھی اس مضمون کی لکھ بھیجیں"

"میں نہایت شکر گزار ہوں کہ آپ نے مجھ کو لکھنؤ میں شرکت اردو کانفرنس کی اجازت عطا فرمائی لیکن میری بڑی آرزو اور خواہش یہ تھی کہ آپ سے ملنے کی عزت حاصل کروں افسوس ہے کہ اس وقت بہ سبب آپ کی عدیم الفرصتی کے میری یہ خواہش پوری نہ ہو سکے گی۔ لہذا میں نے اردو کانفرنس کی شرکت کا خیال ترک کر دیا ہے۔ پولیٹیکل کانفرنس سے مجھ کو کوئی تعلق اور ہمدردی نہیں ہے۔ مجھ کو اپنی غلط فہمی کا بے حد افسوس ہے جس کے سبب سے میری نسبت کچھ بدگمانی پیدا ہوئی۔ امید ہے کہ آپ کی مہربانی سے کبھی میری یہ مشکل آسان ہو جائے۔

آپ نے دیکھا ہوگا۔ گورنمنٹ نے صدر نشینان نیشنل کانگریس کے نام کیسے تہدیدی احکام جاری کئے ہیں حزم و احتیاط گورنمنٹ پر فرض ہے"

یہ غلامانہ ذہنیت کی انتہا ہے جس کی جھلک اوپر کی عبارت کے ہر فقرے میں موجود ہے۔ یہ ماننا پڑیگا کہ سفید آقاؤں کی چاپلوسی میں اکبر نے ہر کوشش پرست کو اپنے سے بہت پیچھے چھوڑ دیا تھا۔ اور پھر حکومت نے کانگریس کے صدر نشینوں کو جو تہدید کی۔ اکبر اس سے کتنے خوش ہیں۔ یہ اُن کے فقروں سے عیاں ہے جو ستم بالائے ستم یہ ہے کہ وہ حکومت کے اس مذموم فعل پر حکومت کو حق بجانب سمجھتے ہیں۔

مسجد مچھلی بازار کانپور کا حادثہ جس میں بہت سے مسلمان خاک و خون میں لوٹے انگریزی حکومت کی پیشانی پر ایسا داغ ہے۔ جو کبھی نہ مٹ سکے گا۔ حکومت کے اس ظلم و ستم پر ہر مسلمان بے چین ہو کر تڑپ اٹھا۔ اخبارات نے صدہا مضامین لکھے لیکن اکبر کو اس کا کوئی غم نہیں۔ کہ مسلمان مرے مسجد شہید ہوئی۔ حکومت شاید اس سے بھی کچھ زیادہ کرتی (اور میں سمجھتی ہوں کہ اس سے زیادہ اور کیا ہی کیا جا سکتا تھا) تب بھی اکبر حکومت ہی کا وظیفہ پڑھتے چنانچہ وہ اپنے ایک مضمون نگار دوست کو جنہوں نے اس دل ہلا دینے والے واقعہ پر حکومت کو للکارا تھا۔ حکومت سے معافی طلب کرنے کی رائے دیتے ہوئے لکھا۔

"میرا خیال ہے کہ آنریبل آربرن صاحب چیف سکرٹری ہز آنر یو پی سے بھی ملئے اپنے دوست نواب حاجی محمد اسمٰعیل خاں صاحب سے دیکھیے۔ سفارشی چٹھی لیجئے۔ حکیم برہم صاحب ایڈیٹر مشرق سے ملاقات ہو تو اُن سے استمداد کیجئے ان سے برن صاحب سے ملاقات ہے۔ مجھ کو خود بہت افسوس ہے بلکہ آپ پر غصہ ہے کہ آپ نے وہ مضامین کیوں لکھے؟"

اکبر کے آخری فقروں سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ انہوں نے اپنے دوست کی اس آواز کو جو حکومت کے ظلم و ستم کے خلاف بلند کی گئی تھی گناہ عظیم سمجھا۔ اور اپنے دوست کے احتجاج پر انہیں نہ صرف افسوس ہوا بلکہ غصہ تک آیا۔

بیشک اس سے زیادہ گناہ اور کیا ہو سکتا ہے؟ کہ ظلم و ستم کے خلاف قلم اٹھایا جائے اور پھر وہ بھی ان کی چہیتی حکومت کے ظلم و ستم کے خلاف۔

وہ اس بدیشی حکومت کے بہت سچے نیاز مند اور سچے دعا گو تھے اور ان کے ہر سانس سے یہی دعا نکلتی تھی۔ کہ خدا ایسے عقلمند اور صائب الرائے حاکموں کو عمر خضر عطا فرمائے جنہوں نے ہندوستان کے کروڑوں باشندوں کو آب و دانے سے محتاج بنا دیا لیکن اکبر اور اکبر جیسے چند نمک خوار خادموں کو نوازا چنانچہ وہ ایک جگہ اپنی لاڈلی حکومت کو یوں دعا دیتے ہیں۔

"خدا گناہوں کو معاف فرمائے عاقبت بخیر کرے۔ ملک میں امن و امان قائم رہے گورنمنٹ مطمئن ہو"

اپنے مانند اپنے ایک دوست کو حکومت کا سجدہ ریز بنانے کے لئے لکھتے ہیں۔

"چیف کمشنر صاحب سے ملتے رہیے۔ مریدین کا مشائخ سے ملنا معمولی بات ہے۔ ہمیشہ سے یہ سلسلہ ہے۔ اس میں حرج کیا بہرحال حق کا حامی خدا۔ لالہ جی ستائیں تو ان کا باپ گورنمنٹ

بہر حال مانی باپ ہے "

حکام کو مشائخ کا درجہ دینا ممکن ہے بعض ناظرین کے نزدیک ان کی ظرافت طبع کا سبب ہو سا اور تھوڑی دیر کے لئے میں بھی اس تاویل کو مان لیتی ہوں) لیکن اس کے باوجود اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ وہ حکام کو ہر معاملہ میں بہت زیادہ با اختیار و اعلیٰ سمجھتے تھے۔ خواہ ان کے یہ آقا ان کے اپنے خیال میں حق و انصاف پر عامل ہوں۔ خواہ ظلم و ستم پر کمر بستہ ہوں۔ چنانچہ اکبر ہم احمق ہندوستانیوں کو یوں صراط مستقیم دکھا گئے ہیں کہ:۔

پابند اگرچہ اپنی خواہش کے رہو ✦ حامی نہ کسی خراب سازش کے رہو
قانون سے فائدہ اٹھانا ہے اگر
لائل سبجکٹ تم برٹش کے رہو

اکبر کی اس چاپلوسی کے باوجود حکومت ان جیسے غلامان ازلی کو کس نظر سے دیکھتی تھی یہ خود ان کی اپنی تحریر میں ملاحظہ فرمائیے

"برن صاحب کو کہا تھا کہ آپ سے ملوں گا ۱۲ر دسمبر ۱۹۱۶ء گیارہ بجے انہوں نے مقرر کی میں گیا۔ سہنٹ بیٹھا رہا گٹ بیٹھ رہا تھا۔ کوئی یورپین مل رہا تھا۔ خدا کی مرضی مجھ کو بخیر کا دورہ لاحق ہوا طبیعت ہاتھ سے جاتی رہی چلا آیا سہ پہر کو معذرت لکھ بھیجی اور لکھا کہ پھر حاضر ہونگا امید تھی کہ ہمدردی کا جواب آئیگا لیکن کچھ جواب نہ ملا خفقان و اوہام پیدا ہوئے اب تو طبیعت کو سکون ہو گیا ہے۔ طبیعت کو سمجھا لیا ہے "

آہ بیچارے جن کی چوکھٹوں پر سجدے کرتے کرتے جبین نیاز گھس گئی۔ معذرت نامہ کا جواب دینا بھی کسر شان سمجھتے ہیں۔ مگر اکبر جیسے نیاز مند پھر بھی اپنی طبیعت کو سمجھا لیتے ہیں۔ اور طبیعت پر بھی آفریں ہے۔ کہ وہ سکوت پا لیتی ہے۔

اکبر انگریزی خطاب یافتہ تھے۔ اور وطن دشمنی کی اس "سند" پر نے لئے طرہ امتیاز جانتے تھے ان کی زندگی کے آخر دور میں خلافت کی تحریک انتہائی عروج پر تھی ہندوستان آج کی طرح باہم دست و گریباں نہ تھے۔ قومی تحریکوں کو ہر جگہ اپنایا جا رہا تھا۔ غرض حکومت سے تعلقات کو منقطع کرنے کا جذبہ پورے زور سے

پروگرام

بھائی تجھے ملنا ہی جو احمق ہندوستان سے
وہ صبح کو لیٹا ہوا بستر میں ملے گا
جب سو کے اٹھے گا تو وہ دلدادۂ فیشن
محو آئینہ و شانہ دربیر میں ملے گا
بعد اس کے وہ سودا زدۂ زلف گورنمنٹ
طوف حرم جنٹ و کلکٹر میں ملے گا
اس فرض سے نبٹے گا تو وہ ریس کا رسیا
یاران "دن ولیس" کے چکر میں ملیگا
پھر شام کو تہذیب کا وہ مرد مجاہد
لیڈیز کے ہمراہ برنج گھر میں ملے گا
بعد اسکے وہ پروردۂ آغوش تمدن
شغل عمل وسکی و کنٹر میں ملے گا
اور رات کو جذبات برہنہ کا وہ نقاد
یا کارنول یا کسی تھیٹر میں ملے گا
اور ہوگا "تہی جیب" تو وہ بندۂ حساس
افیونی مردہ کی طرح گھر میں ملے گا

احمق پھپھوندوی

کار فرما تھا۔ اور ہر بدیشی چیز کا بائیکاٹ کیا جا رہا تھا۔ لوگ دھڑا دھڑ سرکاری نوکریاں چھوڑ رہے تھے۔ طالب علم سرکاری سکولوں پر تھوک کر قومی درسگاہوں میں آ چکے تھے۔ حدیہ کہ سرکاری خطاب تک واپس کئے جا رہے تھے اور حکومت سے ادنیٰ سے ادنیٰ تعلق بھی کسی خوددار ہندوستانی کو گوارا نہ تھا۔ لیکن اکبر آخر تک اس طوق غلامی سے چمٹے رہے اور کسی طرح خطاب واپس کرنے کے لئے تیار نہیں ہوئے فرماتے ہیں:۔

"واپسی خطاب پر بھی کچھ نہیں کہہ سکتا لوگوں کو چاہئے کہ نماز واپس لیں۔ ڈاڑھی واپس لیں عورتیں پردہ واپس لیں یوں اظہار رنج کریں "

واپسی خطاب کیلئے انہوں نے جو شرطیں لگائیں کسی صائب الرائے کی نظر میں قابل وقعت قرار نہیں پا سکتیں انہوں نے جو کچھ کہا اسے کسی خاص فرد پر مشروط نہیں کیا۔ بلکہ عمومی کر بیٹھ لیا۔ بالفرض کچھ بے نمازی نماز بھی پڑھنے لگتے۔ کچھ ڈاڑھی منڈے ڈاڑھیاں بھی بڑھا لیتے اور کچھ بے پردہ عورتیں پردہ نشین بھی ہو جاتیں تب بھی اکبر کہہ سکتے تھے۔ کہ ابھی تو بہت سے مرد اور بہت سی عورتیں باقی ہیں۔ جنہوں نے میری شرط پوری نہیں کی ان کے جواب سے ظاہر ہے کہ وہ کسی طرح بھی اس کے لئے تیار نہیں تھے۔ کہ غلامی کے اس طوق کو اپنے گردن سے اتار پھینکیں۔

خواجہ حسن نظامی مدظلہ اور حضرت اکبر کے تعلقات بہت گہرے تھے۔ کسی شخص نے خواجہ صاحب سے شکایت کی کہ اکبر کی تحریروں میں غلامانہ عنصر بہت غالب ہے خواجہ صاحب نے جو کچھ جواب دیا وہ بجنسہٖ نقل کرتی ہوں انہوں نے فرمایا

"میرا خیال ہے کہ جس قوم میں حضرت اکبر تھے اور جس ملک میں ان کی ولادت ہوئی تھی وہ مدت سے غلام بن چکی تھی اور غلامی نے اس پر تسلط کر لیا تھا حضرت اکبر کی تحریروں میں بالفرض غلامی کا انداز ہو بھی تو تعجب کا مقام نہیں ہے "

میں ہی نہیں بلکہ میرے بزرگ بھی خواجہ صاحب کا احترام کرتے ہیں

تحریروں بھی ادبی حیثیت سے ان کی اردو نوازی کی بہت زیادہ مداح ہوں لیکن مجھے معاف رکھا جائے اگر میں یہ کہوں کہ مذکورہ عبارت محض خواجہ صاحب کی غلط فہمی پر مبنی ہے۔ اور حقیقت سے اسکو دور کا تعلق بھی نہیں ہے۔

موگھیلے۔ سید محمود، حکیم اجمل خاں، گاندھی جی، محمد علی، شوکت علی ۔۔۔
موتی لال۔ ابوالکلام آزاد وغیرہم کی ولادت جبکہ ابھی غلام ہندوستان میں ہوئی تھی لیکن غلامی کا بھوت ان میں سے کسی کو بھی نہیں چمٹا۔ تعجب ہے کہ اس کی نگاہ انتخاب اکبر ہی پر کیوں پڑی۔

آگے چل کر خواجہ صاحب نے فرمایا ہے کہ:۔

"حیرت اس پر ہے کہ آزادی کا نقل لگانے والے اور یورپ کی ہوا میں جا کر تعلیم و تربیت پانے والوں کے تو عمل میں غلامی کا عنصر غالب نظر آتا ہے۔ حالانکہ حضرت اکبر کے صرف قول پر یہ اعتراض ہے۔ مگر عمل پر اس طعن کی مطلق گنجائش نہیں ہے۔"

دوستی کا حق ادا کرنے کے جوش میں خواجہ صاحب ایک ایسی بات کہہ گئے جو شاید انہیں نہ کہنی چاہئے تھی۔ انہوں نے اکبر میں جو سب سے بڑی خوبی بیان کی ہے۔ وہ اتنا بڑا عیب ہے کہ اکبر تو ایک طرف اگر کسی ادنیٰ ترین شخص میں بھی وہ عیب ہو تو قابل اعتراض ہے۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ اکبر کے قول و عمل میں مطابقت نہ تھی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ کہتے کچھ تھے اور کرتے کچھ تھے۔ میں خواجہ صاحب سے دریافت کرتی ہوں کہ کیا اکبر جیسی نمایاں شخصیت میں اتنا بدترین عیب ہونا چاہئے تھا؟

اس کے علاوہ خواجہ صاحب نے ایسے تمام لوگوں پر جو یورپ کے تعلیم یافتہ ہیں یہ الزام دھرا ہے کہ ان کے عمل میں غلامی کا عنصر غالب نظر آتا ہے۔ لیکن میں سمجھتی ہوں کہ یہ اعتراض بھی اپنے اندر کوئی وزن نہیں رکھتا ایسے بہت سے لوگوں کے نام لئے جاسکتے ہیں جنہوں نے یورپ میں اپنی عمر کا بہترین وقت گذارا اور واپس آکر خدمت وطن میں نمایاں حصہ لیا۔ اس سلسلہ میں خواجہ صاحب کے لئے مولانا محمد علی، آر۔ ایس۔ پنڈت ڈاکٹر شفا صاحب، جواہر لال نہرو، سید محمود، گاندھی جی، مسٹر آصف علی اور پنڈت موتی لال وغیرہم کے اسمائے گرامی غالباً کافی ہوں گے۔

چنانچہ انہی یورپ زدہ لوگوں میں سے جن پر خواجہ صاحب نے طنز کیا ہے۔ پنڈت موتی لال نے ایک آزاد خیال اخبار کے لئے حضرت اکبر سے ان کا فوٹو اور ان کا کلام مانگا تھا اس بے ضرر درخواست کو بھی نفرت اور حقارت سے ٹھکرا دیا گیا۔ اسے اکبر ہی کی زبان سے سنئے:۔

"اس وقت آنریبل پنڈت موتی لال کا خط آیا ہے کہ قومی اخبار انڈیپنڈنٹ (آزاد) (انگریزی) نہ خدا طرح چھپے ۵ فروری سے نکلے گا اپنا فوٹو فوراً بھیجئے اور اشعار جن کا ترجمہ چھاپوں گا۔ اللہ بچائے۔"

اکبر کی طرز تحریر ملاحظہ فرمائیے معلوم ہوتا ہے۔ تمام قوم پرست ان کی نظروں میں بھوت پریت تھے۔ اور اکبر ڈرتے تھے کہ وہ کہیں ان کے چمٹ نہ جائیں اور کہتے تھے کہ اگر چمٹ گئے تو پھر جان چھڑانی مشکل ہو جائے گی اس لئے دعا کرتے رہتے تھے کہ ان سے اللہ بچائے۔

اکبر لا مذہبی کے خلاف تھے اور تبدیل وضع سے انہیں نفرت تھی۔ ان دونوں مذموم چیزوں کے خلاف انہوں نے بہت کچھ لکھا۔ اور چونکہ ان کے کلام میں ظرافت کا ایک دلچسپ رنگ غالب تھا۔ اس لئے ان کا کلام بہت مقبول ہوا اور آج تک ہماری زبانوں پر ہے۔ لیکن ان کے اس کلام کے متعلق ایک بہت دلچسپ غلط فہمی ہے جس میں غالباً تمام ملک مبتلا ہے۔ اور شاید ان کے کلام کی مقبولیت میں اس غلط فہمی کو بھی بہت کچھ دخل حاصل ہو۔

انہوں نے جو کچھ لکھا اور جب کبھی لکھا وہ محض لا مذہبی اور تبدیل وضع کے خلاف ہے۔ انہوں نے حکومت یا انگریزوں کے خلاف کبھی ایک لفظ نہیں لکھا لیکن آج عوام ہی نہیں بلکہ ملک کا تعلیم یافتہ طبقہ بھی یہ سمجھتا ہے کہ انہوں نے ظرافت اور مزاح میں حکومت اور انگریزوں کو خوب رگڑا ہے۔ حالانکہ یہ جمہور کی بڑی شدید غلطی ہے۔

میں اپنے دعویٰ کے ثبوت میں خود اکبر کی ایک پرائیویٹ تحریر پیش کرتی ہوں۔ جو ان کے انتقال کے بعد شائع ہوئی ہے۔ جس میں وہ لکھتے ہیں:۔

"پبلک نے فرض کر لیا ہے کہ میں بڑا محب قوم اور اعلیٰ درجہ کا ریفارم خواہ ہوں حالانکہ میں قوم کے وجود ہی کو نہیں تسلیم کرتا نہ ریفارم کی طاقت ہے۔ میں نے لا مذہبی اور تبدیل وضع کے خلاف قلم اٹھایا تھا نہ کہ گورنمنٹ کے خلاف۔"

امید ہے کہ اکبر کی مذکورہ تحریر سے جمہور کی غلط فہمی دور ہو جائے گی اور جان لیا جائیگا کہ اکبر نے حکومت کے خلاف کبھی ایک لفظ بھی نہیں لکھا۔

مضمون طویل ہوا جاتا ہے۔ رسائل کے محدود صفحات شاید اس سے زیادہ کے متحمل نہیں اس لئے فی الحال اسی پر بس کرتی ہوں۔

لیکن اس سے پہلے کہ اس مضمون کو ختم کروں مجھے یہ بتا دینا چاہئے کہ اس تاریک پہلو کے ساتھ ساتھ اکبر کی زندگی کا ایک روشن پہلو بھی ہے۔ لا مذہبی اور تبدیل وضع کے خلاف انہوں نے جو جہاد کیا ہے قابل تعریف ہے۔ کسی اگلی نشست میں اس قابل تحسین پہلو پر بھی کچھ عرض کروں گی۔

ہندی تمدن اور مسلمان

مباحثے کی گرماگرمی اور جذبات کے جوش میں اکثر لوگ یہ بھول جاتے ہیں کہ ہندوستان کے مسلمان اور ہندو ایک مشترکہ ثقافت کے وارث ہیں۔ اور یہ حقیقت صرف اس لئے بدلی نہیں جاسکتی کہ ہم میں سے چند بھائی مسجدوں میں جاتے ہیں اور چند مندروں میں۔ ہمارا تمدن نہایت وسیع اور پیچیدہ قسم کا ہے جس سے ہمارے آباؤ اجداد کی ایک ہزار سال کی جد وجہد منعکس ہوتی ہے۔ لہذا ہمیں یہ نہ بھولنا چاہیے کہ موجودہ ہندوستانی تمدن کی پیدائش و نشوونما میں اسلام کا ایک زبردست حصہ ہے۔ ہندی تمدن کی کوئی ایسی شق نہیں بتائی جاسکتی، جہاں اسلام کا ہمہ گیر اثر جلوہ گر نہ پایا جاتا ہو۔

شاید بہت تھوڑے لوگ اس حقیقت سے آگاہ ہیں کہ ہندوؤں کا کلاسیکل Classical ادب یورپ کی سوسائٹیوں میں فارسی زبان میں پہنچا۔ اور مسلم فرمانرواؤں نے اپنی سرپرستی و نگرانی میں ہندو شاستروں کا ترجمہ کرایا۔ بعضوں نے خود بھی کیا اور انہیں یورپ تک پہنچایا۔

مشہور عالم تاریخی شخصیت، شہزادہ دارا شکوہ ہندوستان اور ہندوستانی نثروں کا اس قدر دلدادہ تھا کہ صرف سنسکرت زبان سیکھنے کے لئے اس نے کئی سال بنارس میں گزارے۔ دارا نے اپنشدہ کے ضخیم گرنتھ کا فارسی ترجمہ اپنے قلم سے کیا۔ اور یہ ضخیم ترجمے بغداد اور قسطنطنیہ کی راہ سے یورپ تک پہنچے، اور اس براعظم کے علمی حلقوں میں ایک ہلچل پیدا کردی۔ انہیں کوششوں کی بدولت یورپ کے ملکوں میں ہندوستان اور ہندوستانی علوم کی واقفیت ایک فن کی حیثیت رکھتی ہے اور اسے طلبار کی تحقیقات و معلومات کے لئے ایک مستقل مضمون بنا لیا گیا ہے۔ دارا شکوہ نے جو لوگ وششتا اور ہندوؤں کی مشہور کتاب بھگوت گیتا کا ترجمہ بھی فارسی زبان میں خود مکمل کیا۔ علاوہ ازیں دارا نے ہندو شاستروں کی فلسفیانہ اصطلاحات پر ایک کتاب بھی تصنیف کی، جو ہندو فلاسفی میں ایک اہم درجے کی مالک ہے۔

بعض حضرات کسی مسلم فرد کی رواداری اور بے تعصبی کی اس طرح مثال پیش کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی مثالیں بہت شاذ و نادر تھیں۔ اور اس کا کوئی تعلق مسلم قوم سے نہ تھا لیکن یہ سراسر غلط ہے۔ ہندوستان کی تاریخ ایسے واقعات سے بھری پڑی ہے اور ایسی ہزاروں مثالیں ملتی ہیں کہ مسلمانوں نے ہندوؤں کے کلچر میں پیوست ہونے اور ڈوبنے کی کوشش کی۔

بنگال میں ایک ہر دلعزیز زبان کی نشوونما اور اسے ترقی دینے کے سلسلے میں مسلمانوں کا کارنامہ نہایت شاندار رہا ہے۔ میری مراد بنگلہ زبان سے ہے یہ ابھی کی بات نہیں۔ تقریباً سات سو سال قبل یعنی ۱۲۶۵ء میں بنگال کے سپہ سالار پراگل خاں نے ایک شخص نصیر خاں نامی کو مہا بھارت کا بنگلہ میں ترجمہ کرنے کیلئے متعین کیا تھا۔ عرصہ دراز تک اس بنگلہ مہا بھارت کو جو خوبصورت اور آسان شاعرانہ اور منفقہ زبان میں تھی لوگ "پراگلی مہا بھارت" کے نام سے یاد کرتے تھے۔

حسین شاہ، جو ۱۴۹۵ء میں بنگال پر حکومت کرتا تھا۔ بنگلہ زبان کی نعت اور سرپرستی کے لئے مشہور تھا۔ وہ خود بھی اس زبان کا ادیب تھا۔ اور بنگلہ ادب میں اس کا پایہ بلند سمجھا جاتا ہے۔ ہندوؤں کے ساتھ حسین شاہ کا جو روادارانہ اور دوستانہ برتاؤ تھا۔ اس بنا پر عوام نے انہیں گن راج خاں کا خطاب دیا تھا۔ بنگلہ زبان کی مشہور کتاب "کرتیواس کی رامائن" جس کا بنگال میں وہی درجہ ہے جو مشرقی ہندوستان میں تلسی داس کی رامائن کا ہے۔ اس کا وجود مسلمانوں ہی کا مرہون منت ہے یہی سبب ہے کہ ہندی کے مشہور شاعر "ودیاپتی" نے اپنے متعدد گیتوں میں ان مسلم فرزندانِ بنگال کی خدمت میں عقیدت کے پھول چڑھائے ہیں۔

بہت سے لوگوں کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ بنگال کی موجودہ شاعری جس نے دنیا کی آنکھیں خیرہ کردی ہیں۔ اور جو ٹیگور کی شخصیت میں اوج تمام پر پہنچ چکی اسے آگے بڑھانے میں مسلمانوں کا کچھ کم ہاتھ نہیں رہا ہے۔ اگر اس وقت بنگلہ زبان کی منتخب نظموں کا مجموعہ مرتب کیا جائے تو وہ اس وقت تک مکمل نہ ہوگا جب تک اس میں اکبر علی، کبیر محمد، کمار علی، فقیر، رتن شیخ جلال، شیخ بھیک، شیخ لال، ناخوا اور محمود و سید مرتضیٰ کی نظمیں شامل نہ ہوں۔

اس سلسلے میں اس وقت بھی مسلمانوں کی اس عظیم الشان روایت کو قاضی نذر الاسلام، ہمایوں کبیر، صفیہ خاتون وغیرہ نے زندہ رکھا ہے۔ جو بنگلہ زبان کی بیش بہا خدمتیں انجام دے رہے ہیں۔ بنگال کے مسلمانوں کی ان مساعی ہی کا نتیجہ ہے کہ آج بنگلہ زبان کی لغت میں ڈھائی ہزار الفاظ فارسی زبان کے پلئے جاتے ہیں۔

مسلمانوں نے جس طرح بنگال میں بنگلہ زبان کی خدمت کی، اسی طرح ملک کے دوسرے حصوں میں بھی مقامی زبان کو ابھارا اور بڑھایا۔ انہوں نے خاصکر مشرقی اور وسطی ہندوستان کی زبانوں کو خوب ترقی دی۔ مغل حکومت کا دور تھا کہ ہندوستان میں سب سے پہلی مرتبہ ایک عام فہم کچھ ملتی جلتی زبان پیدا ہوئی۔ اس کے بڑھانے اور پھیلانے میں مغل حکمرانوں نے بہت دلچسپی لی۔ یہ ان کوششوں ہی کا نتیجہ تھا کہ ہندوستان دنیا کے سامنے اردو جیسی شاندار شیریں اور طاقتور زبان پیش کر سکا۔ ہندی اسی کی پیداوار ہے۔ اس تناور درخت کی ایک شاخ ہے جو ہندو اور مسلمانوں کی متحدہ کوششوں سے بڑھا اور پھلا پھولا۔ اردو شاعری میں غزل ایک ایسی انمول چیز ہے جسے ہم اپنے کلچر کا جواہر پارہ کہہ سکتے ہیں۔ اردو شاعری نے بہت ترقی کی۔ وہ آج اس کا دل پسند شاعری ہماری مشترکہ دولت ہے۔ مشاعرے کی مجلس بھی ہماری تہذیب کی ایک انوکھی اور نرالی چیز ہے جس کی وضع پر حال میں کئی سمیلن کی دلچسپ مجلسیں قائم ہونا شروع ہوئی ہیں۔ اس کے ذریعہ ہزاروں عربی اور فارسی کے الفاظ ملک میں اس طرح استعمال ہونے لگے کہ آج وہ بالکل ہندوستانی معلوم ہوتے ہیں۔ یہ زبان دھیرے دھیرے پھیلتی اور صاف ہوتی گئی یہاں تک کہ آج اس نے اس ملک کی سرزمین میں جڑ پکڑ لی ہے۔

کلاسیکل ہندی ادب بھی مسلمانوں کا کچھ کم رہین منت نہیں۔ ہندوستان کا وہ صوفی شاعر کبیر جس کی ذات ہندو مسلم اتحاد کا مجسمہ تھی۔ اس نے اسی بھاشا میں دنیا کو درس انسانیت وحق پرستی دیا۔ اسی طرح اس زبان میں کئی اور بھی نامور مسلمان ادیب ہوئے۔ جیسے رس خاں، ملک محمد جائسی، عبدالرحیم خانخاناں حضرت امیر خسرو وغیرہ وغیرہ نے ہزاروں استادوں کو تعلیم دی کہ ملک کے طول وعرض میں بعید یا تاکہ وہ اس میٹھی زبان کے گیت گا گا کر سارے ملک میں پھیلائیں۔

پھر جب ہم مرہٹی، گجراتی، سندھی، پنجابی، اور پشتو زبانوں کا جائزہ لیتے ہیں تو اس کی سطح کو ذرا سی کریدنے کے بعد ان کی ٹھوس بنیادیں مل جاتی ہیں جو مسلم اثرات سے بہت متاثر ہیں۔ اسی طرح جنوبی ہندوستان میں بھی اگرچہ اس شدت کے ساتھ نہیں مگر اسلام کے اثرات گوشے گوشے میں پائے جاتے ہیں۔

ہندوستانی فن موسیقی میں مسلمانوں کا اس قدر زیادہ اور اہم حصہ ہے کہ ماہرین فن کو حیرت میں ڈال دیتا ہے پھر یہ اثر اس قدر وسیع ہے کہ اس وقت ہم ہندو اور مسلم موسیقی کے درمیان کوئی خط امتیاز نہیں کھینچ سکتے۔ یہ فن اکبر اعظم کے عہد میں جس کا نام نامی ہندوستانی آرٹ کی سرپرستی کے لئے تاقیامت روز روشن کی طرح چمکتا رہے گا اپنے انتہائی کمال کو پہنچا۔ ہندوستانی موسیقی میں تان سین جیسی شخصیت کا پیدا ہونا اس امر کا ثبوت ہے کہ اس وقت ان فنون کی ترقی کے لئے سازگار فضا اور بادشاہ وقت کی فیاضانہ سرپرستی حاصل تھی جس طرح اسلام نے ہندوستان کے کلچرل اور روحانی معیار کو اونچا کیا ہے۔ اسی طرح اکبر نے اس ملک کو حسین چیزوں سے سجایا اور خوبصورت بنایا ہے۔ اکبر خود بھی عمدہ طبیعت کا انسان تھا اور وہ ہندوستانی موسیقی میں اس قدر ڈوبا کہ اس نے کئی راگنیاں ایجاد کیں۔ راگنیوں کی ایجاد انتہائے کمال کی دلیل ہے۔ جل شاہی، دامیو کرامت اور نوروزان راگنیوں کا موجد خود شہنشاہ اکبر ہے۔

لیکن اکبر سے کہیں پہلے اس فن کی ایک اور نامور ہستی گذری یعنی امیر خسرو آپ کا تعلق علاؤ الدین خلجی کے زمانہ سے تھا۔ موجودہ ستار آپ ہی کی ایجاد ہے ہندوستانی موسیقی میں ترانہ اور خیال۔ راگنیوں کے موجد امیر خسرو ہیں۔ یہ دو راگنیاں ساری دنیا میں مشہور ہوئیں۔ اور آج ہندوستانی موسیقی کی جان ہیں خیال راگنی کو جونپور کے حسین شاہ بادشاہ نے اور ترقی دی۔ حسین شاہ کے زمانہ میں ایک ایسی یونیورسٹی تھی۔ جہاں دنیا کے تمام علوم پڑھائے جاتے تھے اور اسے لوگ "شیراز ہند" کہا کرتے تھے۔ مسلمان ٹھمری اور بلاول راگنیوں کو بھی ترقی دیکر موجودہ صورت حال میں لائے۔ پھر غزل اور قوالی کی طرز نے ہماری موسیقی میں اور بھی دلچسپ اضافہ کیا۔ اسی طرح مسلمانوں نے دوسرے غیر ملکی راگ اور طرز خاص کر فارسی طرز سے ہندوستانی موسیقی کو روشناس کرایا اور ان کی آمیزش سے مزید شیرینی پیدا ہوئی۔ آج بھی علم موسیقی کی ہر صنف میں ہندوستان میں ایسے ایسے باکمال مسلمان موجود ہیں جن کے دم سے اگلے زمانہ کے مسلمانوں کی روایات زندہ ہیں۔ ان کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ یہاں ان کے ذکر کی گنجائش نہیں۔

احمقات

از جناب احمق صاحب پھپھوندوی

جناب حکیم محمد مصطفیٰ خاں صاحب مداح جنہوں نے اپنی سیاسی شاعری کو حماقت کا جامہ پہنا رکھا ہے۔ اور ہندوستان میں احمق پھپھوندوی کے نام سے بہت زیادہ مشہور ہیں، خاکسار ایڈیٹر کے قدیمی عنایت فرما ہیں پچھلے ہفتہ دہلی ایک مشاعرے کے سلسلہ میں تشریف لائے تھے اور اب تک میرے مہمان ہیں، ذیل میں آپکے کلام کا نمونہ (جو اگرچہ مطبوعہ ہے) پیش کر رہا ہوں آئندہ پرچوں میں آپکا تازہ کلام شائع ہوا کریگا جو ناظرین کیلئے بیحد دلچسپی کا باعث ہوگا۔ موصوف نے اس کا حتمی وعدہ فرمالیا ہے اور انشاءاللہ وعدہ ایفا ہوگا۔ "عبدالحق فاروقی"

کلرک کی زندگی

کلرک کی ملگئی قسمت سے گر صاحب کے انڈر میں ۔۔۔ گذر جاتی ہے اطمینان سے عمر اپنی دفتر میں
غم فردا و فکر فردا کی کوئی پروا نہیں رہتی ۔۔۔ ہمیں دنیا کی کوئی فکر ہی اصلا نہیں رہتی
دماغوں میں تخیل بس یہی ہے عمر بھر اپنے ۔۔۔ مفاد سلطنت ہر دم رہے پیش نظر اپنے
وفا ہو اپنا شیوہ جی حضوری ہو شعار اپنا ۔۔۔ رہے قائم حکومت کی نگاہ میں وقار اپنا

اتر آئے رعایا گر کبھی شر و بغاوت پر
تو بے کھٹکے ہم اپنا سر فدا کر دیں حکومت پر

گریجویٹ کی داستان

گناہ نہیں ہماری کچھ نہیں ہوتا سوا اسکے ۔۔۔ کہ سولہ سال مٹی کر سکیں ہم عمر ناقص کے
نہ ہوتا ہے تو اسے ذہن کا نشو و نما اس سے ۔۔۔ نہ ملتا ہے صفائی طاقتوں کو ارتقا اس سے

ہمیں ہوتی نہیں ہرگز تمیز نیک و بد حاصل
بس اتنا ہی کہ کر لیتے ہیں کالج سے سند حاصل

متفرق

ملک گوری ملی پائے مطالبات بہت ۔۔۔ آبرو بڑھ گئی بنئے کا تقاضہ نہ گیا"
دل گیا قوم فروشی کی تمنا نہ گئی، ۔۔۔ سر گیا، عہدہ و اعزاز کا سودا نہ گیا"

کیا عقل کو بیوقوفی میں اجاڑ دیا ۔۔۔ اس جیل میں بھی کھانیں کچھ روٹی دال لیا

سینما

سینما ملک میں چاروں طرف پھیلے ہیں کثرت سے
فضائے ہند ہے معمور جذبات محبت سے

برہنہ رقص، عریاں دلربے بے باک تصویریں
ہمارے دل بہلنے کی ہیں کیا دلچسپ تدبیریں

جوانان وطن نقاد فن بنکو صنعت شکن بننا
وہ اک شیریں کی خاطر چاہتے ہیں کوہکن بننا

نہ ہم کو دین کا غم ہے نہ کچھ دنیا کی پروا ہے
بس اب امپیریل ہے، رائل ہے یا سنروا ہے

حکومت کو ان احساسات میں ہے ہم سے ہمدردی
تو کیوں ٹوٹ کرنہ دیں اس راہ میں ہم داد بافردی

نا امید

شکل آو نظر نہیں آتی ۔۔۔ میری امید بر نہیں آتی
کیا سبب ہے کہ اس کے کوچے سے ۔۔۔ مرے دل کی خبر نہیں آتی
ہم اسے دیکھتے ہیں آٹھ پہر ۔۔۔ جس کی صورت نظر نہیں آتی
پڑھتے ہیں کالجوں میں ساری عمر ۔۔۔ قابلیت مگر نہیں آتی
شیخ کی طرح وعظ فرما کر ۔۔۔ مجھ کو جیب اپنی بھر نہیں آتی
کیا سبیل معاش ہو احمق ۔۔۔ [illegible]

آزمائش

از پیرزادہ رفیق صاحب جعفری برہانپوری

ایک ہنگامہ پر موقوف ہے گھر کی رونق
نوحۂ غم ہی سہی۔ نغمۂ شادی نہ سہی

"ٹائمس آف انڈیا! تازہ اخبار!! تازہ خبریں!!!" اخبار فروشوں کی مسلسل آوازیں بے نیاز اور بے تعلق راہ گیروں کو بھی متوجہ ہونے کے لئے مجبور کر رہی تھیں لیکن اگر اخبار فروشوں کی آواز کسی کو اپنی طرف متوجہ نہ کر سکی تو وہ رمیش تھا۔ رمیش لوگوں کے اس سمندر میں ایک تنکے کی طرح بہا چلا جا رہا تھا اس کے دماغ میں ایک ہیجان سا بپا تھا۔ وہ سوچ رہا تھا گریجویٹ ہونے پر بھی مری حالت فاقہ مستوں سے بدتر ہے۔ جس بنیاد پر میں نے امیدوں کے قلعے تعمیر کئے تھے۔ بدبختوں کے سایہ میں آج اس کا نام و نشان تک بھی نظر نہیں آتا۔ مسلسل ناکامیوں نے اسے زندگی سے نفرت کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ بے شمار نامرادیوں اور دل شکنیوں کے بعد وہ پختگی سے اپنی غلط یا صحیح رائے قائم کر چکا تھا۔ زندگی کی دوڑ میں کچھ وہی لوگ کامیاب ہو سکتے ہیں جو دولت کے نشہ میں دن رات بدمست رہتے ہوں اور دولت جن کے گھر کی لونڈی ہو۔ عیش و عشرت کے قلعے بھی ایسے ہی لوگوں کی قیامگاہوں میں آ رہ سکتے ہیں اور سکون و اطمینان کی ہوائیں بھی وہیں چل سکتی ہیں۔ لیکن یہ ایسا کیوں ہے؟ ان ناانصافیوں اور بے حسیوں سے آخر قدرت کا منشا کیا ہے؟ رمیش کا دماغ عجیب عجیب خیالات کا آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر چلا جا رہا تھا۔

"بابو صاحب اخبار لیجئے گا" کم سن بچے کی آواز نے رمیش کو چونکا سا دیا اس کے خیالات کا سلسلہ منقطع ہو چکا تھا۔ رمیش نے بے اختیارانہ طور پر جیب میں ہاتھ ڈالا تو اکنی انگلیوں کی گرفت میں آگئی۔ اس نے جھٹ اخبار لے لیا ایک بیکار گریجویٹ سے آپ کبھی یہ امید نہ رکھئے کہ "ضرورت ہے" کے صفحہ کو چھوڑ کر سب سے پہلے کسی اور عنوان کی طرف بھی متوجہ ہوگا۔ ایک لمحہ کے بعد وہ پڑھ رہا تھا۔ ایک کلرک کی ضرورت ــ تنخواہ پچاس روپیہ ــ پچاس روپیہ مندرجہ پتہ پر آفس کی طرف بڑی امید اور پورے جوش کے ساتھ چلا اسے کامیابی کی بڑی امید تھی "میں ایک گریجویٹ ہوں سنا ہے ایک کلرک کی ضرورت ہے"۔ رمیش نے یہ کہنے کے بعد جواب کے انتظار میں مینیجر کے چہرہ پر نظریں گاڑ دیں تھیں "نہیں"۔ مینیجر نے ایک لمحہ کے بعد بڑی بے نیازی کے ساتھ جواب دیا۔

"نہیں" تو پھر آپ نے اس اخبار میں کیوں جھک مارا ہے (اخبار کو سامنے پھینکتے ہوئے) رمیش نے سخت لہجہ میں کہا۔ معاف کیجئے گا جناب "بیکار گریجویٹ" سے الجھنے میں جان کا خطرہ ہے۔ میں آپ سے یہ کیسے کہوں کہ جگہ آپ کی آمد سے پہلے ہی پر ہو چکی ہے۔ رمیش پسینہ میں شرابور ہو چکا وہ گردن جھکائے وہاں سے فوراً چل کھڑا ہوا اس کے ہوش و حواس باختہ ہو چکے تھے۔ اس لئے آفس سے باہر نکلتے ہی ایک بلند قہقہہ لگایا اور یوں بڑبڑانے لگا۔ "رمیش" تو نہیں سمجھا ارے بیوقوف یہ دنیا ہے دنیا ــــ رنگین و دلفریب دنیا ــــ آج ہندوستان میں تجھ جیسے ہزاروں گریجویٹ مارے مارے پھر رہے ہیں اور تو ــــ

ندامت نے رمیش کے دامن کو ہر چند گھسیٹا لیکن ادھر امید نے کچھ اس طور سے اس کے قدم بڑھائے کہ اس نے اپنے والد مرحوم کے شناسا سیٹھ راجن سے ملنے کا فیصلہ کر لیا۔ سامنے والی سڑک پر سیٹھ راجن کا مکان تھا۔

آؤ کہو "رمیش" سیٹھ راجن نے عینک کے کانچ صاف کرتے ہوئے کہا شرم کے مارے رمیش زمین میں آدھا گڑ گیا۔

مجھ کو معلوم ہوا ہے کہ آپ کو ایک منیم کی ضرورت ہے۔ رمیش نے نظر سر جھکاتے ہوئے کہا۔

ہاں ــــ ضرورت تھی ــــ لیکن اب نہیں ــــ تم دیر کرکے پہونچے ــــ پھر بھی تمہارے لئے کوشش ضرور کروں گا۔

کوشش کروں گا ــــ ایک ناقابل ایفا وعدہ ــــ یہ رمیش کے دل کی آواز تھی۔ گویا وہ دنیا کی زبانی ہمدردی سے بیزار ہو چکا۔

اب وہ فلک بوس عمارتوں کو حسرت بھری نظروں سے دیکھتا ہوا گھر جا رہا تھا کہ اس کی نظر اپنے مختصر مکان پر پڑی۔ اس کا دل دہل گیا۔ حساس لوگوں کے لئے تکالیف کا معاملہ اتنا مشکل نہیں ہوتا جتنا اپنی کمزوری کا اعتراف۔ رمیش بھی حساس تھا۔ اسے اپنی ماں کے سامنے اپنی کمزوری و ناکامی کا اعتراف اتنا ہی دشوار معلوم ہو رہا تھا۔ جیسے ایک خون کے لئے اقبال جرم وہ سوچ رہا تھا کہ اپنی بوڑھی ماں سے کیا کہے گا انہیں خیالات میں غلطاں تھا کہ اس کی نظر اپنی ماں کے پژمردہ چہرہ

کھانا پڑ رہا ہے۔

اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ماں ؟

جواب میں ماں کی آنکھوں سے دو آنسو گر پڑے جن سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ بیٹا اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں یہ قدرت کی ستم ظریفی ہے۔

رشی اب بھی روزانہ صبح تا شام نوکری کی تلاش میں در بدر کی ٹھوکریں کھاتا لیکن سوائے ناکامی کے حاصل کچھ بھی نہ تھا۔ لیکن پھر بھی وہ مایوس نہ ہوا۔

کیا آپ کے ادارہ میں مجھے بحیثیت مدیر جگہ مل سکتی ہے۔ یہ وہ سوال تھا جو رشی نے پر اشتیاق لہجہ میں منیجر سے کیا۔ لیکن یہ کہتے ہوئے ہی جواب میں عذر پایا کہ ہمیں تو ایسے شخص کی ضرورت ہے جو ایک عرصہ سے اس میدان میں کام کر رہا ہو۔

اس آخری ناکامی سے رشی کی کمر ٹوٹ گئی وہ شکستہ دل ہو کر مکان جا رہا تھا۔ گرمی کی شدت سر ذی روح کو چین سے نہ رہنے دیتی تھی۔ سڑک پر رکشا والا کھڑا ہو گیا جسم پسینہ سے شرابور ہو چکا تھا۔ وہ پولیس مین اترے اور اپنی راہ لی۔ حضور ——— حضور میں دن بھر کا بھوکا ہوں بیوی بچے بھوکے ہیں کچھ تو دیجئے دو میل سے لا رہا ہوں ——— چل چل جا حضور والا ——— حضور میں غریب ہوں بھوکا ہوں ——— اب جاتا ہے یا نہیں ——— رکشا والا انکان سے چور لڑکھڑاتا ہوا آگے بڑھا اور رشی کی آنکھیں یہ روح فرسا منظر دیکھ کر پتھرا گئیں۔ اس کی نظریں ملک الموت کو تلاش کر رہی تھیں تجھے مر جانا چاہیے ——— تجھے اس سنسار میں جینے کا کوئی حق نہیں "یہ اس کے ضمیر کی آواز تھی۔

رشی بیٹھا ہوا اخبار بینی کر رہا تھا کہ یکایک اس کی نظریں اپنے عزیز دوست زبیدہ پر پڑیں جو اس کی سمت آ رہا تھا۔

رشی:- آج ادھر کیسے زبیدہ؟

زبیدہ:- یونہی مزاج پرسی کے لئے آ نکلا۔

رشی:- اچھا ——— زہے بخت یہ انقلاب محبت۔

زبیدہ:- جب سے ملے کس وقت لاپرواہی برتی۔

رشی:- دبلت کاٹ کر) اب ——— آپ جوان بھی کرنے آئے ہیں ——— سنو ——— دن بھر ناکامیوں کی ٹھوکریں کھانا ہی ہماری زندگی ہے۔

زبیدہ:- شاید آپ نے مری پچھلی باتوں پر غور نہیں کیا۔

رشی:- تمہارا مطلب یہ کہ میں مر جاؤں ——— اور کیا اب صرف مرنا ہی باقی رہ گیا ہے۔ کہو تو وہ بھی پورا کر دوں۔

. . . .

زبیدہ:- تم نہیں جانتے کہ زندگی نام ہے مر مر کے جئے جانے کا ——— مت بھولو کہ تم دنیا میں مشکلات کا سامنا کر کے ہی اپنی زندگی کو لطیف بنانے کے لئے پیدا کئے گئے ہو۔ قدرت نے تمہیں اس قدر کمزور تخلیق نہیں کیا ——— یہ مسلم امر ہے کہ اپنے آپ کو کمزور جاننا سب سے بڑی کمزوری ہے ہر انسان اپنے مقصد کو حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن کوشش شرط ہے ——— اور یہی قدرت کا اٹل اصول ہے۔

رشی:- زبیدہ رہنے دو ناصح !!!

آؤ میں تمہارے سامنے وہ بھیانک منظر پیش کرتا ہوں جس سے ابھی انسان کی کوششوں اور قدرت کے اٹل اصولوں کا مسئلہ حل ہو جاتا ہے۔ میں توانا کمزور نہ تھا لیکن قدرت کے ہی مظالم نے مجھے اس قدر کمزور بنا دیا مری بھیانک داستان تو کیا اس دنیا میں ایسے ہزاروں انسان تمہاری ہی قدرت کے مظالم سے مجبور ہو کر بیکسی میں دم توڑ رہے ہیں ——— تم کہتے ہو ——— قدرت انسان کو سب کچھ دے سکتی ہے۔ کوشش شرط ہے ——— اور ——— کیا دیا ان بیکس مزدوروں کو جو دن رات محنت و مشقت کرتے ہیں! کیا دیا ان مجبور کسانوں کو جو قدرت پر شاکر ہونے کے باوجود بھی روٹی روٹی کو ترستے ہیں ؟

ایک غریب ——— جو اس کی جھولی پھیلائے پھرتا ہے کہ قدرت کی اس بسائی ہوئی دنیا سے اسے کچھ ملیگا کیا ملتا ہے اسے؟

قدرت کیوں نہیں خون کے آنسو بہاتی جب کہ بھیک میں وہ امیروں کی ٹھوکریں پاتا ہے۔ کیا وہ کوشش نہیں کرتا؟ تمہاری قدرت نے سب کچھ دیا ہے ان امیروں کو جو کوشش نہیں کرتے ——— جھوٹ ——— کوشش

رازِ نہاں

(حضرت جوش ملیح آبادی)

اے خلوتیِ حجلۂ اسرار و معانی — تسبیح سے تحقیق کے دربار میں آ جا
اے پردہ نشینِ حرمِ عصمتِ عرفاں — اک روز تو زنجیرِ گنہگار میں آ جا
ممکن ہو تو وجدان کی محفل سے نکل کر — اے شاہدِ جانِ حلقۂ افکار میں آ جا
اک عمر سے حیراں و پریشاں ہیں خریدار — اے جنسِ گراں عقل کے بازار میں آ جا

قرنوں سے ہیں اربابِ نظر گوش بر آواز
اے رازِ نہاں معرضِ گفتار میں آ جا

پر قہقہاتی ہے مسدت ان غریبوں کو ـــــ دیے دوست نریندر! قسمت کے
مطلق پرست کہتے ہیں کہ قسمت غریبوں اور مجبور کسانوں کا ساتھ دیتی ہے ـــــ ہرگز نہیں ـــــ ساتھ دیتی ہے ان امیروں کا جو دن رات غریبوں پر مظالم ڈھاتے ہیں۔ وہ امیر جو دن رات گناہ کرتا ہے۔ ہزاروں غریبوں کا خون چوستا ہے۔ جو قدرت کے قانون کی خلاف ورزی کرتا ہے ـــــ پھر کیوں بسر کرتا ہے وہ عیش و عشرت کی زندگی! کیوں مستحق ہے۔ وہ قدرت کے رحم کا! پھر کیوں ـــــ ریشی ابھی بھی نہیں پایا تھا کہ نریندر چلا اٹھا
ریشی نہیں اس طرح کی باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔ قدرت کے بھید سمجھ لینا ہمارے لئے آسان نہیں۔ مانا ریشی! کہ تم مصائب سے بد دل ہوگئے ہو تم خیال کرتے ہو کہ تمہاری کوششیں رائیگاں جائیں گی کبھی نہیں ـــــ تمہیں قدرت کے رحم سے منھ نہیں موڑنا چاہیئے۔ سوچو تو سہی ـــــ مضراب ساز پر حرکت کرے ـــــ نشتر رگ پر میری چلے ـــــ موم آگ سے متصل ہو ـــــ خودی تذلیل سے ٹھکرائے ـــــ دعا باب رحم سے ٹکرائے ـــــ پھر کیسے ممکن ہے کہ وہ نتائج سے بے نیاز رہے۔ یہ کہتا ہوا نریندر چلا گیا۔

مقصودِ محبت

(از حضرت روشؔ صدیقی)

وصال شاعر عشق کی صورت ہوتی جاتی ہے
محبت خود بخود مقصودِ محبت ہوتی جاتی ہے

وہ اک تسکین جواب تک چارہ سازِ دردِ الفت تھی
وہ تسکین بھی شریکِ دردِ الفت ہوتی جاتی ہے

خموشی سے بھی بارِ ترجمانی اٹھ نہیں سکتا
بہت غمناک رودادِ محبت ہوتی جاتی ہے

بڑھانا چاہتا ہوں وسعتیں خوابِ محبت کی
مجھے اے زندگی تیری ضرورت ہوتی جاتی ہے

وہ اقرارِ محبت ہو کہ انکارِ محبت ہو
بہر عنوان تکمیلِ محبت ہوتی جاتی ہے

دلِ بے آرزو ہے اور حریمِ حسن بے پروا
لطافت خلوت آرائے لطافت ہوتی جاتی ہے

روشؔ اب ہم ہیں اور رازِ دنیازِ سوزِ محرومی
بہت محبوب شمعِ شامِ فرقت ہوتی جاتی ہے

روش

اس تلون مزاج دنیا کی گردش شب و روز نے ہزاروں خون آشام کھیل کھیلے۔ سیاہ کارانہ اقدام سے اوراق تواریخ سیاہ ہو گئے۔ نقادیر اقوام بدل کر رہ گئیں لیکن وہ رات جس کی تاریکی نے بیٹے کے دل سے ماں کی محبت چھین کر ایک خونی عزم کو جگا دیا کس قدر خوفناک اور پر حسرت تھی وہ رات!!

ریشی مکان میں بے چینی کے ساتھ گشت کر رہا تھا۔ جیسے اس کے دل میں ماں کی محبت ہلاکت زدگی کا احساس اور غیرت کے تقاضوں میں جنگ ہو رہی ہو۔ ہر لمحہ اس کے خیالات میں یہ سوال الجھ کر رہ جاتا کہ کیا میں اپنی پیاری ماں کو افلاس کے اس اندھیرے غار میں بے یار و مددگار تڑپتا چھوڑ کر مر جاؤں۔ نہیں ہرگز نہیں اس کی جنون زا دہشت رفتہ رفتہ بڑھتی گئی اور وہ بڑبڑانے لگا۔

تیرا دودھ کیا اس قدر بے اثر ہے ماں! ـــــ تیرا دودھ کیا اس قدر بے اثر ہے ماں!!

رات ہولناک ـــــ چاروں طرف مکمل سکوت ـــــ بجلی کی خیرہ کن چمک ـــــ خوفناک کالے بادلوں کی گرج گویا قدرت کسی کو اس کے اقدام جرم سے روکنے کے لئے پوری قوتیں صرف کر رہی ہے ـــــ شمع کی لرزتی ہوئی لو زندگی اور موت کا منظر پیش کر رہی ہے۔ ماں ایک صوفے کی پشت پر سر رکھے موت کی نیند سو رہی ہے ـــــ ریشی نے ڈبڈبائی نظروں سے دیکھا اور لرزتی ہوئی آواز میں کہا ماں کیا تجھے اسی دن کے لئے پیدا کیا تھا کہ آج میں اپنے ہاتھوں سے تیرا گلا گھونٹوں ـــــ "ماں مجھے معاف کیجئے" کہہ کر ریشی اپنے حلق کی طرف ہاتھ بڑھایا! لیکن ہاتھوں کی تمام قوتیں سلب ہو چکی تھیں ـــــ اس نے آنکھیں کھولیں ـــــ جبکہ اس کی خون آشام آنکھیں ایک لمحہ کے لئے ماں کی زندہ لاش کا بغور جائزہ لے رہی تھیں ـــــ وہ چونک گیا اور ایک دم ہاتھوں کو جنبش دیتے ہوئے ماں کے سینے پر سے کسی چیز کو اٹھا لیا اور شمع کی متحرک لو میں پڑھنے لگا۔

مورخہ ۲۰ دسمبر

بھائی صاحب

آداب عرض:۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ میں وقت کی ناسازی کے باعث

کہ آپ میری بہن اور میری بچی (؟) ... اس دل ... کے حالات سے باخبر ہے ۔۔۔ زندگی کی کشاکش اور صدمہ کا سخت دورہ ہونے والا ہے سوان ... بنا ہوا ہے چاہتا ہوں کہ ان آخری سانسوں میں جانے دا اپنی بچی بنیا کو رمیش کے سپرد کر دوں ۔ انتظار رکھیے ۲۴ر دسمبر تک معہ بنیا کے وہاں آ رہا ہوں۔
بدنصیب بھائی ۔ دیال ناتھ

بنیا کو رمیش کے سپرد کر دو ۔ ایک بلند قہقہہ لگاتے ہوئے بنیا کو رمیش کے سپرد کر دوں ۔ قہقہہ کی آواز سنکر ماں چونک اٹھی۔

بیٹا تم ابھی تک جاگ رہے ہو بنیا کو رمیش کے سپرد کر دوں ۔ بیٹا رمیش کیا ہو گیا ۔۔۔ یہ تو کیا کہہ رہا ہے ۔۔۔ کون بنیا ۔۔۔ کس کے سپرد ۔۔۔ ماں آج ہماری سوئی ہوئی قسمت جاگ اٹھی قدرت ہم پر آج اس قدر کیوں مہربان ہو گئی ۔۔۔ ماں ہمارے دکھے ہوئے دلوں کی آہ و زاری آج پھر قسمت کو منا لائی ۔ ہم نہال ہو گئے ماں ۔۔۔ دولت ۔۔۔ عزت ۔۔۔ آرام سب ہی کچھ تو ہے ماں ۔۔۔ آخر ہوئے بھی بیٹا ۔۔۔ کہنا کیا ہے ماں" یہ خط ہمارے لئے پیغام خوشی لایا ہے ۔۔۔ ہمارے وہ چچا جو ہماری قسمت کے ساتھ روٹھ کر چلے گئے تھے اپنی بیٹی بنیا کے ساتھ آ رہے ہیں ۔۔۔ پڑھ کے سنا تو سہی ۔۔۔ کیا لکھا ہوا ہے۔

رمیش نے وہ تمام خط اپنی ماں کو پڑھ کر سنا دیا ۔ ماں کی آنکھوں میں جو تھی کے آنسو ڈبڈبا آئے جو بیک وقت کئی باتوں کے حامل تھے ۔ اپنی عہد ماضی کی دکھ بھری زندگی کا خیال ۔۔۔ اور خوش آئندگی کا تصور ۔۔۔ وہ ایک فرط مسرت سے بیٹے کو اس طرح دیکھ رہی تھی جیسے اسے اپنے بیٹے کا شاندار مستقبل نظر آ رہا ہو ۔ رمیش تشنہ تمام خوبی اقدام کے اثرات ۔۔۔ اور پھر یہ فوری بے پایاں مسرت کے باعث بے حس و حرکت اپنی ماں کے زانوں پر سر رکھے لیٹا تھا۔

دوسرے روز رمیش کے چچا آئے ۔ وہ ان کے ساتھ رمیش کے حسین خوابوں کی ملکہ بنیا بھی آئی ۔ وہ مکان جہاں اندھیرے میں مشکل سے چراغ روشن ہوتا ۔۔۔ جہاں کہ غلام عندوگی نے بیٹے کو ماں کا خونی بننے پر مجبور کیا تھا ۔ جہاں آنسوؤں کا سیلاب رواں تھا ۔۔۔ وہاں ۔۔۔ ہاں ۔۔۔ اسی جگہ مسرت انگیز قہقہے گونج رہے تھے چراغاں ہو رہے تھے ۔ شادیانے بج رہے تھے ۔ شاندار دعوتیں ہو رہی تھیں کون جانتا تھا ؟ کہ ایسا انقلاب بھی رونما ہو سکے گا کبھی ؟

اس حسین رات کو جب کہ دو دلوں کی تشنہ امنگیں بر آئیں ۔۔۔ اسی دلکش رات میں ایک جانب "شکستِ حسن" اور دوسری جانب "اعترافِ قسمت" فرہنگ کی فتح ہو چکی تھی اور رمیش کو شکست۔

حسنِ تمنا

(جناب عطاء الرحمٰن صاحب ممتاز جالندھری)

یوں تیری یاد سے بڑھتی ہے مرے دل کی لگن
جس طرح بادِ بہاری سے لہکتا ہے چمن

دل چہکتا تھا کبھی شوق سے بلبل کی طرح
آج خاموش ہے مرجھائے ہوئے گل کی طرح

کیا مگر رونقِ گلزار ہے بلبل کے بغیر
اور بلبل بھی ہو موجود تو کیا گل کے بغیر

آخرِ کار یہ بیمار سے غفلت کیوں ہے
کشتۂ حسرتِ دیدار سے غفلت کیوں ہے

آ کہ پھر تازہ کریں عشق کے افسانے کو
جگمگا دیں غمِ ہستی کے سیہ خانے کو

کیا تجھے یاد نہ آئے گا وہ پیمانِ وفا
وہ دھڑکتے ہوئے دل اور وہ ارمانِ وفا

رودِ راوی کی وہ موجیں وہ کنارا ۔ وہ فضا
سرخیٔ شام کا ہنگام وہ سبزہ ، وہ ہوا

سب ہیں موجود بدستور ۔ بدستور وہی
جو مگر سب سے قریں تھا ہے فقط دور وہی

آ ۔ کہیں شوق نہ ہو جائے مُبدل بہ ہراس
آ ۔ کہ ہے دل بھی اداس ، اور امیدیں بھی اداس

راہ تکتی ہیں وہ روندی ہوئی راہیں اب تک
ماہ و انجم کی زمیں پر ہیں نگاہیں اب تک

آ کہ اُس راہِ محبت پہ پھر اک بار چلیں
لڑکھڑاتے ہوئے بہکے ہوئے سرشار چلیں

ترانۂ شباب

جوانی کے ترانے گا رہا ہوں
دبی چنگاریاں سلگا رہا ہوں

مری بزمِ وفا سے جانے والو
ٹھہر جاؤ کہ میں بھی آ رہا ہوں

بتوں سے عہد کرتا ہوں وفا کا
قسم اپنے خدا کی کھا رہا ہوں

نہیں کانٹے بھی کیا اجڑے چمن میں
کوئی روکے مجھے میں جا رہا ہوں

چراغِ خانۂ درویش ہوں میں
اِدھر جلتا اُدھر بجھتا جا رہا ہوں

نیا کعبہ بسانا چاہتا ہوں
پرانے بتکدوں کو ڈھا رہا ہوں

حضرت حفیظ جالندھری

کس کو اپنے گیت سناؤں

پاپن کپٹن دنیا ساری — ظلم و دغا کی ہے یہ پیاری
پریم سے ہے یہ بالکل عاری — اس میں کس سے پریت بڑھاؤں
کس کو اپنے گیت سناؤں

جھوٹ فریب اور مکاری ہے — ظلم و ستم اور خونخواری ہے
مکر و دغا اور عیاری ہے — کس کو اپنا میت بناؤں
کس کو اپنے گیت سناؤں

ہر اک پگ پر دھوکا ہے یاں — کیسے بچے گا کوئی انسان
ہر دم خطرے میں ہے یہ جاں — کیسے میں یہ ریت مٹاؤں
کس کو اپنے گیت سناؤں

ایسی کوئی راہ بتادے — سارے جگ کے کشٹ[1] مٹادے
تو جو میری بات بنادے — میں بھی سب میں پریت بڑھاؤں
کس کو اپنے گیت سناؤں

[1] دکھ

شہزادی زیب النساء

از محترمہ ۔ و ۔ ر ۔ م ۔ لکھنوی

۱۰ فروری ۱۶۳۸ء وہ مبارک تاریخ ہے جب شہزادی زیب النساء عالم وجود میں آئیں۔ آپ کی ولادت باسعادت کی خوشی میں قلعۂ معلیٰ میں مسرت کے شادیانے بجائے گئے شہر بھر میں چراغاں ہوا غرباء و مساکین کو خیرات تقسیم کی گئی درباریوں کو انعامات بخشے گئے غرض کئی دن تک جشن شاہانہ منایا گیا۔ آخر شاہی دستور کے مطابق شہزادی محل سرا کی ایک دایہ جہاں بانو کے سپرد کردی گئیں۔

پانچ برس کی عمر میں حافظہ مریم کی شاگردی میں دی گئیں جو ایک ماہر نیک بی بی تھیں۔ حافظہ مریم نے اپنے فرائض نہایت خوش اسلوبی سے ادا کئے کیونکہ ان کی دوربین نگاہوں نے بہت جلد دیکھ لیا تھا کہ ایک روز یہ ننھی شہزادی علم و ادب کا روشن آفتاب ہوگی اور دنیا کو اپنی روشنی سے منور کرے گی۔ آخر دو سال کی سخت محنت کے بعد اس ذہین شہزادی نے بعمر ۷ سال قرآن پاک حفظ کرلیا جب شہنشاہ اورنگ زیب کو اس کی اطلاع ہوئی تو وہ بہت خوش ہوئے۔ اور اپنی پیاری بیٹی زیب النساء کو ۳۰ ہزار اشرفیاں مرحمت کیں حافظہ مریم جواہرات سے لاد دی گئیں اور ایک بڑی جاگیر شہنشاہ کی طرف سے عطا ہوئی، غرباء کو منہ مانگا انعام ملا۔

شہزادی کا علمی ذوق دیکھ کر شہنشاہ نے ملا اشرف ماژندرانی کو شہزادی کی تعلیم پر مقرر کیا جنہوں نے متواتر چودہ برس عربی و فارسی کی مکمل تعلیم دی۔ اور جب وہ اپنے وطن واپس جانے لگے تو شہزادی نے اُن کو بیش بہا تحائف دیکر رخصت کیا۔

شہزادی کو علم و ادب سے گہرا لگاؤ تھا۔ ان میں شعر کہنے اور کہنے کی اعلیٰ صلاحیت موجود تھی جس کی بناء پر وہ اکثر اشعار کہا کرتی تھیں اور تخلص مخفی کرتی تھیں ایک دفعہ شہزادی چاندنی رات میں اپنی خواصوں کے ہمراہ آبشار کی سیر سے لطف اندوز ہو رہی تھیں منظر کی دلفریبی نے طبع لطیف پر جادو کا کام کیا اور عالم بے اختیاری میں یہ یہ دو شعر فوراً کہے۔

اے آبشار نوحہ گر از بہر چیستی ۔ چیں بر جبیں فگندہ ز اندوہ کیستی

آیا چہ درد بود کہ چوں من تمام شب ۔ سر را بسنگ می زدی و می گریستی

اسی سلسلہ میں ایک اور واقعہ بھی یاد آگیا جس سے شہزادی کی حاضر دماغی عیاں ہے۔

موسم بہار کی ایک پربہار صبح کو شہزادی نماز فجر ادا کرنے کے بعد اپنے پائیں باغ میں محو گلگشت تھیں۔ دریا کا نیلگوں پانی مدھنوں کی جھکی ہوئی شاخوں سے اٹھکھیلیاں کرتا ہوا بہہ رہا تھا۔ ہر چہار طرف سبزہ ہی سبزہ نظر آرہا تھا پودے خوشنما پھولوں کے بوجھ سے جھکے جارہے تھے طائران خوشنوا معبود حقیقی کی حمد عجیب لہجے میں گا رہے تھے۔ شہزادی اس موسمی سحر سے مسحور ہوگئیں اور عالم کیف میں یہ شعر پڑھا۔

چہار چیز ز دل غم برد کدام چہار ۔ شراب و سبزہ و آب روان و روئے نگار

ابھی شہزادی اسی شعر کو دہرا رہی تھیں کہ شہنشاہ اورنگ زیب باغ کے ایک گوشے سے نمودار ہوئے۔ شاید وہ شہزادی کو شعر پڑھتے ہوئے سن چکے تھے جو اُن کے دلی جذبات کی ترجمانی کر رہا تھا۔ شہنشاہ شہزادی کے قریب آئے اور انجان بنکر دریافت کیا کہ بیٹی کیا پڑھ رہی تھیں۔ شہزادی نے برجستہ جواب دیا کہ عالم پناہ کنیز یہ شعر پڑھ رہی تھی۔

چہار چیز ز دل غم برد کدام چہار ۔ نماز و روزہ و تسبیح و توبہ استغفار

شہنشاہ مسکرائے اور داد دی۔

ایک دفعہ شہزادی کی ایک کنیز کے ہاتھ سے ایک نایاب آئینہ ٹوٹ گیا کنیز مارے دہشت کے تھر تھر کانپ رہی تھی اتفاقاً شہزادی موقعہ پر پہونچ گئیں انہوں نے مستفسرانہ نگاہوں سے کنیز کو دیکھا۔ کنیز نے لرزتی ہوئی آواز میں کہا

از قضا آئینۂ چینی شکست

شہزادی مسکرائیں اور جواب دیا۔ خوب شد اسباب خود بینی شکست

کہا جاتا ہے کہ ایک دفعہ ایک بازیگر دربار شاہی میں کرتب دکھا رہا تھا اس درمیان میں بازیگر کی خوبصورت بی بی بانس پر چڑھ کر قلابازیاں کھانے لگی۔ تماشائی بے حد محظوظ ہوئے کسی نے یہ شعر پڑھا۔

این بوالعجب چو ماہے پیدا است ۔ یا تازہ گلے بر سر شاخ رعنا است

شہزادی گیلری میں پس چلمن تشریف فرما تھیں فوراً اس شعر کے جواب میں دوسرا شعر لکھ کر ایک کنیز کے ہاتھ باہر بھجوا دیا۔

نے نے غلط است آفتاب محشر ۔ بر نیزہ بیامد قیامت برپا است

شہزادی زیب النساء حد درجہ سادہ مزاج تھیں انہوں نے کبھی بھڑکیلے اور رنگین کپڑے زیب تن نہیں کئے۔ وہ زیورات سے نفرت کرتی تھیں چنانچہ اُن کی

...کی سعادتوں کے اس شعر سے ملتی ہے۔

شہنشاہم بکس مدلنفر آور دہ ام   زیب و زینت ابں ہیچم نام من زیب النسا ست

آپ بہت نیک، رحم دل، فیاض اور غریب پرور تھیں ان کی جیب خاص سے سیکڑوں لاوارث بیوائیں اور غریب لڑکیاں وظائف پاتی تھیں۔ وہ شریعت کی بڑی سختی سے پابندی کرتی تھیں عمر بھر کبھی نماز قضا نہ کی بلکہ نوافل و مستحب تک بڑے شوق سے ادا کرتی تھیں۔ طبیعت میں نفاست کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی آپ نے ایک ابرک کا خیمہ بنوایا تھا جب نصب ہوتا تھا بالکل بلور ہی معلوم ہوتا تھا۔

شہزادی کے متعلق بہت سے فرضی قصے مشہور کئے گئے ہیں۔ مثلاً عاقل خاں رازی، شیوا جی اور ایرانی شہزادہ وغیرہ کے قصے محض اس باعصمت شہزادی کو رسوا کرنے کی غرض سے گھڑے گئے ہیں۔ جن میں ذرہ بھر اصلیت نہیں۔

شہزادی نے اپنی پھوپھی جہاں آرا بیگم کے نقش قدم پر چلتے ہوئے شادی نہ کی حالانکہ شہنشاہ کی طرف سے اُن کو شادی کے بارے میں قطعی آزادی تھی۔

آخر بعلالت آپ شہزادی ۱۱۱۳ھ میں چند روز بخار میں مبتلا رہ کر بمقام دہلی فوت ہوگئیں۔ جب شہنشاہ کو اس سانحہ کی خبر ہوئی تو باوجود ضبط کے آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور مرحومہ کو ثواب پہنچانے کے احکام صادر فرمائے۔ کسی نے انکی وفات پر قطعہ لکھا۔

آہ زیب النساء بحکم خدا   ناگہاں از نگاہ مخفی شد
منبع علم و فضل و حسن و جمال   مہر و یوسف بچاہ مخفی شد
سال تاریخ از خرد جستم   گفت ہاتف کہ ماہ مخفی شد



شاعرِ حسین دُنیا

اے تخیّل میرے عزمِ شوق کی امداد کر
مجھ کو قید و بندِ دُنیا سے ذرا آزاد کر

چاہتا ہوں میں بنانا ایک دنیا نئے حسیں! آسماں جس کا نیا ہو اور نئی جس کی زمیں!
ساز و ساماں بھی نئے ہوں اور نئی ہو زندگی جس کے ہر ذرّہ میں ہو خورشید کی تابندگی
راہزن کوئی نہ ہو جس میں کوئی ڈاکو نہ ہو زیردستوں پر زبردستوں کا کچھ قابو نہ ہو
خونِ انساں دستِ انساں سے جہاں بہتا نہ ہو گائے بیلوں کے لئے ہوتا جہاں جھگڑا نہ ہو
تفرقے ہوں ذات کے جس میں نہ قوم و نسل کے ساکنوں کو جس کے لوٹا ہو نہ برقِ جہل نے
قوم کے لیڈر جہاں بوتے نہ ہوں تخمِ فساد زندگی جس سرزمیں میں ہو نہ غم سے نامراد
مذہبی نفرت کی چلتی ہوں نہ جس میں آندھیاں خون سے کھیلی نہ جاتی ہوں جہاں کی ہولیاں
وہ جہاں منعم غریبوں کا لہو پیتے نہ ہوں وہ جہاں نادار خونِ آرزو پیتے نہ ہوں
صبحِ غم ہوتی نہ ہو آتی نہ ہو فاقے کی شام وہ جہاں لیتا نہ ہو کوئی کسی سے انتقام
عیش کی انگڑائیاں "لیتے نہ ہوں سرمایہ دار اور انسانوں ہی کا انساں نہ ہو پروردگار
چھوت کی مہلک ہواؤں کی نہ ہوں بیماریاں امن میں پیدا نہ ہوتی ہوں جہاں دشواریاں
ہوں نہ اخباروں کے رہبر جاہلوں کے پیشوا اپنی تحریروں سے پھیلاتے نہ ہوں گندی ہوا
آگ بھڑکا کر بغاوت کی جو شرماتے نہ ہوں خود عمل کی راہ میں اک بار بھی آتے نہ ہوں
چاندنی میں لیکے ہل کاندھے پہ کوئی خستہ حال کھیت کو جاتا نہ ہو دل میں لئے کل کا خیال
وہ جہاں ہوتی نہ ہو بیوہ کوئی "حورِ جواں" وہ جہاں گرتی نہ ہوں عورت پہ غم کی بجلیاں
مکر کے بندے نہ ہوں ملاّ نہ ہوں سادھو نہ ہوں "حسنِ رنگیں" کیلئے چلتے جہاں چاقو نہ ہوں
کھیلتے گنگا کی لہروں سے ہوں شیخ و برہمن ایک ہی سب کا وطن ہو ایک ہو سب کا چلن

نوجوانانِ وطن ہوں جاں نثارانِ وطن
ایک ہی آواز پر ہوتے ہوں قربانِ وطن

غالب کے چند اشعار

(از جناب محمد اسحاق صاحب کلیانوی)

اگر فلسفہ کے معنی علم اشیائے موجودات اور اس کے اسباب ہیں تو یہ بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ غالب کا موضوعِ کلام بیشتر فلسفہ پر مشتمل ہے۔

غالب نے اپنے کلام میں جب موضوع پر قلم اٹھایا اس کو نہایت لطیف اسلوب میں اپنے حسنِ خیال کو پیش کیا، اور شعراء اس سے محروم ہیں اور یہی خوبی غالب کے بقائے دوام کا سبب ہے۔ چند جواہر پارے ہدیہ ناظرین ہیں۔

دہر جز جلوۂ یکتائی معشوق نہیں ۔۔۔ ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خود بیں

حکماء کے نزدیک سب سے اہم سوال اسباب آفرینش عالم ہے۔ جس کے جواب میں اپنا اچھوتا خیال پیش کیا ہے۔

حسن مبدا ر عالم ہے اور وہ اپنی نمود چاہتا ہے۔ اور یہی علت دنیا کو عدم سے وجود میں لانے کا باعث ہے۔

غالب، اسلامی صوفیوں کے اس گروہ کے مسلک سے متفق ہیں جن کا مذہب "ہمہ اوست" ہے۔

اعتقاد کے معنی کسی خیال پر پختگی سے قائم رہ کر اس کو دل کے عمیق ترین گوشہ میں مرکوز کرنے کے ہیں اور ایمان کا مرتبہ اسلام سے اعلیٰ تر ہے۔ صرف ظاہری طاعات کی بجا آوری سے کسی کو مومن نہیں کہا جا سکتا۔ اسی خیال کو غالب نے نظم کیا ہے۔

وفاداری بشرطِ استواری اصلِ ایماں ہے ۔۔۔ مرے بتخانے میں تو کعبہ میں گاڑو برہمن کو

عبادت کے متعلق غالب نے جو حسن خیال پیش کیا ہے۔ وہ کس قدر مبنی بر حقیقت ہے کہتے ہیں،

طاعت میں تا رہے نہ مے و انگبیں کی لاگ

دوزخ میں ڈال دو کوئی لے کر بہشت کو

افضل ترین عبادت وہ ہے جس میں نہ جنت کی لالچ ہو اور نہ دوزخ کا خوف بلکہ صرف خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کی جاتی ہے تو راہِ عبادت میں یہ جنت اور دوزخ کیوں حائل ہو کر ایک سچے عبادت گذار کو مرعوب و اپنی طرف ملتفت کرے۔

ہر متحرک کے لئے محرک کا ہونا ضروری ہے اور اس تحریک کی علت اولیٰ خدا ہے کہ وہ بالذات یا بالواسطہ تمام اشیاء کا محرک ہے۔ اس ہی خیال کو غالب نے پیش کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

ہے کائنات کو حرکت تیرے ذوق سے

پرتو سے آفتاب کے ذرہ میں جان ہے

مادہ خود بے جان اور جامد ہے جو چیز مادہ کو تحریک میں لاتی ہے۔ وہ حرکت ہے اور حرکت اپنی ذات سے آفرینش کی قدرت نہیں رکھتی جب تک کہ متعین نہ ہو پس علت العلل وہ ذات یا طاقت ہے جو حرکت کے پس پشت اس کو تعین کرتی ہے۔ کہتے ہیں:۔

ہے تجلی تری سامانِ وجود ۔۔۔ ذرہ بے پرتو خورشید نہیں

انسان جس قدر اپنے عجز کو سمجھتا جاتا ہے۔ اسی قدر ہستی واجب کا یقین اس کے دل میں مستحکم ہوتا جاتا ہے "من عرف نفسہ فقد عرف ربہ" کی یہی تفسیر ہے اسی خیال کو غالب نے کس قدر اچھے اسلوب بیان میں ادا کیا ہے

اتنا ہی مجھ کو اپنی حقیقت سے بُعد ہے

جتنا کہ وہمِ غیر سے ہوں پیچ و تاب میں

جو شخص جتنا ہی اپنے نفس کو سمجھتا جائے گا۔ اتنا ہی اس کو اپنی اور اپنے ساتھ تمام طاقتوں کی عاجزی معلوم ہوتی جائے گی جن کا وہ حاکم ہے نتیجہ یہ ہوگا کہ اس سے وہ حجابات مرتفع ہوتے جائیں گے۔ جو وجودِ باری اور اس کے درمیان حائل ہوتے ہیں۔

جمالِ الٰہی بہ تقاضائے اظہارِ حسن وجود چاہتا ہے اور اس کیلئے وجودِ مادی اختیار کرتا ہے کیونکہ جوہر کا وجود بدون عرض محال ہے غالب لکھتے ہیں:۔

لطافت بے کثافت جلوہ پیدا کر نہیں سکتی

چمن زنگار ہے آئینۂ بادِ بہاری کا

حُسن و عِشق

(از جناب امیر آرتی - جوہری)

شیطان :- "اے ربِ قدوس! تو نے مجھے اپنی درگاہ سے تو دھتکار دیا لیکن مجھے کوئی تو ایسی چیز عطا فرما۔ کہ میں بھی تیرے بندوں میں جاکر مل سکوں!"

قادرِ مطلق :- (فرشتوں سے) "شیطان جس قدر زر و جواہر مانگے اسے دیدو"

(شیطان سے) "دولت کے لالچ سے تو جسے چاہے اپنا بنالے گا!"

شیطان :- "اے مالک کائنات! تیری دین تیری شان کے مطابق ہو لیکن مجھے خوف ہے کہ تیرے بندوں میں سے بہتیرے پھر بھی میری طرف مائل نہ ہوں گے : کچھ اور بھی عطا فرما!"

قادرِ مطلق - (فرشتوں سے) "شیطان کو کھانے پینے کی وہ تمام چیزیں دیدو جن میں رس ہو۔ حلاوت ہو۔ وہ تمام لباس دیدو جو دنیا کے رہنے والوں کو مرغوب ہو!"

(شیطان سے) "جا یہ سب چیزیں تیرے دام تزویر کے لئے کافی ہیں"

شیطان :- "اے ناظمِ عالم! تیری بخشش میری تمناؤں اور امیدوں سے بھی عظیم الشان ہے۔ لیکن مجھے اندیشہ ہے کہ تیرے بندوں میں کثر میرے دام میں اب بھی نہ آئیں گے۔ کچھ اور بھی عطا فرما!"

قادرِ مطلق :- (فرشتوں سے) "شیطان کو وہ چیزیں دیدو۔ جن میں سے جانگداز نغمے پیدا ہوں۔ پینے کے لئے وہ پانی دو جو دل میں سرور پیدا کرے۔"

(شیطان سے) "جا یہ چیزیں لے لے۔ دنیا کے رہنے والے خود بخود تیرے گرویدہ ہونے لگیں گے!"

شیطان :- "اے مالکِ کل! تیرا انعام میرے وہم و گمان سے بھی بالاتر ہے۔ مگر میں ڈرتا ہوں۔ کہ تیرے بندوں میں سے ایسے ہی اکثر ہوں گے۔ جو نوائے چنگ اور سرور مے سے بھی میرے دام تزویر میں نہ آئیں گے۔ کچھ اور بھی عطا فرما۔"

قادرِ مطلق :- (فرشتوں سے) "جاؤ شیطان کو حسن و عشق دیدو!"

(شیطان سے) "اے ملعون اب بول؟"

شیطان :- "اے زندگی اور موت بخشنے والے خدا اب مجھے دنیا میں جانے کی اجازت دے۔ بس تیرے پرستاروں میں سے اب جو میرے دام تزویر میں نہ پھنسا۔ بیشک وہ تیرا ہی بندہ ہے۔"



روسی عورت

(از جناب قاضی امداد انصاری صاحب بی اے علیگ)

اشتراکی روس کی ۸ کروڑ عورتیں زندگی کی ہر کروٹ اور ہر دوڑ میں ایک کارآمد جگہ حاصل کئے ہوئے ہیں ہر دو پنج سالہ تنظیم (۱۹۲۸ - ۳۷) کے دوران میں روس کی کامیدہ عورتوں کی تعداد ۳۰ لاکھ سے ۹۰ لاکھ تک ہو گئی تیسری پنج سالہ تنظیم کے دوران میں بھی روس کی ترقی، ہمیت کو ۸ کروڑ عورتیں بغیر دعوی اپنے کندھوں پر سنبھالے جا رہی ہیں۔ عورت کی خدمات کی شکل درحقیقت میں اب قطعی تبدیل ہو چکی ہے۔ زاری روس میں ۱۸۹۷ء کی مردم شماری کے مطابق ہر دو عورتوں میں سے ایک گھریلو خدمت گذاری پر تھی۔ باقی ماندہ بڑی بڑی زراعتی تعلقہ داریوں پر کسان کا کام کرتی تھیں اور ایک قلیل کسر نرسریوں، ہسپتالوں اور تعلیمی اداروں میں ملازم نظر آتی تھی۔

مندرجہ بالا حالات سے ۴۰ سالہ قبل کی مزدور روسی عورت کا مقابلہ کیجئے۔ ۱۹۳۶ء میں سوویٹ اشتراکی روس کی ۴۰ فی صدی خود روزی پیدا کرنے والی عورتیں وسیع پیمانہ پر صنعت و حرفت اور عام تجارت میں کام کرتی تھیں۔ ۱۵ فی صدی دوکانوں، دفتروں، رسل و رسائل اور کھلانے کے کاروبار میں جگہیں حاصل کئے ہوئے تھیں، ۲۰ فی صدی ڈاکٹر اور استانیاں تھیں اور محض دو فی صدی گھریلو خدمات انجام دیتی تھیں۔ باقی ماندہ ۲۳ فی صدی کاروباری، سائنس اور دوسری مختلف فنی شاخوں میں لگی ہوئی تھیں۔

سوویٹ روس نے بڑے بڑے صنعتی کارنامے کئے ہیں جیسے کہ لینن گراڈ کی سکار کھوڈ شو فیکٹری ہے جہاں ۲ تہائی کام کرنے والی عورتیں ہی ہیں۔

مختصر خانہ داری

ان عورتوں کی مدد کے لئے جو بحیثیت دستکار یا مزدور کے عوام کی زندگی میں حصہ لئے ہوئے ہیں حکومت نے بہت سی پرورش گاہوں اور تربیت گاہوں کا انتظام کر دیا ہے۔ جہاں کام کرنے والی مائیں اپنے بچوں کو دوران کام میں بحفاظت چھوڑ سکتی ہیں۔ اس طریقہ سے پانچ برس پہلے پرورش تعلیم اور تربیت گاہوں میں سوویٹ متحدہ ۲۸ لاکھ بچوں کی حفاظت کرتی تھی تیسری پنج سالہ تنظیم سے دوگنی گنجائش کی امید تھی جب کہ ۵۴ لاکھ بچوں کی نگہداشت، پبلک خانقاہوں اور درسگاہوں میں ہو سکے گی اور اسی کے مطابق ماؤں کی تعداد گھریلو حفاظت سے آزاد ہو جائے گی تاکہ ملکی صنعت اور دوسرے اہم کاموں میں حصہ لے سکیں۔

مزید برآں فصل کے دنوں میں غلہ جمع کرنے والے فارم ذاتی فصلی پرورش گاہیں بنا لیتے ہیں۔ جب کہ تقریباً ۴۰ لاکھ بچوں کی نگہبانی ہوتی ہے اور ان کی مائیں کھیتوں میں کام کرتی ہیں۔

ہر جگہ عوام کے لئے طعام خانے اور دوکانیں جہاں ہر شخص کو پکا پکایا کھانا تیار مل سکتا ہے ہونے سے، روسی عورت کی زندگی اور زیادہ سہل الحصول ہو گئی ہے ۱۹۳۹ء میں روس کے بڑے بڑے شہروں میں ۵۰ ہزار زبردست طعام خانے موجود تھے جن سے ۱۲ ارب ۵۰ کروڑ روبل (روسی سکہ) کی سالانہ پیداوار ہوئی۔

مساوی اجرت

اپنے مرد کی طرح روسی عورت بھی ۷ گھنٹہ روزانہ کام کرتی ہے بعض کاروباری کارخانوں میں مرد اور عورت دن میں ۶ گھنٹہ کام کرتے ہیں۔ لیکن "برابر کام کے لئے برابر اجرت" کے اصول پر خواہ عورت نے کیا ہو یا مرد نے سختی سے عمل کیا جاتا ہے علاوہ ازیں مزدوروں کی آئینہ ساز انجمن عورتوں کی جسمانی حدود و قوت کا بھی خیال رکھتی ہے ان کو نسوانی طاقت سے زیادہ کام کرنے کی اجازت نہیں دیتی اور ان کاروباروں میں بھی جو عورتوں کی صحت کے لئے خطرناک ہیں قانون ان کے کام میں مزاحمت کرتا ہے اور مائیں جب کہ ان کے بچے ۶ ماہ سے کم عمر کے ہوں رات کی حاضری سے باز رکھی جاتی ہیں۔

تاہم اب روسی مزدور عورت کی زندگی میں کرہ زراعت کے اندر حیرت انگیز انقلاب رونما ہوا ہے۔ کئی کروڑ روسی عورتوں میں سے جو حکومت کے کاموں اور غلہ جمع کرنے کے فارموں میں کام کرتی ہیں ایک بھی "اناج کے بورے" یا "بہرے اوزار" نہیں کہے جا سکتے جیسا کہ مشہور روسی مصنف گورکی نے زار کے زمانہ کی مظلوم اور تفریق میں پڑی ہوئی مزدور عورت کے متعلق کہا تھا۔

اب کاشتکار روسی عورت قطعی آزاد ہے۔ قبل از انقلاب کی عورت۔ طلوع آفتاب سے لیکر غروب تک کھیت میں پسینہ بہاتی رہتی اور کبھی اس حقیقت سے آشنا ہوتی تھی کہ اس نے اس محنت کا کیا صلہ پیدا کیا ہے۔ لیکن اب یہ تمام مختلف ہے۔

کاشتکار عورتوں کی تعداد بھی بہت وسعت سے بڑھ گئی ہے ۱۹۳۶ء کے ہندسے بتاتے ہیں کہ فصل جمع کرنے والی کسان عورتوں نے خود فارم پر ایک سو کام کرنے والے دنوں میں ۳۵ سے زیادہ حاصل کئے۔ پہلے عورت درانتی اور پھاوڑے سے زیادہ کوئی خوفناک چیز نہ جانتی تھی جب کہ آج کل فارموں پر کام کرنے والی عورتیں بھاری گاڑیاں اور سب قسم کی بڑی زراعتی مشینیں چلاتی ہیں اور اتنی ہی تندہی سے کام کرتی ہیں جتنے کہ مرد۔

قریب قریب اتنی ہی بلکہ اس سے بھی زیادہ ترقی عورتوں نے تجارت سائنس اور فنون میں حاصل کی ہے۔ پہلی مثال یہ ہے کہ دنیا کے جملہ ممالک مل کر بھی دس ہزار سے زیادہ عورتیں انجنیری، تجارت اور کاروباری پیشوں میں پیش نہیں کر سکتے۔ جب کہ روس متحدہ سوویٹ دو لاکھ عورتوں کو محض سامنے لاسکتا ہے جو بحیثیت انجنیر اور مستری کے محکمہ صنعت و حرفت میں برسر روزگار ہیں اور خاندانی پیشوں میں لگی ہوئی ہیں۔

سائنس کے میدان میں معالج عورتوں کی تعداد زار کے وقت میں دو ہزار سے آجکل ایک لاکھ تک پہونچ گئی ہے۔ علاوہ ازیں عورتیں ہوا باز اور اعلیٰ کارکن ہیں۔

دوسرے ممالک کی نسبت سوویٹ عورت ورزش اور کھیل کود میں بھی زیادہ دلچسپی لیتی ہے۔ سوویٹ متحدہ کی ۵ لاکھ عورتیں آج کل جی-ٹی-او (جفاکشی اور مدافعت کے لئے تیار) کا نشان لگائے ہوئے ہیں۔ جب کہ تقریباً ایک لاکھ ۵۰ ہزار سے زائد فخر سے نشانہ بازی کا "وارا شلیوچ" لگاتی ہیں۔

جس ملک کی عورتوں کا یہ حال ہے اُس کے فرد کیا کچھ نہ ہوں گے اور جس حکومت کے یہ انتظامات ہیں اور جس کے پاس ایسے آدمی موجود ہیں وہ کس طرح غلام بنائی جا سکتی ہے! (ترجمہ انگریزی)

یہ نظر کس کے لئے ہے

حضرت جوش ملیح آبادی!!!

اے نرگس جاناں! یہ نظر کس کے لئے ہے؟
یہ شعلہ، یہ بجلی، یہ شرر کس کے لئے ہے؟

اے زُہرہ جبینوں کے لئے پیکِ ہزیمت!
پیغامبرِ فتح و ظفر کس کے لئے ہے؟

اے تجھ کو ملے عمر مری شام بلاکی
یہ زُلفِ رسا تابہ کمر کس کے لئے ہے؟

اے سایۂ کاکل میں بھڑکتے ہوئے عارض
ظلمات میں یہ آبِ خضر کس کے لئے ہے؟

اے قامتِ بالا و بلند، اے قدِ موزوں!
یہ سرو، یہ شاخِ گل تر کس کے لئے ہے؟

اے دیدۂ مے پرور اے نرگسِ مخمور!
چھلکا ہوا یہ ساغرِ زر کس کے لئے ہے؟

اے عارضِ ناشستہ و روئے عرق آلود!
یہ شہد، یہ شبنم، یہ شکر کس کے لئے ہے؟

اے تجھ پہ فدا چشمکِ خورشید جہاں تاب
رُخ پر یہ تبسم کا اثر کس کے لئے ہے؟

اے زانوئے کونین کی دیرینہ تمنا!
قرباں تری زلفوں کے، یہ سر کس کے لئے ہے؟

اے حسنِ رُخِ روشن و اے جلوۂ کاکل!
یہ ہوشربا شام و سحر کس کے لئے ہے؟

اے تیرے قدم پر سرِ خوبانِ سرافراز
یہ ناز یہ دزدیدہ نظر کس کے لئے ہے؟

اے گیسوئے آشفتہ و اے کاکلِ برہم
یہ عمرِ مسیحا و خضر کس کے لئے ہے؟

اے خود سے ابھرتی ہوئی بدمست جوانی
ہر سانس میں یوں زیر و زبر کس کے لئے ہے؟

اے شوخ کبھی جوش سے اس نظم کی ضد پر
یہ پوچھ کہ تو خاک بسر کس کے لئے ہے؟



غریب کی دنیا

شیاما اک غریب کسان کی لڑکی تھی۔ اس کے والدین ایام طفولیت میں انتقال کر گئے تھے۔ صرف اک ضعیف دادی تھی جو اس کی کفیل تھی۔ ابھی شیاما کی عمر پندرہ سال کی بھی نہ ہونے پائی تھی کہ اس کی دادی نے شیاما کی شادی اک کسان کے لڑکے رام ناتھ کے ساتھ کر دی۔ رام ناتھ ایک سیٹھ صاحب کے یہاں پندرہ روپیہ ماہوار پر ملازم تھا اور اپنے بڑے بھائی شیو ناتھ کے ساتھ رہا کرتا تھا۔ اس کے تین بچے اور بیوی ہی تھی۔ سرلا شیو ناتھ کی بیوی اور شیاما کچھ دن تو اچھی طرح رہیں لیکن کب تک دونوں دیورانی جٹھانی کی اس لئے رات دن کی لڑائی تھی۔ لیکن پہلی تاریخ کو جب رام ناتھ اپنی پوری تنخواہ سرلا کو لا کر دیدیتا تو اس وقت سرلا بیحد خوش ہو جاتی اور یہ عارضی خوشی دس پندرہ دن تک رہتی۔ اس لئے بیچاری شیاما کو بھی طعنے تشنے سننے سے فرصت ملتی۔ اور کچھ دن یونہی خوشی سے گذر جاتے لیکن فلک کجرفتار کو شیاما کی اس قدر خوشی بھی منظور نہ ہوئی ہیضہ کا گاؤں میں بہت شور ہوا جسنے شیاما جیسی بیکس کو بیوہ کر دیا۔ یہ غم ایسا نہ تھا جسے شیاما برداشت کر لی اس کے لئے زندگی اجیرن ہو گئی۔ صرف اک لڑکی کی ذات ایسی تھی جو شیاما کو زندہ رہنے پر مجبور کر تی۔ وہ زندہ تھی لیکن مردوں سے بدتر۔ سرلا کے طعنے اس کے کلیجے کو چھلنی کئے دیتے۔ دین دنیا میں اس کا کوئی نہ تھا۔ غریب دادی شادی کے دوسرے سال ہی دنیا سے سدہاری جو کچھ تھوڑی بہت جائداد تھی وہ بھی شیو ناتھ نے اپنے نام کر لی۔ اب شیاما کو سوائے اس کے کوئی چارہ نہ تھا کہ اپنی زندگی کے دن وہیں کاٹے۔ ایک روز شیاما کھانا پکا رہی تھی کہ کچھ کام کے لئے باہر چلی گئی تو چاول گیلے ہو گئے سرلا غصہ میں بھری ہوئی باورچی خانے میں آئی تو شیاما نے کہا۔ "دیدی آج بھات گیلا ہو گیا"

سرلا۔ اور تم کدھر مر گئی تھیں۔

شیاما۔ دیدی جی! اتفاق سے آج ہی بھات گیلا ہو گیا ورنہ روز تو اچھے پکاتی ہوں۔

سرلا۔ ہاں اب زبان بھی خوب چلانا آ گئی ہے۔ چار ہاتھ کی عورت آدھ پاؤ چاول نہیں ابال سکتی۔ موا کھانا پکا ہے جیسے کتے کا راتب۔ وہ تو بیچارہ مر گیا یہ ہمارے سر چھوڑ گیا وغیرہ وغیرہ۔ سرلا کا غصہ پورے زور و شور پر تھا کہ شیو ناتھ کھنکارتا ہوا گھر میں داخل ہوا۔ کاندھے پر سے رومال اتار کر کھونٹی پر ٹانگتے ہوئے کہا "کیا ہوا" "آج پھر لڑائی ہونے لگی۔

کیا ہوا!" سرلا نے آواز تیز کرتے ہوئے کہا۔ اتنا عمدہ چاول اس کی یہ گت۔ کوئی کام میں دل ہی نہیں لگتا۔ یہ بھات پکایا ہے۔ جیسے .... اب تو شیاما سے برداشت نہ ہو سکا روتے ہوئے کہا دیدی کہہ تو رہی ہوں قصور ہو گیا معاف کرو بچے نے پاخانہ کر دیا تھا اسے صاف کرنے میں دیر لگ گئی بلکہ تھی معقول۔ شیو ناتھ نے اپنی بیوی سرلا سے کہا تم تو فضول اس کے پیچھے پڑ جاتی ہو۔ کوئی بڑا بھاری قصور نہیں ہوا ہے جو تم لڑے مر رہی ہو۔ شیاما کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا جا بائی اپنا کام کر۔ کیوں رو رو کر ہلکان ہو رہی ہے۔ سرلا سے اب ضبط کرنا محال ہو گیا۔ وید سے نکال کر گلا پھاڑ پھاڑ کر چلانا شروع کیا" ہاں تم نے تو اور اس کو سر چڑھا لیا ہے۔ میری بات کچھ رہی نہیں تب مجھے رکھو یا اس کو؟ اب میں ایک منٹ نہیں رہ سکتی۔ شیاما نے (آنسو پونچھتے ہوئے کہا) دیدی تم کیسی بات —— ابھی جملہ پورا نہ ہوا تھا کہ سرلا نے کہا کیسی بات" اور ہاتھ کا کفگیر شیاما کے منھ پر دے مارا۔ شیاما کی ناک سے خون جاری ہو گیا اور وہ بے ہوش ہو گئی۔ سرلا بجائے ڈرنے یا چپ ہونے کے اور زور زور سے گالیاں دے رہی تھی۔ اس کی زبان قینچی کی طرح چل رہی تھی۔ شیو ناتھ خاموش کھڑا تھا۔ سرلا کو سمجھانا اس کے بس کی بات نہ تھی۔ آخر سرلا نے شیاما کو اپنے گھر سے نکال کر ہی چین لیا۔ شیاما ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئی دل پر یاس و حسرت کی گھٹائیں چھائی ہوئی تھیں۔ کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کہاں چلی جائے کیا کرے۔ وہ سوچ رہی تھی کہ جب رام ناتھ زندہ تھا تب مجھے کتنا سکھ تھا یہی دیدی جب پوری تنخواہ لے لیتی تو کس قدر خوش رہتی اب مجھ میں ایسے کیڑے پڑ گئے کہ چار دن بھی مجھے رکھنا دوبھر ہو گیا۔ یہ سب خیالات سنیما کی تصویروں کی طرح یکے بعد دیگرے اس کے سامنے پھرنے لگے۔ آخر با دل ناخواستہ اٹھی اور ایک طرف کو روانہ ہوئی مسلسل تین چار گھنٹے چلنے کے بعد اسے شہر دکھلائی دیا۔ شہر کی رونق ہی کچھ اور تھی دور کسی امیر کی کوٹھی میں ریڈیو بج رہا تھا۔

چھوٹ گیا سب ساتھ سہارا —— اپنے بھی کر گئے کنارا۔ شیاما

بنود سننے کی شعروں کے حسب حال تھا۔ آہ گیت میں جانے کیا جادو تھا جسے سنتے ہی شیاما کے آنسو گرنے لگے اور وہ جلدی جلدی اس کوٹھی کے پاس پہنچ گئی۔ جہاں ریڈیو بج رہا تھا۔

(۱) جو یوں سینچا وہ جھاڑ سوکھ گیا جو محل بنایا۔ کچھ گیا جو بھی دیا جلایا
(۲) اس اندھیارے جگ اندھیارا۔ جہاں جہاں سے کلاؤں میں کا قدروں کے آ جا
شیاما درخت کے پاس بیٹھ کر زار زار رونے لگی۔

مسٹر سندر لال کی کوٹھی (جو لب دریا واقع تھی) آج معمول سے زیادہ سجائی گئی تھی ان کے لڑکے شیام لال کی منگنی تھی۔ اور بہت ہی دھوم دھام سے تیاریاں ہوئی تھیں گانے والی بھی بلائی گئی تھی۔ گانا شروع ہونے میں صرف دو گھنٹہ باقی تھا اس لئے دوست احباب ریڈیو بجا کر دل بہلا رہے تھے۔ شراب کے دور چل رہے تھے تھوڑی دیر کے بعد ناچ شروع ہو گیا۔ جانے کیوں شیاما کے دل میں خواہش ہوئی کہ وہ بھی گانا سنے۔ آخر چھپ کر کسی نہ کسی طرح وہ وہاں پہنچ گئی جہاں گانا ہو رہا تھا اور لان میں گملوں کے پاس بیٹھ گئی۔ لڑکی سو رہی تھی تو خاموش تھی لیکن جاگنے کے بعد بھوک سے بیتاب ہو کر رونے لگی۔ اک نو مولود بچے کے رونے کی آواز سن کر سندر لال دروازہ کھول کر باہر آئے۔ دیکھا تو ایک غریب مفلس بیٹھی ہے۔ سندر لال شراب کے نشہ میں مدہوش تھے دربان کو بے نقط گالیاں دے کر اس بے چاری کو اتنی زور سے لات رسید کی کہ وہ منہ کے بل گر پڑی دربان کو ڈانٹ کر کہا فوراً اسے احاطہ سے باہر کر دو کمینی راستے کے وقت بھی بھیک مانگنے سے باز نہیں آتی۔ ایسے موقع پر دربان بھی اپنی بہادری اچھی طرح دکھاتے ہیں۔ چنانچہ اس غریب کی پیٹھ تھی اور دربان کا موٹا لٹھ — شیاما نے کراہتے ہوئے کہا۔ بابا بھگوان کے لئے مجھ پر دیا کر۔ میں بھیک مانگنے نہیں آئی غریب ہوں۔ کھانا کپڑا مل جائے تو میں بھی کام کیا کروں گی — اس وقت گانا سننے آئی تھی۔ "ہوں" دربان نے کہا۔ نوکری کرے گی بدمعاش جھوٹی۔ چل باہر۔ اور چوٹی پکڑ کر گھسیٹتا ہوا پھاٹک کے باہر کر دیا۔ شیاما بھوک سے بیتاب ہو رہی تھی۔ اب پیاس بھی شدت سے محسوس ہونے لگی۔ بہزار وقت وہ دریا کے کنارے پہنچی۔ ہاتھوں سے پانی لے کر شکم کی آگ کو بجھایا۔ آج دن بھر سے اسے روٹی بھی کھانے کو نہ ملی تھی وہ سوچ رہی تھی۔ بھگوان یہ دنیا امیروں کے لئے ہے۔ میں صرف گانا سننے کے لئے اس امیر کے گھر گئی مگر آہ —— اس بے چاری کو گانا سننے کا بھی ادھیکار نہ تھا۔

اسی رات شیاما مع اپنی لڑکی کے غرق آب ہو کر صفحۂ ہستی سے ناپید ہو گئی۔ پانی میں چند بلبلے اٹھے موجیں ساحل سے ٹکرا ٹکرا کر خاموش ہو گئیں۔ چاند اداس مضمحل اس صدمہ جانکاہ کی تاب نہ لا کر بادلوں میں چھپ گیا۔ تاروں کی روشنی ماند پڑ گئی۔

دوسرے دن دریا سے اس کی لاش برآمد ہوئی — سیٹھ جی منگنی کے انتظامات میں منہمک تھے۔ کوٹھی سے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ شیاما کو جلانے کے لئے چندہ جمع ہو رہا تھا

کس نے جہاں میں سکھ دیکھا ہے ——
کس جیون میں غم نے جلایا نہیں (محمودہ مہربانو امراؤتی)

بائیس ہزار روپیہ معمہ نمبر ۵۹ نقد انعام

		۳۳
	۳۲	
۳۱		

ترکیب حل سامنے نو خانے مربع ہیں انہیں ہندسوں سے اس طرح پُر کریں کہ ہر طرف قطار کا مجموعہ ۹۰ آئے یعنی جمع، ضرب یا کسی قسم کی کسر وغیرہ استعمال نہ ہوگی۔

انعام ہر درست حل والے کو کم از کم ایک ہزار روپیہ انعام دیا جائے گا۔ اور جو بھی ایک جس کے سب سے زیادہ حل دفتر میں موصول ہوں گے۔ ایک ہزار روپیہ کا خاص انعام دیا جائے گا۔ جس کے کم سے کم پانچ حل دفتر میں موصول ہوں گے ایک عمدہ ماڈلٹن پن انعام دیا جائے گا۔ تمام انعام گارنٹی شدہ ہیں۔

شرائط و قواعد کسی سادہ کاغذ پر کسی تعداد میں حل معہ فیس داخلہ بحساب ایک روپیہ فی حل دفتر میں روانہ فرمائیں جتنی تعداد میں حل روانہ کریں اتنی ہی تعداد میں روپیہ روانہ کریں اور پانچ پیسہ کا ٹکٹ ہمراہ روانہ کریں تاکہ نتیجہ آپ کو براہ راست روانہ کیا جاسکے منی آرڈر کی رسید حلوں کے ہمراہ روانہ کریں۔ جن حلوں کے ہمراہ رسید نہ ہوگی وہ حل مقابلہ میں شامل نہ ہوں گے۔ تاریخ مقررہ کے گزرنے کے بعد جو حل دفتر میں موصول ہونگے مقابلہ میں شامل نہ کئے جائیں گے۔ تمام حل اور منی آرڈر ۱۵ نومبر تک دفتر میں موصول ہونے چاہئیں۔ درست حل اور قابل انعام حل وہی تصور ہوگا جو ہمارے سربمہر حل سے ہندسہ بہ ہندسہ اور خانہ بخانہ ملتا ہوگا۔ اس معمہ کی واضح شرط ہے کہ منیجر معمہ کا فیصلہ قطعی اور قانونی طور پر قابل قبول ہوگا۔ ۱۶ نومبر کو سربمہر حل شرفا کی موجودگی میں کھولا جائیگا۔ اور فوری کو اطلاع روانہ ہوں گے حل اور منی آرڈر بپتہ ذیل پر روانہ کریں۔

پتہ۔ منیجر انڈو امریکن ہائیڈ کمپنی ۱۶ اکرم روڈ بیت ۵۵ لاہور

شب عروسی یہ کتاب ان کے لئے جو ہر روز پہلی رات کا مزہ لینا چاہتے ہیں۔ ہر راستہ کے لئے آدمی کو رہبر کی تلاش ہوتی ہے ان کے لئے یہ رہبر ہے۔ ایک قابل شوہر وہی ہوتا ہے۔ جو اس زندگی میں قدم رکھنے کے پہلو اس کے متعلق پوری معلومات حاصل کرے اس کتاب میں علاوہ جنسی کیفیات بڑھانے کے علمی اصلاحی بہت سی باتیں ہیں جو صرف مطالعہ ہی سے معلوم ہو سکتی ہیں یہ کتاب آپ کی زندگی کو کامیاب تر بنانے کی ضامن ہے۔ قیمت ایک روپیہ۔ علاوہ محصولڈاک۔

شاہی کوک شاستر جو بادشاہوں کے لئے تھا۔ اب وہ عام ہے عربی کتاب رجوع الشیخ کا ترجمہ ہے جو ہارون رشید کے طبیب خاص نے ایک منچلے رئیس کیلئے مرتب کی اسمیں جنسی لطف حاصل کرنے کے وہ وہ طریقے ہیں جن کو دیکھکر حیرت میں رہ جائینگے دواؤں سے چند حرکات سے چند مساس سے چند حکایتوں سے چند باتوں سے، جانوروں کے جنسی طریقوں سے غرضیکہ ایک عورت اور اس سے ہزاروں طریقوں سے کسب لذت اسی کتاب میں ہے۔ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ علاوہ خرچ ڈاک۔

جوانی اور شادی کی
مسرتیں اگر حاصل کرنی ہوں
تو یہ کتابیں پڑھیئے

دلہن کی ڈائری ایک شوخ و طرار دلہن کی آپ بیتی پہلی شب کا پرکیف سماں، کچھ خوف، کچھ شرم، کچھ ہراس، کچھ گدگداہٹ، دولہا میاں کی ہیبت با غیاں عشرت کی کھل چھپی بے صبری کے جذبات بے تابی کے مظاہرے۔ پوشیدہ حالات کا انکشاف غرضیکہ دلچسپیوں کا لاجواب مرقعہ ہے۔ اور قیمت ایک روپیہ چار آنہ (دعہ) علاوہ محصول ڈاک۔

کیف مواصلت صنفی کتابوں میں عام طور پر لٹریچر کی عیاشی ہوتی ہے۔ اسمیں گو کام کی باتیں بھی ہوتی ہیں لیکن کیف مواصلت میں اس بات کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ کام کی باتیں زیادہ ہیں جیسا کہ اس کتاب کے نام سے معلوم ہوتا ہے اسمیں مواصلت کے کیف کو بہتر طریقے سے بہتر بنانے کی کوشش کی گئی ہے اسمیں سب سے زیادہ حفظ ماتقدم پر زور دیا گیا ہے اور اگر آدمی اس کتاب کو اپنا رہبر بنائے تو وہ کسی مردانہ و زنانہ مرض میں مبتلا ہی نہ ہو اور یہی سب سے بہتر چیز بھی ہے۔ قیمت ایک روپیہ (عہ) علاوہ محصول پتہ۔ منیجر رسالہ محشر خیال اردو بازار نمبر ۳ دہلی

عشقِ و محبت کی چار سو بیسیں ۴۲۰



خوصرہ ہوا مسز وجے لکشمی پنڈت سابق وزیر یو۔پی گورنمنٹ نے اخبارات میں کہا تھا کہ اس وقت بھی جب کہ میں جوانی کی منزلیں طے کر چکی ہوں مجھے اکثر محبت کے خطوط موصول ہوتے رہتے ہیں۔ جن میں جان تک نچھاور کرنے کی پیشکش کی جاتی ہے۔

بعض اوقات میں اور میرے بچے کھانے کی میز پر بیٹھتے ہیں تو ان چٹھیوں کو بآوازِ بلند پڑھ کر سنایا جاتا ہے۔ اور میرے بچے حیران ہوتے ہیں کہ یہ لوگ ان کی ماں کو کیا لکھتے ہیں۔

مسز وجے لکشمی پنڈت، پنڈت جواہر لال نہرو کی ہمشیرہ ہیں۔ پبلک لیڈر ہیں۔ اور ایک صوبہ کی وزیر رہ چکی ہیں۔ اس کے باوجود لوگ انہیں محبت کی چٹھیاں لکھنے میں پس و پیش نہیں کرتے۔ ان حالات میں ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ ایکٹریسوں کی جن کا پیشہ ہی "محبت" ہے کیا حال ہوگا۔

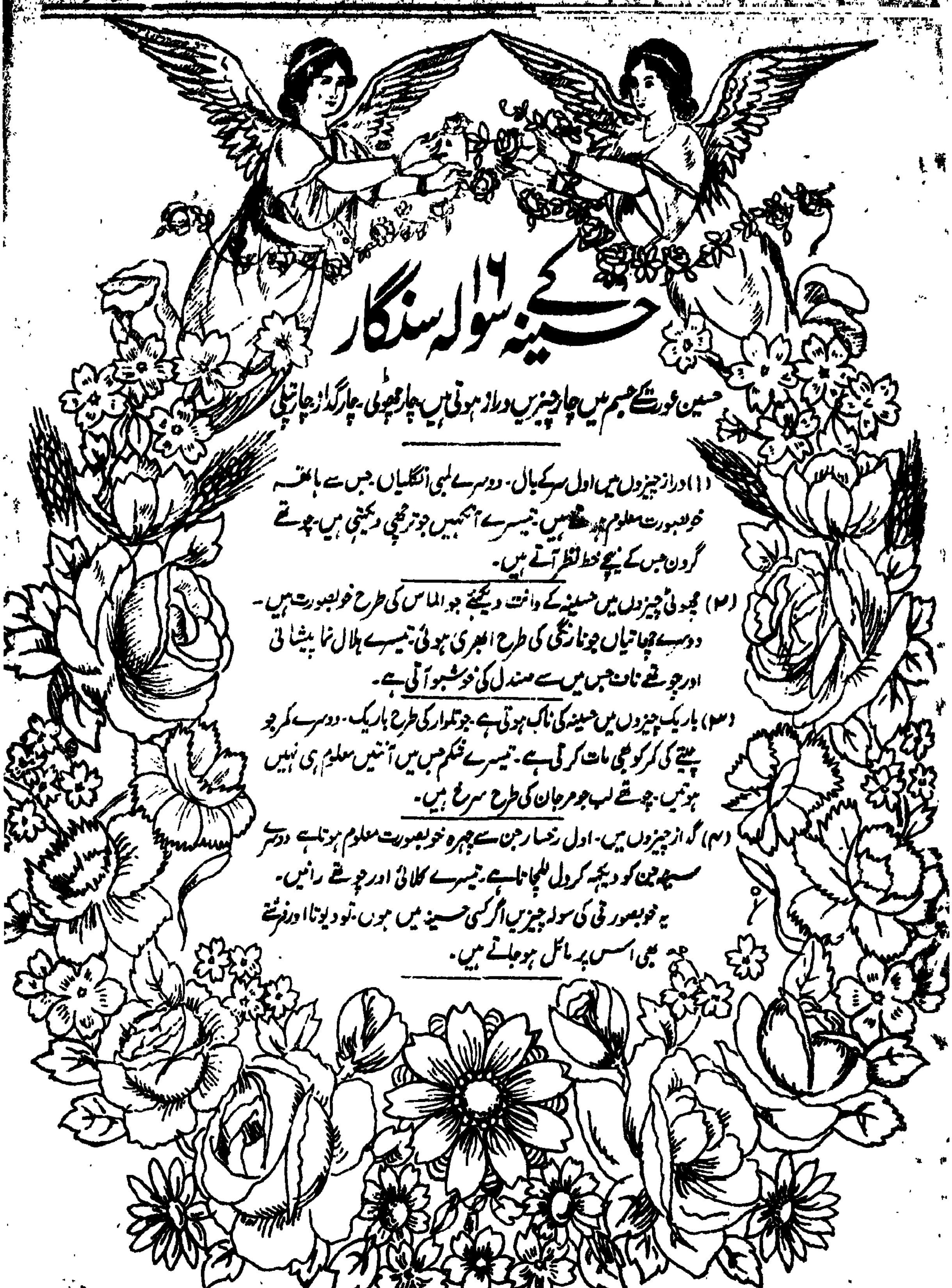
ایکٹریسوں کو ہر ڈاک میں دل پھینک نوجوانوں کی طرف سے سینکڑوں چٹھیاں موصول ہوتی ہیں۔ کسی میں تصویر کے لئے التجا کی جاتی ہے اور کسی میں فراق کی راتوں کے طول، عرض کا رقبہ پیش کیا جاتا ہے۔

ایکٹریسوں کے نزدیک ان محبت کی چٹھیوں کی کوئی قیمت نہیں ہوتی بعض نوجوان ہر ڈاک میں ڈاکخانہ کا چکر کاٹتے ہیں اور انہیں ہر روز مایوس ہونا پڑتا ہے۔

لیکن اگر کوئی ایکٹریس کسی نوجوان کو بذاتِ خود محبت کی چٹھیاں لکھنا شروع کردے تو اس نوجوان کا آپے سے باہر ہو جانا قدرتی امر ہے۔ بہاولپور سے ہمارے نامہ نگار کی چٹھی موصول ہوئی ہے کہ وہاں کے ایک تحصیلدار صاحب سے حال ہی میں اس قسم کا ایک واقعہ پیش آیا۔ ریاست بہاولپور کے ان تحصیلدار صاحب کو مشہور رقاصہ مس "ممتاز شانتی" کی طرف سے محبت کی دو تین چٹھیاں موصول ہوئیں تو جناب کی باچھیں کھل گئیں۔ دونوں طرف سے محبت کی پینگیں بڑھنی شروع ہو گئیں۔ ایک چٹھی میں "ممتاز شانتی" نے لکھا کہ مجھ میں اب زیادہ انتظار کی تاب نہیں اور دل میں ولولے پیدا ہو رہے ہیں کہ کہیں سیر و سیاحت کو نکل چلیں۔ مجھے تو دن رات یہی خواب آتے رہتے ہیں کہ حضور کب مجھ کو اپنی کنیز تاحیات بنانے کا شرف بخشیں گے۔ اس وقت میں دنیا میں اپنے آپ کو سب سے زیادہ خوش نصیب سمجھوں گی آپ مجھے اپنا مکمل پروگرام بھیجیں تاکہ میں میوہ جات اور تحائف کا ایک پارسل خدمت عالی میں ارسال کر دوں اس چٹھی کے نیچے ممتاز شانتی کے دستخط اور پوسٹ بکس کا نمبر تھا۔

تحصیلدار صاحب کو چٹھی موصول ہوئی تو آپ نے اپنا تمام پروگرام لکھ بھیجا اور دو تین روز کے بعد انہیں پھلوں کا پارسل موصول ہو گیا۔ محبت کی گرہ اور بھی مضبوط ہو گئی۔ چند دن کے بعد انہیں حسب معمول پھر ایک چٹھی موصول ہوئی جس میں ایک سو روپے کا مطالبہ کیا گیا تھا۔ تحصیلدار صاحب نے پہلی فرصت میں پوسٹ بکس کے نمبر کے پتہ پر ایک سو روپے کا منی آرڈر بھیج دیا۔ اور چند دن کے بعد خود بھی بن سجا کر لاہور پہنچ گئے۔

چنانچہ جب تحصیلدار صاحب مس ممتاز شانتی کے مکان پر پہنچے تو وہاں معاملہ ہی اور تھا۔ مس صاحبہ نے انہیں پہچانا تک نہیں تحصیلدار صاحب حیران ہوئے۔ کہ آخر محبت کی ان طول طویل چٹھیوں کا کیا مطلب تھا۔ کچھ دیر تو وہ اس ستم ظریفی کو برداشت کرتے رہے۔ اور جب نام اور پتہ بتانے کے باوجود بھی دوسری طرف سے بے التفاتی ہی رہی تو انہوں نے چٹھیاں نکال کر میز پر رکھ دیں۔ اور تب انہیں پتہ چلا کہ چٹھیاں لکھنے والی مس ممتاز شانتی نہیں کوئی ممتاز شاتا تھا جو دو روپے کے پھل بھیج سو روپیہ اینٹھ لے گیا۔ کچھ بھی ہو چٹھیاں لکھنے والے کے دماغ کی داد دینی چاہیے کہ اس نے عشق و محبت کی چار سو بیس کر کے نیا ریکارڈ قائم کیا ہے۔ نوجوانوں کو اس قسم کی ایکٹریسوں سے محفوظ رہنا چاہیے۔ ہم نے یہ واقعہ اس لئے لکھ دیا ہے کہ چار سو بیس قسم کے لوگ نئے نئے طریقوں کی تلاش میں رہتے ہیں اور ہمیں خدشہ ہے کہ کہیں دوسرے نوجوانوں کو بھی اسی طرح دھوکہ کا شکار نہ ہونا پڑے۔ (رہبرِ بھارت)



حسینہ کے ۱۶ سولہ سنگار

حسین عورت کے جسم میں چار چیزیں دراز ہوتی ہیں چار چھوٹی۔ چار گداز چار پتلی

(۱) دراز چیزوں میں اول سر کے بال۔ دوسرے لمبی انگلیاں۔ جس سے ہاتھ خوبصورت معلوم ہوتے ہیں۔ تیسرے آنکھیں جو ترچھی دیکھتی ہیں۔ چوتھے گردن جس کے نیچے خط نظر آتے ہیں۔

(۲) چھوٹی چیزوں میں حسینہ کے دانت دیکھئے جو الماس کی طرح خوبصورت ہیں۔ دوسرے چھاتیاں جو نارنگی کی طرح ابھری ہوئی۔ تیسرے ہلال نما پیشانی اور چوتھے ناف جس میں سے صندل کی خوشبو آتی ہے۔

(۳) باریک چیزوں میں حسینہ کی ناک ہوتی ہے۔ جو تلوار کی طرح باریک۔ دوسرے کمر جو چیتے کی کمر کو بھی مات کرتی ہے۔ تیسرے شکم جس میں آنتیں معلوم ہی نہیں ہوتیں۔ چوتھے لب جو مرجان کی طرح سرخ ہیں۔

(۴) گداز چیزوں میں۔ اول رخسار جن سے چہرہ خوبصورت معلوم ہوتا ہے دوسرے سینہ جن کو دیکھ کر دل للچاتا ہے۔ تیسرے کلائی اور چوتھے رانیں۔

یہ خوبصورتی کی سولہ چیزیں اگر کسی حسینہ میں ہوں۔ تو دیوتا اور فرشتے بھی اس پر مائل ہو جاتے ہیں۔

شاعر کا حشر

از جناب محمد ... صاحب ...

"کیا میں مر جاؤں گا" میری ہستی نیست و نابود ہو جائے گی، دنیا مجھے ہمیشہ کے لئے فراموش کر دے گی۔ موت مجھے لوریاں دے دیکر اس طرح سلا دے گی کہ پھر کبھی بیدار نہ ہو سکوں گا۔ نہیں ہرگز نہیں، میں نہیں مر سکتا میری ہستی نہیں مٹ سکتی۔ دنیا مجھے اور میری خدمات کو نہیں بھول سکتی میرے احسانات کو، جو میں نے اس کے لئے کئے ہیں۔ وہ احسان فراموش نہ بنے گی اسے میری ضرورت ہے ضرورت رہے گی۔ وہ مجھے کھو کر ساری عمر پچھتائے گی موت، ہاں وہ ظالم موت جس نے سینکڑوں گھر برباد کئے ہیں۔ کروڑوں کے شیرازۂ حیات کو بکھیر دیا ہے۔ اور جس کا نام سنکر سارا عالم تھرا جاتا ہے۔ میرا کچھ بگاڑ نہیں سکتی۔ میرے پاس بھٹک نہیں سکتی میری طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ نہیں سکتی۔ وہ مجھ سے ڈرتی ہے، خوف کھاتی ہے۔ میرے نام سے لرزہ براندام ہو جاتی ہے۔ کیوں؟ محض اس لئے کہ میں شاعر ہوں۔ ایک فطری شاعر، میرے دل میں حقیقی جذبات پنہاں ہیں۔ میرے اشعار میں سحر و افسوں کی بجلیاں بھری ہوئی ہیں۔ اگر چاہوں تو آن واحد میں اس کی کایا پلٹ کر دوں۔ اسے ملیامیٹ کروا دوں۔ اس کی شمع زندگی کو ہمیشہ کے لئے گل کر دوں۔ خیالات کی ایک رو تھی جس میں بستر مرگ پر بہتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ میں مریض تھا، سخت مریض۔ ڈاکٹر حکیم میرے غیر معمولی مرض سے بے زار ہو کر جواب دے چکے تھے۔ کسی کو میرے بچنے کی آس نہ تھی۔ حتیٰ کہ میں خود اپنی زندگی سے مایوس ہو چلا تھا۔

اتنے میں ایک خوفناک اور مہیب شکل میرے سامنے تھی۔ اس کی شعلہ بار آنکھیں مجھے گھور رہی تھیں۔

"تو ناداں ہے۔ تیرا خیال غلط ہے، لغو ہے، محض لغو کہ تو ہمیشہ زندہ رہے گا۔ ہر شے فانی ہے۔ الا اللہ۔ لہٰذا تجھ کو بھی فنا ہونا پڑے گا۔ تیری ہستی بھی دنیا سے مٹ جائے گی۔ اور فوراً مٹ جائے گی۔ ہاں فوراً اسی دم اسی آن میں" شکل نے کہا۔

"کون ہو تم؟"

"میں؟ میں بقول تمہارے وہ ہوں جس کے نام سے سارا عالم تھرا جاتا ہے، میں وہ ہوں جو کائنات کے شیرازۂ حیات کو بکھیر دیا کرتی ہے۔

یعنی؟

یعنی موت۔

ارے اف، موت؟ کیسی ڈراونی شکل ہے، خدا کی پناہ۔ آہ! تو کیوں آئی ہے۔ کیا مجھے زندہ نہ چھوڑے گی؟ نہیں نہیں تجھے خدا کا واسطہ ایسا نہ کر۔ ابھی مجھے بہت سی قومی خدمتیں انجام دینی ہیں، رحم کر میری حالت پر مجھے اپنے حال پر چھوڑ دے۔

ہرگز نہیں، ایسا ہو نہیں سکتا۔ یہ خدائی وارنٹ ہے تمہیں چلنا ہی پڑے گا۔ اس دنیا سے، ہاں اسی دنیا سے جسے تو نے اپنا اور دوامی سمجھ رکھا ہے۔ اور جو دراصل محض ناپائدار اور چند روزہ ہے۔

اس مرگ بے ہنگام کی خبر کوئی معمولی خبر نہ تھی۔ میری روح کانپ گئی۔ رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ خدائی حکم تھا، سرتابی کی مجال نہ تھی میں مجبور تھا۔ میری زبان بند ہو گئی۔ قوت گویائی سلب کر لی گئی۔ ہاتھ پیر نڈھال ہو گئے۔ دم گھٹنے لگا، ہچکیاں بندھ گئیں۔ دم واپسیں لیا اور بس۔

صدیاں گذر چکی تھیں۔ زمانہ بدل چکا تھا۔ بلندیاں پست اور پستیاں بلند ہو چکی تھیں۔ کہ ایک روز ناگہاں میں قبر سے اٹھایا گیا۔ اوروں کی طرح بالکل تنہا۔ قیامت تھی اور میدان حشر میں ہر سو ایک عجیب پریشانی تھی۔ ہر شخص حالت بیگی میں کچھ ایسا جو اس باختہ تھا۔ کہ کسی کو کسی کی خبر تک نہ تھی۔ میں حیران پریشان ادھر ادھر بھٹکتا پھر رہا تھا۔ نہ کوئی یار تھا نہ مددگار۔ اچانک میں نے دیکھا کہ دو فرشتے "جہنم کو بھر دیں گے شاعر ہمارے" پڑھتے ہوئے میری طرف بڑھے۔ اور میرے ہاتھ پکڑ کر کشاں کشاں دوزخ کی طرف لے چلے راستہ میں میرے دو فرشتوں سے ملاقات ہوئی جو بہشتیوں کا استقبال کر رہے تھے۔ وہ مجھے دیکھ کر میری طرف بڑھے اور فرشتۂ دوزخ سے کہنے لگے "اسے کہاں لئے جاتے ہو، چھوڑ دو یہ جنتی ہے" مگر ان دوزخ کے فرشتوں نے نہ چھوڑا۔ آخر فریقین میں زبردست جنگ ہونے لگی اور میں کھڑا دیکھتا رہا۔ کچھ دیر بعد غیب سے ندا آئی "کیوں جھگڑ رہے ہو۔ چھوڑ دو اسے۔ یہ نہ دوزخی ہے نہ جنتی۔ کیونکہ یہ شاعر ہے اگر اسے دوزخ میں بھیج دوں تو اس کی تعریف و خوبی بیان کرتے کرتے اسے فردوس بریں بنا ڈالے گا۔ اور اگر جنت میں جگہ دیتا ہوں تو وہاں جا کر یہ غم و الم کے اشعار پڑھنے لگا۔ اور آہ و فغاں شروع کر دی تو جنت بیچاری ہمیشہ کے لئے دوزخ بن کر رہ جائے گی اور بہشتیوں کے لئے جینا دوبھر ہو جائے گا۔ لہذا بہتر ہے کہ "چھوڑ دو اس کو کہ پھر محشر میں نہ آئے۔ جائے جہاں پر اسکا سینگ سمائے" فرشتوں نے مجھے چھوڑ دیا اور میں آزادانہ طور پر ادھر ادھر ٹہلنے لگا۔ کہ بھابی صاحبہ نے آ کر جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر اٹھانا شروع کیا۔ اور کہنے لگیں "کیا مردے سے شرط لگا کر سوئے ہو جو اٹھنے کا نام ہی نہیں لیتے اسکول کا وقت بھی قریب آ گیا ہے۔ اور تم ہو کہ گدھا بیچ کر سو رہے ہو" بھابی صاحبہ کی نصیحت زود اثر ...... سنکر میں اٹھا اور جلد جلد ناشتہ کھا کر اسکول کا راستہ لیا۔

ادب پارے

مختلف زبانوں کے تراجم

آخری وصیت

اگر وہ لوٹ آئیں تو میں ان سے کیا کہوں؟ .... یہی کہ میں عمر بھر ان کا انتظار کرتی رہی! اور جو انہوں نے کچھ اور پوچھا اور مجھے نہ پہچانا! تو سکھی! بہنوں کی طرح بولنا۔ نرمی کے ساتھ۔ کہیں انہیں رنج نہ ہو..... پھر تو انہیں میرا چھلا دیدینا..... خاموشی سے .... اور اگر وہ پوچھیں کہ یہ ایوان سنسان کیوں ہے ...... تو تو انہیں بجھی ہوئی شمع دکھا دینا ہاں! یہ کھلا ہوا دروازہ بھی .... پھر .... یہ سب کچھ دیکھ کر وہ پوچھنے لگیں کہ تمہاری سہیلی کو نیند کیسے آگئی تو کہہ دینا کہ اس نے مسکرا کر جان دیدی... مگر دیکھنا! وہ دردمند نہ ہوں۔ آنسو نہ بہائیں۔ (ہندی)

ساتھی

شام کا اندھیرا چھاتے ہی گل و بلبل کی عشق بازیاں ختم ہو گئیں۔ بھونرے اپنے محبوب پھولوں سے اکتا کر جدا ہو گئے .... رات کا پچھلا پہر آ پہنچا تاروں کی محفل برخاست ہونے لگی.... اے لو! وہ ایک ایک کرکے سب کے سب آسمان سے رخصت ہو گئے .... لیکن میں اور چنگ کی پہاڑی ہم ایک دوسرے کی رفاقت سے کبھی سیر نہیں ہوتے چاہے ہم کتنا ہی عرصہ اکٹھے رہیں۔ (چینی)

خزاں

جب سارنگی سسکیاں بھر بھر کر خزاں کے گیت گاتی ہے، تو میرا دل ڈوبتا جاتا ہے۔ غم کی اٹھتی ہوئی لہریں مجھے گھیر لیتی ہیں میرا سر میرے سینہ پہ آگرتا ہے اور میری باہیں لٹک کر زمین سے لگ جاتی ہیں۔

جب سارنگی پیار کے غم میں فریاد کرتی ہے تو میں بیدار ہو جاتا ہوں۔ بیتے ہوئے دنوں کی یاد مجھے اپنے آغوش میں لے لیتی ہے۔ مردہ مسرتوں کے خون سے میری آنکھیں سرخ ہو جاتی ہیں اور میرے بدن میں پرانی شراب انگڑائیاں لینے لگتی ہے۔

معلوم نہیں! خزاں کی ہوا کے جھونکے ایک زرد پتے کی طرح مجھے سے کہاں اٹھا کرلے جاتے ہیں۔ (فارسی)

مہینہ

مہینہ کی شاہانہ سواری کس ٹھاٹ سے آرہی ہے۔ اے میری سن! اس گرج سے شاہی طبل خاموش ہوتا ہے ــــ اور دیکھ! وہ بادل پر سوار چلا آرہا ہے اور پری وش معشوقوں اور مست عاشقوں کا ہجوم استقبال کررہا ہے۔

سیاہ بادلوں کا ٹڈی دل لشکر رعد کا طبل بجاتا اور قوس و قزح کمان جھکاتا چلا آرہا ہے۔ ان کے ترکش کے تیر عشاق کے جگر میں لگتے ہیں اور اپنے پیاروں کی یاد میں تڑپنے لگتے ہیں۔

جنگل، مہینہ کے جلوس کی آمد کی خوشی میں گھاس کی جھنڈیاں، درختوں کی ہری ہری پتیاں اس طرح لہراتا ہے گویا سب مور رقص میں ہیں کے خوبصورت پھول مہینہ کی فرحت بخش آمد پر مسکراتے ہیں۔ اب وہ نہ تکلیف دہ ورد نہ گرمی ہے اور نہ لو ہے۔

اے پیاری دلہن! برسات تیری مرادیں برلائے۔ تجھے خوشیاں ہوں اے برسات! جس طرح تو زندگی کو بیدار اور منور کرتی ہے۔ اسی طرح میری پر بھی رحمت برساوے۔ (سنسکرت)

مزار الفت

درخت کے سایہ میں، میں نے ایک قبر کھودی اور تیرے جھوٹے وعدوں کو اس میں لٹا دیا۔ اوپر سے مٹی ڈالدی اور ایک پرانا پتھر رکھدیا۔ اور پھر مرحوم محبت کے مزار پر مرجھائے ہوئے پھول چڑھائے۔ تیری جھوٹی محبت کی

سورج ڈوبنے سے پہلے ہی یہ پھول خاک میں مل گئے مگر...... درخت میرے رنج و محن کی طرح پھول اور پھل برسا رہا ہے۔ (انگریزی)

گھر

اے میرے ساجن! گھر کس طرح بنتے ہیں؟ لہلہاتے پوتے اور کیسر چھڑکے سے گھر کی زینت ہوتی ہے۔ سعادتمند بیٹے اور سلیقہ شعار بیٹیاں پیدا ہوں۔ ان کے دم قدم سے گھر کی زینت ہوتی ہے۔ انہیں کے اوصاف سے گھر بنتے ہیں۔ عقلمند عصمت مآب بہویں اور خوش اطوار دامادوں کی آمد سے گھر میں بہار آجاتی ہے اور انہیں کی آمد سے گھر بنتے ہیں۔ (پنجابی)

کشتی

اے ناخدا! تو اپنے پتوار سے کو۔ میں اور نہیں کھے سکتا۔ میں زندگی بھر اپنی کشتی کو دریا کے چڑھاؤ کی طرف کھیتا رہا لیکن وہ میرے کھینے سے اور بھی پیچھے ہٹتی گئی کیونکہ کشتی کا لنگر ٹوٹ چکا ہے اور تختے ایک دوسرے سے الگ ہوتے جا رہے ہیں اب میں اسے کھیہ نہیں سکتا۔ (بنگالی)

جوان

یہ جوان پہلے ننھا سا بچہ تھا۔ یہ نم سے مضبوط تھا۔ جیوں جیوں بڑھتا گیا وہ اور مضبوط ہوتا گیا........

...... لیکن ایک دن وہ ننھا سا بچہ تھا۔ وہ جوان اب شوہر کی حیثیت میں ہے۔ اس کا بدن خوبصورت اور سڈول ہو گیا ہے اس کے ساتھ ہی اس میں عقل بھی بڑھ گئی ہے...... وہ جوان شوہر اپنی زندگی کا کام کرنے کے لئے باہر گیا ہوا ہے۔ برادری نے اس کو کوئی تحفہ پیش کیا ہے۔ اب تو اس کے مونچھ اور ڈاڑھی نکل آئی ہے ——— اس کا دل کسی حسینہ کی زلف میں اسیر ہو گیا ہے۔ اس نے ایک خوبصورت ساتھی تلاش کر لیا ہے۔ یہی وہ تحفہ ہے جو برادری نے اسے پیش کیا ہے۔ وہ ہمیشہ اپنی قوم کی خدمت میں لگا رہتا ہے۔ آہا! کیسا جوان شوہر ہے!!

اس شوہر کو تاڑی کا برتن دو —— قوم کی خدمت کے صلہ میں اسے تاڑی کا برتن دو!

(ملاباری)

پریتم کی یاد!!

کسم اور سنبل وغیرہ کے پودوں میں شگوفے نکل آئے ہیں —— "تمبو انل" (ایک قسم کا پھول) جو بھونرے کی محبت میں کھل کھلا رہے ہیں کب اڑ گئے؟ - آہ! وہ جوانی جو تیر کی طرح نکل گئی ہے۔ کیا پھر واپس آئے گی؟ جس کا پریتم پاس نہیں اس کی زندگی کس کام کی؟ وہ ہاتھ مل کر پچھتاتے ہوئے کہ ہائے جوانی تیر کی طرح نکل گئی۔ میرے شجر حیات میں محبت کی آگ لگا کر میرا پریتم چپکے سے چلا گیا۔ آہ! اگر وقت پر میری جوانی کے باغ میں بسنت نہ آئی تو اس کا لطف کون اٹھائے گا۔ (ہندی)

کھلونے

معصوم بچے! تم خاک پر بیٹھے ہوئے کس قدر خوش و خرم نظر آ رہے ہو۔ آج صبح سے تم ایک ٹوٹی ہوئی شاخ کے ساتھ کھیلنے میں مشغول ہو۔

میں شاخ کے اس چھوٹے ٹکڑے کے ساتھ تمہارا کھیل دیکھ کر ہنستا ہوں میں اپنے روپے کا حساب لگانے میں مشغول ہوں۔ اور گھنٹوں سے ہندسے جوڑنے میں لگا ہوا ہوں۔

شاید تم میری مصروفیت دیکھ کر سوچتے ہوگے کہ میں صبح کے پر لطف وقت کو کس قدر حماقت آمیز کھیل سے خراب کرتا ہوں۔

معصوم بچے! میں لکڑیوں اور بالوں کے کھلونوں کے ساتھ مشغول رہ کر اپنے وقت کو گذارنا بھول چکا ہوں۔ میں اب قیمتی کھلونوں کا متلاشی ہوں اور سونے چاندی کے ڈھیروں کو جمع کرتا ہوں۔

تم جو چیز پاتے ہو اس کے ساتھ کھیل کر اپنی خوشی کا سامان فراہم کرتے ہو۔ اور میں اپنا وقت اور اپنی طاقت دونوں ان چیزوں پر صرف کرتا ہوں جنکو میں کبھی حاصل نہیں کر سکتا ہوں۔

اپنی ہمت کی کمزور اور ناتواں سفینہ پر سوار ہو کر میں امیدوں کے سمندر کو پار کرنے کی کوشش میں حوادث کی کوہ آسا موجوں سے لڑتا ہوں مگر میں بھول جاتا ہوں کہ میں بھی تمہاری طرح ایک کھیل کھیل رہا ہوں۔

(ترجمہ از ٹیگور)

خدا نے مرد کو میدان کے لئے تخلیق کیا ہے اور عورت کو گھر کے لئے!
مرد تیغ زنی کے لئے اور عورت سوزن کاری کے لئے!
مرد دماغ کے ساتھ، عورت اپنے پر محبت دل کے ساتھ!
مرد حکومت کے لئے، عورت اطاعت اور فرمانبرداری کے لئے!

ٹینی سن

ترجمہ سید ماجد علی صاحب بی۔ اے۔ ملیح آبادی

کیوں؟ یہ ...؟ اور کیا؟

دلچسپ و حیرت انگیز معلومات

۱۸۸۰ء میں اینڈ ہیٹر (بارہ سنگھے کی ایک قسم) جانوروں کے گلّے جن میں سینکڑوں، ہزاروں بارہ سنگھے تھے خلیج "ہڈسن" کے قریب ہزاروں مربع میل کے رقبہ سے گھر کر آئے تھے اور سمندر میں آکر نہائے اور اسقدر نہائے کہ تھک گئے۔ پھر غرق ہو گئے اور ہزاروں جانوروں کا پتہ نہ چلا، اس قدر



عظیم الشان رقبہ کے ہر ہر بارہ سنگھے کو کس خیال اور جذبہ کے ماتحت یہ خبر ہو گئی کہ اسے سمندر کے کنارہ سب بھائیوں کی طرح پہنچنا ہے۔ بیک وقت ہر بارہ سنگھا کو کس نے یہ خبر کر دی۔؟

یہی "کیا اور کیونکر" اور بہت سی جگہ بھی مستعمل ہے مثلاً سائبیریا کے پہاڑی علاقوں میں ہر گیارہ سال کے بعد چڑیاں اپنے اپنے چٹانی مسکنوں سے باہر نکلتی ہیں اور سمندر میں گاتی ہوئی غرق ہو جاتی ہیں۔ صرف یہ فرق ہے کہ ان کے معاملہ میں مرنے والے جانوروں کی اوران برآمدہ رقبہ کی زیادتی کئی سوگنا زیادہ ہوتی ہے ——————

دنیا اس عجیب معاملہ کا جواب پانے کے لئے منتظر ہے۔

کیا کوئی بتا سکتا ہے؟

اگر کوئی کبوتر بحر الکاہل کے عین وسط میں پنجرہ سے چھوڑ ا جائے تو وہ سیدھا اپنے وطن سکاٹ لینڈ کا رُخ کرتا ہے، جیسا کہ گزشتہ



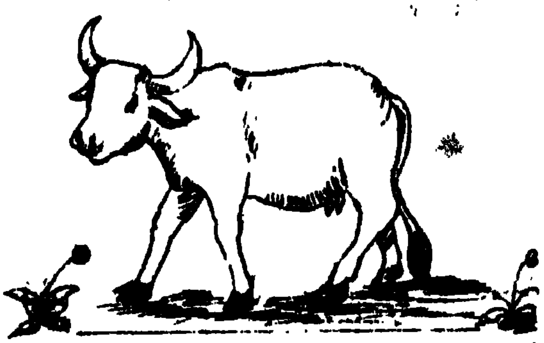
سال ہوا تھا اور اس تجربہ میں یہ ثابت ہوا کہ کبوتر کچھ نہیں تو ساٹھ میل فی گھنٹہ کی رفتار سے پرواز کرتا ہے ——————— کبوتر کو یہ عمل کس نے سکھایا؟ اور ایسا کیوں ہوتا ہے؟

ہر گیارہ سال کے بعد "انڈیان" کے علاقہ کے گدھ مر جاتے ہیں اور صرف ننھے بچے باقی رہتے ہیں ایسا کیوں ہوتا ہے؟



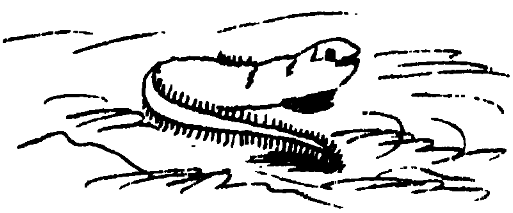
۱۹۱۴ء سے ۱۹۲۲ء تک کے زمانہ میں "بحر اٹلانٹک" جوالامکھی جزیروں (ٹرینیٹ" اور "میوڈر" میں ایک واقعہ نمودار ہوا یعنی بھینسوں نے فروری اور مارچ کے مہینوں میں ہر سال کسی ایک روز کام کرنے سے انکار کر دیا صرف ایک سال اپریل کے مہینہ میں یہ ہوا!

ہر سال مارچ اور فروری میں ایک روز کے لئے بھینسیں کام چھوڑ دیتی تھیں، اور بیک وقت سب جگہ ایک ہی جیسا عمل ہوتا تھا۔



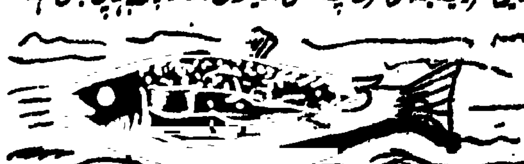
گویا ساری بھینسوں کو تاربرقی سے اطلاع دیدی گئی ہے۔ حالانکہ یہ جزیرے علیحدہ علیحدہ ہیں، بیچ میں سمندر پڑتا ہے اس کی وجہ کیا ہے اور سنہ ۱۹۲۲ء میں آخر یہ رسم یا عادت یکایک کیوں بند ہو گئی؟

سارگوسو سمندر کی ایک ۳/۴ انچ لمبی مچھلی تقریباً تمام دنیا کا سفر کرتی رہتی ہے اور مرنے سے آٹھ سال پہلے تمام دنیا کا چکر لگانے کے بعد اپنے وطن میں آکر دلدل میں پھنس کر جان دے دیتی ہے بعض اوقات سمندر تک پہونچنے کیلئے اسے خشک زمین پر بھی رینگنا پڑتا ہے اور اس عمل میں بھی بینیوں مچھلیاں مر جاتی ہیں۔



سنہ ۱۹۰۰ء میں ایک روز "نیو ساؤتھ ویلز" کے پاس ایک دریا میں جو سات میل تک سمندر سے کٹ کر خشک ہو گیا تھا۔ ایسی ہزاروں مچھلیاں دیکھی گئیں مگر دوسرے روز ایک مچھلی کا بھی پتہ نشان باقی نہ تھا۔ سات میل کا ایک لمبا فاصلہ کس طرح ان مچھلیوں نے طے کیا؟

سامن مچھلی بالخصوص فریزر اور کولمبیا کی مچھلی سات سال تک دنیا کا طویل سفر کرنیکے بعد کس طرح اپنے اصلی دریاؤں تک واپس پہونچ جاتی ہے یہ راستہ



کیونکر پالی ہے؟ وہاں جا کر وہ یکایک کیوں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال کر مر جاتی ہے۔

کتوں اور بلیوں کی بات تو چھوڑ دو، یہ بتاؤ کہ ایک سور جو سنہ ۱۹۲۰ء میں بلوزن کے علاقہ میں ایک کھیت پر پلا ہوا تھا۔ ۱۰۰ میل کا سفر پیدل گاڑی زیر الطاری میں کوایک بند تھیلے میں کرکے لایا گیا مگر آخر کار اسی راستہ سے پیدل اپنے گھر پہونچتا ہے اور اس عمل میں پندرہ روز لگتے ہیں۔ مگر بڑی سے بڑی الگ جاتا



ہے۔ راستہ کیونکر معلوم کر لیتے ہیں جب تور

شمالی یورپ میں موسم بہار میں پیدا ہونے والے پرند جو ابھی چھوٹے چھوٹے ہوتے ہیں صحرائے اعظم کی طرف کوچ کرنے کے وقت اپنے بڑوں کیساتھ نہیں جاتے بلکہ ان کی پرواز ہمیشہ ان کی پرواز سے پہلے یا ان کے چلے جانیکے بعد



شروع ہوتی ہے۔ اس کی وجہ کیا ہے اور اس کی وجہ بھی معلوم نہیں کہ انھیں یہ کیسے معلوم ہوتا ہے کہ ہمیں کہاں جانا ہے؟ اور راستہ کیونکر معلوم ہوتا ہے؟

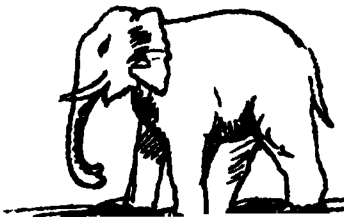
بحر جنوبی کی مرغابیاں جو لاکھوں کی تعداد میں اڑتی ہوئی بیک وقت کیوں کر اپنا جولہ بدل ڈالتی ہیں، اس قدر اچانک اور بیک وقت کہ ایک



سیکنڈ کی بھی دیر نہیں لگتی، اس کی وجہ بھی شاید یہی ہوتی ہوگی کہ جیسے ورنیو

جگنو میں ایک میل تک چلی گئی جگنو کی قطار اس طرح اپنی روشنی جلاتی اور بجھاتی ہے گویا کوئی انسان بجلی کا بٹن دباتا ہے اور کھولتا ہے۔ جہاں تک نشان کی نظر کام کرتی ہے ایک لمحہ کی بھی دیر نہیں لگتی۔ اور ہر جگنو عین ایک لمحہ پر یہ حرکت کرتا ہے ــــــ ؟

یہ کیونکر ممکن ہے کہ آج تک قدیم زمانے میں بھی اور اب بھی کسی شخص نے مُردہ ہاتھی نہیں دیکھا، ماسوا کسی حادثہ یا گولی وغیرہ سے مر جانے والے ہاتھی کے ہاتھی اپنے مُردوں کا کیا کیا کرتے ہیں۔ افریقہ وغیرہ کے لوگ اور بہت سے سفید فام شکاری بھی اس واقعہ کی تصدیق کرتے ہیں کہ جب ہاتھی مرنے



لگتا ہے تو اس کے ساتھی اسے پکڑ کر ایک جگہ لے جاتے ہیں اور قبر کھود کر اُسے معہ اس کے دانت کے دفن کر دیتے ہیں۔ کیا ایسا واقعہ ہونا درست بات ہے

جانوروں کا معاملہ چھوڑ کر اب ذرا انسانوں کی طرف آئیے، ایسا کیونکر ممکن ہے کہ ایک انسان دہکتی آگ پر ننگے پیر چلے اور اُسے نقصان نہ پہونچے، مگر ہندوستان کے لوگوں میں ایسے کمال دکھلانے والے موجود ہیں، ابھی تک اسکا کوئی تسلی بخش جواب نہیں ملا کیا کوئی جواب اس بات کا ہو بھی سکتا ہے؟ یہ کیونکر ڈائیک کے شکاری مشرقی اور مغربی بورنیو کے رہنے والے یہ بات کیونکر بتا دیتے ہیں کہ فلاں گھونسلہ میں جو سطح زمین سے بیسیوں فٹ اوپر ہے کتنے انڈے ہیں اور ان کا اندازہ کبھی غلط نہیں ہوتا؟ وہ خود بھی اس کی وجہ نہیں بتا سکتے، مگر جب ان کے منہ سے اصل بات نکلتی ہے تو اس کی صحت کا دارومدار کس خیال یا اندازہ پر ہوتا ہے۔

غیر مہذب اور وحشی قبائل کے آدمی تمام قسم کے معلوم ذرائع خبر رسانی کے نہ ہونے کے باوجود ایک جگہ سے دوسری جگہ لمبے لمبے فاصلوں پر خبر کیوں کر پہنچا دیتے ہیں؟ اس کی بہترین مثال یہ ہے کہ جس وقت ملکہ وکٹوریہ کا انتقال ہوا تو براعظم افریقہ کے ایک شہر "سیرا لیون" پر اس کی خبر پہونچی، اور اس کے بعد تمام براعظم افریقہ میں نئی خبر رسانی کے ذرائع کے نہ ہونے کے باوجود صرف بیس گھنٹہ کے عرصہ میں وحشی طریقوں سے کیوں کر ہر شخص کے پاس اس واقعہ کی خبر پہونچ گئی جبکہ اس براعظم میں کچھ نہیں تو دو بولیاں بولی جاتی ہیں اور شاید اس سے بھی زیادہ ہوں اور ایک بولی کا بولنے والا دوسرے کی بولی بالکل نہیں سمجھتا۔

اسی طرح ایک واقعہ سنگاپور میں ہوا تھا۔ جب ۱۹۱۵ء کے کرسمس کے دنوں میں وہاں بغاوت ہوئی اس کا حال مسٹر کارو تھیو دیلز نے اپنی نئی کتاب "ملایا" میں لکھا ہے، بغاوت کی خبر تار سے پہلے (بیس گھنٹہ پہلے) تمام ساحل ملایا پر بچہ بچہ کو معلوم ہو گئی۔ تار کے ذریعہ بہت دیر بعد پہونچی۔ ایک خبر اور تفصیل بغاوت کی خبروں کی بالکل درست تھی اور وہاں کے باشندوں کو یہ خبر ہو گئی تھی کہ تمام سفید فام مرد عورت اور بچے بغاوت کی وجہ سے جہاز پر لاد کر اپنے اپنے گھروں کو واپس بھیجے جا رہے ہیں۔ اس کی خبر سیام میں اور بنگ کوک تک سب کو ہو گئی مگر بیرونی دنیا کو معلوم نہیں ہوئی جب اس افواہ کی تصدیق تار کے ذریعہ طلب کی گئی تو حکام سنگاپور نے لکھا کہ یہ خبر درست ہے

اس وقت تک جو واقعات یا معاملات اوپر دکھائے گئے ہیں انکی کیا؟ کیوں؟ اور کیونکر؟ روزمرہ کی زندگی سے الگ ہے مگر روزمرہ ہماری زندگی میں ایسی چیزیں جنھیں کوئی چیز حل نہیں کر سکتی۔ جن کی وجوہ معلوم نہیں ہے۔ ہماری دُنیا بھی کیسی عجیب اور دلچسپ ہے! مگر کیوں؟



موت آور بوسے

ایک خوفناک حسینہ جس نے بوسوں سے متعدد عشاق کو ہلاک کر دیا۔ اُسے اپنے خاوند کے سامنے عشقبازی کرنے سے گریز نہ تھا

دُنیا میں بہت سی ایسی عورتیں گذری ہیں جو "قاتلہ" کہلانے کی بجا طور پر مستحق ہیں۔ انہیں سے ایک نواب "کوسٹی ڈی دولونس" کی بیوی "کومیٹی" تھی۔ ایک دن نواب نے اپنی بیوی سے کہا کہ " میری پیاری۔ میں اچھی طرح محسوس کرتا ہوں کہ میں زیادہ بوڑھا ہو گیا ہوں۔ مگر مجھے صرف اس کا افسوس ہے کہ ...."

بیوی (مسکرا کر) " ہاں میں جانتی ہوں کہ ہم میں سے ہر ایک ایک دن بوڑھا ہو جائیگا لیکن میرے پیارے نواب آپ مجھ پر مہربان تو ہیں۔ مگر میری خواہشات بھی تو ہیں۔"

نواب:۔ خواہشات۔ ہاں ضرور ہیں۔ مگر پیاری مجھے بعض وقت حیرت ہوتی ہے کہ آیا یہ نوجوان مرد تمہاری تسکین کا باعث ہو سکتے ہیں۔ جن کی نسبت تم سمجھتی ہو کہ وہ باعث اطمینان ہیں۔"

بیوی:۔ مگر یہ کام تو میرا ہے اور میں اُسے اچھی طرح سمجھتی ہوں۔"

کومیٹی بڑی عجیب عورت تھی اور جس زمانہ کا ذکر ہے اس میں اس کی عمر پورے بیس سال کی بھی نہیں تھی۔

میاں بیوی قلعہ بکسیرے میں رہتے تھے۔ جہاں متعدد نوجوان کومیٹی کو گھیرے رہتے تھے۔ وہ اُن کی چاپلوسی۔ اُن کی اپنے ساتھ دلبستگی اور فریفتگی کو پسندیدہ نگاہوں سے دیکھتی تھی۔ مگر دل میں وہ اُن سے نفرت کرتی تھی۔ وہ اپنے خاوند کو وقعت کی نگاہوں سے دیکھتی تھی۔ کیونکہ خاوند میں یہ قابلیت تھی کہ وہ اس کے خیالات اور ارادوں کو تاڑ جاتا تھا۔ ۱۵۴۷ء میں اس نے وہی الفاظ بیوی سے کہے تھے جو اُوپر درج ہو چکے ہیں اور کومیٹی کے جذبات اور آرزوں کو بھانپ کر کہے گئے تھے۔ نواب اُن دنوں واقعی معمر اور غیر دلکش ہستی تھا۔

کومیٹی نے ایک امیر رابرٹ ڈسپگنی کو تاک لیا تھا جو جوان۔ پسندیدہ اور خوبصورت تھا۔ کومیٹی جانتی تھی کہ یہ امیر اس کا دلدادہ ہے اور وہ اس کے اشاروں پر کام کر سکتا تھا۔ یہ ناگزیر امر تھا کہ جو محبت اور بے تکلفی کومیٹی اور ڈسپگنی کے درمیان تھی اس کا تذکرہ اور وہ بھی بدنامی کے رنگ میں لوگوں کی زبان پر نہ آئے۔ وہ نواب کے کانوں سے بھی دوچار ہو گیا۔ مگر وہ بے پروا شخص تھا اس پر مطلق اثر نہ ہوا۔

لیکن سیاہ پتلیوں والی کومیٹی کی یہ عادت تھی کہ وہ کسی ایسے مرد کیساتھ زیادہ دیر تک نبھاؤ نہیں کرتی تھی جس پر وہ مہربان ہو جاتی تھی۔ وہ تھوڑے ہی عرصہ میں اور آسانی کیساتھ اس سے سیر ہو جاتی تھی اسے اور بہت سے جوان مل جاتے تھے۔ ایک دن اُس نے نواب اور کئی لوگوں کی موجودگی میں اپنے بازو ڈسپگنی کی گردن میں حمائل کر دیئے اور اُسے بڑے اشتیاق اور جوش کے ساتھ سینہ سے لگا کر کہا کہ " آہ پیارے رابرٹ" ڈسپگنی چونک پڑا۔ مگر جب اس نے نواب کا قہقہہ سُنا تو اُسے خوشی ہوئی۔ کومیٹی کی حرکت اس کی عنایت کی انتہا تھی۔

ڈسپگنی کے لبوں کا بوسہ کومیٹی نے لیا اسکی گرمی اور قوت اسے محسوس ہوئی یا نہیں۔ یہ کسی کو معلوم نہ ہو سکا۔ دوسری صبح کو ڈسپگنی کی لاش قلعہ کے میدان کے پیچھے ایک خندق میں پڑی ہوئی دکھائی دی۔ اس کے شانہ کے پاس دل تک گہرا زخم خنجر کا تھا۔ اس کی موت ایک اسرار کی صورت میں رہی جب ڈسپگنی کی موت کی خبر کومیٹی تک پہونچائی گئی۔ تو وہ ہنس پڑی اُسے کوئی رنج نہ ہوا۔

اس کے بعد کومیٹی ایک اور جوان پر مائل ہو کر اس سے کمال محبت سے پیش آنے لگی جسے قلعہ میں ملازم ہوئے تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا۔ وہ اپنی نرم مزاجی اور خوش خلقی سے کومیٹی کو مسرور کرتا رہا۔ وہ یہ خوب جانتا تھا کہ ایک عورت کے دل تک رسائی کرنے کے لئے کیا طریقہ موزوں ہے۔

لیکن اس شخص نے یہ سمجھنے میں غلطی کی کہ کومیٹی کا دل بھی ویسا ہی ہو جیسا کہ دوسری عورتوں کا ہوتا ہے۔ کومیٹی محبت کر سکتی تھی۔ مہربانی کر سکتی تھی اور جذبات کا جوش دکھا سکتی تھی۔ لیکن دل میں وہ مردوں کے ساتھ نفرت کرتی تھی۔

.... اس لئے کئی ہفتہ کی رفاقت

جگے بعد کومیٹی نے ایک دن اپنے بازو اس جوان کی گردن میں ڈالدیئے اور اسے سینہ سے لگا کر اس کا موت آور بوسہ لیا۔

اس شخص کا نام رچرڈ ڈی اینے تھا۔ اس دن کے بعد وہ کہیں نظر نہ آیا۔ کیا اسے زمین کھا گئی یا آسمان نگل گیا۔ اس کا کہیں پتہ نہ لگا۔ لیکن ایک صدی بعد اسکا پنجر قلعہ کے میدان میں زمین تلے سے برآمد کیا گیا۔

اس عرصہ میں نواب زیادہ بوڑھا ہو گیا مگر وہ کومیٹی کی عیاریوں پر قہقہہ لگاتا رہا۔ اور ان جوان مردوں کو گہری نگاہوں سے دیکھتا رہا جو دلفریب میڈم کومیٹی کو ہر وقت گھیرے رہتے تھے۔ وہ کومیٹی کی اس حرکت پر مسکرا دیتا تھا کہ وہ اپنے چاہنے والوں کو ٹھکانے لگانے کی تدبیر کر رہی ہے۔ دوسرے لوگ کومیٹی کی عیاریوں کا دبی زبان سے ذکر کرتے اور کہتے تھے کہ وہ "قاتلہ" ہے۔ وہ عنقریب اور کسی کی موت ہی سے تسکین قلب حاصل کر سکتی ہے"۔

قلعہ میں جو درباری تھے انہوں نے مشورہ کیا کہ اس حسین کومیٹی کی محبت کا اصل مقصد کیا ہے۔ جو لوگ اسکی محبت حاصل کرنے کیلئے ایک دوسرے پر فوق لے جانے کی کوشش میں لگے رہتے تھے وہ اب اس سے گریز کرنے لگے۔ مگر وہ گریز بھی نہیں کر سکتے تھے۔ کیونکہ جس وقت کومیٹی یہ اشارہ کر دے کہ وہ کس پر مہربان ہے تو اسکی عنایت کو ٹھکرا دینا ہی موت کے مترادف تھا۔

یہ یقینی امر ہے کہ متعدد اشخاص کومیٹی کی عنایت اور اس سے بغل گیر ہونے اور بوسے لینے سے لقمۂ اجل بن گئے اور کئی اسکی عنایت سے گریز کرنے پر موت کا شکار ہو گئے۔

یہ درست ہے کہ خود کومیٹی تو لوگوں کو قتل نہیں کرتی لیکن جب وہ گرمجوشی کے ساتھ کسی کو سینہ سے لگاتی اور اس کے بوسے لیتی تھی تو اس کا مطلب ہوتا تھا کہ اسکی زندگی کو ٹھکانے لگا دیا جائے۔ تین آدمی بڑے خوش نصیب نکلے جو اس سے پیشتر ہی قلعہ سے فرار ہو گئے کہ کومیٹی اُن کے ساتھ تعلق سے اُکتا گئی اور اس لئے وہ تین خوش نصیب کہلائے۔

کومیٹی ۷۰ سال کی عمر میں فوت ہوئی اس سے تین سال پیشتر اس کا خاوند فوت ہو چکا تھا۔ جو لوگ اس وقت اس کے گرد و پیش رہے جبکہ وہ بستر علالت پر موت کی گھڑیاں گن رہی تھی تو انہوں نے دیکھا کہ دم توڑنے سے پیشتر اس نے آنکھیں کھولیں اور ڈاکٹر پر نہایت نفرت بھری ... نگاہیں ڈالیں۔

معلوم ہوتا تھا کہ وہ اپنے معالج ڈاکٹر کا بوسہ لیکر اس کی زندگی کا بھی خاتمہ کرنا چاہتی تھی۔ جب وہ فوت ہوئی تو اس کے دماغ کا توازن باقی نہیں رہا تھا اور یہ یقین ہو گیا کہ وہ لوگوں کو قتل کرنے کے لئے بھاڑے کے قاتلوں سے کام لیتی تھی۔

سترہ سال کی لڑکی

جوانی تباہ کر بیٹھی

کتنی زبردست کامیابی۔ کہ یورپ والے منہ تکتے رہ گئے۔ بہت سے ڈاکٹروں اور سائنسدانوں کو ماننا پڑا کہ عورت کو دوبارہ جوان دیکھنے کے لئے "برسیٹن" کتنی کامیاب چیز ہے۔

غریب ہندوستانی عورتیں بے زبان ہیں۔ وہ کسی سے کچھ نہیں کہہ سکتیں لیکن مردوں کو اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ ہر دوسرے تیسرے سال بچوں کو دودھ پلانے سے عورت بہت جلد ضعیف اور سن رسیدہ معلوم ہونے لگتی ہے۔ کیونکہ بچوں کو بار بار دودھ پلانے سے

عورت کا سینہ خراب ہو جاتا ہے

یعنی جوانی کی تازگی اور سختی اور گولائی جاتی رہتی ہے۔ بیس برس کی لڑکی چالیس برس کی بوڑھی عورت معلوم ہوتی ہے اور اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ عورت کا سینہ ڈھلک جاتا ہے نرمی آجاتی ہے اور سختی نہیں رہتی

اگر عورت کا سینہ ڈھلک جائے تو

صرف ایک ہی علاج ہے یعنی اگر وہ چند روز دوا "برسیٹن" استعمال کرلے تو پھر از سر نو

گولائی اور سختی پیدا ہو جاتی ہے

کیونکہ دوا "برسیٹن" کے استعمال کرنے سے دودھ کی نسیں بھر جاتی ہیں! اور پُر شباب میں ابھار اور گولائی اور خوبصورتی پیدا ہو جاتی ہے اور پھر عرصہ تک یہی حالت بنی رہتی ہے کیونکہ دوا "برسیٹن" سائنٹفک اصول پر تیار ہوتی ہے! اور بڑی محنت کے بعد اس قابل ہوتی ہے، کہ دعوے کے ساتھ پیش کی جا سکے۔ پس آزادی کے ساتھ اعلان کیا جاتا ہے کہ جس عورت میں یہ خرابی پیدا ہو گئی ہو اُسے چاہئے کہ

لیڈی منیجر زنانہ دواخانہ۔ پوسٹ بکس ۲۴ دہلی سے

بذریعہ خط لکھکر دوا "برسیٹن" کی ایک شیشی منگا کر استعمال کرلے اگر چالیس سال کی عمر بھی ہوگی۔ تو برسیٹن کے استعمال کے بعد بیس سال عمر کا دھوکا ہو سکتا ہے برسیٹن کی ایک شیشی چار روپے پندرہ آنے کو ملتی ہے مثلاً آنے محصولڈاک الگ ہے



اِنتظار!

انتظار خواہ کسی کا ہو سوہانِ روح سے کم نہیں ہوتا۔ اس نظم کو میں نے اپنی گذری ہوئی زندگی کی ایک شبِ فراق کے روح فرسا لمحات کی یاد میں بطور یادگار قلمبند کیا ہے

زاہد حیدرآبادی

مرے خیال کی دُنیا بسانیوالے آ — نیاز و ناز کے جھگڑے مٹانیوالے آ
فسردہ دل میں اُمنگیں بڑھانیوالے آ — نصیب خفتہ کو میرے جگانیوالے آ
ترے نثار ترا اِنتظار ہے آجا — کہ تیرے ہجر میں دِل بیقرار ہے آجا

مجھے فراق میں آنسو رُلانیوالے آ — مجھے خرابِ محبت بنانیوالے آ
شبِ وصال کا وعدہ بھُلانیوالے آ — ہزار بار تصوّر میں آنیوالے آ
ترے فراق میں دل اشکبار ہے آجا — کہ تیری یاد میں دل سوگوار ہے آجا

نظر کی آڑ میں چھُپ کر ستانیوالے آ — خرامِ ناز سے محشر اُٹھانیوالے آ
نگاہِ شوق پہ بجلی گرانے والے آ — وہ خود پرستی میں دُنیا بھلانیوالے آ
ابھی تو میرا دل داغدار ہے آجا — ابھی تو میرے گریباں میں تار ہے آجا

سُرور و کیف کے نغمے سُنانیوالے آ — کمالِ حُسن کا عالم دکھانیوالے آ
نظر بچا کے وہ محفل کے آنیوالے آ — مجھے فراق میں تارے گنانیوالے آ
ابھی تو مجھ میں وفا کا شعار ہے آجا — ابھی تو رُوح میں کچھ اختضار ہے آجا

ترے نثار ترا انتظار ہے آجا

یہ عورت لیکوریا کی بیمار تھی

سفید پانی کی بیماری کا ہولناک نتیجہ

اگر کسی جوان عورت کو پانی گرنے کی بیماری ہو جائے یعنی وقت بے وقت ..... سفید پانی جانے لگے تو یہ عورت کی جوانی کیلئے زہر ہے۔ اس بیماری کو سیلان الرحم اور لیکوریا بھی کہتے ہیں۔ یہ خطرناک بیماری عورت کی جوانی کو چند ہی روز میں تباہ کر ڈالتی ہے۔ اس کی کمر اور ناف۔ نلوں اور پیٹ میں بلکہ تمام جسم میں بیکلی اور بے چینی کا درد ہونے لگتا ہے۔ ماہواری بھی بیقاعدہ کر دیتی ہے۔



پانی بند کرنے کا طریقہ اس مرض کا سب سے آسان علاج یہ ہے کہ ایسی بیمار عورت کو ایک شیشی دوا "روک" استعمال کرا دینی چاہیئے

اس دوا کے مسلسل استعمال سے تیسرے دن سفید پانی آنا بند ہو جائیگا اور پوری شیشی استعمال کرنے سے سیلان الرحم (یعنی لیکوریا) بالکل ختم ہو کر مریضہ پوری تندرست ہو جائیگی۔ اور پھر سفید رطوبت خارج نہ ہوگی۔ دوا "**روک**" سالہا سال سے اس مرض کا بہترین علاج تسلیم ہو چکی ہے۔ صرف ایک ہی شیشی عورت کو تندرست کر دیتی ہے۔ ملک کے کونے کونے میں یہ دوا اپنا شاندار ریکارڈ قائم کر چکی ہے۔ ایک شیشی دوا "روک" کی قیمت تین روپے ہے جسکو ضرورت ہو

لیڈی منیجر زنانہ دواخانہ پوسٹ ۲۴ دہلی کے پتہ پر خط لکھ کر دوا "روک" کی ایک شیشی بذریعہ وی۔ پی پارسل منگالیں اور استعمال کریں تیسرے دن ہی سفید پانی آنا بند ہو جائیگا۔ پارسل پر سات آنے محصول لگے گا۔

تار کا پتہ :- "زنانہ دواخانہ" دہلی ٹیلی فون نمبر ۲۶۲۶۸

پچاس ہزار روپیہ کے زیورات تقسیم ہو رہے ہیں



ہماری غیر فانی ایجاد منروا گولڈ نے ہندوستان بھر میں وہ شہرت حاصل کر لی ہے کہ اب نہ اسے کسی تعارف کی ضرورت ہے نہ تعریف کی معزز اصحاب اور ہندوستان کے اخبارات نے دل کھول کر اس کی تعریف کی ہے۔

ملک ایچ۔ آر آنند صاحب نینی تال سے تحریر فرماتے ہیں۔ آپ کا بکس ملا خوبصورت زیورات دیکھ کر سب لوگ خوش ہوئے واقعی آپ کی اس ایجاد نے دنیا کی ایک بھاری ضرورت کو پورا کیا ہے۔ مبلغ ۵ روپیہ ارسال خدمت ہیں اس کے زیورات ارسال فرمادیں۔ بعد ازاں اور بھی کافی آرڈر دیے جاویں گے۔

دنیا مانتی ہے کہ منروا گولڈ ہی ایک ایسا کیمیائی سونا ہے جس کا رنگ عرصہ تک خراب نہیں ہوتا۔ اس دعوے کی تصدیق میں ہزاروں تعریفی خطوط ہمارے دفتر میں موجود ہیں۔ ہر قسم اور ہر ڈیزائن کے فینسی زیورات ہمارے سٹاک میں موجود ہیں۔ منروا گولڈ کو مزید شہرت دینے کے لئے ہماری فرم نے تین دیدہ زیب مختلف قسم کے سپیشل سنگار بکس تقسیم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

سپیشل سنگار بکس نمبر ۱ — اس کے اندر ایک بڑھیا گلے کا ہیرا چین دو جوڑی کان کے بندے ایک جوڑی براس لیٹ دو جوڑی چوڑی ڈائمنڈ کٹ ایک سیٹ بٹن اسٹڈ بمبئی فیشن دو عدد انگوٹھی زنانہ بمبئی فیشن۔

سنگار بکس نمبر ۲ — اس میں دو جوڑی فینسی ڈائمنڈ کٹ چوڑیاں ایک سیٹ بٹن اسٹڈ ایک جوڑی کان کے بندے دو انگوٹھی بمبئی فیشن زنانہ۔

سنگار بکس نمبر ۳ — اس میں دو جوڑی چوڑی ڈائمنڈ کٹ۔ ایک جوڑی کان کے بندے۔ ایک انگوٹھی بمبئی فیشن۔

مندرجہ بالا ہر سہ سنگار بکسوں کی قیمت بموجب پرائس لسٹ نمبر ۱ چالیس روپے نمبر ۲ بیس روپے نمبر ۳ دس روپے بالترتیب ہے لیکن اسے ہر گھر میں بطور تحفہ پہنچانے کے لئے مزدوری زیورات و خرچ وغیرہ پورا کرنے کے لئے ایک محدود عرصہ تک سپیشل سنگار بکس نمبر ۱ بارہ روپے نمبر ۲ پانچ روپے آٹھ آنہ نمبر ۳ تین روپے آٹھ آنہ رکھی گئی ہے۔ اس بے نظیر موقع سے فائدہ اٹھائیے اور آج ہی ایک بکس کا آرڈر دیجئے محصول ڈاک ۱ آٹھ آنے۔ تین بکس منگوانے پر محصول ڈاک معاف۔ منروا نیو گولڈ سوائے ہمارے کسی جگہ سے نہ ملے گا۔

(مضمون رجسٹرڈ شدہ ہے)

سول ایجنٹس منروا گولڈ۔ برما سیلون۔ اور انڈیا

ملنے کا پتہ:۔ منیجر دی بانسل برادرز شکسین (ایم۔ کے۔ ڈی) بٹالہ۔ (گورداسپور) پنجاب



ان کی نظر میں عورت

(از جناب ڈاکٹر سعید احمد صاحب بریلوی)

بھلا بتائیے کہ "عورت" پر کوئی مضمون لکھے تو کیا لکھے، عورت تو خود قدرت کے جمیل ہاتھوں کا لکھا ہوا ایک مختصر اور جامع مضمون ہے جس میں اچھائی اور برائی، حسن اور بدصورتی، سچائی اور جھوٹ، انصاف اور ظلم، ہمدردی اور بیدردی، اور ایثار، خود پرستی، وفاداری اور بدعہدی، مسکراہٹیں اور ابروؤں کے بل، خندۂ بے اختیار اور آنسوؤں کی قطار، موسیقیت اور بے آہنگی، شعریت اور ناموزونی لطافت اور کثافت، ظرافت اور خشونت، قلب نزاکت اور تیمتی، شرافت اور کمینہ پن، بہادری اور بزدلی، دلربائی اور دل آزاری بے ساختگی اور تصنع، حیا اور بے باکی غرضکہ دنیا بھر کی خوبیاں اور دنیا بھر کی برائیاں، انبار در انبار جمع کر دی گئی ہیں اور ہمیں یہ بتا کر کہ یہ آپ کی تسکین قلب کے لئے ہیں یہ سب سے مشکل کام ہم پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ معجون مسکن قلب کے ان نازک مرتبانوں کے اندر سے جی چاہے برائیاں نکال لیں اور جی چاہے بھلائیاں کہئے کہ اس کشاکش حیات کے دور میں کہ جب ارباب حکومت کے ایوانوں میں اور غریب فاقہ کش کانگریس کے پنڈال میں کھینچے چلے جا رہے ہیں، اور پاخانہ سے بنا ہوا گھادی بھی قیمت پر ملتا ہے۔ کسی غریب مزدور کو اتنی فرصت کیسے میسر آ سکتی ہے کہ وہ مرتبان کھولے۔ اسے اچھی طرح ٹٹولے، اور پھر اس میں سے حسب ضرورت کبھی، مسکراہٹ اور کبھی ہمدردی اور کبھی ایثار، اور کبھی خندۂ بے اختیار نکال نکال کر اپنا دل بہلایا کرے۔ جلدی اور گھبراہٹ میں تو بس اتنا ہی ہو سکتا ہے کہ مرتبان کو اٹھا کر میز پر الٹ دیا اور اب قسمت سے جو چیز بھی اسمیں سے نکل آئی اس پر خدا کا شکر ادا کر کے قناعت کر لی، پھر یہ بھی ہے کہ ان مرتبانوں سے حسب مراد

نکالنی ہی اچھی چیزیں نکال لینا بھی کوئی آسان کام تو نہیں ہے، اس کے لئے بڑے سلیقے کی ضرورت ہے، برتنوں کے اندر رکھی ہوئی چیزیں نکالنا کچھ انہی ہاتھوں کو موزوں ہے جو ہر وقت چمچا اور ڈوئی چلانے کے عادی ہوں۔ کسی مرد سے ہرگز ایسا نہ ہو سکے گا کہ ہانڈی بھونتے میں وہ گوشت کی بوٹیاں نکالے، اور اسی طرح جلتی جلتی چپاتے۔ لیکن یہی کام انتہائی صفائی، نفاست، اور خوش اسلوبی کے ساتھ گھر کی بی بیاں اور اصیلیں تک انجام دے لیا کرتی ہیں، کیا مجال جو ہاتھ جلے یا منہ پر ذرا سی آنچ آجائے۔ اس مشترکہ زندگی کے اندر بھی ہم دیکھتے ہیں کہ اگر مرد کو مرتبان یا دیگچی فرض کر لیا جائے تو عورت بڑے سلیقے سے اس کی اکثر خوبیاں برآمد کر لیا کرتی ہے، جھڑکیاں سہتی ہے، غصہ اٹھاتی ہے، گالیاں سنتی ہے، مار کھاتی ہے مگر کیا مجال جو ذرا بھی منہ بگاڑے یا اپنے اس کام سے باز آجائے۔ تکلیفوں پر تکلیفیں اور مصیبتوں پر مصیبتیں جھیلتی ہے۔ مگر مرد کی خوبیوں کی تلاش میں اس کا چمچہ برابر چلتے ہی جاتا ہے۔ اور برس میں، دو برس میں، چار برس میں کبھی نہ کبھی وہ وقت آ ہی جاتا ہے کہ مرد کی خوبیاں باہر نکل آتی ہیں اور اس کی محنت وصول ہو جاتی ہے۔ ہم سے بھلا اس طرح کیسے پتہ مارا جا سکتا ہے۔ کوشش ہم بھی کرتے ہیں، اور کیوں نہ کریں تسکین قلب کا سہارا تو وہی ہے۔ لیکن ہماری کوشش بالعموم غلط اور رائیگاں ہوتی ہے، آپ ایک مرتبان میں شہد بھر کر ایک بچے کے سامنے رکھ دیجیے اور ایک چمچہ اس کے ہاتھ میں دے دیجیے، وہ گھنٹوں کوششیں کریگا اور غالباً مرتبان کو اوندھا کر کے سارا شہد پھینک بھی دیگا۔ لیکن چمچہ بھر شہد بھر کر ایک بچے کے سامنے رکھ دیجیے اور ایک چمچہ اس کے ہاتھ میں دے دیجیے، وہ گھنٹوں کوشش کریگا اور غالباً مرتبان کو اوندھا کر کے سارا شہد پھینک بھی دیگا۔ لیکن چمچہ بھر شہد مرتبان سے نکالنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ہماری بھی کچھ اسی قسم کی حالت ہے، بچہ کی طرح چمچہ مرتبان میں ڈالا اور جب کھینچ لیا، اور دو چار مرتبہ کی کوشش میں جب ناکامی ہوئی تو جھنجھلا کے مرتبان کو اٹھا کے دیوار سے مار دیا۔ یہ کہیں پیٹ بھرنے کے لچھن ہیں؟

بجلی کا یہ قاعدہ ہے کہ جب ایک قسم کی بجلیاں آپس میں ملتی ہیں تو وہ ایک دوسرے سے دور بھاگتی ہیں۔ لیکن اگر مختلف قسم کی یعنی ایک طرف سے مثبت اور ایک طرف سے منفی بجلیاں قریب آجائیں تو وہ دوڑ کر ایک دوسرے کو لپٹ جاتی ہیں۔ انسانی دلوں کی بجلیوں کا قاعدہ اس کے بالکل برعکس ہے۔ آپ ایک نوکر رکھیے اگر آپ کے دل میں کوئی شبہ یا بدگمانی [illegible] ہے اور آپ اپنا سارا گھر کھلا چھوڑ کر اس پر چلے جاتے ہیں تو یقین کیجیے کہ [illegible] گی۔ لیکن اس نوکر کے دل میں کبھی چوری کرنے کا خیال تک نہ آئے گا۔ آپ کے دل میں [illegible] اور ایمانداری کی بجلی تھی، نوکر کے دل کی ایمانداری کی بجلی بھی اس سے ملنے کیلئے اوپر آگئی۔ اور مخالف قسم کی یعنی چوری اور بے ایمانی کی بجلی دل کی تہ میں جا کر چھپ گئی۔ لیکن اگر آپ نے اول دن سے احتیاطیں برتنی شروع کیں، ایک ایک چیز کو وقت دیکھتے بھالتے اور اس سے پوچھتے رہے، مکان سے باہر نکلے، ایک ایک تالا بند اور پھر اسے ہاتھ سے ہلا کر اطمینان کر کے اور واپس آئے تو پھر تالے دیکھتے ہوئے گویا اپنے طرز عمل سے یہ ثابت کر دیا کہ آپ کے دل میں چوری اور بے ایمانی کے شبہات ہیں۔ اب یہ ممکن ہے کہ نوکر کے دل میں بھی یہی جذبات سب کے اوپر آ جائیں اور وہ رات دن اسی فکر میں رہے کہ کب موقع ملے اور میں میاں کا صندوقچہ لے بھاگوں۔ آپ کے دل کی بجلی نے ملتی جلتی قسم کی بجلی کو نوکر کے دل میں اوپر بلا لیا۔ اور مخالف قسم کی بجلی یعنی ایمانداری تہ میں بیٹھ گئی۔ ہمارے گھروں میں بھی بالکل یہی حالت ہوتی ہے۔ خواہش تو یہ ہوتی ہے کہ ہماری بیوی بس کینائے زمانہ ہو اور طرز عمل یہ ہوتا ہے کہ ظاہر میں اس پر جان چھڑکتے ہیں اور ہر وقت اپنی فدائیت اور شیدائیت کے راگ اس امید میں اسے سناتے رہتے ہیں کہ عشق و محبت سے ملنے کے لئے عشق و محبت کی بجلی اس کے دل میں بھی اوپر آئے۔ لیکن دل میں اس کی طرف سے ہزار قسم کی بدگمانیاں بھری ہوتی ہیں کہیں یہ ہماری کوئی چیز تو اپنے گھر نہیں لے جاتی، کہیں اس کے دل میں کسی اور کا تو خیال نہیں ہے۔ کہیں کسی اور سے تو ساز باز نہیں رکھتی، کہیں یہ ہمارا روپیہ اپنے بھائی یا باپ کو تو نہیں دیدیتی، وغیرہ۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ زبان سے جو کچھ محبت کے افسانے دہرائے تھے وہ تو بیکار جاتے ہیں۔ کیونکہ زبان کی بجلی سے دل کی بجلی کا کوئی تعلق نہیں ہے اور دل کی بجلی بیوی کے دل میں بھی وہی جذبات سب کے سب تہ میں بیٹھ جاتے ہیں۔ دو ایک دفعہ اس قسم کی کوشش کرنے کے بعد ہم مرتبان کو اٹھا کر دیوار سے مار دیتے ہیں۔ چلیے چھٹی ہوئی، اب تسکین قلب ہو تو کیسے ہو؟

اب تو آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ عورت پر مضمون لکھنا کس قدر دشوار کام ہے۔ یوں دیکھیے کہ اگر میں لارڈ ولنگڈن کی طرح جنہیں حکومت کے ہر غلط سے غلط کام میں بھی صدہا خوبیاں نظر آتی تھیں، مردوں کی تعریفیں اور عورتوں کی برائیاں کرنے بیٹھ جاؤں تو آپ میں سے تو کسی کا کچھ نہیں بگڑیگا لیکن میرے گھر میں قیامت آجائے گی۔ ماں، بیوی، بیٹیاں، بہنیں، سب کی سب سول نافرمانی شروع کر دیں گی اور مجھے اور میرے ساتھ میری بیٹیوں اور بھائیوں کو مہاتما جی کی طرح خدا جانے کتنے روز کا طول طویل برت رکھنا پڑیگا۔ اور اگر اس کے برعکس عورتوں کی شان میں قصیدہ خوانی کروں تو لعنت و ملامت کے ہزاروں خط مردوں کی طرف سے وصول ہو جائیں گے اور اس پر طرہ بیگم صاحبہ کے طعنے کہ "دیکھا مرد ایسے ہوتے ہیں"۔

بس مخمصے سے نجات پانے کا میں نے ایک طریقہ سوچا ہے اور وہ یہ ہے کہ بڑے بڑے حکیموں، فلاسفروں، شاعروں، ادیبوں، مولویوں، پنڈتوں، پادریوں اور ان سب کی تسکین قلب مجنونوں کے جتنے قول عورت کے متعلق مل سکیں وہ آپ کے سامنے پیش کر دوں اب یہ فیصلہ کہ کون اچھا ہے۔ اور کون برا۔ آپ خود کریں۔

وہ (عورتیں) تمہارے (مردوں کے) لئے زینت ہیں، اور تم اُن کے لئے زینت ہو۔ (قرآن حکیم)

مسلمان عورتوں سے کہدو کہ وہ اپنی نظریں نیچی رکھا کریں، اور اپنی عصمت کی حفاظت کیا کریں۔ (قرآن حکیم)

عورتوں سے کہدو کہ وہ زمانہ جاہلیت کی طرح اترائی اور زور سے پاؤں زمین پر مارتی نہ پھرا کریں۔ (قرآن حکیم)

عورتیں اپنی زینت غیر مردوں کو نہ دکھائیں سوائے ان چیزوں کے کہ جو عادتاً کھلی ہی رہتی ہیں۔ (قرآن حکیم)

عورتوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا کرو۔ (قرآن حکیم)

مرد عورتوں کے سرورست ہوتے ہیں (قرآن حکیم)

عورت اس لئے پیدا کی گئی ہے کہ مرد اس سے تسکین حاصل کرے۔ (قرآن حکیم)

جب لڑکی جوان ہوجائے تو چہرہ اور ہاتھوں کے سوا اس کے جسم کا کوئی حصہ غیر مردوں کی نظر سے نہ گذرنا چاہیئے (پیغمبر اسلام)

خدا نے تین چیزوں کی محبت میری فطرت میں رکھی ہے، عورت، خوشبو، اور نماز، (پیغمبر اسلام)

ماں کے قدموں کے نیچے جنت ہے۔ (پیغمبر اسلام)

تم میں سب سے اچھا وہی ہے جو اپنی بیوی بچوں کیساتھ اچھا ہو (پیغمبر اسلام)

یہ (عورتیں) آبگینے ہیں انہیں ٹھیس نہ لگاؤ۔ (پیغمبر اسلام)

عورت موت سے بھی زیادہ تلخ ہے۔ (انجیل مقدس)

مشورہ کے وقت عورت کو پاس سے ہٹا دو (منو مہاراج)

جھوٹ بولنا عورت کی فطرت ہے (منو مہاراج)

اچھی عادتوں والی نیک اور پارسا عورت، اگر فقیر کے گھر میں ہو تو اسے بھی بادشاہ بنا دیتی ہے (سعدی)

عورتوں سے مشورہ کرنا تباہی کا موجب ہے۔ (سعدی)

اس گھر میں خوشی اور خوش حالی بار نہیں پا سکتی جس میں سے عورت کے چیخنے چلانے کی آواز باہر آیا کرتی ہو۔ (سعدی)

عورتوں کے مکر بہت بڑے ہوتے ہیں۔ (عزیز مصر)

تم یا چلے جانا کوئے ✦ نصیب یار کے ستے ہوئے (لا اعلم)

ایک حسین اور پاکدامن عورت خدا کی مکمل ترین صنعت ہے۔ اس سے سچی ملکوتی شان ظاہر ہوتی ہے۔ وہ دنیا کا ایک معجزہ ہے اور اسے عجائبات عالم میں شمار کرنا چاہیئے۔ (ہرمیز)

ایک صاحب عقل و شعور عورت کی تعریف میں سب سے بڑا لفظ جو استعمال کیا جا سکتا ہے، وہ یہی ہے کہ اسے صاحب عقل و شعور کہا جائے

خدا کے بعد اگر ہم کسی کے ممنون احسان ہیں تو وہ عورت ہے۔ اس کا پہلا احسان تو یہ ہے کہ ہمیں زندگی بخشتی ہے، اور دوسرا یہ کہ ہماری زندگی کو اس قابل بناتی ہے کہ اس کی آرزو کی جائے۔ (بوسے)

ایک عالی دماغ عورت کی صحبت ہر مرد کی زندگی کے لئے ایک اچھی سبق ہے۔ (مہری نسینٹ)

عورتوں کی نگاہوں میں ہمارے قانون سے بھی زیادہ قوت ہے اور ان کے آنسوؤں میں ہماری دلیلوں سے کہیں زیادہ طاقت و اثر موجود ہے۔

عورتوں کا حسن نہیں، بلکہ ان کے دلوں میں بھرا ہوا ہمدردی اور محبت کا جذبہ مجھے اُن سے محبت کرنے پر مجبور کر سکتا ہے۔ (شیکسپیئر)

اے عورت! ہمارے راحت و آرام کے زمانہ میں تو کیسی شرمیلی اور متلون مزاج ہوتی ہے، اور تجھے خوش کرنا کس قدر دشوار ہوتا ہے۔ لیکن جیسا ذرا مصیبتوں کے بادل چھائے کہ تو ایک فرشتۂ رحمت کی طرح ہماری تسکین کا باعث بن جاتی ہے (والٹر اسکاٹ)

اپنی تمام زندگی میں مجھے کسی چیز سے اتنا نفع نہیں پہونچا جتنا کہ نیک اور ہمدرد عورتوں کے صحیح مشوروں، صائب رایوں، اور خلوص سے بھری مشفقانہ ہمت افزائیوں سے پہونچا ہے۔ (سرالیس اوسیا)

وہ مرد نہیں، نامرد ہے جو عورتوں کے ساتھ انتہائی عزت و تعظیم کے سوا اور کسی طرح کا برتاؤ کرتا ہے۔ وہ عورت بھی عورت کہلانے کی مستحق نہیں ہے جو مردوں میں عورت کی تعظیم کے جذبے کو نہ ابھارے، اور اس سے اپنی تعظیم کرائے۔ مرد اور عورت کے درمیان صنفی رقابت انتہائی حالت سے اور اس سے زیادہ لغو اور غیر قدرتی چیز اور کوئی نہیں ہوسکتی۔ خدا نے عورتوں کی تمام قابلیت اور استعداد ان کے دماغوں میں نہیں بلکہ دلوں میں رکھدی ہے۔ کیونکہ اس قابلیت کے تمام مظاہرے محبت کی صورت میں ہوا کرتے ہیں۔ (ڈاما)

اس دنیا میں ایک ایسی ہستی بھی ہے جو دردرسیدوں کے لئے اس سے زیادہ کڑھتی اور رنج کرتی ہے کہ جتنا وہ خود اپنے لئے کڑھیں۔ ایک ایسی ہستی جسے دوسروں کے دل کی خوشی اپنے دل کی خوشیوں سے زیادہ عزیز ہے، ایک ہستی جو دوسروں کی عزت افزائی پر اس سے زیادہ مسرور ہوتی ہے کہ جتنا اپنی عزت افزائی پر، ایک ایسی ہستی جس کے دل پر دوسروں کو اپنے سے زیادہ خوبیوں کا حامل دیکھ کر مسرت کے سوا اور کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ایک ایسی ہستی جو دوسروں کے عیبوں کی پردہ پوشی اپنے عیبوں سے زیادہ کیا کرتی ہے۔ ایک ایسی ہستی جو جب دوسروں پر تلطف اور مہربانی کرنے پر آتی ہے تو اپنے نفس کو بالکل فراموش کردیتی ہے۔ یہ ہستی میں تمہیں بتاؤں کہ کون ہے؟ وہ عورت ہے! (واشنگٹن اروِنگ)

(باقی آئندہ)

بیوہ دوشیزہ

اس کتاب میں مصنف نے ایک دوشیزہ بیوہ کی رنگین کہانی بیان کی ہے۔ کہانی کیا ہے۔ ایک دلچسپ اور رنگین داستان ہے۔ عقیلہ بیگم پر جو جو مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹے اور جیسی جیسی مصیبتیں اندھیری کوٹھڑیوں میں گذاریں۔ ان پر کوئی شخص بغیر آنسو بہائے نہیں رہ سکتا۔ اُس کے بعد اُن کی مصیبتوں کا خاتمہ اور امیدوں کا بر آنا محبوب سے شادی۔ قیمت صرف بارہ آنے

فہرست مضامین ملاحظہ ہو

منگانے کا پتہ محشر خیال بک ڈپو۔ اردو بازار۔ جامع مسجد دہلی

سونا بنانے کا نسخہ

سونا بنتا نہیں کان میں سے نکلتا ہے۔ البتہ کیمیا بنائی جاتی ہے اور اسکے ہزاروں نسخے ہیں لیکن ان سب میں بھی ہمیشہ ایک آنچ کی کسر رہجاتی ہے۔ اور ہم ہاتھ ملتے رہجاتے ہیں۔ کہ کیمیا بنا کر مال و دولت جمع نہ کرسکے۔ لیکن اب اس کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ کیمیا کے نسخے کے لئے جنگلوں کی خاک چھانی جائے اور پھر بیلیا کی بھٹیوں پر بھٹیاں سلگائی جائیں۔ مال و دولت جمع کرنے اور عزت و شہرت حاصل کرنے کی اس سے بھی آسان اور قابل عمل صورتیں موجود ہیں۔ جن پر کسی وقت سے عمل کرکے اپنے آپ کو دنیا کے سرکردہ ممتاز اور کامیاب ترین لوگوں میں شامل کیا جاسکتا ہے۔ اس کے لئے یقین و اعتماد۔ افعال و اعمال۔ عقل و فطرت احتیاط و حزم۔ علم و ہنر۔ کوشش و سعی اور ارادہ و عمل کی ضرورت ہے۔ اگر یہ چیزیں آپ میں موجود نہیں ہیں اور یقین کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ بیشک نہیں ہیں تو عقل و تدبر کا تقاضہ ہے کہ دولت کی ان کنجیوں کو حاصل کرنے کیلئے دنیا بھر کی سب سے زیادہ مفید ترین کتاب **لعل و گوہر** منگا لیجئے۔ اس میں دنیا بھر کے ان کامیاب ترین لوگوں کے قول جمع کئے گئے ہیں جنہوں نے کبھی نہ کبھی اور کسی نہ کسی طرح اس وسیع دنیا کی رہبری کی ہے۔ اسے پڑھکر حکومت و اعزاز کی باگ ڈور کو ہاتھ میں لیا جاتا ہے اور افلاس و نا اُمیدی کو ٹھوکر ماری جاسکتی ہے۔ ضرورت و اسباب کو سمجھا جاسکتا ہے اور آغاز و انجام پر نظر رکھی جاسکتی ہے۔ اور اس طرح آپ مفلسی پر فتح پاکر دولت پر حکومت کرسکتے ہیں اس بے مثال کتاب کو ادیبۂ ہند محترمہ **رضیہ سلطانہ بیگم چمن دہلوی** نے مرتب کیا ہے جن کا نام ماہنامہ محشر خیال کے مستقل لکھنے والوں کی فہرست میں شامل ہے اور آپکو بخوبی اندازہ ہوچکا ہوگا کہ وہ جس عنوان پر قلم اُٹھاتی ہیں اُردو انشاپردازی میں زر و جواہر بکھیر دیتی ہیں۔ اُن کے مضامین نے اردو ادب میں انقلاب پیدا کردیا ہے۔ اور یہ کتاب جو دنیا کی مفید ترین کتابوں میں سب سے چوٹی کی کتاب تسلیم کی گئی ہے۔ خود آپ کی زندگی میں انقلاب پیدا کردیگی اور آپ کو اپنی موجودہ سطح سے اونچا اٹھا کر کامیابی کی چوٹی پر پہنچا دے گی۔ سفید چکنے کاغذ ۹۶ صفحات پر پھیلی ہوئی اس کتاب کی قیمت صرف آٹھ آنے رکھی گئی ہے کہ ہندوستان سے موت نما بے حسی کو جڑ بنیاد سے اکھیڑ دیا جائے۔ محصول چار آنے کل بارہ آنے کے ٹکٹ بھیجکر آج ہی یہ خوبصورت ترین اور مفید ترین کتاب منگا لیجئے۔ یا لکھئے بذریعہ وی۔ پی بھیجدیا جائے

منیجر محشر خیال اردو بازار جامع مسجد دہلی

موسیقی کا بادشاہ

"تان سین"



ولادت

شہر گوالیار کے قریب کسی موضع میں کمرند پانڈے نامی ایک برہمن رہتا تھا۔ اس کی کوئی اولاد نہ تھی۔ جس کی اُسے بڑی آرزو تھی۔ وہ ہمیشہ جوگیوں سنیاسیوں اور فقیروں کے پاس جاتا اور اُن سے بیٹے کے لئے دعا کراتا۔ لیکن کوئی دعا کارگر نہ ہوئی آخر کار اُس نے حضرت شاہ محمد غوث گوالیاری سے منت مانگی۔ حضرت نے برہمن کی التجا غور سے سنی اور حکم دیا کہ گھر چلا جا۔ اسی سال خدا نے اسے ایک بیٹا دیا۔ اور اس کا نام تان سین رکھا گیا۔

تان سین کا مسلمان ہونا

یہ عام طور پر مشہور ہے کہ تان سین مسلمان ہو گیا تھا۔ کہتے ہیں کہ جب یہ پانچ برس کا ہوا تو اُسے ایک روز اُس کا باپ شاہ محمد غوث کی خدمت میں لے گیا۔ اور وہاں عرض کی کہ خدا نے آپ کی دعا کی برکت سے یہ لڑکا مجھے عطا فرمایا ہے۔ اب آپ اس کے حق میں ایسی دعا کریں کہ خدا اسے "علم سنگیت" نصیب کرے۔ اور اس کا گانا مقبول خاص و عام ہو۔ اتفاقاً اس وقت شاہ صاحب پان نوش فرما رہے تھے آپ نے اپنے منہ کا پان تان سین کے منہ میں ڈال دیا۔ پانڈے کمرند نے یہ کیفیت دیکھ کر عرض کیا کہ شاہ صاحب یہ لڑکا اب ہمارے دھرم سے نکل گیا۔ آج سے یہ آپ کی خدمت ہی میں رہے گا۔ جب بڑا ہو گا تو خدمت کیا کرے گا۔ الغرض تان سین شاہ صاحب کی خدمت میں رہا اور انہوں نے بھی نہایت توجہ سے اس کی پرورش کی۔ اور مسلمان کر لیا۔

موسیقی کی تعلیم

تان سین کی راگ ودیا سیکھنے کے متعلق بہت سی روایتیں بیان کی جاتی ہیں جن میں سے چند یہ ہیں۔

(۱) ایام طفلی میں تان سین اپنی عجیب و غریب قوت حافظہ اور نقالی کا اکثر مظاہرہ کرتا رہتا تھا۔ وہ بمشکل آٹھ سال کا ہو گا کہ اُس کے والد نے اُسے آموں کے باغ میں رکھوالی پر بٹھا دیا۔ یہ آموں کا جھنڈ چاروں طرف

سے جنگلوں میں گھرا ہوا تھا جہاں شیر اور دوسرے درندے بکثرت رہتے تھے تان سین رات کے وقت شیروں کے دہاڑنے کی آواز سنا کرتا تھا اور اس کے جواب میں وہ ویسی ہی آواز نکالتا تھا جس کو سنکر اس کے ہمسائے دہشت زدہ ہو جاتے تھے۔

ایک روز سادھوؤں کا ایک گروہ آموں کے جھنڈ کے پاس سے گزر رہا تھا اُس وقت تان سین شیر کی آواز کی نقل اتار رہا تھا۔ تان سین کی شیرانہ گونج سنکر تمام سادھوؤں پر خوف طاری ہو گیا۔ ایک سادھو جو دوسروں سے زیادہ عقلمند تھا جرأت کرکے آموں کے جھنڈ میں داخل ہوا۔ اور ایک چھوٹے سے لڑکے کو درختوں میں چھپا ہوا دیکھ کر حیران ہو گیا جو شیر کی طرح دہاڑ رہا تھا۔ یہ سادھو بابا ہری داس تھا جو اپنے زمانہ کا لاثانی ماہر موسیقی تھا اُس نے تان سین کی امکانی قوتوں کا فوراً اندازہ کر لیا۔ وہ تان سین کے والد کے پاس گیا اور اُس سے اجازت لے کر اسے اپنے ہمراہ متھرا لے گیا اور بڑی توجہ سے راگ ودیا کی تعلیم دی تان سین نے بہت جلد ہی اس مشکل فن پر عبور حاصل کر لیا۔ اور ایک ماہر فن گویا بن گیا۔

اُس زمانہ میں راجہ مان سنگھ تنوار نے بمقام گوالیار ایک موسیقی کا مدرسہ قائم کیا تھا۔ جہاں وہ خود اور اس کے اکثر ہمعصر اساتذہ موسیقی کی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ تان سین اس مدرسہ میں داخل ہوا اور سب سے اس کے ساتھ گہرے تعلقات پیدا کر لئے۔ کچھ عرصہ بعد تان سین یہاں سے بھی روانہ ہو گیا۔ اور محمد شاہ عادل سے اس فن کا اکتساب کیا۔

اکبر کے دربار میں رسائی

چند سال کے بعد جب تان سین اپنے وطن کو واپس آیا تو اُس کی شہرت اُس سے پہلے وہاں پہنچ چکی تھی۔ راجہ رامچندر والئی بندیل کھنڈ نے اس کو درباری گویے کی آسامی پر نوکر رکھ لیا۔ اُس کی شہرت تمام ہندوستان میں پھیل گئی اور بہت سے بادشاہ اور راجہ اس کی شہرت کو سنکر اس کوشش میں مصروف ہوگئے کہ کسی طرح تان سین اُن کے دربار کی زینت بن جائے جب شہنشاہ اکبر اعظم نے تان سین کی موسیقی کا شہرہ سنا تو اُس نے راجہ کو لکھا کہ اُسے شاہی دربار میں بھیجا جائے۔ پہلے تو وہ لیت و لعل کرتا رہا۔ لیکن آخر شاہی دھمکیوں سے مرعوب ہو کر اُس نے تان سین کو دربار شاہی میں بھیج دیا۔

اکبر اور تان سین

تان سین اکبر کے دربار میں آکر ہمیشہ دلگیر و دل گرفتہ رہتا تھا اُسے پیارے وطن کی محبت اور اپنے پہلے آقا کی مفارقت نے کبھی چین سے نہ بیٹھنے دیا۔ اکبر اس کی بے حد خاطر و مدارات کرتا تھا۔ اور ہر طرح دلجوئی و دلداری کرتا تھا۔ لیکن اس کے باوجود تان سین اسے ہمیشہ بائیں ہاتھ سے سلام کیا کرتا اور کہتا کہ داہنا ہاتھ صرف راجہ کی سلامی کے لئے مخصوص ہے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ تان سین اکبر کی ہمراہی میں شاہی باغ میں ٹہل رہا تھا۔ اُس کی نظر ایک پختہ آم پر جا پڑی۔ اُس نے ہاتھ بڑھا کر توڑنا چاہا۔ بہت کچھ اُچھلا کودا۔ دائیں بائیں جھکا مگر لیکن دسترس نہ ہوئی۔ اکبر نے مایوس و مجبور دیکھ کر اُس کے سامنے جھک گیا۔ اور ہنستے ہوئے بولا "آؤ میری پیٹھ پر سوار ہو کر اُسے توڑ لو"۔ تان سین نے فوراً دونوں ہاتھ باندھ کر مجرا کیا۔ یہ پہلا دن تھا کہ بادشاہ کو اپنے حسنِ اخلاق سے اُس کا دل موہ لینے میں کامیابی ہوئی۔ اکبر اس کی بہت عزت کرتا تھا۔ اور اُسے اکثر میاں تان سین کہہ کر پکارا کرتا تھا۔

تان سین کی موسیقی میں مہارت

تان سین فن موسیقی میں یکتائے روزگار تھا اس کے گانے کے متعلق بہت سی روایتیں بیان کی جاتی ہیں۔ کہتے ہیں کہ جب تان سین دیپک راگ گاتا تھا تو دیئے روشن ہو جاتے تھے اور ملہار گانے سے پانی برستا تھا۔ اس نے موسیقی میں بہت کچھ تصرف کیا اُس سے قبل ۹۲ تال مروج تھے۔ اُس نے اُسے گھٹا کر ۱۲ کر دئے۔ اور راگنیوں میں سروں کا اضافہ کرکے نئی شکلیں پیدا کیں۔ چنانچہ میاں کا ملہار۔ میاں کی ٹوڑی۔ درباری وغیرہ اُسی سے منسوب ہیں۔ تان سین "شام کلیان" اور کانگڑہ کو بہت گایا کرتا تھا اور بادشاہ بھی اکثر انہی گانوں کی فرمائش کیا کرتا تھا۔ سور داس کا ایک دوہا تان سین کی تعریف میں ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ "ایشور نے شیش ناگ کو اس وجہ سے کان عطا نہیں کئے تھے کہ اگر وہ تان سین کا شیریں گانا سن پاتا تو ضرور اپنے کان ہلاتا جس سے روئے زمین پر زلزلہ برپا ہو جانے کا احتمال تھا۔"

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ تان سین نے اپنے گانے سے جنگل کے ہرنوں کو مسخر کیا تھا اکبر نے اس سے سوال کیا وہ زمین خاں سے ہاری ہے جا سکتا ہے؟ تان سین نے دیپک راگ چھیڑ دیا۔ بیربل اور ملا دو پیازہ کو دیپک راگ کے اثر کا یقین نہ آتا تھا۔ تان سین نے پہلے محفل کو مدہوش کر دیا اسکے بعد جمنا میں اتر کر برابر پانی میں کھڑے ہو کر گانے لگا۔ جلال الدین شیرازی بیان کرتے ہیں کہ تھوڑی دیر کے بعد پانی میں ایک غیر معمولی تموج پیدا ہوا۔ اسکے بعد اُس میں سے شعلے نکلنے لگے۔ پانی گرم ہو گیا اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ پانی جوش کھا کر خشک ہو جائیگا۔ جب اس حیرت انگیز نظارے کو دیکھ کر لوگ متوحش ہونے لگے تو اکبر نے تان سین کو بس ہونے کا حکم دیا۔ تان سین راگ کو ختم کرکے پانی سے باہر آیا لیکن جمنا میں دیر تک آگ نظر آتی رہی۔

تان سین کی وفات

تان سین کی تاریخ وفات معلوم نہ ہو سکی اس کا مزار گوالیار میں موجود ہے یہاں ہر سال میلہ

٭عرس ہو جاتا ہے جس میں سینکڑوں ماہرین فن جمع ہوتے ہیں۔ اور اپنے اپنے کمالات کا اظہار نہایت عقیدت مندی سے کرتے ہیں۔



پنگھٹ کی راہیں

حضرت عارف عزیزی جے پوری

بتوں کی زدپر لجائی نگاہیں
سحر کے دھندلکے میں پنگھٹ کی راہیں

رُخِ حسن پر کالی ساری کا دامن
فضاؤں پہ چھایا ہوا سانولا پن

ہراک شے میں بیدار احساسِ ہستی
نگارِ سحر کی نگاہوں میں مستی

چمن اور صحرا۔ گلی اور کوچے
کبھی کھوئے کھوئے کبھی بہکے بہکے

بنے حسنِ فطرت کے رنگین نقشے
کہیں ہلکے ہلکے کہیں گہرے گہرے

چمکتے ہوئے۔ خود جھجکتے ہوئے سے
ستارے فضاؤں میں ڈوبے ہوئے سے

مقابل۔ کوئی ماہ پارا نہیں ہے
کرشما ہے "عورت" ستارا نہیں ہے

شب ماہ۔ سیجوں سے اس کو جگا کر
چلی جا رہی ہے۔ نگاہیں جھکا کر

قیامت ہے اٹھرپنے کا۔ زمانہ
شباب اٹھ رہا ہے۔ لئے تازیانہ

نگاہوں کے کب کچھ بنائے بنے ہے
نسیم اس کے آنچل کو تھامے ہوئے ہے

ادا تمکنت میں ہے کوہ ہمالہ
حیا۔ شوخ آنکھوں میں۔ جیسے شوالہ

یہ کہتی ہے ایک اک نظر والہانہ
گذر جائے چپکے سے دورِ زمانہ

وہ سوئی ہوئی واردا توں کو لیکر
اٹھی۔ تیغ و خنجر کی راتوں کو لیکر

تمام الجھنوں کو لپیٹے ہوئے ہے
وہ جوڑا جو شانوں پہ کھولے ہوئے ہے

خیالاتِ امروز۔ ماضی بھلاتی
چھما چھم یہ پازیب کی گیت گاتی



وہ اسکا تخیل؟ اور اس کی زبانی؟ فرات اور گنگا کی جیسے روانی
جلو میں لئے آنے والے زمانے چلی۔ ٹھنڈی نیندوں کے ملتے جگانے
اداسے جگانے۔ نظر سے اٹھانے لئے ناز و انداز کے تازیانے
فرشتوں کی پرواز کو مات کرتی مشیت سے اڑتی سی کچھ بات کرتی

جبینِ دو عالم کو ٹھکرا رہی ہے
دسہرے سر پہ گاگر چلی جا رہی ہے

نہ بھٹکا ہوا ہوں نہ کھویا ہوا ہوں میں پنگھٹ کی راہوں میں سویا ہوا ہوں
کئی ایسی صبحیں گنوائی ہیں میں نے بہت کامنائیں لٹائی ہیں میں نے
انہیں راستوں پر مجھے آتے جاتے کبھی شعر کہتے کبھی شعر گاتے
جگایا ہے شیاما نے ہر بار مجھ کو بتائے ہیں پنگھٹ کے آثار مجھ کو
دکھائے ہیں اکثر بالفاظِ شاعر چھلکتی ہوئی گاگروں کے مناظر
کہا ہے بہ عنوانِ تشنہ دہانی کہ پنگھٹ کا ہونے کو ہے خون، پانی
سبیل اس کی باندھو بکھرنے سے پہلے ابھر جاؤ خود۔ ڈوب مرنے سے پہلے
برسنے ہی والے ہیں شبنم سے شعلے بدلنے ہی والے ہیں پنگھٹ کے نقشے
فنا، یونہی ہے۔ قسمتِ دارِ فانی مگر اور شے ہے تمہاری جوانی
اُٹھو۔ اور پنگھٹ کی راہوں سے بڑھکر سمندر پہ چھا کر۔ ہواؤں پہ چڑھ کر

ہلاکت کے شعلوں کو ہنسکر بجھا دو
یہ گاگر لو —— اور ایک طوفاں اٹھا دو

ازدواجی زندگی پر سنیما کا اثر

از
جناب سید ماجد علی صاحب
بی۔ اے
ملیح آبادی

سنیما موجودہ سائنس کی شعبدہ بازی کا ایک حیرت انگیز نمونہ ہے یوں کہئے کہ دور حاضر کا وہ سحر سامری ہے جس سے بے جان عکسی تصویریں چلتی پھرتی اور بولتی نظر آتی ہیں۔ اور جس نے اپنے طلسم ہوشربا سے ہر فرد بشر کو مسحور کر رکھا ہے۔ بچے بوڑھے جوان جس کو دیکھئے سنیما کا خبط سوار ہے۔ ادنیٰ سے لیکر اعلیٰ تک۔ غریب سے لیکر امیر تک ہر شخص اپنی حیثیت کے مطابق سنیما کے جنون میں گرفتار ہے۔ گلی کوچے چوراہے، جہاں دیکھو فلمی پوسٹر چسپاں ہیں۔ گھروں، دوکانوں۔ ہوٹلوں غرض ہر جگہ فلمی ایکٹروں اور ایکٹریسوں کی تصویریں کو دواں ہیں۔ سنیما گھروں کی تعداد روز افزوں ترقی پر ہے۔ سنیما دیکھنے پر ٹیکس لگ گیا مگر لوگ کب باز آتے ہیں۔ لوگوں کو چاہے یہ نہ معلوم ہو کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ لڑائی ہو رہی ہے یا ختم ہو گئی۔ جرمنی جیت گیا کہ ہار گیا۔ مگر یہ ضرور معلوم ہوگا کہ فلاں سنیما ہاؤس میں فلاں کھیل ہو رہا ہے۔ اور اس میں یہ اداکار کام کر رہے ہیں۔ اگر آپ ان سے کچھ پوچھیں تو وہ ہر فلم پر جداگانہ ہزاروں تعریفیں اور تنقیدیں سنا دیگا۔ اگر اتفاقاً آپ کا سابقہ کسی جاہل سے پڑ جائے اور آپ اس سے پوچھ بیٹھیں کہ میاں مسولینی کو جانتے ہو؟ تو وہ کافی دیر سر کھجانے کے بعد جواب دیگا بھیا نام تو کہیں سنا ہے شاید ہٹلر کی بیوی کا نام ہے۔ مگر اس کے برخلاف وہ آپکو نہ معلوم کتنی فلموں اور ایکٹروں کے نام ضرور صحیح صحیح بتلا دے گا دیکھئے اس حد تک سنیما کا جنون ترقی کر گیا ہے۔ ہر شخص ایکٹر بننے کی فکر اور انہیں کی نقلیں کیا کرتا ہے۔ کاش کہ ان پر اس فلمی زندگی کا انکشاف ہو جاتا تو وہ جانتے کہ وہ کس دھوکے میں گرفتار ہیں۔

آپ کہیں گے کہ سنیما دیکھنے سے ہماری معلومات میں اضافہ ہوتا ہے مگر صاحب میری تو سمجھ میں آتا نہیں ہے کہ آخر ان حسن و عشق کے لغو اور بے محل داستانوں کو پردۂ سنیما پر دیکھ کر آپ کو کیا سبق ملتا ہے۔ فرض کیجئے کہ دو چار کام کی باتیں معلوم بھی ہو جاتی ہیں تو وہ برے اثرات کے مقابلہ میں کس قدر بے حقیقت ہیں۔ روپیہ۔ وقت اخلاق صحت غرض ہر چیز کی بربادی ہوتی ہے۔ وہ زندگی کے بیش قیمت گھنٹے جو آپ ایک سنیما ہال میں بیٹھ کر گنوا دیتے اگر وہی کسی اور کام میں صرف کئے جائیں تو کتنا اچھا ہے۔ اور وہی وقت اور پیسہ اگر آپ ملکی اور قومی سماجی خدمتوں میں خرچ کریں تو کتنے خوش آئند نتائج برآمد ہوں۔ آپ پھر کہیں گے کہ ہم تو فقط تفریح اور دل کے بہلانے کے لئے جاتے ہیں کیا باغ۔ جنگل سرسبز وادیاں۔ دریا کے کنارے یا اور دیگر قدرتی مناظر آپ کی تفریح کا سامان مہیا نہیں کر سکتے ہیں سنیما ہال کے اندر بیٹھنا آپ کی صحت کو کس قدر نقصان دیتا ہے تین گھنٹے تک آپ ایک تاریک کمرہ میں بند رہتے ہیں۔ جہاں تازی ہوا تک نہیں جاتی ہے اور ہر طرف بیڑی اور سگریٹ کا دھواں ہی دھواں پھیلا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ سانس لینا بھی دشوار ہوتا ہے۔ نہ معلوم کیسی کیسی بیماری والے لوگوں کے ساتھ بیٹھنا ہوتا ہے۔ اور ہمیشہ ڈر رہتا ہے نہ معلوم کس موذی مرض کا شکار ہو جائیں۔ آنکھوں پر الگ زور پڑنے سے کمزوری اور خرابی آجاتی ہے۔ اس طرح بہر صورت ہماری صحت پر برا اثر پڑتا ہے۔ یہی وقت اگر باغ کی تفریح میں صرف کیا جائے تو ہماری روح کو کیسی فرحت حاصل ہو اور پھولوں کی خوشگوار خوشبو اور ہوا کے لطیف جھونکوں سے ہمارے دل و دماغ کو کیسی تازگی نصیب ہو۔ اور صحت پر بھی کتنا اچھا اثر پڑے۔ ان باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ سنیما کسی حد تک ہماری تندرستیوں کی خرابی کا بھی ذمہ دار ہے۔ اور جب ہماری تندرستی ہی اچھی نہ ہوگی تو ہم ملک کی کیا خدمت کر سکیں گے اور ہماری آیندہ نسلوں پر اس کا کیا اثر پڑیگا۔

چونکہ سنیما ہماری زندگی کا ایک جزو لاینفک بنتا جا رہا ہے اس لئے یہ محض کچھ دیر کی تفریح کا سامان نہیں ہے۔ بلکہ ہمارے عادات اور اخلاق پر ایک دیرپا اثر چھوڑتا ہے۔ خصوصاً ازدواجی زندگی پر تو اس نے بہت ہی برا اثر ڈالا ہے۔ نہ جانے کتنے گھر اس خبط کی وجہ سے برباد ہو گئے اور نہ معلوم کتنے مردوں اور عورتوں کی زندگیاں تلخ ہو گئیں۔

سنیما کا سب سے پہلے اثر خانگی آمدنی پر پڑتا ہے۔ یہ ایک بہت بڑی فضول خرچی ہے۔ ایک متوسط درجہ کے آدمی کے لئے ان کا خرچ کافی پریشانی کا سبب بن جاتا ہے۔ اگر میاں بیوی بچے سب کو یہ شوق لاحق ہے تو آمدنی کا ایک کافی حصہ اس کے لئے الگ رکھنا پڑیگا جو ہر ہفتہ اس میں خرچ کیا جائے اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اور اخراجات میں کمی کرنا پڑے گی۔ اور ایک قلیل آمدنی والے شخص کے لئے تو اخراجات کا پورا کرنا بھی دو بھر ہو جائے گا۔ کیونکہ

ایک بستہ آدمی کو سینما دیکھنے کا خبط ہو جاتا ہے تو قرض لینا، گھر سے بیہاں تک کہ بنا اور سوالی تک نوبت پہنچ جائے۔ میں بہت سے واقعات جانتا ہوں کہ ایک اچھی حالت نے چور لوگوں نے اپنی گرہستی تک بیچ کر اس کو دیکھا ہے مگر تو یہ ہے کہ لوگوں کا یہ فلمی جنون اپنی حد سے بھی تجاوز کر گیا ہے۔

اب میں سینما کا سب سے بڑا اور مہلک اثر جو اخلاق پر پڑتا ہے اس کا ذکر کرنا چاہتا ہوں خصوصاً ازدواجی زندگی سے اس کا بہت گہرا تعلق ہے۔ سینما ہال ہی وہ جگہ ہے جہاں پر لوگوں کو چوری، ڈاکہ، شراب خوری وغیرہ کی تعلیم ملتی ہے یہی وہ گھر ہے جہاں معصوم اور ناسمجھ لڑکوں اور لڑکیوں کو عشق و محبت کے کھیلوں کا سبق پڑھایا جاتا ہے۔ سینما دیکھنے کے بعد لامحالہ ہر شخص یہی سوچتا ہے کہ میں بھی فلمی ہیرو کی طرح بن جاؤں۔ میں بھی بغدادی چور اور شریف ڈاکوؤں کی طرح کارنامے دکھاؤں۔ کیوں نہ "دیو داس" کی طرح میں بھی شراب پیکر دنیا کی فکر کو اس میں غرقاب کر دوں۔ کیوں نہ کسی فلمی دلیپ یا ہرشی کی طرح کسی سے عشق شروع کر دوں اور دنیا کے سامنے ایک زندہ ٹریجڈی پیش کر دوں غرض اس طرح کی لاکھوں خیالی اور ناقابل عمل باتیں لوگوں کے دماغ میں سماتی ہیں۔ اور رفتہ رفتہ جب ان کا زیادہ اثر ہوتا ہے تو اخلاق کی خرابی کی صورت میں نمودار ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک شخص جو پردۂ سینما پر کنن بالا، نسیم اور میلا ڈینس کی "دلفریب" اداؤں سے "لطف اندوز" ہو کر آیا ہے۔ اس کو اپنی بیوی کا سیدھا سادھا اور شریفانہ طرز عمل کب پسند آنے لگا۔ وہ لامحالہ یہی چاہے گا کہ کاش، میری بیوی میں بھی وہی ایکٹریسانہ "خوبیاں" موجود ہوتیں، کاش کہ وہ بھی اسی طرح شوخ و شنگ ہوتی۔ مگر بے چاری شریف گھرانے کی لڑکی میں یہ سب شرمیلا کہاں سے آئیں۔ پس وہ فلمی پرچھائیوں کا دلدادہ اپنی معصوم صورت اور نیک سیرت شریک حیات سے خوش نہ رہے گا نتیجہ یہ ہوگا کہ بے اعتنائی بڑھتے بڑھتے نفرت اور نااتفاقی کی صورت اختیار کرلے گی جس سے کہ پھر طلاق ہی میں امان ملے گی اسی طرح عورتوں پر بھی اس کا ایسا ہی اثر پڑتا ہے۔ سینما دیکھنے کے بعد وہ بھی اسی کی آرزومند ہوں گی کہ کاش ان کا شوہر بھی دلیپ کمار کے جہانگیر کی طرح ہوتا۔ نوجوان اور غیر شادی شدہ لڑکے ایکٹریس نما بیویوں کے خواب دیکھا کرتے ہیں اور نوجوان لڑکیاں اپنے شوہروں میں اشوک کمارانہ "صفات" کی متوقع ہوتی ہیں مگر شادی ہونے کے بعد جب ان کے زندگی کے ساتھیوں میں وہ "اوصاف" موجود نہیں ہوتے ہیں تو ان کے دل پژمردہ اور ان کے ارمان ٹھنڈے پڑ جاتے ہیں۔ ان کی زندگیاں حقیقی خوشی سے بیزار اور بیگانہ ہو جاتی ہیں کاش، ان خام طبع اور کوتاہ بین لوگوں پر فلمی زندگی کی حقیقت بے نقاب ہو جاتی تو وہ جان لیتے کہ جن فلمی اداکاروں کو وہ اس قدر حسین و جمیل اور ان تمام خوبیوں سے مزین دیکھ رہے ہیں وہ اصلیت سے کس قدر دور ہے۔ اور در اصل یہ ڈائریکٹر اور فوٹو گرافر کا کمال ہے جو ان کو حسین اور دلفریب پیرایہ میں پیش کرتے ہیں جن کی نغمہ سرائی سے وہ اس قدر مسحور و بے خود ہو جاتے ہیں وہ حقیقت میں مشین کا ایک ادنیٰ کرشمہ ہے جو ان کی خراب آواز میں اس قدر سوز و گداز پیدا کر دیتی ہے۔

غرض یہ کہ سینما کی فریب دہی ہے جو ہماری نگاہوں سے اوجھل رہتی ہے۔ اس سے کس قدر برے اثرات ظہور پذیر ہو رہے ہیں۔ نہ معلوم کتنے جوڑوں کی زندگیاں تلخ اور بے رونق ہو گئیں اور نہ جانے کتنے برباد ہو رہے ہیں۔ پس ہم کو لازم ہے کہ اس لعنت کو روکنے کی کوشش کریں تاکہ ہماری زندگیاں خوشگوار بن جائیں اور ہم اس لائق ہو جائیں کہ ملکی اور قومی خدمتوں میں سرگرمی سے حصہ لیں اور اس طرح ہم ترقی کے زینہ پر گامزن ہو سکیں گے۔

مغرور دوشیزہ

از
جناب ٹھاکر چندر
صاحب

جسم کو حرارت پہنچانے کی غرض سے میں نے مغل سرائے میں ایک پیالی چائے کی پی۔ ایک اخبار خریدا۔ اور سکنڈ کلاس میں کمبل سنبھال کر اخبار دیکھنے لگا۔

مشکل سے دو منٹ ہوئے ہوں گے کہ ٹکٹ چیکر ایک بارہ تیرہ برس کی دوشیزہ کا پیچھا کرتا ہوا میرے کمپارٹمنٹ میں گھس آیا۔ میں نے چونک کر اس اچانک حملہ کی وجہ پوچھی تو معلوم ہوا کہ یہ دوشیزہ بے ٹکٹ سفر کرنا چاہتی تھی اور ایک مرتبہ اتارے جانے پر دوسرے درجہ کی گاڑی میں گھس آئی۔ اس پر میں نے دھیرے سے پوچھا کہ آپ اُسے اتار کیوں رہے ہیں۔

"یہ لیٹر ٹکٹ سفر نہیں کر سکتی" ٹکٹ چیکر نے کسی قدر تحکمانہ لہجہ میں کہا

"ہاں ہاں یہ تو میں بھی جانتا ہوں۔ اچھا یہ جائے گی کہاں؟"

"الہ آباد جانے کو کہتی ہے"

اس غریب کی پریشان صورت اور ٹکٹ چیکر کی سخت گیری نے میرے دل میں درد پیدا کر دیا۔ میں نے سکنڈ کلاس کا ٹکٹ اس کے لئے بنوا کر اُسے اپنے ہی کمپارٹمنٹ میں بٹھا لیا جب ٹکٹ چیکر چلا گیا اور گاڑی ذرا کھسکی تو اخبار ایک طرف رکھتے ہوئے میں نے پوچھا۔

"بیٹی! الہ آباد تم کس کے یہاں جاؤ گی؟"

برسات کی امنڈی ہوئی گھٹا تیار تھی، صرف چھیڑنے کی دیر تھی کہ پہاڑوں سے ٹکراتے ہوئے بادل کی طرح وہ برسنے لگی۔

تھوڑی دیر تک تو میں جواب کا منتظر رہا۔ لیکن اسے روتے دیکھ کر میں نے پھر پوچھا "بیٹی روتی کیوں ہو تمہارے ساتھ تو ہم ہیں جہاں کہو گی پہنچا دینگے"

پھا اُس نے خود ہی سسکیاں لیتے ہوئے کہا "الہ آباد میں میرا کوئی نہیں ہے۔ میں بھاگی ہوئی جا رہی ہوں"

"تو تم رہو گی کہاں اور کھاؤ گی کیا؟"

"میں نے سنا ہے کہ الہ آباد اور بنارس میں کھانے پینے کی کمی نہیں"

قومی نشہ کے غرور سے میری آنکھیں مسرور ہو رہی تھیں اور مچل گیا میرا خیال ہزار ہا برس پیچھے چلا گیا۔ آہ ایک زمانہ ایسا بھی تھا جب ہماری مسافر نوازی مشہور تھی معمولی لوگ بھی خود فاقہ کشی کی صعوبتیں برداشت کر کے بھوکے مسافروں کو کھانا کھلانا اپنا دھرم سمجھتے تھے۔ ممکن تھا کسی دوسرے کی زبان سے یہ بھولے بھالے الفاظ سن کر میں ہنس دیتا۔ لیکن اس وقت درد اور محبت کی تصویر بنا ہوا تھا۔ پریم کے امنڈتے ہوئے آنسوؤں کو روک کر میں نے کہا "بیٹی! تب الہ آباد پریاگ کہلاتا تھا، اور بنارس کاشی پوری تھی۔ اب وہاں کوئی کسی کو نہیں پوچھتا، بھیک مانگو تو بھیک بھی مشکل سے ملتی ہے چلو تم کو ہم اپنے یہاں لے چلیں گے مگر پہلے یہ تو بتاؤ کہ تم گھر سے کیوں چلی آئی ہو؟"

"کل رات دیدی......."

کانوں پر اعتبار نہ کر کے میں نے بیچ ہی میں بات کاٹ کر پوچھا

"کیا کہا؟" دیدی!

"ہاں کل......."

"تو کیا تمہاری شادی بھی ہو چکی ہے؟"

شیشہ میں ٹھیس لگ گئی، برسوں کی بند شراب ابل پڑی یہ بارہ تیرہ سال کی بیوہ بہت دن پہلے رو دی۔ لفظ کا ارتھ جان چکی تھی چاہے وہ دھرا کی حقیقت اور آئندہ مصائب کا حال اسے معلوم نہ ہو۔ لیکن اتنا ضرور جانتی تھی کہ بیوہ ہونا بدقسمتی کی بات ہے۔ جس کے بھاگ پھوٹ جاتے ہیں وہی ودھوا ہوتی ہے، بات کی بات میں اُس کا آنچل آنسوؤں سے تر ہو گیا۔ سارا راز کھل گیا زندگی میں اُس کا پہلا غمخوار میں ہی تھا۔ لیکن میں اُس کو رلا کر اپنی ہمدردی کا اظہار نہ کرنا چاہتا تھا۔ اس لئے گفتگو کا رخ بدلنے کی غرض سے میں نے پوچھا

"تم میرے ساتھ چلنے کے لئے تیار ہو نا؟"

"آپ کہاں رہتے ہیں۔ اور آپ کا کیا نام ہے؟"

"میرا گھر تو غازی پور میں ہے۔ لیکن ان دنوں الہ آباد میں ڈپٹی کلکٹر ہوں۔ میرا نام سریندر بکرم سنگھ ہے۔ تمہارا نام کیا ہے؟"

"ہمارا نام بالا ہے۔ میں بھی چھتریوں کی اولاد ہوں اور آپ کے ساتھ چلنے پر راضی ہوں۔ لیکن ایک شرط یہ ہے کہ کسی کو خبر نہ ہو"

"میری طرف سے خاطر جمع رکھو یہ کہہ کر میں پھر اخبار پڑھنے لگا"

نئے سگریٹ پینے والے نوجوانوں کی طرح دھواں اڑاتا ہوا انجن الہ آباد اسٹیشن پر آ کر کھڑا ہو گیا ہم اتر پڑے۔ باہر موٹر کھڑی تھی دونوں بیٹھ کر شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔

(۳)

اس واقعہ کو کئی ماہ گزر چکے تھے۔ شام کا وقت تھا۔ حسب معمول کچہری سے لوٹ کر ہاتھ منہ دھونے کے بعد سر نیچا کئے ہوئے میں اخبار کے صفحے الٹ رہا تھا سامنے بالا اور پربھا ماسٹر صاحب سے انگریزی پڑھ رہی تھیں۔ تھوڑی دیر بعد پیارو دلی کھڑا تھا۔ "تعنہ" کا نام سن کر میں نے سر اٹھایا تو سامنے تار گھر کے چپراسی کو کھڑا پایا۔ مجھے دیکھ کر اس نے سلام کرکے میرے ہاتھ پر ایک لفافہ رکھ دیا۔ میں نے اسے کھول کر دیکھا تو اس مضمون کا تار تھا۔

"پٹنہ کلکٹریٹ۔ ورشن کے مدت ہو گئی۔ کل الٰہ آباد آؤں گا۔ شاردا"

میں پھولا نہ سمایا۔ گھر میں جا کر شاردا کی ماں کو خوشخبری سنائی اور پربھا اور بالا سے کہا۔ اس خوشی میں ماسٹر صاحب کو بھی رخصت کیا اور خود کمرے کی صفائی میں مشغول ہو گیا۔ بالا نے کرسیاں۔ میز۔ کھڑکیوں میں لگے ہوئے شیشے صاف کئے پربھا نے بھائی کی کتابیں قلم دوات۔ درست کرکے قرینہ سے میز پر لگا دئے یہاں تک کہ ساری رات انہی تیاریوں میں ختم ہو گئی۔ صبح ہوتے ہی میں نے صاحب بہادر کے پاس رخصت اتفاقیہ کی عرضی بھیج دی اور منیر احمد خاں صاحب کو شاردا کو لینے کے لئے اسٹیشن بھیج دیا۔

میں اپنے خاص کمرے میں بیٹھا ہوا بچھڑے ہوئے شاردا کو گلے لگانے کے لئے بیقرار ہو رہا تھا جب کسی موٹر کے ہارن کی آواز سڑک سے سنائی دیتی تو میرا دل دھڑکنے لگتا۔ اٹھ کر دیکھنے کو جی چاہتا۔ لیکن پھر یہ سوچ کر رک جاتا کہ اس بیقراری پر ہنسیں گے جیوں کا تیوں بیٹھ جاتا۔ اسی اثنا میں میں نے کتنی بار پریم وتی کو دروازہ پر آ آ کر لوٹتے دیکھا تھا جس طرح نیاز روزہ دار چاند دیکھنے کے لئے بیقرار ہوتا ہے اسی طرح وہ شاردا کو سب سے پہلے دیکھنے کا شرف حاصل کرنا چاہتی تھی۔ مگر جہاں تک مجھے یاد ہے وہ اندر ہی تھی کہ موٹر ہارن بجاتی ہوئی کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ چپراسی نے اشارہ کیا۔ میں کمرے سے باہر نکل آیا۔ دیکھا شاردا اور منیر دونوں میری طرف بڑھے چلے آ رہے تھے اور مجھے دیکھتے ہی شاردا دوڑ کر میرے قدموں پر گر پڑا۔ میرا دل بھی بھر آیا اور فخر سے سر اونچا ہو گیا اور مجھے یقین ہو گیا کہ ولایتی تعلیم کا یہ ہرگز منشا نہیں کہ والدین کی خدمت نہ کرو یا طرز معاشرت تبدیل کر دو۔ بہر حال میں نے شاردا کو اٹھا کر گلے لگا لیا۔ پریم وتی جھانک رہی تھی دوڑ کر اس سے لپٹ گئی ماں بیٹے دونوں رونے لگے پربھا بھائی کا ہاتھ پکڑ کر کھڑی ہو گئی بالا ابھی غیر مانوس تھی کونے میں کھڑی رہی لیکن یہ کیفیت وہی ایک گھنٹے رہی۔ اس کے بعد دونوں ہل مل گئے۔

عید کا چاند تھوڑی دیر تک دکھائی دیتا ہے۔ خوشی کی گھڑیاں منٹوں میں گذر جاتی ہیں۔ شاردا کو آئے ہوئے دو ہی دن گذرے تھے۔ ماں نے اسے آٹھ برس کے بعد دیکھا تھا وہ اپنے اکلوتے بیٹے کو اتنی جلد رخصت کرنے کے لئے تیار نہ تھی مگر اب شاردا کالج کے طالب علم نہ تھے وہ ایک ذمہ دار افسر ہو گئے تھے دن بھر دوستوں میں ہنسی مذاق کی باتیں ہوتی رہیں۔ رات کو سامان بندھ کر اکٹھا ہوا۔ شاردا کے چہرے سے اداسی مترشح تھی عزیزوں سے جدائی کا خیال تکلیف دہ ہو رہا تھا۔ ماں پرنم آنکھوں سے بار بار انہیں دیکھ رہی تھی اور میری بیقراری بھی بڑھ رہی تھی۔

شاردا پربھا کو ساتھ لے جانے پر آمادہ تھے۔ اور پربھا بالا کو لیجانے کے لئے مصر تھی۔ گھر سونا ہونے والا تھا۔

(۴)

عید کا ایک دن خوشی سے گذرتا ہے محرم کا پورا عشرہ رنج میں بسر ہوتا ہے۔ شاردا کو پٹنہ گئے تقریباً تین برس ہو چکے تھے۔ مگر اب تک ان کا کوئی خط میرے پاس نہیں آیا۔ اس کی وجہ ہم دونوں کی لاپرواہی تھی کوئی خاص واقعہ ہوئے بغیر میں خط لکھنا ضروری نہیں سمجھتا۔ بعض اوقات لوگ میری ہنسی اڑاتے ہیں اور مجھے بخیل سمجھتے ہیں۔ لیکن مجھے بخل کا الزام گوارا ہے۔ لیکن یہ فضول خرچ اور دردسر منظور نہیں۔ شاید شاردا بھی اس معاملہ میں میرا مقلد تھا۔ بہر نوع مجھے تین سال کے بعد شاردا کو خط لکھنے کا ایک سنہری موقع ہاتھ آیا۔ ان کی شادی ابھی تک نہ ہوئی تھی۔ پریم وتی تو طالبعلمی ہی کے زمانہ میں ان کی شادی کرنا چاہتی تھی مگر میں اب تک ٹالتا رہا تھا۔ مگر اب کوئی وجہ مانع نہ تھی۔

مہا دیو سنگھ سراٹھو کے مشہور رئیس تھے۔ مورثی جائداد بھی وافر تھی اور سرکار سے "رائے صاحب" کا خطاب ملا تھا۔ شاردا کی شادی کے لئے مہینوں تقاضہ کر رہے تھے جہیز میں کافی رقم ملنے کی امید تھی۔ میں نے زبان دیدی۔

ٹھاکر صاحب کو رخصت کرتے ہی میں قلم دوات لیکر خط لکھنے بیٹھ گیا۔ خط کس طرح شروع کروں۔ میں یہی سوچ رہا تھا کہ یکایک کمرہ میں کسی کے آنے کی آہٹ ہوئی۔ میں نے سر اٹھا کر دیکھا تو پربھا گود میں ننھا سا بچہ لئے ہوئے کھڑی تھی۔

مجھے قارون کی دولت مل گئی۔ سوچا۔ شاردا آئے ہوں گے اور خط نہ لکھنا پڑے گا۔ اس کا پالاگن قبول کرتے ہوئے میں نے کہا "آؤ بیٹی! یہ بچہ کس کا ہے؟"

"بھابی کا" بچہ کے رخساروں کا بوسہ لیتے ہوئے پربھا نے کہا۔

"کیا! بھابی کس کو کہتی ہے؟" میں نے بے ساختہ پوچھا۔

"ارے بالا بھابی اور کون" کہتے ہوئے پربھا نے بچہ کو چپکا لیا۔

یہ سن کر مجھے بہت تشویش ہو گئی۔ بات تو سمجھ میں آ گئی۔ کہ شاردا نے بالا سے شادی کر لی ہے اور درحقیقت میں بھی یہی چاہتا تھا۔ بلکہ ایک مرتبہ پریم وتی سے اس کا ذکر بھی کیا تھا اس نے مجھے اس کا یہی جواب دیا کہ تم بھائی تو نہیں ہو گئے ہو جو اس کے بعد مجھے میں بات چیت کی ہمت ہی نہیں ہوئی کیونکہ گھریلو معاملات میں انہی کی بادشاہت

تھی میں نے ڈرتے ڈرتے پوچھا "شاردا کہاں ہے؟"

"وہ نہیں آئیں۔ انہوں نے ہم کو اور بالا کو بدلو کے ساتھ بھیج دیا ہے۔ خود ایک مہینہ کی چھٹی لیکر اس ہفتہ کے اخیر میں آئیں گے۔"

"بدلو اور بالا کہاں ہیں؟"

"بالا ماں کے پاس ہیں اور بدلو باہر کھڑا ہے۔"

"اچھا ماں کے پاس جاؤ۔"

پربھا اندر چلی گئی۔ میں فکر میں پڑ گیا۔ بظاہر حال تو میں ودھوا بیاہ کا بڑا حامی تھا اور دوسرے لوگوں کی بدھواؤں کے ساتھ شادی ہوتے دیکھ کر بہت خوش ہوتا تھا۔ لیکن خود اس میدان میں قدم رکھنے کی ہمت نہ تھی۔ کوئی کپڑا پہن کر کھانا نہ تھا کہ کھانے لگے اور ریفارمر مشہور ہو گئے۔ اس کے لئے قربانی اور جان نثاری کی ضرورت تھی۔

پریم وتی کا ڈر تھا۔ گھر میں جاؤں یا نہ جاؤں۔ میں اسی پس وپیش میں تھا کہ بدلو نے کمرے میں آ کر سلام کیا۔

"بدلو! بچہ کی شادی کب ہوئی؟ اور یہ لڑکا کب پیدا ہوا؟" میں نے پوچھا۔

"سرکار ہوا کوئی اڑھائی برس۔"

"سرکار ہم نوکر چاکر یہ کا جانیں۔ صاحب ایک خط آپ کے واسطے دین ہیں۔" یہ کہہ کر بدلو نے جیب سے ایک لفافہ نکال کر میرے سامنے رکھ دیا۔ اسے کھول کر دیکھا لکھا تھا:

"پتا جی! ولایت میں نہ میں نے ماس کھایا نہ شراب چھوئی۔ آئی سی۔ ایس ہونے پر بھی طرز معاشرت میں کسی طرح کی تبدیلی کرنا میں نے وضعداری کے خلاف سمجھا مگر شادی کے معاملہ میں ولایت کی ضرور نقل کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے کہا تھا شاردا اپنی شادی خود کریگا۔ اس لئے میں نے اپنی شادی کر لی۔ کس سے؟ یہ بتانے کی ضرورت نہیں آپ خود جان جائیں گے مجھے یہی شادی پسند آئی۔ خواہ آپ اسے انگریزی تعلیم کی برکت کہیں خواہ میری نالائقی سمجھیں۔ لیکن اس بارے میں ہمارے شاستر وید میرے موافق ہیں۔ ہاں مجھ سے ایک قصور ضرور ہوا ہے، کہ مجھے آپ کو اطلاع دینی چاہئے تھی۔ لیکن جب پسند کا معاملہ ہے تو پھر کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں۔ آپ خود اپنے دل سے پوچھیں اگر میں آپ کو آگاہ کر دیتا تو کیا میں اپنی آرزو پوری کر سکتا۔ پھر بھی جو ہوا سو ہوا۔ اب معافی چاہتا ہوں۔ بچوں کی غلطیاں نظر انداز کرنا ماں باپ کا فرض ہے۔ ہو سکا تو اسی ہفتہ کے اخیر میں ایک مہینہ کی چھٹی لے کر آؤں گا۔ فقط" شاردا۔

شاردا نے میرے حسب منشاء کام کیا تھا۔ مجھے خوش ہونا چاہئے تھا لیکن میری عجیب حالت ہو رہی تھی۔ ماتھے پر پسینہ آ گیا تھا۔ پریم وتی کے خوف سے گھر جانے کی ہمت نہ ہوتی تھی۔ دن بھر تو ٹالتا رہا۔ مگر شام کے کھانے کے لئے اندر جانا پڑا۔ پریم وتی بالا کو سخت سست سنا رہی تھی۔ میرے پہنچتے ہی آنکھیں نکال کر بولی "اور ولایت بھیجو۔ مفت سے رٹ رہی تھی کہ شادی کر دو۔ شادی کر دو اگر کر دی ہوتی تو آج یہ نوبت نہ آتی۔ میں نے اسی دن کہا تھا کہ چاہے پربھا بیٹھی رہ جائے۔ مگر بالا کو نہ جانے دوں گی تب نہیں مانا۔ اب برادری کو کیا منہ دکھاؤ گے؟"

بالا سر نیچا کئے زہر کے گھونٹ پی رہی تھی۔ پربھا رو رہی تھی جیوں تیوں آدھا پیٹ کھا کر میں باہر نکل آیا۔

اس دن سے میرا یہی معمول ہو گیا کہ دن بھر الو کی طرح چھپا رہتا۔ شام کو کھانے کے لئے اندر جاتا۔ آدھا پیٹ پریم وتی کے لعن طعن سے بھر جاتا۔ آدھے پیٹ کھا کر نکل آتا۔ بالا پر جو کچھ گذرتی تھی اسے اس کا دل جانتا ہوگا۔ لیکن اس نے چوں تک نہ کی۔ شاید یہ اس کے صبر اور تحمل کی آخری آزمائش تھی۔ میرا گھر اس کے لئے غمکدہ تھا گھر میں مہری کی برابر بھی بالا کی عزت نہ تھی وہ کوئی چیز چھو نہ سکتی تھی۔

ایک دن ڈرتے ڈرتے بیچاری نے میرے پاؤں پکڑ کے کہا "آخر اس میں میرا کیا قصور ہے؟" اتنے میں پریم وتی بڑبڑاتی ہوئی نکل آئی "خبردار ہم کو مت چھونا۔ وہی پاپی آئے تو اسے چھونا خبردار!" بالا کیا کرتی دل مسوس کر رہ گئی۔ مجھے بڑا شاق گذرا آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ پریم وتی سے کہا "لاؤ بالا سے جو کچھ کہو گی وہ برداشت کرے گی۔ لیکن شاردا سے کچھ نہ کہنا وہ........"

پریم وتی جل گئی، بات کاٹ کر بولی "واہ رے تم اور شاردا۔ اُن کو تو میں نے صاف صاف لکھ دیا ہے کہ تمہارے آنے کی ضرورت نہیں شرم ہو تو چلو بھر پانی میں ڈوب مریں۔"

میرا دماغ پراگندہ تھا۔ پریم وتی کہتی جا رہی تھی لیکن مجھے کچھ سنائی نہ دیتا تھا۔ ناچار باہر نکل آیا۔ اس کے ڈر سے میں بالا کے ساتھ ہمدردی بھی ظاہر نہ کر سکا۔ اگر پریم وتی کی مرضی کے خلاف کچھ بولتا تو وہ کچا ہی کھا جاتی سر اجلاس ہزاروں پر میرا رعب تھا لیکن بیوی پر رعب جمانا آسان بات نہ تھی۔

بالا نازوں کی پالی ہوئی تھی۔ مگر خدا معلوم کیسی اس قدر برداشت

کی طاقت کہاں سے آگئی۔ پریم وتی کی زبان تیر کی طرح چلتی تھی مگر بالا نے اپنا جگر پتھر کا بنا لیا تھا جب کبھی پتھر سے چنگاریاں نکلتیں تو آنسوؤں کی بارش انہیں فوراً بجھا دیتی۔

(۴)

ہفتہ کا آخری دن تھا سارا کنبہ شاردا کی راہ دیکھ رہا تھا۔ کوئی سخت سست سنانے کے لئے بکوئی معاف کرنے کے لئے کوئی دل کا بخار نکالنے کے لئے چاروں طرف خاموشی طاری تھی۔

پٹنہ سے آنے والی آخری گاڑی نکل گئی۔ سڑکیں آدمیوں سے بھر گئیں موٹروں کے ہارن نے کان کے پردے اڑا دیئے مگر میری موٹر دکھلائی نہ دی فکر و تشویش نے دل میں ایک تلاطم سا برپا کر رکھا تھا اور دل خود بخود بیٹھا جاتا تھا گویا ہونے والی بات پہلے ہی کھٹکنے لگی ہے۔

موٹر دکھلائی دی۔ لیکن خوش ہونے کے بجائے دل بیٹھنے لگا۔ ایک روز اسی موٹر کو دیکھ کر میں پھولا نہ سماتا تھا۔ لیکن آج اُس سے ڈر معلوم ہوتا تھا وہ مجسم موت کی طرح تیزی سے بڑھی آرہی تھی باہر کھڑے رہنے کی ہمت نہ ہوئی تو بچوں کی طرح گھر میں گھس گیا۔

بدلو کا بھائی سدھو ہاتھ میں ایک لفافہ لئے کھڑا تھا۔ پاس ہی تھوڑی دور پر بالا بیٹھی تھی۔ اُس کا بچہ زمین پر لیٹا ہوا تھا۔ آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے پرلی نالہ آنے والے تھے معلوم نہیں کیوں نہ آسکے۔

سدھو نے لفافہ میری طرف بڑھایا میں نے ڈر کے مارے ہاتھ سمیٹ لیا اور وہ زمین پر گر پڑا۔ دل کڑا کر کے میں نے اُسے اٹھایا پھاڑ کر پڑھا اور ایسا پڑھا جو آج تک نہیں بھولتا۔ آہ خط کیا تھا موت کا پروانہ تھا "سمجھ لیجئے میں نہیں ہوں اگر ماتاجی میرا منہ نہیں دیکھنا چاہتیں تو میں دکھلانا بھی نہیں چاہتا۔ مگر بالا کا جی نہ دکھنے پائے۔ وہ بے کس بے قصور ہے۔ بس رخصت اور ہمیشہ کے لئے رخصت شاردا۔"

میرے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ سر چکرانے لگا۔ پھر کیا ہوا مجھے معلوم نہیں ہاں تھوڑی دیر کے بعد ہوش آنے پر معلوم ہوا۔ بالا میرا پاؤں پکڑے کہہ رہی تھی "ہائے ہم ابلاؤں کا دنیا میں کوئی نہیں۔ ہماری قسمت میں کوفت اور جلن کے سوا کچھ نہیں ہوتا خیر میں بھی وہیں جارہی ہوں جہاں ظالم آسمان کا کوئی قابو نہیں۔ آپ میرے لئے غم نہ کریں۔"

میرے پاؤں چھوڑ کر بالا آگے بڑھی۔ بچہ گود سے الگ تھا ماں کو جاتے دیکھ کر رونے لگا۔ وہ بجلی کی طرح بچے پر ٹوٹ پڑی اسے چھاتی سے لگا کر کہنے لگی: بیٹا میں تمہیں کس پر چھوڑ جاؤں۔ میں جانتی ہوں لوگ تمہیں جس نام سے پکاریں گے تمہیں تم کو بھی اپنے ساتھ ہی لے چلوں گی۔ پریم وتی بالکل ساکت تھی۔ ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی میں پتھر کی مورت بنا کھڑا تھا۔ بالا گود میں بچہ لئے اٹھ کے چلی جارہی تھی۔

وہ باغیچے کے پھاٹک تک پہنچی۔ ہم میں سے کوئی اُس کی دلجوئی کے لئے نہ تھا۔ ہماری بے اتفاقی نے نرگس کا دل پگھلا دیا۔ اُس نے عشق پیچاں کو آنکھ مار کے قریب تھا وہ ہاتھ بڑھا کر اُسے پکڑے مگر ہوا نے اس کو بھی روک دیا۔ کہا جاتا ہے وہ اُسے "شانتی کی گود میں جانے دو" افسوس چمن کے پودے غمخواری کے لئے تیار تھے۔ لیکن ہم انسان خاموش۔

(۵)

بادلوں کی تاجپوشی کا جشن تھا۔ اندر نے پانی برسا کر آسمان کے اطلسی فرش کو صاف ستھرا بنا دیا تھا۔ مدبرانِ فلک نے ہوا کو پنکھا جھلنے کا حکم دے رکھا تھا قمریاں مبارکبادی کی نوبتیں بجا رہی تھیں۔

پانچ بجے ہماری نظروں سے بچکر مشاطۂ قدرت کے سبز مند ہاتھوں نے شاہزادوں کو ارغوانی پوشاک پہنائی۔ ساری زمین زعفران کا کھیت بن گئی۔ بالا چلی جارہی تھی۔ دور سے میں نے دیکھا اُس کی ساری کیسری رنگ کی ہوگئی تھی۔ مجھے ہوش آگیا۔ آسمان پر نہ تو بادلوں کی تاجپوشی تھی۔ نہ کوئی جشن تھا بلکہ بالا ستی ہونے جارہی تھی۔ کیسری رنگ کی ساری زیب تن کئے۔ ہاتھ میں شانتی کی تلوار لئے بہادر راجپوت عورتوں کی طرح وہ دربار ابد میں رسوم قدیمہ کے خلاف دو دعوؤں کا استغاثہ دائر کرنے جارہی تھی۔ ہم مجبور تھے۔ لیکن قدرت نے جوہر کے سارے سامان اُس کے لئے مہیا کر دیئے تھے۔

شاردا کو میں کھو چکا تھا۔ اب بڑھاپے کی آخری امید بالا کی اکلوتی سنتان کو بھی کھونے والا تھا۔ مجھ سے نہ رہا گیا۔ پاگلوں کی طرح چیختا ہوا بالا کے قدم چومنے کے لئے دوڑا۔ لیکن میں گر پڑا اور بے ہوش ہوگیا۔

بزمِ سخن

کوئی گیت سنا دے

آ ہیتم کوئی گیت سنا — دھیمے سروں میں میٹھا میٹھا
جو ہوتے ہوئے اڑنے لگے — اور اڑتے اڑتے مڑنے لگے
مڑتے ہوئے ایک پھریری سے — اور عرش کو جا کر چوم آئے
معصوم ستاروں سے کھیلے — اور داد فرشتوں سے لے لے
پھر اور کچھ اوپر چڑھ جائے — سدرہ سے بھی آگے بڑھ جائے
اک لہر سی بن کر بہہ جائے — اک گونج سی باقی رہ جائے
بربط کے تار پھڑکتے رہیں — دل دونوں جہاں کے دھڑکتے رہیں

آ ہیتم کوئی گیت سنا
آ میرے رنج و غم کو گھٹا

(از جناب ایم۔اے اختر انصاری اکبرآبادی جرنلسٹ)

لمعاتِ راغب

ترے جلووں کا مرکز ہے زمانہ — حیات افروز ہے تیرا فسانہ
زبانِ شمع سے سن لے زمانہ — مری سوزِ محبت کا فسانہ
دکھائی دے رہا ہے ہر طرف تو — نظر ہے یا کوئی آئینہ خانہ
تصور میں ترے قدموں پہ سر ہے — یہ اندازِ جنونِ والہانہ
جگا یا میری شامِ آرزو نے — ہلا کر صبحِ خوابیدہ کا شانہ
حریمِ حسن کے پردے اٹھا دے — ترا مشتاق ہے سارا زمانہ
ترے ہر نقشِ پا کا یہ تصرف — ملا اک اک قدم پر آستانہ
تجھے تڑپا نہ دے تو میرا ذمہ — ذرا سن تو سہی میرا فسانہ

یہ کس کے ناوکِ الفت نے راغبؔ
بنا رکھا ہے دل میرا نشانہ

(از جناب راغب ہاشمی۔ برہانپوری)

کرم فرما گئے

آئے بالیں پر جھلک دکھلا گئے — دل کو میرے اور بھی تڑپا گئے
دیکھ کر مجھ کو اکیلا ہجر میں — دردِ دل نے دی صدا ہم آ گئے
ناز سے شوخی سے اٹھلاتے ہوئے — بام پر آ کر مجھے تڑپا گئے
ہچکیاں کیوں آ رہی ہیں بار بار — کیا انہیں بھولے سے ہم یاد آ گئے
آرزوئے دل بیاں کرتا میں کیا — دیکھتے ہی وہ مجھے شرما گئے
خواب میں بھی جن کا آنا تھا محال — آج وہ پہلو میں میرے آ گئے

اب شکایت ہے نہ شکوہ آرزوؔ
آج مجھ پر وہ کرم فرما گئے

(از جناب فضل الدین صاحب آرزو شیدائی)

حقیقتِ عبادت

[illegible]

جنہیں ہم اے فلک ناکامی سمجھتے ہیں محبت میں
وہی آنسو متاعِ کامیابی ہیں حقیقت میں
تمہاری اس کرم فرمائی کا ممنون ہوں لیکن
مجھے معلوم ہے جو کچھ لکھا ہے میری قسمت میں
عبادت ہی نہیں، در اصل مقصودِ عبادت ہیں
وہ گھڑیاں جو گذر جاتی ہیں احساسِ محبت میں
مرے سجدوں کے ٹھکرانے سے تم ٹھوکر نہ کھا جاؤ
وقارِ حسن شامل ہے مرے سجدوں کی عظمت میں
تسلسل ٹوٹ جاتا ہے۔ اگر تیرے تصور کا
کیا کرتا ہوں دل سے گفتگو فرطِ محبت میں
محبت ہی سبب ہوتی ہے میری ہر مصیبت کا
محبت ہی مری غمخوار ہوتی ہے مصیبت میں
گوارا دل کو ہوتی کس طرح تلخیٔ محبت کی
نہ ہوتا حسن بھی شامل اگر دردِ محبت میں
سکون و بیقراری سب محبت کے کرشمے ہیں
محبت جذب ہو کر رہ گئی ہے دل کی فطرت میں
محبت کے نہ مٹنے کا ثبوت جاوداں ہو کر
مٹائے جا رہا ہوں اپنی ہستی کو محبت میں
مری بربادیوں ہی پر فقط قادر نہیں ہو تم
مری آبادیاں بھی ہیں تمہارے دستِ قدرت میں
مرے ناکام اشکوں کے تبسّم کی قسم اے درد
جھلکتی ہے ابھی امید میری چشمِ حسرت میں

حسنِ تخیل

[illegible]

جان اپنی دے کے عشق کا سودا کرے کوئی
سب کچھ لٹا کے تیری تمنا کرے کوئی
آہیں کرے نہ ہجر کا شکوا کرے کوئی
اچھا تمہیں بتاؤ کہ پھر کیا کرے کوئی
سامانِ انقلاب مہیا کرے کوئی
دل ہے تو دل میں درد بھی پیدا کرے کوئی
دل جب رضائے دوست پہ قربان ہو چکا
اب کیا رہا کہ شکوۂ بے جا کرے کوئی
صبر آزمائیوں کی کوئی انتہا بھی ہے
کب تک ترے فراق میں تڑپا کرے کوئی
وہ اٹھ گئے ہیں اور میں محوِ نیاز ہوں
میری طرح سے عرضِ تمنا کرے کوئی
ہاں پردہ دارئ غمِ جانان ضرور ہے
خاموشیوں میں درد کا شکوا کرے کوئی
جھوٹی تسلیاں ہی تو برپا کریں گی حشر
کب تک امید وعدۂ فردا کرے کوئی
ورنہ کمالِ ذوقِ محبت سے دور تر
خود مٹ سکے تو عشق کا دعوےٰ کرے کوئی
میں چاہتا ہوں آئے نہ خودداریوں پہ حرف
وہ چاہتے ہیں پھر سے تمنا کرے کوئی
پیغام موت بن گئی اختر نگاہِ ناز
اب دل کو اس ادا سے نہ دیکھا کرے کوئی

منتخب غزلیں

(از جناب سید برکت علی صاحب گمنوی)

چشمِ دل کس کی اشکبار نہیں کون دنیا میں بے قرار نہیں
کل کا وعدہ نہ کیجئے ہنسکر! زندگی کا کچھ اعتبار نہیں
ہائے اُن کا یہ ناز سے کہنا۔ کچھ کہو ہم کو اعتبار نہیں!
تیری تصویر ہے مرے دل میں آنکھ اب وقفِ انتظار نہیں
کیا کروں ضبطِ غم نہیں ہوتا۔ کسی پہلو مجھے قرار نہیں
شدتِ غم سے رک گئے آنسو اب تو آنکھیں بھی اشکبار نہیں
شوق میں تو وہاں نہ جاؤں کبھی
کیا کروں دل پہ اختیار نہیں —

حسن انتخاب

(از جناب عبدالرحمن صاحب شباب ...)

چارہ گر شایانِ درماں دیکھ کر دیکھ کر اے چارہ گر، ہاں دیکھ کر!
رشک کے قابل ہے میری بے کسی روتے ہیں وہ مجھ کو گریاں دیکھکر
ہنس رہے ہیں زخم ہائے دل مرے دستِ قاتل میں نمکداں دیکھ کر
گرم شکوہ ہے دلِ مشکل پسند مشکلِ الفت کو آساں دیکھ کر
خوش نہ کیوں ہوں، ہوتے ہیں وہ شادماں میری بربادی کا ساماں دیکھ کر
یاد آتا ہے رخِ رنگین دوست ہجر میں مجھ کو گلستاں دیکھ کر
ان کی زلفیں دیکھ کر وحشت بڑھی چونک اٹھا خواب پریشاں دیکھ کر
یہ بھی تیرے عشق کا احسان ہے۔ مجھ کو چھانٹا اپنے شایاں دیکھ کر
جو کبھی عقاب نہیں ہے وہ شباب آپ رہ جائیں گے حیراں دیکھ کر

موسم سرمائی پُر کیف راتیں

وہ روئی کی دنیا میں حسن و محبت کی لنترانیاں، وہ جذبات کا شور رکنے والا طوفان، وہ لاکھوں امنگیں، اور لاکھوں ولولے یہ سب کچھ شباب آور کی شیشی میں بند ہیں جن غریبوں کی جوانی کمزوری کی دست جارحہ کی پامالی بن گئی ہے۔ جو اپنے بدن کی اصلی حرارت برباد کر کے جاڑے کے نام سے لرزتے ہیں جو لذتوں کے سر چشمے خشک ہو گئے ہیں اور جن کی زندگی موت سے بدتر ہو چکی ہے وہ آئیں اور معجون شباب آور کے کرشمے ملاحظہ فرمائیں۔ قیمتی مرکب جو شیں بہا اور خاص ترکیب سے ساتھ تیار کیا جاتا ہے۔ اُن کے مردہ قالب میں نئی روح پھونک دیگا۔ یہ آلات ہضم اور خون بنانے والے اعضاء کی اصلاح کر کے رگ نیا خون دوڑا دیگا۔ اعضائے رئیسہ کی کمزوری دور ہو جاتی ہے۔ پٹھوں میں از سر نو قوت آجاتی ہے۔ مادہ تولید کی پیدائش اور مادہ کی روز افزوں ترقی جذبات کو بیدار کر دیتی ہے۔ اور رفتہ رفتہ ایسی کایا پلٹ ہوتی ہے کہ چند روز میں انسان کچھ کا کچھ ہو جاتا ہے۔ معجون شباب آور ہماری مایہ ناز دوا ہے۔ بیشمار مایوس مریض اس کی بدولت دلشادمانی حاصل کر چکے ہیں آپ تن کو ہاتھ سے نہ جانے دیں اور فوراً اس کا استعمال شروع کر دیں۔ قیمت پانچ روپے نمونہ کی شیشی ایک روپیہ اگر آپ کو کچھ ہوئے فائدے نہ پہونچیں تو کہیئے کہ آپ جتنے ناموں سے ٹھگے گئے یاد ہو جا[illegible]



رسالہ ہمدرد نوجوان اور رسالہ ہمدرد صحت دواخانہ سے مفت طلب فرمائیے۔

ہمدرد دواخانہ لال کنواں دہلی

آپ چاہتے ہیں کہ

169391
25.1.96

رگوں میں نیا خون پیدا ہو۔ دماغ طاقتور ہو جائے۔ حافظہ قوی ہو۔ حواس ظاہری و باطنی تیز ہو جائیں۔ دل میں قوت فرحت اور شگفتگی محسوس ہو۔ جگر اور معدہ پر اپنا فعل انجام دینے لگیں۔ بھوک خوب معلوم ہو۔ غذا اچھی طرح ہضم ہو کر جزو بدن بنے۔ گردوں کی تمام خرابیاں دور ہو جائیں۔ چہرہ کی رونق اور بڑھ جائے۔ رنگ نکھر جائے۔ جوانی جاتی جاتی ٹھہر جائے۔ مادہ تولید بکثرت پیدا ہو۔ باہ کی کمزوریاں رفع ہو کر اعضائے تولید میں نئی روح نظر پیدا ہوں۔ دلولے عیش و نشاط کا تقاضا کریں۔ موسم سرما کی پُر کیف راتیں آپ کے لئے راحتوں اور لذتوں کی ایک نئی دنیا پیدا کر دیں۔ آپ ایک تندرست صحیح مضبوط اور چست و چالاک نوجوان کی طرح زندگی کے فرائض انجام دینے لگیں۔ اور آپ کا سراپا صحت و جوانی کا ایک مرقع بن جائے تو آپ کو آج ہی سے مشہور و مستند دواخانہ ہمدرد دہلی کا تیار کیا ہوا "مار اللحم ود آتشہ" استعمال کرنا چاہیئے۔ یہ مار اللحم جو بڑے اور بڑے صرف زر کے ساتھ صرف اسی دواخانہ میں تیار کیا جاتا ہے آپ کی زندگی میں انقلاب پیدا کر دے گا۔ اور توتوں کے آرزو مند ہیں۔ اُن کا یا پلٹ خوراک ہے کرنے لگیں گے۔

قیمت فی بوتل پانچ روپے۔ نمونہ فی شیشی ایک روپیہ چار آنہ



رسالہ ہمدرد نوجوان اور رسالہ ہمدرد صحت دواخانہ سے مفت طلب کریں۔

ہمدرد دواخانہ لال کنواں دہلی